سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرانے والے اور طوفانوں سے الجھنے والے وحشی نوجوان کی داستان

اباقہ

دوم

طاہر جاوید مُغل

PDFBOOKSFREE.PK

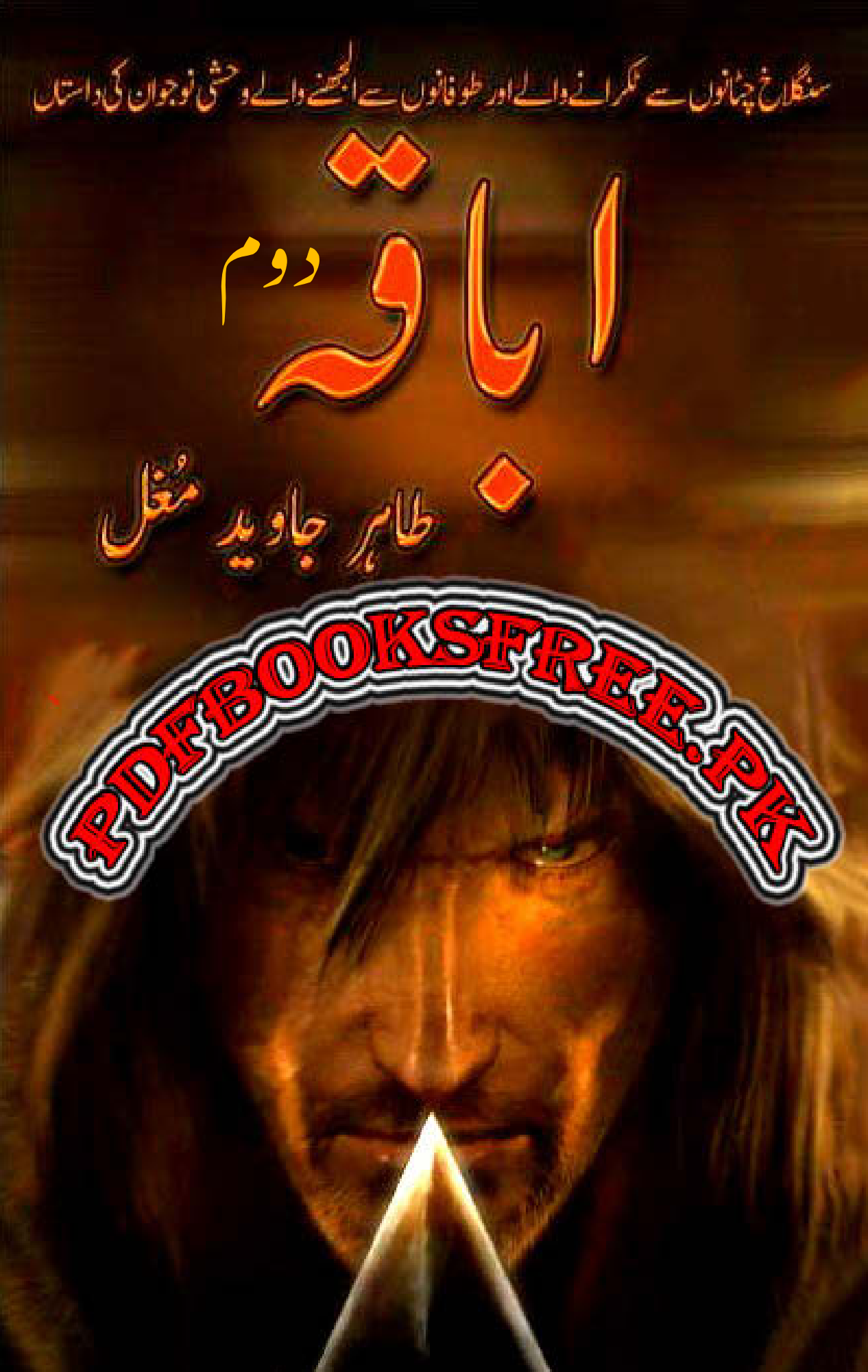

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرانے والے اور طوفانوں سے الجھنے والے وحشی نوجوان کی داستان

اباقہ

دوم

PDFBOOKSFREE.PK

طاہر جاوید مغل

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰-عزیز مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون ۷۲۴۷۴۱۴

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار اوّل ——— ۲۰۰۲ء
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— مغل کمپوزنگ سنٹر، لاہور
قیمت ——— ۲۵۰ روپے

ابھی وہ وادی کے داخلی راستے سے دور تھے کہ سلطان کو اپنے پیچھے اباقہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں عریاں تلوار تھی جس پر ابھی تک خون چمک رہا تھا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ فوجی مستقر پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ راجی خاتون کا پیغام ملتے ہی بہت سے سپاہیوں نے مزاحمت ترک کر دی۔ لڑائی جاری رکھنے والوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ اس نے بتایا کہ فوجی مستقر سے وہ سیدھا نیلے پہاڑ پہنچا تھا وہاں سے اسے معلوم ہوا کہ سلطان معظم، شیخ نجدی کے تعاقب میں گئے ہیں وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ان کے پیچھے آیا ہے۔ سلطان نے کہا۔ "میرا خیال ہے اباقہ! تمہیں یہیں وادی میں رہنا چاہیے۔"

"اباقہ بولا۔ "سلطان! جعفر داراب مارا جاچکا ہے۔ اس کے وفادار دوستوں کو کچل دیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے حالات راجی خاتون کے مکمل قابو میں ہیں۔ پھر یورق اور سلیمان وغیرہ بھی اس کی مدد کے لیے موجود ہیں۔"

سلطان کی خاموشی نیم رضا مندی کا اظہار تھی۔ اباقہ نے دل ہی دل میں اس خاموشی کے برقرار رہنے کی دعا مانگی اور سلطان کی ہمرکابی میں سفر شروع کر دیا۔ ان کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ مشرق جہاں سے دھیرے دھیرے رات کی تاریکی نمودار ہو رہی تھی۔ آج یہ تاریکی کچھ زیادہ ہی گھمبیر لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ ایک سیاہ شخص اس طرف گیا تھا۔ وہ سیاہ شخص جس کے جلو میں تاریکیوں کا ٹڈی دل تھا اور جس کی ہستی عالم اسلام کے لیے ایک طویل اور تاریک رات سے کم نہیں تھی۔ وادی میں جعفر داراب کا تختہ الٹے تین چار روز گزر چکے تھے۔ راجی خاتون نے نیلے پہاڑ سے نکل کر مکمل امن و سکون بحال کر لیا تھا۔ اب وہ صحیح معنوں میں یہاں کی فرمانروا تھی۔ اس نے یورق اور سلیمان کی بہت عزت افزائی کی تھی۔ آخر وہ سلطان جلال اور اباقہ کے ساتھی تھے۔ سلطان جلال اور اباقہ کا ابھی کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ راجی خاتون سردار یورق کو ایک دستے کے ساتھ سلطان اور اباقہ کی تلاش میں بھیجنے کا سوچ رہی تھی۔ خاص طور پر وہ اباقہ کے بارے بہت فکر مند تھی۔ وادی میں کسی کو بھی ٹھیک طرح معلوم نہیں تھا کہ اباقہ، سلطان جلال کے ساتھ گیا ہے یا نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظر جعفر داراب کی رہائش گاہ کا تھا۔ جعفر کی موت کے بعد یہ رہائش گاہ اب راجی خاتون کے استعمال میں تھی۔ وہ ایک منقش چوبی تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی تھی۔ خوبصورت کنیزیں مور پنکھ لیے اس کی اطراف میں کھڑی تھیں۔ جس تخت پر راجی خاتون بیٹھی تھی اس کے چاروں طرف ایک باریک ریشمی کپڑے کے پردے لٹک رہے تھے۔ فی الوقت یہ پردے سمٹے ہوئے تھے۔ جب دربان نے آکر بتایا کہ طوطم خاں' ملکہ عالیہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے' تو راجی خاتون نے یہ پردے چاروں طرف گھنگھرو دیے۔ باریک کپڑوں میں سے اس کا حسن کسی شمع کی لو کی طرح جھلک رہا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد طوطم خاں جھک کر آداب بجاتا اندر داخل ہوا اور راجی خاتون کے سامنے ایک پُر تکلف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ملکہ عالیہ!" طوطم خاں بولا۔

راجی خاتون نے تعمیل کا حکم دیا۔ سب باہر چلے گئے صرف گونگی بہری دو کنیزیں اس کی اطراف میں کھڑی رہ گئیں۔ طوطم خاں نے کہا۔ "ملکہ عالیہ! اگر میں آپ کی نجی زندگی کے متعلق کچھ کہوں تو یہ جسارت قابل معافی ہو گی؟"

راجی خاتون نے طوطم خاں سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کی روشن آنکھیں طوطم خاں کی پیشانی پر مرکوز تھیں اور چہرے ایک پُر اسرار سنجیدگی طاری تھی۔ طوطم خاں بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ آخر راجی خاتون کی آواز ابھری۔ "اے مغول تُو نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے۔ تُو نیلے پہاڑ کے اندر صرف ایک محافظ تھا لیکن میں تیرے کانوں کے نشان اپنی خوابگاہ کی دیواروں پر دیکھ رہی ہوں۔"

طوطم خان کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔ راجی خاتون بولی۔

"یہ ٹھیک ہے طوطم خاں کہ میرے دل میں اباقہ کے لیے ہمدردی ہے۔ میں اسے پسند کرتی ہوں..... ہاں اب بتا تُو کیا کہنا چاہتا ہے۔ کیا تجویز لایا ہے تُو؟"

طوطم خاں لرزاں آواز میں بولا۔ "ملکہ! آپ کی روحانی قوتوں کے بارے بہت کچھ سنا تھا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ کو..... آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

راجی خاتون کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ابھرے۔ وہ بولی۔ "اب اس بات کا ذکر کر کے مجھے اپنی سزا یاد نہ دلواؤ۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

طوطم خاں چند لمحے حواس درست کرنے کے بعد بولا۔ "خاتون معظم! اباقہ ایک ایسی عورت کے پیچھے ہے جو چنگیز خاں کے بیٹے چغتائی کی بیوی ہے۔ اس عورت نے اباقہ کو بری

طرح دام میں پھنسا رکھا ہے۔ اگر اس عورت کو اباقہ کے راستے سے ہٹا دیا جائے تو اباقہ کی زندگی آسان اور خوبصورت ہو سکتی ہے۔"

راجی خاتون بولی۔ "طوطم خاں! تم سیدھی طرح یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم خود بھی اس عورت کے عشق میں گرفتار ہو۔"

طوطم خاں بولا۔ "ملکہ! آپ کی فراست سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ میں خود بھی آپ سے واشگاف بات کرنا چاہتا ہوں آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے۔ غلام کی تجویز میں آپ کو بھلائی نظر آئے گی۔ اگر پھر بھی آپ کو میری نیک نیتی پر شبہ ہو تو جو سزا چاہے دیجیے گا۔"

راجی خاتون بولی۔ "کہو طوطم خان۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔"

راجی خاتون کے لہجے کی نرمی سے طوطم خاں کا حوصلہ بڑھا اور وہ بولا۔ "ملکہ عالیہ وہ عورت ایک دوسری عورت کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے آپ کی تحویل میں ہے۔ آپ اس کے ساتھ میری شادی کرا دیجیے۔ میں اسے لے کر یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں گا۔ اباقہ واپسی پر پریشان ضرور ہو گا' لیکن جب اسے آپ جیسی مہربان ہستی کی رفاقت نصیب ہوئی تو چند ہی روز میں سب کچھ بھول جائے گا....."

راجی خاتون کی کشادہ پیشانی پر دھیرے دھیرے سوچ کی لکیریں ابھر رہی تھیں عین اس وقت کالے پہاڑوں کی وادی "دہ طور وغرہ علاقہ" سے کوسوں دور "یور لادہ" کے قریب زور دار جھڑپ ہو رہی تھی۔ سلطان جلال اور اباقہ نے بالآخر شیخ نجدی اور اس کے ساتھیوں کا سراغ پا لیا تھا۔ وہ تعداد میں کوئی سو افراد تھے اور سب کے سب مسلح۔ سلطان اور اباقہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں تعاقب کا علم ہو' لیکن ایک ہموار میدان میں یہ راز' راز نہ رہ سکا اور اب دونوں طرف سے زبردست تیراندازی ہو رہی تھی۔ سلطان اور اباقہ اپنے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ نسبتاً بلندی پر تھے اور مقابل سپاہیوں کی نظر سے چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اتنی مہارت سے تیراندازی کی تھی کہ شیخ نجدی اور اس کے ساتھیوں کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کے مقابل کم از کم پچاس ساٹھ آدمی ہیں۔ اس وقت شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ جب سلطان اور اباقہ کو اندازہ ہوا کہ دشمن کی طرف سے تیراندازی میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ سلطان کی ہدایت پر اباقہ نے ایک ٹیلے سے نشیب کا جائزہ لیا اور صورت حال اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ قریباً ساٹھ آدمیوں کا ایک جتھہ تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جنوب مشرق کی طرف نکل رہا تھا۔ اباقہ کے لیے بات کی تہہ تک پہنچنا دشوار ثابت نہیں ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ شیخ نجدی نے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیراندازوں کو ان کا راستہ روکنے کے لیے یہاں چھوڑ دیا ہے اور خود باقی ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو رہا ہے۔

اس نے سلطان جلال الدین کو ساری بات بتائی تو وہ بھی فکر مند نظر آنے لگا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ مدمقابل تیرانداز انہیں تعاقب جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے ..... ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ شیخ نجدی والی چال چلی جاتی۔ ایک یا دو آدمی خاموشی کے ساتھ کلاوا کاٹ کر شیخ کے تعاقب میں روانہ ہو جاتے اور باقی تیراندازی جاری رکھتے۔ اس کام میں خطرہ تو تھا' لیکن شیخ نجدی کی روپوشی اس سے کہیں ..... کہیں زیادہ خطرناک تھی۔ سلطان اور اباقہ کے درمیان مشورہ ہوا اور اباقہ سلطان جلال کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب رہا کہ وہ تنہا شیخ نجدی کا تعاقب کرتا ہے۔ سلطان نے اسے ضروری ہدایات دیں۔ اباقہ نے اپنا گھوڑا کھولا اور حتی الامکان احتیاط سے ٹیلوں کے درمیان چلنے لگا۔ خوش قسمتی سے اس کی احتیاط بار آور رہی اور وہ مقابل تیراندازوں کی نظر میں آئے بغیر شیخ نجدی کے تعاقب میں لگ گیا۔ وہ رات کی تاریکی میں اس سرنگ نما درے سے گزرے جسے "آگ کا راستہ" کہا جاتا تھا۔ یہاں سے گزر کر انہوں نے جنوب مشرق کی سمت سفر جاری رکھا۔ چند کوس آگے عام راستے سے ہٹ کر ایک دشوار گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ آگ روشن کر کے خورد و نوش کا انتظام کیا گیا اور اہل قافلہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ ان سے کوئی نصف کوس دور اباقہ نے بھی اپنے گھوڑے کے چرمی تھیلے سے راشن نکال کر کھایا۔ چند گھونٹ پانی کے لیے اور دن بھر کے تپے ہوئے پتھروں پر لیٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں شیخ نجدی کا سرخ و سپید چہرہ گھوم رہا تھا اور ذہن اس تک پہنچنے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو سورج اپنا ایک چوتھائی سفر طے کر چکا تھا۔ دھوپ کی تپش اور حرارت میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اباقہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا مگر یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ شیخ نجدی کا پڑاؤ ابھی تک موجود ہے۔ شاید وہ لوگ بھی اسی طرح تھک کر سو رہے تھے۔ اباقہ اب ان کی نقل و حرکت دیکھ سکتا تھا۔ ان کے خود اور آہنی ہتھیار دھوپ میں چمک رہے تھے۔ کچھ گھوڑے چارے کی تلاش میں منہ مارتے پڑاؤ سے کافی دور نکل آئے تھے۔ پڑاؤ میں ایک دو جگہ سے دھواں بھی برآمد ہو رہا تھا۔ اباقہ اپنی جگہ سے پڑاؤ کی نگرانی کرتا رہا۔ گرمی کی شدت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چٹانوں کے مختصر سائے بھی جلنے لگے۔ اباقہ نے اپنی چھاگل سے دو گھونٹ پانی کے پیے اور اس وقت اس نے دیکھا کہ سورج نصف نہار تک پہنچنے والا ہے۔ ایک اور جہنمی دوپہر قدم قدم ان کالی چٹانوں میں اتر رہی

تھی۔ دفعتاً ایک خیال سے اباقہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ وہ ان پچاس ساٹھ مسلح آدمیوں کے بیچ میں سے بھی شیخ نجدی کو اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے ..... ہاں وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

اباقہ نے اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہو کر بڑے اعتماد سے پڑاؤ کی طرف بڑھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ شیخ نجدی کے ہم سفروں میں کچھ افراد سادے لباس میں بھی ہیں۔ لو کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے سب نے چہروں پر پگڑیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اباقہ تیزی سے گھوڑا بھگاتا' پڑاؤ میں پہنچ گیا۔ شیخ نجدی کا اکلوتا خیمہ ایک چھوٹی سی چٹان پر ایستادہ تھا۔ اباقہ سیدھا اس کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے کہ اردگرد موجود باوردی سپاہی چوکنے ہوتے اباقہ اپنی تلوار سے خیمے کو چاک کرتا ہوا گھوڑے سمیت اندر داخل ہو گیا۔ گھوڑا زور سے ہنہنایا جیسے اپنے سوار کی اس دلیری پر وہ بھی خوش ہوا ہو۔ اباقہ کی نظر شیخ نجدی پر پڑی۔ وہ اپنے بدن کے گرد ایک بھیگی چادر لپیٹے' گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ دو عقیدت مند پنکھا ہلانے میں مصروف تھے۔ ان سب کی آنکھیں اباقہ کو دیکھ کر پھٹی رہ گئیں۔ کمال سرعت سے اباقہ نے جھک کر شیخ نجدی کا بازو پکڑا اور جیسے عقاب خرگوش کو اچک کر لے جاتا ہے' اباقہ شیخ نجدی کو اچک کر لے گیا۔ گھوڑے کو ایڑ لگی تو وہ ٹیلوں کے درمیان سرپٹ بھاگا۔ اس کے ساتھ ہی عقب میں ان گنت ناپیں گونجیں۔ دستہ سالاروں نے چیخ چیخ کر اپنے سپاہیوں کو آوازیں دیں اور کوئی پچاس عدد گھڑ سوار اباقہ کے پیچھے لپکے۔

جو کچھ اباقہ نے کرنا تھا وہ پہلے سے سوچ چکا تھا۔ اس نے اپنا گھوڑا سیدھا "آگ کے راستے" کی طرف بڑھایا۔ تعاقب کرنے والے ہر لحظہ قریب تر پہنچ رہے تھے۔ اباقہ اب ان کے تیروں کی زد میں آنے ہی والا تھا۔ اس کے اشارے پر گھوڑے نے آخری زور لگایا اور سرپٹ دوڑتا آگ کے راستے میں داخل ہو گیا۔ یہ عین دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت کوئی اس راستے پر چلنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر وہ اباقہ تھا۔ اس سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں تھی۔ کچھ آگے جا کر اباقہ ٹھہر گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس سرنگ نما راستے کے دہانے پر شیخ نجدی کے ساتھی کھڑے نظر آئے۔ وہ چلا چلا کر کچھ کہہ بھی رہے تھے۔ اباقہ جانتا تھا اب وہ اس کا پیچھا کرنے کی ہمت نہیں کر پائیں گے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ شیخ نجدی کو لے جا رہا تھا۔ اس نے اپنا منہ سر اچھی طرح لپیٹا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا ان مخصوص ساخت کی سرمئی چٹانوں کے درمیان سرپٹ دوڑنے لگا۔ زرد رنگ کے کیمیائی بخارات اس راستے پر دھند کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ یہ مہلک دھند بتدریج گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شدید تپش اور گھٹن جسم کو ہلکان کیے دے رہی تھی۔ شیخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نجدی بار بار چلا رہا تھا۔

"یو قوف شخص تُو خودکشی کر رہا ہے۔ ہم یہاں سے نہیں گزر سکیں گے۔" اباقہ نے جیسے اپنے کان اور آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ وہ حبس دم کا ماہر تھا۔ سانس سینے میں روکے وہ پوری رفتار سے گھوڑا بھگاتا چلا گیا۔

دوسری طرف۔ "آگ کے راستے" کے اس پار سلطان جلال محاصرہ کرنے والوں سے برسرِ پیکار تھا۔ اس کے آٹھ ساتھیوں میں سے چار علی الصبح شہید ہو گئے تھے۔

دوپہر سے پہلے ان کے تیر بھی ختم ہو گئے۔ محاصرہ کرنے والوں نے گھیرا تنگ کر دیا اور اس ٹیلے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگے جس پر سلطان جلال چار ساتھیوں کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔ پہلے تو سلطان جلال اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں سے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ پھر جب یہ بھی ممکن نہ رہا تو تلواریں سونت کر مردانہ وار باہر نکل آئے۔ دشمن سپاہیوں کی تعداد تقریباً بیس تھی' لیکن جب سلطان جلال اور اس کے ساتھیوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ان پر حملہ کیا تو وہ تتر بتر ہونے لگے۔ وہ تعداد میں کثیر ضرور تھے' لیکن انہیں وہ قیادت نصیب نہیں تھی جو سلطان کے چار سپاہیوں کے پاس تھی۔ سلطان کی سحر انگیز شخصیت نے ان چار افراد کو چار چٹانیں بنا دیا تھا۔

زبردست لڑائی ہوئی۔ پہلے ہی ہلے میں دشمن کے چھ سپاہی کھیت رہے۔ سلطان نے انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر دوسرا حملہ کیا اور اپنی برق پاش تلوار سے تین سپاہیوں کے سر اڑا دیے۔ عسکری صلاحیت کا یہ زبردست معیار مدمقابل سپاہیوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ انہیں کیا معلوم تھا قسمت انہیں گھیر کر شیر خوارزم کے سامنے لے آئی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹیلے کے چاروں جانب دشمن سپاہیوں کی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ صرف چار افراد جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ سلطان نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ سلطان کا ایک ساتھی شہید ہوا اور دوسرے کو شدید زخم آئے۔ اس وقت سلطان کی نگاہ جنوب مشرق کی طرف اٹھی۔ اس نے دیکھا کہ کوئی شخص کسی جانور یا انسان کو کندھے پر لادے بھاگا چلا آ رہا ہے۔ سلطان نے اس کی چال سے پہچان لیا وہ اباقہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا سر اور چہرہ مکمل طور پر ایک پگڑی میں چھپا ہوا تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ اس کے کندھے پر شیخ نجدی تھا.....

لیکن بڑی بُری حالت میں۔ اس کی داڑھی اور سر کے بیشتر بال جھلسے ہوئے تھے۔ سرخ و سپید چہرے پر جگہ جگہ آبلے نظر آ رہے تھے۔ ہاتھ اور پاؤں کی حالت بھی یہی تھی۔ اباقہ نے اسے نہایت نفرت سے سنگلاخ زمین پر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر وہ چونکے کہ شیخ کے جسم

میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ شاید وہ بے ہوش تھا۔

"تمہارا گھوڑا؟" سلطان نے اباقہ سے پوچھا۔

"وہ راستے میں مر گیا ہے سلطان۔" اباقہ ہانپتے ہوئے بولا۔ سلطان کی نظریں شیخ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ کھوئی ہوئی آواز میں بولا۔

"میری خواہش تھی نجدی ..... کہ جب تُو میرے سامنے آتا تو تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور تیرے پیچھے ایک لشکر تُو مجھ سے مقابلہ کرتا پھر تُو مجھے مار دیتا یا میں تجھے' لیکن تُو ایسی ذلیل اور مجبور حالت میں میرے پاس پہنچا ہے کہ زمین سے سر بھی نہیں اٹھا سکتا ..... بہرحال میرے لیے یہ سعادت کچھ کم نہیں کہ میں اپنے ہاتھ سے تیرے نجس وجود کو ختم کروں۔" سلطان نے ہاتھ بڑھایا۔ اباقہ نے ایک سپاہی کا گرا ہوا نیزا سلطان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سلطان نے نیزا دونوں ہاتھوں میں تھاما اور پوری طاقت سے نجدی کے دل کے مقام پر پیوست کر دیا۔ یکایک نجدی نے آنکھیں کھول دیں۔ کسی درندے جیسی بھوری آنکھیں خوفناک انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ شیخ کا جسم زور سے مچلنے لگا۔ آنکھیں ابھی تک سلطان جلال پر مرکوز تھیں' لیکن پھر دھیرے دھیرے وہ پتھرانے لگیں اور آخر بے نور ہو گئیں۔ ان گنت بدکاروں کا پشت پناہ' ان گنت نیک ہستیوں کا قاتل۔ ان گنت عصمتوں کا لٹیرا' شیطان کا پیرو کار' فیروز الدین عرف شیخ نجدی عبرتناک حالت میں مردہ پڑا تھا۔ اباقہ نے اس کا سر کاٹ کر نشانی کے طور پر ایک تھیلے میں رکھ لیا اور اس کا جلا کٹا جسم چیل کوؤں کے لیے چھوڑ دیا ..... فوراً بعد اباقہ اور سلطان جلال اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ واپس "کالے پہاڑوں" کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆------☆------☆

راجی خاتون نے سلیمان' مارینا اور سردار یورق سے فرداً فرداً ملاقاتیں کیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے طوطم خان کو بلایا اور بتایا کہ وہ مارینا سے اس کی شادی کر دے گی۔ طوطم خاں کا سیروں خون بڑھ گیا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ وہ مارینا کو لے کر یہاں سے چلا جائے گا اور کبھی واپس نہیں آئے گا۔ طے یہ پایا کہ یہ شادی مسلمانوں کے رسم و رواج کے مطابق ہو گی۔ راجی' خاتون نے طوطم خاں کو تیاری کا حکم دیا۔ طوطم خاں لمبے چوڑے تکلفات میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن راجی خاتون کا حکم ٹالنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ تیسرے روز اس نے راجی خاتون کی خدمت میں حاضر ہو کر تیاریوں کی تکمیل کا دعویٰ کیا۔ راجی خاتون نے کہا' مارینا شاہی مہمان ہے۔ اس کی رخصتی میرے ہاں سے ہو گی۔ اس لیے یہ رسم بھی اچھے طریقے سے انجام پانی چاہیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے طوطم خان کی تیاری کو نامکمل قرار دیا۔ طوطم خاں ایک بار پھر ضروری اشیاء کی فراہمی میں جت گیا۔ اس کو سب سے زیادہ خطرہ سلطان جلال اور اباقہ کی طرف سے تھا۔ وہ کسی بھی وقت وادی میں واپس پہنچ سکتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں راجی خاتون کو کوسنے دے رہا تھا کہ اس کے تکلفات کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں عجیب شکوک سر اٹھانے لگتے تھے۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ایک روز وہ ریشمی کپڑے "جز" اور "شیریں ہاف" کے نہایت اعلیٰ قسم کے تھان لے کر راجی خاتون کے پاس پہنچا تو سامنے ہی سلطان جلال اور اباقہ بیٹھے تھے۔ راجی خاتون اور قاضی القضبات عمادالدین بھی وہیں موجود تھے۔ قاضی عمادالدین کوئی معمولی قاضی نہیں تھا۔ خلیفہ المسلمین کے حکم سے وہ ایک عرصہ نجف کا قاضی رہا تھا۔ بعدازاں اس کے خلاف کچھ بدخواہوں نے سازش کی اور وہ خلیفہ کے عتاب سے بچنے کے لیے روپوش ہو گیا۔ اس طرح وہ ایک مفرور ملزم تھا' لیکن کالی وادی میں اس کی حیثیت قاضی ہی کی تھی۔ راجی خاتون سمیت وہ چاروں کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ طوطم خان نے آداب پیش کیا اور ذرا ہٹ کر مؤدب بیٹھ گیا۔ راجی خاتون بولی۔

"طوطم خاں! ہم یہاں ایک مسئلے پر غور کر رہے ہیں ..... کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو حبس بے جا میں رکھ کر بزور طاقت قسم کھانے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر وہ قسم نہ کھائے تو اس کی جان جاتی ہے۔ تو اس قسم کی اسلامی نقطہ نگاہ سے کیا حیثیت ہو گی ..... تم بتاؤ منگول معاشرے میں ایسی قسم یا حلف کو کیا سمجھا جاتا ہے؟"

طوطم خان کو راجی خاتون کا یہ سوال کچھ عجیب اور بے موقعہ سا لگا۔ اس نے غور کیا اور ایکدم اس کے پسینے چھوٹنے لگے۔ آخر وہ گھاگ سفارت کار تھا۔ سمجھ گیا کہ راجی خاتون کا اشارہ کس طرف ہے۔ اس کا مطلب تھا' ماریتا نے راجی خاتون کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور بولا۔ "قسم تو قسم ہوتی ہے ملکہ عالیہ۔ اگر کوئی بالغ مرد یا عورت بقائمی ہوش وحواس قسم کھاتا ہے' تو اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے....."

یکایک راجی خاتون کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ رعب دار آواز میں بولی۔ "تُو جھوٹ بولتا ہے منگول۔ میں نے جو سوال پوچھا ہے تو نے اس کا جواب دیانت داری سے نہیں دیا۔" پھر اس نے تالی بجائی۔ ایک غلام ادب سے اندر داخل ہوا۔ راجی خاتون بولی۔ "جاؤ' نویان کو حاضر کرو۔" غلام واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک عمر رسیدہ منگول کو لیے حاضر ہوا۔ منگول نے جھک کر سلام کیا۔ راجی خاتون بولی۔

"نویان! تُو یہ بتا کہ اگر کسی کو جبر سے قسم کھانے پر مجبور کیا جائے اور اس سے کسی بات کا عہد لیا جائے تو منگولوں میں اس عہد کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔"

بوڑھے نے اپنی داڑھی کھجائی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو سکیڑ کر بولا۔ "ملکہ عالیہ! چنگیز خان کے قانون "یاسا" کی رو سے زبردستی کرنے والا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ میں جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں وہاں اگر کوئی کسی سے زبردستی عہد لیتا تھا تو اسے اس عہد سے آزاد کرایا جاتا تھا۔ یہ ثابت ہونے پر کہ عہد زبردستی لیا گیا ہے' عہد لینے والے پر زبردستی کی جاتی تھی اور اسے مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ دوسرے شخص کو عہد سے آزاد کر دے۔"

راجی خاتون بولی۔ "میں کچھ مزید تفصیل جاننا چاہتی ہوں۔"

بوڑھا منگول بولا۔ "ہمارے ہاں مجرم کو چت زمین پر لٹا دیا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں چاروں طرف رسیوں سے باندھ دیے جاتے ہیں۔ پھر اس کے سینے پر لوہے یا پتھر کی گرم سل رکھی جاتی ہے۔ جب یہ سل اٹھائی جاتی ہے تو اس کے سینے کا گوشت بھی ساتھ ہی اُدھڑا چلا آتا ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں شخص کو اپنے عہد سے آزاد کر دے۔ اگر وہ نہیں مانتا تو اس کے زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی جاتی ہے۔ یہ تمام عمل بار بار دہرایا جاتا ہے یہاں تک کہ مجرم مان جاتا ہے یا مر جاتا ہے۔"

"بہت خوب۔" راجی خاتون بولی۔ "طوطم خان! تمہارے ہم قوم نے تمہیں تمہارے مستقبل کا بہت اچھا نقشہ دکھایا ہے۔" طوطم خان کا رنگ پیلا پڑنے لگا۔ راجی خاتون نے کہا۔ "اگر اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ماریتا کو اس عہد سے آزاد کر دو کہ وہ شادی کرے گی تو تم سے۔ اپنی زبان سے اقرار کرو کہ تم نے اسے اس عہد سے آزاد کیا۔"

طوطم خاں کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔

"جواب دو۔" راجی خاتون گرج کر بولی۔

طوطم خان نے کہا۔ "ملکہ! آپ نے تو مجھے شادی کی تیاریوں کا حکم دیا تھا۔"

راجی خاتون بولی۔ "یہ شادی ضرور ہو گی لیکن تم سے نہیں ..... اباقہ سے۔"

اس دفعہ اباقہ کے حیران ہونے کی باری تھی۔ وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ راجی خاتون کے تاثرات کہہ رہے تھے کہ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہی۔ اس نے سلطان جلال کی طرف دیکھا۔ وہاں سے ایک دھیمی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ اباقہ کو لگا کہ زمین آسمان اس کی نظروں میں گھوم رہے ہیں۔

☆=====☆=====☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند ہی روز میں حالات کیا سے کیا ہو گئے۔ ان دنوں میں جو مختلف واقعات پیش آئے ان میں سے دو اہم ترین تھے۔ پہلا یہ کہ سلطان جلال اور راجی خاتون کی کوششوں سے مارینا اس شادی پر رضامند ہو گئی اور دوسرا یہ کہ راجی خاتون نے اس شادی کو ایک عظیم الشان جشن کی صورت دینے کا فیصلہ کیا۔ کالے پہاڑوں کی وادی میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کئی قیدیوں کی سزائیں معاف ہو گئیں اور کئی مجرموں کی خطائیں بخش دی گئیں۔ ان مجرموں میں جعفر وارب کے بیسیوں ساتھی بھی تھے۔ جنہیں چوراہوں میں پھانسی پر لٹکایا جانا تھا..... مگر اس جشن مسرت کے پیش نظر انہیں بھی معاف کر دیا گیا۔ پوری وادی میں آجائے دو افراد ایسے تھے جنہیں اس شادی کی خوشی نہ تھی۔ ایک تو ظاہر ہے طوطم خاں رہا ہوگا۔ عذاب کے خوف سے اس نے مارینا کو اپنے قول سے آزاد ضرور کر دیا تھا لیکن دل سے وہ اس پری چہرہ کو کیونکر بھلا سکتا تھا۔ اس شادی کا دوسرا مخالف سردار یورق تھا۔ اس کی تخنتی دل پر ابھی تک قراقرم کے شمان (جادوگر) کی پیشین گوئی درج تھی۔ اس نے کہا تھا یہ عورت اباقہ کی زندگی میں نہیں آسکتی صرف اس کی زندگی برباد کر سکتی ہے۔ شادی کی تیاریاں دیکھ کر کبھی کبھی یورق کا دل بجھ سا جاتا تھا۔ شادی کا دن قریب آیا تو سلطان نے ایک اور فیصلہ کیا۔ اس نے کہا کہ سلیمان اور نبیلہ کی شادی بھی ساتھ ہی ہوگی۔ جشن کی خوشیوں میں ایک اور مسرت کا اضافہ ہو گیا اس روز اباقہ چھپا چھپا مارینا کو دیکھنے کے لیے مہمان خانے جا پہنچا۔ وہ اندر داخل ہوا تو مارینا اور نبیلہ ایک تخت پر بیٹھی سلائی کڑھائی میں مصروف تھیں۔ اباقہ کو دیکھ کر مارینا جھٹکی پھر اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی پھیلتی گئی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ نبیلہ نے اباقہ کو دیکھا تو اٹھ کر بولی۔

"آیئے بھائی جان! ..... آپ کہیں بھول تو نہیں گئے۔ جہاں تک بندی کا خیال ہے آج چاند کی بارہ تاریخ ہے۔ ابھی تین روز باقی ہیں آپ کی آمد میں۔"

اباقہ مسکرایا اور بولا۔ "میں تو یونہی چلا آیا تھا۔"

نبیلہ آنکھ نچا کر بولی۔ "اچھا تو آپ یونہی چلے آئے تھے۔ ٹھیک ہے آپ یونہی بیٹھئے۔ میں خادمہ بھیج کر مروانے سے سلطان معظم کو بلواتی ہوں۔ ان سے بیٹھ کر گپ شپ کیجئے گا۔"

اباقہ بوکھلا کر بولا۔ "یہ غضب نہ کرنا۔ میں ان کے پاس سے ہی تو آرہا ہوں۔"

"پھر کیا چاہیے جناب کو۔" نبیلہ مصنوعی لاپرواہی سے بولی۔

اباقہ بولا۔ "تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو۔ کئی دنوں کے بعد آج یہاں تک پہنچنے کا

وقع ملا ہے۔ کیا یونہی واپس چلا جاؤں؟"

نبیلہ زور سے سر ہلا کر بولی۔ "سمجھ گئی۔ آپا سے ملنا چاہتے ہیں آپ..... لیکن اگر کوئی اوپر سے آگیا تو مصیبت پڑ جائے گی۔ لڑکیاں اور کنیزیں ساتھ والے کمرے میں بیٹھی مندی بنا رہی ہیں۔"

اباقہ نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "ایسے موقعوں پر ہی تو اپنے کام آتے ہیں۔ تم کسی کو اس طرف نہ آنے دینا۔ بس میں یوں آیا۔" وہ چٹکی بجا کر بولا۔ نبیلہ نے شوخ نظروں سے اباقہ کا مسکین چہرہ دیکھا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "ٹھیک ہے بس آنا جانا کیجئے۔"

اباقہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف بڑھا جدھر مارینا گئی تھی۔ وہ ایک مخملیں پردے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ صرف اس کا بازو اور چہرے کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ کانچ کی طرح پھلکی چوڑیاں اس کی نازک کلائی پر بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ اباقہ اس کے پاس پہنچ کر بولا۔

"مارینا ..... تم خوش ہو نا۔"

مارینا نے پلکیں جھکا لیں۔ پلکوں کی یہ جنبش' اباقہ کو زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے رہی تھی۔ یہ جنبش ایک بہت بڑا اقرار بھی تھی اور اعتبار بھی۔ اباقہ مسحور نظروں سے مارینا کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "مارینا! اگر تمہارے دل میں کسی طرح کی الجھن ہو تو مجھے بتا دو۔ مجھے تمہاری خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔"

مارینا نظروں کو جھکائے جھکائے بولی۔ "بس اب آپ جایئے نا۔ جو کچھ کہنا ہے نبیلہ سے کہہ دیجئے۔ میں سن لوں گی۔"

اس کے حسین چہرے پر شفق کھلی ہوئی تھی۔ اباقہ جھوم اٹھا۔ پہلی بار مارینا نے اسے 'آپ' کہا تھا۔ تکریم کا یہ لفظ اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔ اس نے سرشار ہو کر مارینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور بولا۔

"تمہارے بغیر سال گزرے' لیکن اب یہ دو روز گزارنے مجھے مشکل ہو رہے ہیں۔ کب وہ گھڑی آئے گی جب ہم دونوں کے درمیان کوئی نہ ہوگا....."

دفعتاً کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ بغلی دروازوں سے کوئی ڈیڑھ درجن لڑکیاں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی اندر گھس آئیں۔ ان میں نبیلہ سب سے آگے تھی۔ اباقہ کے ساتھ تھ مارینا بھی بوکھلا کر رہ گئی۔ نبیلہ نے اپنی ہنسی روکی اور اباقہ کے سامنے پہنچ کر بولی۔

"توبہ یا اللہ ..... توبہ یا اللہ کتنے جھوٹے ہیں آپ۔ کہتے تھے یوں آؤں گا۔ چٹکی تے۔ میں تو چٹکیاں بجاتے بجاتے تھک گئی ..... اور یہاں ابھی لیلیٰ مجنوں کا پہلا باب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے یہ قاصد معروف شہر ریازان کے کنیناؤں (رئیسوں) کے پاس پہنچے یہ ایک عورت اور دو مرد تھے۔ عورت بدشکل تھی اور اس کی چال ڈھال مردوں والی تھی۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جادو گرنی تھی۔ ان قاصدوں نے شہر کے رؤسا کو سوبدائی بہادر کا پیغام دیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ہر چیز کا دسواں حصہ بطور خراج دو۔ دس فیصد آدمی۔ دس فیصد رئیس' دس فیصد عورتیں' دس فیصد گھوڑے۔ ہر چیز کا ایک عشر۔ ہمارے خاقان کے سامنے سرجھکا دیے جائیں اور اس کی اطاعت اختیار کی جائے۔"

شہر کے رئیسوں کو جب معلوم ہوا کہ منگول قاصد اپنے گستاخانہ پیغام کے ساتھ آئے ہیں تو انہوں نے انہیں ریازان شہر کی فصیل کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ باہر جا کر ان سے ملاقات کی اور انہیں کہا کہ جب تک اس فصیل کے اندر ایک شخص بھی زندہ ہے تم شہر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے ..... ہاں جب ہم ختم ہو جائیں گے تو ہر شے تمہاری ملکیت ہو جائے گی۔ منگول قاصدوں نے یہ جواب سن کر بڑے بڑے منہ بنائے اور واپس لوٹ گئے۔

روسیوں پر اب یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وحشی منگول کسی بھی وقت ان پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ شہر کے تمام رئیس اور صاحب الرائے افراد سر جوڑ کر بیٹھے۔ اردگرد کے حاکموں سے مدد کی درخواست کے لیے قاصد دوڑائے گئے۔ ریازان کا رئیس اعظم ایک زیرک اور دوراندیش شخص تھا۔ وہ جانتا تھا روس کا طول و عرض منگولوں کے سیلاب بے اماں کی زد میں آنے والا ہے۔ انہیں روکنے کے لیے صرف بہادری ہی نہیں حکمت عملی کی ضرورت بھی ہو گی۔ اس نے نہایت غور و خوض کے بعد اپنے مشیروں کے سامنے ایک منصوبہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں منگولوں کی جنگی حکمت عملی سے آگاہ ہونے کے لیے ایسے جنگجو افراد کی خدمات حاصل کرنا چاہئیں جو منگولوں کے ساتھ رہ کر لڑ چکے ہوں لیکن اب دل و جان سے ان کے دشمن ہوں۔ منگولوں کے اہم باغی سردار بھی ہمارے لیے گراں قدر ثابت ہو سکتے ہیں۔

رئیس اعظم کی اس تجویز پر خوب غور و خوض کیا گیا اور بالآخر اسے قابل عمل جانا گیا۔ ایک پڑھے منگول سردار کی مدد سے جو قراقرم کا معتوب ہو کر ریازان میں پناہ گزین تھا کچھ افراد کی ایک فہرست تیار کی گئی۔ اس فہرست کو ایک خفیہ دستاویز کی شکل دے کر ایک نہایت ہوشیار روسی سالار کے حوالے کیا گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ یہ افراد جہاں جہاں اور جس حالت میں بھی ہوں ان سے رابطہ قائم کیا جائے اور انہیں فرداً فرداً روس کے رؤسا کا یہ پیغام پہنچایا جائے۔ روسی سالار مائیکل کو دی جانے والی اس فہرست میں ایک

نام "سردار یورق" اور ایک نام "سردار اباقہ" بھی تھا۔

☆------☆------☆

ناقابل فراموش حادثے کے بعد اباقہ کو وادی سے گم ہوئے پانچ ہفتے گزر گئے تو سردار یورق اور سلیمان نے واپسی کے بارے سوچنا شروع کیا۔ گمان غالب یہی تھا کہ اباقہ نے عراق کا رخ کیا ہو گا۔ سلطان کی جان سے کھیلنے والے بغداد سے آئے تھے اور اب بغداد ہی اباقہ کی منزل ہو سکتا تھا۔ سفر کی تیاری کرنے کے بعد ایک روز سردار یورق نے راجی خاتون سے واپسی کی اجازت مانگی۔ راجی خاتون انہیں وادی میں روکنا چاہتی تھی' لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس جنم زار میں مستقل طور پر رہنا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں۔ آخر کچھ پس و پیش کے بعد اس نے انہیں اجازت دے دی ..... اسی رات ایک المناک واقعہ پیش آیا۔

وہ ایک تاریک رات تھی۔ نبیلہ اور مارینا شاہی مہمان خانے کے "زنانے" میں موجود تھیں۔ نبیلہ اور مارینا ایک ہی خواباگاہ میں سوتی تھیں۔ بلکہ عام طور پر وہ ایک ہی پلنگ پر سو رہتی تھیں۔ نبیلہ ڈاکوؤں اور قاتلوں کی اس بستی میں خاص طور پر بہت خوفزدہ نظر آتی تھی۔ اس رات بھی دونوں ایک دوسری کے پہلو میں لیٹی تھیں۔ دالان میں تین کنیزیں سو رہی تھیں۔ دروازے کے باہر چوب دار موجود تھا۔ دونوں خاموش لیٹی تھیں۔ ایک دوسرے کو بتا رہی تھیں کہ سو رہی ہیں۔ درحقیقت دونوں جاگ رہی تھیں۔ اپنی اپنی جگہ اس غم کو محسوس کر رہی تھیں جو سلطان جلال اور اباقہ انہیں دے گئے تھے .....

دفعتاً کمرے کی عقبی کھڑکی دھماکے سے کھلی اور دو نقاب پوش اندر گھس آئے۔ نبیلہ کی چیخ کے ساتھ ہی مارینا بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک نقاب پوش نے لپک کر نبیلہ کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری۔ وہ تیورا کر گری لیکن بے ہوش نہیں ہوئی۔ دونوں نقاب پوشوں نے اسے بے ہوش جان کر مارینا کو دبوچ لیا۔ مارینا نے دیوار پر آویزاں تلوار تک پہنچنے کی کوشش کی' لیکن ناکام رہی۔ ایک گرانڈیل نقاب پوش نے جھپٹ کر اسے کندھے پر ڈال لیا۔ نبیلہ چیخ کر اس نقاب پوش کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ دوسرے نقاب پوش نے اس کے سر پر ایک اور ضرب لگائی۔ نبیلہ دروازے تک اس کی ٹانگوں کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ پھر بے دم ہو کر گر پڑی۔ دالان میں تینوں کنیزیں دیوار سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ایک نقاب پوش ان کے سر پر ننگی تلوار لیے کھڑا تھا۔ مارینا کے منہ پر ایک نقاب پوش کا ہاتھ تھا۔ اس کی چیخیں سینے میں ہی گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ عین دروازے پر ایک بند گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ مارینا کو اس میں ڈال دیا گیا۔ گھوڑا گاڑی روانہ ہوئی اور چند ناہموار راستوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گزر کر ایک جگہ رک گئی۔ یہاں تین نقاب پوش گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔ مارینا کو گھوڑا گاڑی سے نکالا گیا اور ایک گھڑ سوار نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔ مارینا نے دیکھا وہ وادی سے باہر آ چکی تھی۔ اس کا منہ اب ایک کپڑے سے بند کر دیا گیا تھا تاہم اگر یہ بندش نہ بھی ہوتی تو یہاں اس کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔ گھوڑوں کو ایڑ لگی اور وہ سرپٹ دوڑنے لگے۔ کوئی چوتھائی منزل یہ سفر جاری رہا پھر ہانپتے ہوئے گھوڑے دشوار گزار ٹیلوں میں رک گئے۔ مارینا کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ ایک نقاب پوش نے دوسرے دو نقاب پوشوں کو پاس بلایا۔ پھر لباس میں سے ایک تھیلی نکال کر انہیں دی اور وہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ نقاب پوش نے مارینا کو گھوڑے سے اتارا اور دھکا دے کر اسے سنگلاخ زمین پر گرا دیا۔ اس نے نقاب ہٹائی وہ طوطم خاں تھا۔ اس کے چہرے پر سفاکی نظر آ رہی تھی۔ آنکھیں اندھیرے میں کسی درندے کی طرح روشن تھیں۔ وہ پھنکارا۔

"بدذات عورت میں نے ..... میں نے تجھ سے محبت کی۔ تجھے عزت دینا چاہی' تیرا احترام کیا' لیکن ..... لیکن تو نے ثابت کیا کہ تو اس عزت و احترام کے قابل نہ تھی' نہ ہی تو اس لائق تھی کہ تجھ سے محبت کی جاتی۔ تو نے اپنا عہد توڑا' اپنی قسم بھلائی اور اس جنگلی کے ساتھ شادی کو تیار ہو گئی' لیکن تقدیر نے پھر تجھے میرے بس میں دے دیا ہے۔"

مارینا کے چہرے پر خوف کے سائے تھے۔ وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "مجھے معاف کر دو طوطم خاں۔ میں ..... میں مجبور ہو گئی تھی۔ تمہیں تمہاری محبت کا واسطہ میری بات پر یقین کرو ....."

طوطم خان غرایا۔ "مت نام لو محبت کا۔ مجھے نفرت ہے تم سے شدید ترین نفرت۔"

مارینا نے بے بسی سے اردگرد دیکھا۔ چاروں طرف تاریکی تھی' گھمبیر تاریکی۔ ایسی ہی تاریکی مارینا کے ذہن پر بھی چھا رہی تھی۔ طوطم خاں وحشیانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مارینا التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "طوطم خاں میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

طوطم خاں چند قدم چل کر آگے آیا۔ مارینا کے سر پر پہنچ کر جھکا پھر اس کا بھرپور تھپڑ مارینا کے گال پر پڑا۔ رات کے سناٹے میں دور تک اس تھپڑ کی آواز گونجی۔ مارینا گھوم کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گہری تاریکی چھا رہی تھی۔ اس وقت اس کے ذہن کی دھند سے اباقہ کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس نے سوچا کیا یہ ممکن ہے کہ کہیں سے اباقہ گھوڑا

دوڑاتا ہوا آئے اور اسے اس عذاب سے بچا لے جائے ..... پھر سلطان جلال کی نورانی شبیہہ اس کی آنکھوں کے سامنے آئی۔ آہ سلطان جلال' اس نے بڑے درد کے ساتھ سوچا۔ آپ بھی مجھے بے آسرا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس تاریک ویرانے میں کون بچانے آئے گا مجھے' کوئی نہیں ..... ہاں کوئی نہیں۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ انسان کبھی نا امید نہیں ہوتا۔ بدترین حالات میں بھی اس کی آس بندھی رہتی ہے۔ وہ سوچتا ہے شاید یہ ہو جائے' شاید وہ ہو جائے۔ پھانسی پانے والا بھی اس وقت تک اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہوتا جب تک اس کے پاؤں کے نیچے سے تختہ نہیں نکلتا۔

چند لمحوں کے اندر اندر بے شمار خیالات مارینا کے ذہن سے گزر گئے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے سوچا' یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شاید طوطم خاں کو مجھ پر رحم آ جائے۔ شاید کوئی بھولا بھٹکا راہی اِدھر آ نکلے ..... شاید کوئی موذی جانور طوطم خاں کو ڈس لے ..... یا شاید کوئی پتھر لڑھک کر اس پر آ گرے لیکن کچھ نہیں ہوا۔ طوطم خاں کی وحشیانہ نظریں اس پر مرکوز رہیں۔ اس کے چہرے کی خباثت بڑھتی چلی گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مارینا کے بال مٹھی میں جکڑ لئے ..... پھر تاریکی سسک اٹھی۔ آسمان شبنم رونے لگا اور غم سے سنگلاخ زمین کا کلیجہ پھٹ گیا ..... دیر بعد جب طوطم خاں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تو مارینا اپنا سب کچھ لٹا چکی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں زمین پر پڑی تھی۔ طوطم خاں نے گھوڑے سے لٹکے ہوئے چرمی تھیلے سے ایک بوتل نکالی۔ شیشے کی یہ چھوٹی سی بوتل لے کر وہ مارینا کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کے ہیولے سے ایک کرخت آواز برآمد ہوئی اور ٹیلوں میں گونجتی چلی گئی۔ "بے وفا عورت' آج میں تیرے چہرے کو اتنا حسین بنا دوں گا کہ کوئی بھی اس کے حسن کی تاب نہ لا سکے گا۔ جدھر سے تو گزرے گی لوگ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیں گے۔" مارینا نے چیخنا چاہا لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو ہی خشک نہیں ہوئے تھے۔ چیخیں بھی اس کے حلق سے روٹھ گئی تھیں۔ وہ لرزاں پلکوں سے طوطم خاں کے ہاتھ میں دبی بوتل کی طرف دیکھتی رہی۔ طوطم خاں نے بوتل کا ڈھکن کھولا۔ وہ اس پر جھکا اور ایک سیال اچھل کر مارینا کے چہرے پر آ گرا ..... ہاں یہ تیزاب ہی تھا۔ مارینا کربناک انداز میں چیخی پھر درد سے بے تاب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ طوطم خاں کے قہقہے فلک شگاف تھے۔ ان قہقہوں کی جلن بھی تیزاب سے کچھ کم نہیں تھی۔ مارینا اپنے چہرے کا حشر دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے ..... ہاں وہ اپنی گردن سے لٹکتے ہوئے گوشت کے ٹکڑے دیکھ سکتی تھی۔ وہ جلے ہوئے بالوں کی بو بھی محسوس کر سکتی تھی۔ یہ شواہد اسے بتا رہے تھے کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک کریہہ عورت کا روپ دھار چکی ہے۔ اسے لگا جیسے آسمان پر چمکتے ستارے اس کی حالت پر مسکرا رہے ہیں۔ تاریک ٹیلے اس کی طرف پشت کئے کھڑے ہیں تاکہ ان کی نظر اس کے مکروہ چہرے پر نہ پڑ سکے۔ درد و کرب سے بے چین ہو کر مارینا نے اپنے ہونٹ دانتوں میں دبانے چاہے لیکن اسے معلوم ہوا کہ اب اس کے چہرے پر ہونٹ نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ اس کے سینے سے ایک پُردرد چیخ بلند ہوئی اور وہ دیوانہ وار ٹیلوں کی طرف بھاگ نکلی۔ ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی اباقہ جب اسے اس حالت میں دیکھے گا تو اس پر کیا گزرے گی۔ اس کے چہرے پر کیسی حیرت نظر آئے گی۔ پھر یہ حیرت ایک نفرت میں ڈھل جائے گی۔ نفرت جس میں ہلکا ہلکا خوف بھی شامل ہو گا۔ نفرت اور خوف کا یہ ملا جلا تاثر کس قدر اذیت ناک ہو گا۔ نہیں، کبھی نہیں۔ مارینا نے بھاگتے بھاگتے سوچا' میرے محبوب کے چہرے پر یہ تاثر کبھی نہیں آئے گا۔ میں اس کی نظروں میں ویسی ہی حسین رہوں گی جیسی کبھی تھی۔ وہ میرا یہ چہرہ کبھی نہیں دیکھے گا۔ میں زندگی کی سرحد پار کر جاؤں گی۔ زمین کی گہرائی میں چھپ جاؤں گی۔ پھر اس کے کانوں میں سلطان جلال کے الفاظ گونجے۔ "زندگی کیسی بھی ہو مارینا قدرت کا انمول عطیہ ہے۔" کسی وقت یہ الفاظ اُسے بہت پُرمعنی لگے تھے' سیدھے اس کے دل میں اُتر گئے تھے' لیکن آج ان الفاظ نے بھی اپنے اثر سے بچھڑ کر خودکشی کر لی تھی۔ آج یہ الفاظ مردہ محسوس ہو رہے تھے۔ مارینا اندھا دھند بھاگتی ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئی۔ دور نیچے ابھی تک طوطم خاں کے فاتحانہ قہقہے گونج رہے تھے۔ مارینا نے نیچے انجانی گہرائیوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی زبان پر "اباقہ" کا نام آیا اور وہ نشیب میں کود پڑی.....

ایک طویل چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلی ..... اور ایکا ایکی اس کی بند پلکوں پر روشنی نمودار ہوئی۔ کوئی دور سے اسے پکار رہا تھا۔ "کیا بات ہے مارینا..... کیا ہوا؟" پھر یہ دور کی آواز دھیرے دھیرے قریب آنے لگی اور جب بالکل قریب آ گئی تو مارینا نے محسوس کیا کہ وہ کسی بستر پر ہے۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ طوطم خاں ایک شمعدان لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ مارینا ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ سب سے پہلے اپنے چہرے پر گیا۔ چہرہ صحیح سلامت تھا۔ پلکیں ناک ہونٹ سب کچھ صحیح سلامت تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو لرزنے لگے۔ طوطم خاں گمبھیر آواز میں بولا۔ "میرا خیال ہے تُو نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔"

مارینا نے لرزاں آواز میں پوچھا۔ "میں کہاں ہوں طوطم اور یہاں کیسے آئی؟"

"تُو ..... ٹیلوں میں بے ہوش ہو گئی تھی۔" طوطم خاں نے بے رخی سے

جواب دیا۔ دفعتاً مارینا کو سب کچھ یاد آ گیا۔ طوطم خاں نے اسے گھوڑے سے اتار کر سنگلاخ زمین پر پھینکا تھا۔ پھر ان کے درمیان چند باتیں ہوئی تھیں اور طوطم خاں نے اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا کیا ہوا۔ مارینا کا ہاتھ بے اختیار اپنے گال کی طرف چلا گیا۔ اس کے ہونٹوں کے ایک کونے پر ابھی تک زخم کا چھوٹا سا نشان موجود تھا۔ یہ زخم اسی طمانچے کی نشانی تھا۔ مارینا کے سر میں ٹیس سی اٹھی۔ اس کا ہاتھ اپنے سر کی طرف گیا۔ ایک طرف نمایاں ابھار تھا۔ طمانچہ کھا کر شاید وہ پتھروں پر گری تھی اور اس کا سر کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔ اس نے بغور ارد گرد کا جائزہ لیا جسے اس نے پہلے پہل کمرہ سمجھا تھا وہ درحقیقت ایک غار تھا۔ اس کی دیواریں ہموار تھیں اور چھت کی بلندی قریباً ایک کمرے کے برابر تھی۔ وہ جس بستر پر پڑی تھی وہ پتھر کی ایک سل پر بچھایا گیا تھا۔ غار کے دہانے سے مدھم روشنی اندر آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا شام ہونے والی ہے۔ اس کا مطلب تھا وہ خاصی دیر بے ہوش رہی ہے۔ یہ علاقہ بھی کالے پہاڑوں کی وادی کا نہیں لگتا تھا۔

طوطم خاں کے گھوڑے سے لٹکے ہوئے دونوں چرمی تھیلے زمین پر پڑے تھے۔ اس میں سے بہت سی اشیاء نکال کر طوطم خاں نے اِدھر اُدھر رکھ چھوڑی تھیں۔ لگتا تھا اس کا ارادہ اس غار میں طویل قیام کا ہے۔ مارینا کے ہاتھ جو طوطم خاں نے اپنی موجودگی میں تھوڑی دیر کے لئے کھول دیئے تھے وہ انہیں دوبارہ باندھتے ہوئے بولا۔

"مارینا! گئے وقتوں میں لوگ اپنی عورتوں کو گلے میں زنجیر ڈال کر باندھ دیا کرتے تھے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مگر تمہارے یہ ہاتھ بھی آزاد نہیں رکھ سکتا۔ تمہیں اب میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ سمجھنا ہو گا۔ ہم انسانوں اور انسانی بستیوں سے بہت دور اسی غار میں رہیں گے۔ اب کبھی کوئی "اباقہ" ہمارے درمیان نہ آ پائے گا۔ مجھے یقین ہے ایک روز تمہارے دل میں میری محبت جاگے گی' ضرور جاگے گی۔"

ان چند فقروں میں طوطم خاں نے اپنے تمام ارادوں کا اظہار کر دیا تھا۔ مارینا نے طوطم خاں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "طوطم خاں! تم بہت ہوشیار ہو لیکن تم نے ہمیشہ غلط سوچا ہے ..... کاش' کاش تم ایک عورت کو سمجھ سکتے۔"

طوطم خاں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور گھوڑوں کو چارہ ڈالنے کے لئے باہر نکل گیا۔

☆======☆======☆

بغداد کے طول و عرض میں ہونے والے حفاظتی انتظامات کے بعد پُراسرار وارداتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے رک گیا۔ تین چار ہفتے گزرنے کے بعد نہ صرف لوگوں کے خوف و ہراس میں کمی واقع ہو گئی بلکہ مجرم کو گرفتار کرنے کے لئے جو تفتیشی عمل شروع کیا گیا تھا وہ بھی سرد پڑ گیا۔ قصر خلد کے علاقے میں بھی سراسیمگی کی فضا ختم ہو گئی۔ امراء رؤسا ایک دوسرے کے ہاں داد عیش دینے کے لئے پھر جمع ہونے لگے۔ رات گئے تک بہار رہنے والی شعر و سخن اور نغمہ و سرود کی محفلیں پھر جمنے لگیں۔ سر شام ہی امرا کے محلوں میں جو ویرانی چھا جاتی تھی' دور ہو گئی۔ بغداد جیسے مصروف اور پُرہنگام شہر میں کسی بھی کیفیت کو دوام نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ چند روز تک حالات جوں کے توں رہتے تو لوگ بھول بھی جاتے کہ کسی شخص نے خلافت عباسیہ کے مرکز میں گھس کر ہلچل مچائی تھی اور دربار خلافت سے وابستہ کئی اہم اور با اثر شخصیتوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بغداد کی ایک شام نہایت سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ دبے ہوئے تمام خدشات پھر جوان ہو کر دلوں میں آ سمائے' چہرے پھر رنگ بدلنے لگے۔ محلات کی پروہ پوش خلوتوں میں پھر ڈری ہوئی سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔

جس شام کا یہ ذکر ہے مسلم بن داؤد اپنے محسن اور وزیر خانہ ابن یاشر کے محل میں موجود تھا۔ ماریتا کی روانگی اور اباقہ کے روپوش ہونے کے بعد سے وہ ابھی تک یہیں تھا۔ ابن یاشر نے اس کے لئے اپنے وسیع محل کا ایک حصہ وقف کر دیا تھا۔ مسلم بن داؤد زیادہ تر وہیں رہتا تھا۔ محل کی چاردیواری میں اسے زندگی کی ہر آسائش میسر تھی۔ دو تین ماہ تو وہ محل کے اس گوشے سے باہر ہی نہیں نکلا تھا۔ پھر جب اباقہ کے بارے کوئی خبر نہیں آئی اور اسے یقین ہونے لگا کہ اباقہ بغداد میں موجود نہیں بلکہ شاید عراق میں بھی موجود نہیں تو اس کی رسی تھوڑی سی دراز ہوئی۔ وہ کبھی کبھی پرانے ملنے جلنے والوں کے ہاں جانے لگا۔ ایک دو بار دربار خلافت کا چکر بھی لگا لیکن وہ جہاں بھی جاتا تھا ایک عجیب طرح کا خوف اس کے سر پر سوار رہتا تھا۔ یہ خوف اسی وقت دور ہوتا تھا جب وہ محل کی چاردیواری میں محافظوں کے نرغے میں پہنچ جاتا تھا۔ اس شام بھی وہ اپنے خلوت کدے میں موجود تھا کہ وزیر خارجہ ابن یاشر کا خادم خاص تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔ اس نے قریب آ کر بتایا کہ آقائے آپ کو یاد کیا ہے۔ مسلم بن داؤد یاشر کی نشست گاہ میں پہنچا تو وہ بے چینی سے قالین پر ٹہل رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"مسلم بن داؤد تمہیں کچھ معلوم ہے ..... کچھ دیر پہلے امیر نصیر کو اس کے اہل خانہ سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔" داؤد نے سکتے کے عالم میں یہ خبر سنی۔ یاشر نے مزید کہا۔ "یہ واردات بھی اسی شخص نے کی ہے جو اس سے پہلے کئی افراد کے خون

سے ہاتھ رنگ چکا ہے۔ امیر نصیر آج اپنی بیوی بہن اور ایک خادم کے ساتھ دجلہ کی سیر کر رہا تھا۔ ان کا ڈونگا اس جانب نکل گیا جہاں ایک ماہ قبل مشہور تاجر احتشام الدین کا قتل ہوا تھا۔ ٹھیک اسی مقام پر کوئی شخص ان کے ڈونگے میں داخل ہوا۔ اس نے امیر نصیر کو بیوی اور بہن سمیت مار ڈالا۔ اس دوران خادم کو جو ڈونگے کے اگلے حصے میں بیٹھا تھا کچھ شک ہوا۔ اس نے آوازیں دے کر قریبی کشتیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر خود پانی میں چھلانگ لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد جب چند کشتیاں ڈونگے کے قریب پہنچیں تو وہاں مکمل سکون تھا۔ کچھ آدمی ہمت کر کے ڈونگے پر اترے۔ امیر نصیر کی بیوی اور بہن مردہ پڑی تھیں۔ ان کی گردنیں کٹی ہوئی تھیں۔ امیر نصیر شدید زخمی تھا۔ اسے فوراً بیمارستان پہنچا دیا گیا۔ جہاں اس کی حالت نازک ہے۔"

مسلم بن داؤد نے یہ ساری روئیداد نہایت پریشانی کے عالم میں سنی۔ اس کے چہرے پر عجیب عجیب رنگ آ رہے تھے۔ پھر وہ بے دم ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لرزاں آواز میں ابن یاشر سے کہنے لگا۔ "وزیر محترم! میرے دل میں کئی روز سے ایک شبہ ہے' آپ کی اطلاع کے بعد یہ شبہ اور قوی ہو گیا ہے۔ مجھے لگتا ہے....." یہاں تک کہہ کر مسلم بن داؤد کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس نے تھوک نگلا اور بولا۔ "مجھے شک ہے وزیر محترم! کہیں یہ شخص وہی خونی اباقہ تو نہیں؟"

ابن یاشر کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کچھ اور گہری ہو گئی۔ وہ بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو مسلم بن داؤد' امیر نصیر کے جس ملازم نے خوفزدہ ہو کر پانی میں چھلانگ لگائی تھی اس نے قاتل کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ لمبے بالوں اور عریاں بدن والا ایک جنگلی شخص ہے۔"

مسلم بن داؤد کا چہرہ بالکل دھواں دھواں ہو گیا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور کپکپاتی آواز میں بولا۔ "وزیر محترم ..... میں ..... میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔"

ابن یاشر نے تالی بجائی' ایک خادم اندر داخل ہوا۔ ابن یاشر نے اسے پانی لانے کا حکم دیا۔ پھر مسلم بن داؤد کی دھارس بندھانے کی کوشش کرنے لگا۔ بوڑھے کے سارے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ لگتا تھا اسے اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا ہے۔ اس کی حالت ابن یاشر کو بھی خوفزدہ کر رہی تھی۔ مسلم بن داؤد نے دو گھونٹ پانی پی لیا تو ابن یاشر نے خادموں کو حکم دیا کہ اسے اٹھا کر اس کی قیام گاہ میں لے جائیں۔ چار آدمیوں نے مسلم بن داؤد کو باہوں میں اٹھایا اور اسے ابن یاشر کی نشست گاہ سے باہر لے گئے۔

نماز مغرب کے بعد ابن یاشر' مسلم بن داؤد کی مزاج پرسی کے لئے پہنچا تو اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت بہتر پائی۔ وہ صحن پر بیٹھا ایک لمبی تسبیح پھیر رہا تھا۔ ابن یاشر کو دیکھ کر اس نے وظیفہ ختم کیا اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت حوض کے کنارے آ بیٹھا۔ کچھ دیر وہ اس نئی واردات کے بارے باتیں کرتے رہے۔ ابن یاشر نے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے بیمارستان سے اطلاع آئی ہے کہ امیر نصیر کو ہوش آگیا ہے۔ مسلم بن داؤد نے کہا۔

"وزیر محترم! اگر امیر نصیر کو ہوش آگیا ہے تو آپ کو اس سے ملاقات کی کوشش کرنی چاہئے۔ میری ناچیز رائے میں آپ کی یہ کوشش کسی اہم راز سے پردہ اٹھا سکتی ہے۔"

ابن یاشر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ واقعی بات قابل غور تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وزیر خارجہ ابن یاشر اپنی مخصوص بگھی میں محل سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کا رخ بیمارستان کی طرف تھا۔

جب وہ بیمارستان پہنچا تو ناظم شہر اور وزیر داخلہ عبدالرشید بھی وہیں موجود تھا ان کے علاوہ بھی کئی اعلیٰ عہدیدار وہاں موجود پائے گئے۔ سب کے چہروں پر ہراس پایا جاتا تھا۔ وزیر داخلہ عبدالرشید نے گلوگیر لہجے میں ابن یاشر کو بتایا کہ چند لمحے پہلے امیر نصیر انتقال کر گیا ہے۔ ابن یاشر کے ذہن میں جو سوال کلبلا رہا تھا وہ اس کے ہونٹوں پر آئے بغیر نہ رہا۔ اس نے کہا۔ "عبدالرشید' کیا امیر نصیر نے کوئی نزاعی بیان دیا ہے؟"

عبدالرشید نے اثبات میں سر ہلایا اور ابن یاشر کو ایک طرف آنے کو کہا۔ ناظم شہر بھی ان کے ساتھ ہی چلا آیا۔ وہ تینوں نہایت رازداری سے گفتگو کرنے لگے۔ وزیر داخلہ عبدالرشید نے کہا۔ "یہ نہایت اہم بیان ہے اور ہم تینوں کے علاوہ فی الحال کسی کو اس بارے علم نہیں اور نہ ہونا چاہئے۔ بیان یہ ہے کہ حملہ آور وہی نوجوان اباقہ ہے جس نے چند ماہ پہلے اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی وجہ سے بغداد کے لوگوں میں کافی شہرت حاصل کی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس نے سیف الدین کے مکان پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور ناظم اعلیٰ اور سیف الدین سمیت کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"ہاں..... ہاں مجھے سب معلوم ہے۔" ابن یاشر نے کہا۔

وزیر داخلہ بولا۔ "امیر نصیر نے اپنے بیان میں اس واردات کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا ہے کہ ڈونگے میں داخل ہوتے ہی مجرم نے پہلے اس کی بیوی اور بہن کو مار دیا کیونکہ انہوں نے شور مچانے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ نہایت درندگی سے اس پر جھپٹا اور اپنا خنجر اس کی گردن پر رکھ کر کہنے لگا کہ عبداللہ مشہدی کا پتہ بتاؤ۔ دہشت زدہ ہو کر اس نے عبداللہ مشہدی کا پتہ بتایا۔ اتنے میں ڈونگے کے اگلے حصے سے خادم نے شور مچا دیا۔ مجرم

نے امیر نصیر کی گردن پر خنجر کا وار کیا اور اسے تڑپتا چھوڑ کر پانی میں غوطہ لگا گیا۔"

وزیر خارجہ بولا۔ "یہ عبداللہ مشہدی کون ہے۔ نام کچھ سنا ہوا لگتا ہے۔"

وزیر داخلہ عبدالرشید نے بتایا۔ "عبداللہ مشہدی اسکیلی فرقے کا چھری بند فدائی تھا۔ بعد میں منحرف ہو گیا۔ اب وہ صرف ایک کرائے کا قاتل ہے۔ معقول معاوضہ دے کر اس سے کوئی کسی کا قتل بھی کرا سکتا ہے۔ اب تک کئی سو افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔"

وزیر خارجہ ابن یاشر بولا۔ "ہاں یاد آیا۔ یہ تو بہت خطرناک شخص ہے۔ آج کل وہ بغداد میں ہے؟"

ناظم شہر نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "بالکل جناب وہ شرقی جہت کے سلطانی محلے میں رہائش پذیر ہے۔" ناظم شہر چونکہ وزیر خارجہ اور وزیر داخلہ دونوں کے مقابلے میں کم عمر تھا اسی لئے خاصا دبا دبا لگ رہا تھا۔

وزیر خارجہ نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے عبدالرشید' مجرم عبداللہ مشہدی کو کیوں ڈھونڈ رہا ہے۔"

عبدالرشید نے کہا۔ "بخدا مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ ہو سکتا ہے مجرم کی اس سے کوئی ذاتی رنجش ہو۔"

وزیر خارجہ نے اسے تولنے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "عبدالرشید کہیں عبداللہ مشہدی کے رابطے دربار خلافت سے تو نہیں؟"

عبدالرشید بولا۔ "آپ کا مطلب ہے کہ حکومت نے مشہدی کو اباقہ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف استعمال کیا ہے۔ محترم وزیر! میرے خیال میں ایسا نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی ہے تو میرے علم میں یہ بات ہرگز نہیں۔ ہو سکتا ہے اعلیٰ سطح پر کوئی فیصلہ کیا گیا ہو۔"

وزیر خارجہ نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ "قاتل مشہدی کو ڈھونڈا جا رہا ہے اور مقتول امیر نصیر نے اسی کا پتہ بتا دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب وہ اُسی کی طرف رخ کرے گا....." بولتے بولتے ابن یاشر کا پھر ناظم سے کہنے لگا۔ "منصورا تم نے عبداللہ مشہدی کی حفاظت کا انتظام کیا ہے؟"

ناظم نے کہا۔ "ہاں جناب! میں نے امیر نصیر کے نزاعی بیان کے فوراً بعد چار سپاہیوں کو سادہ لباس میں عبداللہ مشہدی کے مکان پر تعینات کرا دیا ہے۔"

"کیا بات کر رہے ہو منصور۔" وزیر خارجہ ناظم پر گرجا۔ "چار آدمی اس درندے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہاں کم از کم بیس پچیس بغدادی سواروں کو بھیجو پھر شاید وہ اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ مزاحمت کر سکیں۔"

ناظم نے اثبات میں سرہلایا۔ وزیر خارجہ ابن یاشر کے چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔ ماریتا کی موت کا جو ڈھونگ رچایا گیا تھا اس میں مسلم بن داؤد اور وہ اہم کردار تھے۔ انہوں نے ہی ماریتا کو منگول سفیر طوطم خاں کی تحویل میں دیا تھا۔ اباقہ کے خلاف یہ ایک بہت بڑی سازش تھی۔ اگر اباقہ دوبارہ بغداد پہنچ چکا تھا تو ان کی جانوں کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ وزیر خارجہ نے ناظم سے پوچھا۔

"امیر نصیر کے زندہ بچ رہنے کا کن کن لوگوں کو پتہ ہے؟"

ناظم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ امیر نصیر تو............"

وزیر خارجہ بات کاٹ کر غصے سے بولا۔ "مجھے بھی پتہ ہے وہ مرگیا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ دجلہ پر کتنے لوگوں کو معلوم ہوا تھا کہ امیر نصیر قاتلانہ حملے میں فوری ہلاکت سے بچ گیا ہے؟"

ناظم نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ لاشیں ڈونگے سے نکالی گئیں تو امیر نصیر بھی مرا ہوا ہی دکھائی دیتا تھا۔ یہ بعد میں پتہ چلا کہ ابھی امیر کی نبضیں چل رہی ہیں۔"

وزیر خارجہ بولا۔ "یہ ٹھیک ہوا۔ اب ایک بات غور سے سن لو۔ کسی شخص کو یہ علم نہیں ہونا چاہئے کہ امیر نصیر موقع پر نہیں بیمارستان میں مرا ہے۔ نہ ہی اس کے نزاعی بیان کا کسی کو پتہ چلنا چاہئے۔ جن لوگوں کو ان باتوں کا علم ہے انہیں فوراً رازداری کا پابند کر دو۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا!"

ناظم ابھی بات کی تہہ تک نہیں پہنچا تھا۔ وزیر داخلہ عبدالرشید نے اس کی مدد کرتے ہوئے کہا۔ "وزیر محترم چاہتے ہیں کہ مجرم یہی سمجھتا رہے کہ اس کا راز راز ہے۔ یعنی امیر نصیر موقع پر ہلاک ہوا ہے اور اس نے کوئی نزاعی بیان نہیں دیا ورنہ وہ عبداللہ مشہدی کے ٹھکانے کا رخ نہیں کرے گا۔"

ناظم کو اپنی کم فہمی پر خفت سی ہو رہی تھی۔ اسی خفت کو مٹانے کے لئے وہ جلدی سے ایک جانب نکل گیا۔ وزیر داخلہ عبدالرشید نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں نے ان تمام وارداتوں پر غور کیا ہے۔ وزیر محترم! مجھے ایسا لگا ہے کہ مجرم یعنی اباقہ نے اب تک جتنے قتل کئے ہیں وہ صرف عبداللہ مشہدی تک پہنچنے کے لئے کئے ہیں۔ وہ مقتولین سے عبداللہ مشہدی کے بارے پوچھتا رہا ہے اور ان کی زبان ہمیشہ کے لئے خاموش کرتا رہا ہے۔ اس طرح قدم بہ قدم وہ مشہدی تک پہنچ گیا ہے۔ آج کے ان میں صرف ایک قتل

ایسا ہے جو اس تسلسل سے علیحدہ ہے اور وہ ہے امیر موسیٰ کا قتل لیکن ممکن ہے جس روز اس نے امیر موسیٰ کو قتل کیا اس روز بھی وہ امیر نصیر کو قتل کرنے آیا ہو کیونکہ اس روز امیر نصیر' امیر موسیٰ کا مہمان تھا۔"

وزیر خارجہ نے کہا۔ "کچھ بھی ہے عبدالرشید! مجھے بغداد کی فضا میں نئے ہنگاموں کی بو آ رہی ہے۔ ہمیں بہت محتاط رہنا چاہئے۔" پھر دونوں اس موضوع پر گفتگو کرتے آہستہ آہستہ اپنی بگھیوں کی طرف چل دیئے۔

☆------☆------☆

بغداد کے مضافات میں ال محمودیہ کی طرف دجلہ کے کنارے درختوں کا ایک جھنڈ اباقہ کا مسکن تھا۔ اس کے سینے میں ہروقت ایک آگ روشن رہتی تھی' آنکھیں انگاروں کی طرح جلتی رہتی تھیں۔ اس کے لبوں پر صرف ایک ہی نام تھا "عبداللہ مشہدی" وہ تصور ہی تصور میں سینکڑوں بار اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کی دھجیاں بکھیر چکا تھا اور آج .... آج سچ مچ وہ لمحہ قریب آنے والا تھا جب اباقہ اس موذی کے سینے پر چڑھ کر اس سے اپنے سلطان کے خون کا حساب لے سکتا تھا۔

رات کی تاریکی نے نشیب و فراز کو ایک کر دیا اور آسمان پر چمکنے والے نصف چاند کا عکس دجلہ کی لہروں پر مچلنے لگا تو اباقہ اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلا اور محتاط قدموں سے شہر کی طرف چل دیا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی دفعہ اپنے اکلوتے خنجر کے ساتھ اس راستے پر برہنہ پا چل چکا تھا۔ اس نے دجلہ کے کنارے گھات لگا کر تفریحی بجروں میں کئی قتل کئے تھے اور پھر پانی کے اندر ہی اندر تیرتا موقعۂ واردات سے دور چلا آیا تھا۔ اس نے شہر کے اندر گھس کر بھی کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا تھا............ لیکن آج اس کا خنجر اس گردن تک پہنچنے والا تھا جس سے ابلنے والے خون کی پیاس اباقہ کی نس نس میں رچی ہوئی تھی۔ آج وہ عبداللہ مشہدی کی طرف جا رہا تھا۔ جان توڑ کوشش کے بعد کل اسے امیر نصیر نامی شخص سے مشہدی کا پتہ معلوم ہو گیا تھا۔

ایک لنگوٹی کے سوا اباقہ کے جسم پر کچھ نہ تھا۔ اس نے جسم پر سیاہی مل رکھی تھی اور وہ تاریکی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے شکار کے قریب پہنچ کر درندے کے جسم میں چستی عود کر آتی ہے۔ اباقہ کے انداز میں بھی پھرتی آ گئی تھی۔ آنکھیں چراغوں کی طرح روشن تھیں۔ وہ بغداد کی شرقی جہت میں پہنچا اور پھر محتاط قدموں سے چوک ماموینہ کی طرف چل دیا۔ رات اب کافی گزر چکی تھی۔ گلی کوچوں کی رونق مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ ایک دو جگہ اباقہ کا آمنا سامنا مسلح سپاہیوں سے ہوا لیکن ایسے موقعوں پر کنی کتراتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے خوب آتا تھا۔ وہ کسی بھی شخص کی نظر میں آئے بغیر چوک مامونیہ کی طرف بڑھتا رہا۔ ایک تنگ سی گلی پار کر کے وہ سلطانی محلّہ میں آ گیا۔

یہ متوسط درجے کی آبادی تھی۔ اِکا دُکا ڈیوڑھیوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ آخر اباقہ کو مطلوبہ مکان مل گیا۔ دو منزلہ اس مکان کے محرابی دروازوں پر کوئی قندیل روشن نہیں تھی۔ یہی عبداللہ مشہدی کا ٹھکانہ تھا۔ گلی سنسان تھی اور مکان میں کسی طرح کی نقل و حرکت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اچانک ایک پہریدار گلی کے پختہ فرش پر لٹھ کھٹکھٹاتا نمودار ہوا۔ اباقہ پھرتی سے ایک نیم تاریک گوشے میں ہو گیا۔ جب پہریدار گزرا تو اباقہ بھاگ کر مشہدی کے مکان کی طرف لپکا۔ اس نے اچھل کر دروازے کا چھجہ پکڑا' بازوؤں کے زور پر جسم کو اٹھایا اور اوپر چڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ پہریدار گشت کرتا ہوا گھوم کر واپس آتا' اباقہ مختلف چیزوں کے سہارے چھت پر پہنچ چکا تھا۔

چھت سے اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں بغداد کی خوابیدہ وسعتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ جامع مسجد کے مینار' قصر خلد کے گنبد' ذی شان محلات کی دھندلی برجیاں' بیس لاکھ انسانوں کا شہر خاموشی سے سو رہا تھا۔ ہر شے کو ایک پُرسکون تاریکی نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اباقہ نے اپنے لنگوٹ سے خمدار خنجر نکالا اور دھڑکتے دل سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اس وقت جیسے زلزلہ آ گیا۔ دھڑ دھڑ سے دوازے کھلے اور اردگرد کی چھتوں پر اباقہ کو کئی ہیولے نظر آئے۔ ان کے سروں پر خود تھے اور جسموں پر لوہا چمک رہا تھا۔ وہ یقیناً خلیفہ کے مسلح سپاہی تھے۔ اباقہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر یکایک جیسے اسے ہوش آئی۔ وہ پوری رفتار سے بھاگا اور اس دروازے سے ٹکرایا جو چھت سے اترنے والے زینوں پر کھلتا تھا۔ ٹکر زوردار تھی لیکن مضبوط دروازہ ٹوٹ نہیں سکا۔ اس سے پہلے کہ اباقہ پیچھے ہٹ کر دوسری ٹکر دروازے کو مارتا' سپاہی کود کر مشہدی کی چھت پر آ گئے۔ "رک جاؤ۔" ان کا سالار پکارا لیکن اباقہ رکنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اس نے آواز کے رخ پر جست کی اور چیتے کی طرح دستہ سالار پر گرا۔ سالار کو عقب سے دبوچ کر اس نے اپنا قاتل خنجر اس کے نرخرے پر رکھ دیا۔

"خبردار اگر کسی نے حرکت کی۔" وہ چنگھاڑا۔

لیکن یہ معاملہ ایک سالار کی جان کا نہیں تھا۔ مسلح دستے کو ہر قیمت پر اباقہ کی گرفتاری کا حکم تھا۔ ایک ہوشیار سپاہی نے عقب سے اباقہ پر حملہ آور ہونا چاہا۔ اباقہ کو اس کے بھاگتے قدموں کی آواز آئی اور اس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا۔ تیز دھار خنجر نے دستہ سالار کی شہ رگ صاف کاٹ ڈالی۔ پھر ایک جھٹکے سے اباقہ نے اس کے نیام

کی تلوار کھینچی اور تڑپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ عقب سے آنے والا حملہ آور اپنی جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ سالار کی ناگہانی موت نے مسلح سپاہیوں کو مرنے مارنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ وہ تلواریں سونت کر اباقہ پر ٹوٹ پڑے۔ اباقہ اس یورش کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ اس کی تلوار نے حرکت کی اور مشہدی کی چھت پر زبردست لڑائی ہونے لگی۔ اباقہ کے انداز میں بلا کی درندگی تھی۔ وہ وہی قراقرم والا اباقہ بن چکا تھا۔ بے رحم سفاک اور قاتل۔ آنکھوں میں خون کی سرخی لئے سردار بوغالی کو تلاش کرنے والا وحشی .... اس نے پلک جھپکتے میں مشہدی کی چھت پر سپاہیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اتنے میں سیڑھیوں کا دروازہ کھلا اور مزید کمک پہنچ گئی۔ اباقہ نے تازہ دم سپاہیوں میں سے بھی دو کو شدید زخمی کیا اور پھر جست لگا کر ساتھ والی چھت پر کود گیا۔ کچھ نیزے اس کی طرف اچھلے لیکن وہ ان سے دور تھا۔ جب تک سپاہی کمانوں پر تیر چڑھاتے وہ چھلاوے کی طرح چھتیں پھلانگتا ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ سپاہیوں کی چیخ و پکار بھاگ دوڑ میں بدل گئی۔ ایک دستہ سالار کے حکم پر کئی سپاہی اباقہ کے پیچھے لپکے۔ انہوں نے دو تین چھتیں تو نہایت تیزی سے پھلانگیں لیکن چوتھی چھت پر پہنچنے سے وہ قاصر رہے اور زیادہ تر سپاہی ایک چوڑی گلی کو پھلانگنے کی کوشش میں نیچے گر گئے۔ سالار نے یہ منظر دیکھا تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ یہ خبر سن رہا تھا کہ مجرم نے گلی کے جنوبی سرے پر دو اور سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے اور فرار ہو گیا ہے۔

☆------☆------☆

کالی وادی میں یہ تیسری مصیبت تھی جو سردار یورق کے سر پر پڑی۔ پہلے سلطان جلال انہیں داغ مفارقت دے گیا۔ پھر اباقہ روپوش ہوا اور پھر مارینا طوطم خاں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ سردار یورق نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دور دور تک کالے پہاڑوں کو کھنگالا لیکن مارینا کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس پر گہری مایوسی طاری ہو گئی۔ اس نے فوری طور پر وادی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ راجی خاتون کو جب اس کے فیصلے کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ بڑی مروت اور ہمدردی سے پیش آئی اور کافی دیر اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ اس نے سردار یورق کو بتایا کہ وہ درندہ نما مجرموں کی اس بستی کو اب انسانوں کی بستی بنانے کی کوشش کرے گی۔ آہستہ آہستہ وہ انہیں لوٹ مار سے دور اور محنت مشقت سے قریب لے جائے گی۔ ان کے بچوں کو تعلیم دینے کی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ جلد ہی یہاں کی کایا پلٹ جائے گی۔ وقت رخصت راجی خاتون نے سردار یورق کو ایک تحریری پیغام اباقہ کے لئے دیا اور کہا کہ اگر کبھی اباقہ سے ملاقات ہو تو اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ پیغام ضرور دینا۔

اسی روز سردار یورق، سلیمان اور نبیلہ، راجی خاتون کے پروانہ راہداری اور سامان سے لدے ہوئے تین اونٹوں کے ساتھ ایرانی سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ ایرانی علاقے میں داخل ہو کر ان کا سفر نسبتاً آسان ہو گیا۔ انہوں نے مغرب کی طرف سفر جاری رکھا اور آخر کوئی ایک ماہ کے بعد عراق میں داخل ہو گئے۔ ان کی منزل بغداد تھی ..... بغداد جہاں انہیں اباقہ کو ڈھونڈنا تھا۔

بغداد میں پہنچ کر سردار یورق نے ایک پرانے شناسا اور قابل اعتماد دوست کی مدد سے کرائے پر مکان حاصل کر لیا۔ ایک دو روز میں ہی یورق کو اندازہ ہو گیا کہ شہر کے اس حصے میں فضا کچھ کشیدہ اور غیر یقینی سی ہے۔ ایک عجیب طرح کا ہراس بھی کئی چہروں پر نظر آ رہا تھا۔ یورق نے تھوڑی سی تحقیق کی تو اسے پتہ چلا کہ قصر خلد اور اس کے اردگرد کا علاقہ آج کل پُراسرار وارداتوں کی زد میں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف تین روز قبل دجلہ میں ایک تفریحی بجرے پر تین افراد کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے۔ خلیفہ کا ایک امیر نصیرالدین اپنی شریک حیات اور ہمشیرہ کے ساتھ بجرے پر سیر کر رہا تھا کہ نامعلوم قاتل نے بجرے میں گھس کر ان کے سر تن سے جدا کر دیئے۔

یورق شام تک ان وارداتوں کے متعلق مختلف پہلوؤں سے غور کرتا رہا۔ شام کو اس کا دوست جو ایک علاج گاہ (بیمارستان) میں ملازم تھا آیا تو اس نے سردار یورق کو ایک نہایت اہم اطلاع پہنچائی۔ اس نے بتایا کہ کل پانچ چھ زخمی سپاہیوں کو بیمارستان میں داخل کیا گیا تھا۔ ان کی حالت کو دوسروں سے پوشیدہ رکھا جا رہا تھا۔ آج وہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ سپاہی کل رات سلطانی محلّہ میں ہونے والی ایک جھڑپ میں زخمی ہوئے تھے۔

سردار یورق نے جھڑپ کے بارے میں پوچھا تو اس کا دوست طویل سانس لے کر بولا۔ "سردار! میرے پاس تمہارے لئے ایک اہم اطلاع ہے۔ اب معلوم نہیں تمہارے لئے یہ بدخبری ہے یا خوشخبری۔ خوشخبری یہ ہے کہ میں نے اباقہ کا سراغ لگا لیا ہے اور بدخبری تمہارے لئے یہ ہو سکتی ہے کہ بغداد میں اوپر نیچے ہونے والی ان وحشیانہ وارداتوں کے ڈانڈے اباقہ سے جا ملتے ہیں۔"

سردار یورق نے چونک کر پوچھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ یہ قتل اباقہ نے کئے ہیں۔"

اس کا معالج دوست بولا۔ "سردار! میں فی الوقت یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن

سلطانی محلّہ کے لوگوں میں جو افواہیں گردش کر رہی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور لمبے بالوں والا ایک تنگ دھڑنگ شخص تھا۔ اب تم یہ بھی بتا رہے ہو کہ اباقہ بغداد میں موجود ہے۔ مجھے تمہارا تو پتہ نہیں لیکن میرا ذہن خواہ مخواہ اباقہ کی طرف جا رہا ہے۔"

یورق کو اس بات میں کافی وزن محسوس ہوا۔

اگلے چند روز میں یورق اور سلیمان کا یہ شک یقین میں بدل گیا کہ یہ اباقہ ہی ہے جس نے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ نہایت خطرناک صورت حال تھی۔ یوں لگتا تھا اباقہ کو غصے نے پاگل کر دیا ہے۔ وہ اپنے غضب کا اظہار نہایت وحشیانہ طریقے سے کر رہا تھا۔ یہ وحشت جہاں دوسروں کے لئے پُرخطر تھی وہاں اس کے اپنے لئے بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔ یورق نہایت پریشانی کے عالم میں سوچنے لگا کہ اباقہ سے کیونکر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت اسے سہارے اور راہنمائی کی جتنی ضرورت تھی شاید پہلے کبھی نہیں تھی لیکن اس تک پہنچا کیسے جائے؟ یہ سوال مسلسل سوچ بچار کے باوجود حل طلب تھا۔

☆.....☆.....☆

فاطمہ دلہن کے روپ میں سکھیوں میں گھری بیٹھی تھی۔ وہ وزیر داخلہ عبدالرشید کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی پر عبدالرشید نے دولت پانی کی طرح بہا دی تھی۔ بہاتا بھی کیوں نہ وہ اس کی انتہائی لاڈلی اولاد تھی۔ ناز و نعم میں پلی ہوئی انتہائی حسین اور تعلیم یافتہ۔ اس کے لئے دور دور سے رشتے آئے تھے۔ بڑے بڑے امرا اور رؤسا نے عبدالرشید سے ناطہ جوڑنا چاہا تھا لیکن وہ اپنی بیٹی کو بچپن سے اس کے ایک چچازاد سے منسوب کر چکا تھا۔ لڑکے کا نام صالح تھا اور اس کا باپ بغداد کے معروف ترین تاجروں میں سے تھا۔ کوئی چار برس پہلے صالح ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ابادان کی طرف گیا۔ اسے تین چار ماہ میں واپس آ جانا تھا مگر چھ ماہ گزرنے کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہیں چلا تو اس کی تلاش شروع کی گئی۔ ان دنوں خوارزم کی سرحد پار منگولوں کی ٹڈی دل گھوم رہے تھے۔ ان کے جتھے بعض اوقات سرحد پر بھی کر آتے تھے۔ کچھ تجارتی قافلوں کو بھی انہوں نے لوٹا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد صالح کے وارث اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کے قافلے کو بھی کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ مایوس ہو کر وہ واپس لوٹ آئے۔ دو سال گزر گئے لیکن صالح کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ عبدالرشید کو اپنی بیٹی کی شادی کی فکر ہوئی مگر جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی بیٹی اپنے بچپن کے منگیتر کے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ اس نے بہت جتن کئے کہ کسی طرح بیٹی کو قائل کر سکے لیکن وہ اپنے فیصلے پر ڈٹی رہی۔ عبدالرشید نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صالح کی تلاش میں روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اپنے اختیارات کا استعمال بھی کیا لیکن صالح کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ وہ بیٹی کو ہمیشہ کے لئے گھر میں بٹھا کر دنیا کے طعنے نہیں سن سکتا تھا۔ آخر اسے اس معاملے میں سخت رویہ اختیار کرنا پڑا۔ امیر التجار فاطمہ کو بہو بنانے کے لئے بے چین تھا۔ عبدالرشید نے اس سے بات چیت شروع کی۔ قریب تھا کہ یہ رشتہ طے ہو جاتا کہ فاطمہ کی دعائیں سنی گئیں۔ اس کے نالے کام آ گئے۔ ایک روز چپکے سے اس کے خوابوں کا شہزادہ لوٹ آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ تاتاری ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ تین برس ان کی قید میں رہنے کے بعد وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ صالح کی آمد سے دونوں گھرانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ زور و شور سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ وزیر داخلہ عبدالرشید نے اس شادی کو یادگار بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بغداد بھر کے خواص اس تقریب میں جمع تھے۔ تین روز جشن برپا رہا۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں رات دن ایک کر دیئے گئے۔ آخر یہ جشن اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ فاطمہ کی رخصتی کا وقت قریب آ گیا۔ وہ اپنی سکھیوں میں گھری بیٹھی تھی جب دولہا کی ماں اور بہن اسے لینے کے لئے پہنچ گئیں۔ رخصتی کے مختلف خوشگوار اور رقت آمیز مراحل سے گزر کر فاطمہ اس سجی سجائی پالکی میں آ بیٹھی جس کے آگے آگے دولہا کا گھوڑا تھا۔ سسرال کا گھر چونکہ دور تھا اس لئے تھوڑا آگے جا کر فاطمہ کو پالکی سے اتار کر ایک شاندار بگھی میں بٹھا دیا گیا۔ بارات کا یہ جلوس اس شان سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا کہ بگھی کے آگے آگے دولہا کا مزین گھوڑا تھا۔ اطراف اور عقب میں باراتیوں کی سواریاں تھیں اور سب سے آگے ایک محافظ دستہ تھا جو لوگوں کو سامنے سے ہٹا کر راستہ صاف کر رہا تھا۔

راستے پر دو رویہ کھڑے افراد اس شاندار بارات کو دیکھ کر دانتوں میں انگلیاں دبا رہے تھے۔ انہی محو حیرت تماشائیوں میں ایک جنگلی بھی تھا' اباقہ۔ ایک میلے سے کمبل میں اس کا سارا جسم لپٹ ہوا تھا۔ یہی کمبل اس نے سر پر بھی اوڑھ رکھا تھا۔ کمبل کے گھونگٹ سے اس کی چمکدار آنکھیں تیزی سے ہر شے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر عجیب سی دیوانگی تھی۔ جیسے وہ اپنی موت اور زندگی سے بالکل بے پرواہ ہو چکا ہے۔ جونہی سجی ہوئی بگھی اس کے قریب سے گزری اس نے اپنے جسم کو حرکت دی۔ پہریدار چھڑیوں سے لوگوں کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ لوگ چھڑیاں بھی کھا رہے تھے اور تالیاں بھی پیٹ رہے تھے۔ اباقہ ان لوگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا آگے آیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا کمبل اتارا اور بگھی کے پیچھے بھاگا۔ چند قدم بھاگ کر اس نے چھلانگ لگائی اور بگھی بان کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کا ننگ دھڑنگ جسم اور اس کا انداز دیکھ کر لوگوں کی

چیخیں نکل گئیں۔ وہ اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ بغیر کچھ دیکھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اباقہ نے خنجر بگھی بان کے دل میں پیوست کیا اور نہایت نفرت سے دھکا دے کر اسے نیچے گرا دیا۔ یہ سب کچھ چند ساعتوں کے اندر ہو گیا۔ جب تک محافظ سپاہی اور باراتی صورت حال کو سمجھتے اور ان کے ہاتھ اپنے ہتھیاروں تک پہنچتے' اباقہ نے گھوڑوں کی لگام کو زور سے جھٹکا دیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے چابک سے تڑاخ کی آواز آئی اور گھوڑے اچھل کر سرپٹ بھاگے۔ سامنے والے محافظ ابھی تک سحر زدہ کھڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک جیتا جاگتا بھوت دیکھ لیا ہو۔ درحقیقت ننگ دھڑنگ "قاتل" کا خوف ان کے ذہنوں میں اس طرح بیٹھ چکا تھا کہ جب اچانک انہوں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تو سکتے میں رہ گئے۔ پلک جھپکتے میں اباقہ گھوڑوں کو کشادہ سڑک پر لے آیا۔ اس کے عقب میں اَن گنت چیخیں گونج رہی تھیں۔ یہ چیخیں اس کے کانوں کو عجیب سا سکون بخش رہی تھیں۔ یہ احساس اس کے لئے نہایت خوشگوار تھا کہ اس نے دو شادی والے گھروں کو ماتم کدہ بنا دیا ہے ..... ہاں اسی طرح اس کی شادی بھی تو ماتم میں تبدیل ہوئی تھی ..... مارینا بھی شاید اسی طرح روئی ہو گی جس طرح بگھی میں بیٹھی دلہن رو رہی تھی۔ اس کے دولہا پر ٹوٹنے والی قیامت اباقہ کے سر پر بھی تو ٹوٹی تھی اور یہ سب کچھ کرنے والے کون تھے؟ یہی بغداد والے۔ اباقہ نے نہایت نفرت سے گھوڑوں کو چابک رسید کئے اور ان کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ بگھی اب جیسے ہوا میں اڑ رہی تھی۔ راستے پر موجود اکا دکا افراد حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جلد ہی اباقہ کو اپنے پیچھے سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے پوری رفتار سے دوڑتی بگھی کو کچے میں تارا اور سیدھا نہر عثمانیہ کے ٹیلوں کی طرف بڑھا۔ شام کی تاریکی آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی۔ مگر اباقہ ان راستوں کی ہر اونچ نیچ سے واقف تھا۔ تعاقب میں آنے والوں کو غل دینے کے لئے اس نے بگھی کو ایک باغ میں گھسا دیا اور پھر وہاں سے نکل کر مختلف رخ پر بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ جان چکا تھا کہ بگھی میں دلہن کے علاوہ دو اور لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ وہ غالباً اس کی سہیلیاں تھیں۔ اباقہ نے انہیں اس قدر خوفزدہ کر دیا تھا کہ بگھی سے چھلانگ لگانا تو درکنار انہیں چیخنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ ایسی ہی درندگی تھی اس کے انداز میں۔ تعاقب کرنے والے ایک بار پھر بگھی کے پیچھے لگ گئے۔ مگر اب ان کا حوصلہ کافی زیادہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ فاصلہ گھٹاتے اباقہ ٹیلوں میں پہنچ گیا۔ انہی ٹیلوں میں کہیں مسلم بن داؤد نے زبیدہ نامی کنیز کو مارینا کا لباس پہنا کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وقت آج پھر ویسا ہی کھیل کھیل رہا تھا لیکن مہرے اس دفعہ اور تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک کھڈ کے کنارے پہنچتے ہی اباقہ نے بگھی روکی' پھر خنجر نکالا اور لڑکیوں کو بگھی سے اترنے کا حکم دیا۔ وہ لرزتی کانپتی نیچے اتریں تو اباقہ نے گھوڑوں کو چابک دکھا دیا۔ گھوڑے بدکے اور ایک بار پھر اندھا دھند بھاگنے لگے۔ خنجر کے زور پر اباقہ لڑکیوں کو دھکیلتا ہوا ٹیلوں کے اندر لے آیا۔ صرف ایک لڑکی نے تھوڑی سی مزاحمت کی۔ اباقہ نے اتنی درندگی سے خنجر اس کے گلے پر رکھا کہ وہ چیخ کر رہ گئی۔ اس کے بعد کسی کو اس سے الجھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ ٹیلوں کے اندر ہی چلاتا لڑکیوں کو کوئی دو فرلانگ دور لے آیا۔ اندھیرا اب کافی گہرا ہو چکا تھا۔ ایک تاریک سایہ نکل کر اباقہ کے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ "تم آگئے اسماعیل!" سائے نے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہاں۔" اباقہ کے حلق سے مختصر غراہٹ نکلی۔

نو وارد گول چہرے والا ایک تنومند شخص تھا۔ شکل سے شریف آدمی نہیں لگتا تھا۔ وہ دونوں تلوار اور خنجر کے زور پر لڑکیوں کو لے کر ٹیلوں کے دامن میں پہنچ گئے۔ کوئی دو فرلانگ تک وہ ٹیلوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے آخر ایک ہموار جگہ پر دو کمروں کے چھوٹے سے مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ یہ کچا مکان بظاہر کسی کاشتکار کا دکھائی دیتا تھا۔ مکان کے ساتھ ہی تھوڑی سی کاشت شدہ اراضی بھی موجود تھی۔ اس اراضی سے کچھ ہٹ کر کھیتوں کا ایک وسیع سلسلہ نظر آتا تھا۔ گول چہرے والے نے دروازے کا قفل کھولا اور وہ سب اندر چلے گئے۔ اباقہ نے لڑکیوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور گول چہرے والے شخص کے ساتھ دوسرے کمرے میں آبیٹھا۔

گول چہرے والا چراغ کی روشنی میں زمین پر کچھ لکیریں کھینچنے لگا۔ شاید کوئی حساب جوڑ رہا تھا۔ حساب جوڑ کر وہ بولا۔ "برادر' راشن اور مکان کا کرایہ ملا کر کل سو اشرفیاں مجھے دے دو۔ باقی میں نے چھوٹی چھوٹی چیزیں اس میں شامل نہیں کیں ایک کمبل تھا جو تم کہیں چھوڑ آئے ہو۔ میری تلوار بھی تم اپنے پاس رکھ رہے ہو۔ پھر تمہیں یہاں تک لانے کے لئے میں نے جو خطرہ مول لیا ہے اس کا معاوضہ اس میں شامل نہیں۔" اباقہ نے اپنے لنگوٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک موتی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ موتی ایک لڑکی کے ہار کا تھا۔ بگھی سے اترنے کے بعد جب اس لڑکی نے مزاحمت کی تھی تو یہ ہار ٹوٹ گیا تھا۔ گول چہرے والے نے موتی لے کر کرتے کی جیب میں رکھ لیا۔ پھر بولا۔ "برادر اسماعیل' اصل چیز رازداری ہے۔ اتنا بڑا راز سینے میں رکھنا بہت دل گردے کا کام ہے۔ یہ درست ہے کہ تم اس جگہ بالکل محفوظ رہو گے ..... لیکن فرض کرو اگر کسی وجہ سے میں تمہارا راز نہ رکھ سکوں تو تمہارا کیا انجام ہو گا؟"

اباقہ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "عبدل! راز تو میں بھی تمہارا رکھ رہا ہوں۔ تم اس مکان میں خود کو کاشتکار ظاہر کرتے ہو لیکن اصل میں تم یہاں کھجوروں کے شیرے سے ناجائز شراب تیار کرتے ہو؟ تم میرے رازدار ہو تو میں تمہارا رازدار ہوں۔"

عبدل کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا' بولا۔ "برادر' میری بات چھوڑو۔ میں تو چند سو اشرفیوں کی شراب تیار کرتا ہوں لیکن تم نے تو ہزاروں پر ہاتھ صاف کیا ہے؟"

اباقہ اس لاپتی شخص کا مطلب سمجھ رہا تھا..... اس کی نظر ایک آدھ لڑکی پر نہ تھی بلکہ وہ ان زیورات کے بارے میں سوچ رہا تھا جو لڑکیاں پہنے ہوئے تھیں۔ ایسے شخص پر کسی قسم کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اباقہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر دفعتاً اس کی زوردار ٹھوکر عبدل کے پیٹ میں لگی۔ عبدل کو اباقہ سے اتنی پھرتی کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ نہ ہی اس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ ایک شخص ننگے پاؤں سے اتنی زوردار ٹھوکر رسید کر سکتا ہے۔ ضرب کی شدت سے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اباقہ نے لپک کر اس کا تنومند جسم بازوؤں میں جکڑا اور دھکیل کر زور سے دیوار کے ساتھ ٹکرا دیا۔ عبدل کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ اباقہ کے بازوؤں میں جھول گیا۔

☆======☆======☆

جب اباقہ نے وزیر خارجہ عبدالرشید کی بیٹی اور اس کی دو سہیلیوں کو اغوا کیا' سردار یورق دجلہ کے کنارے بیٹھا پانی پر رواں کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ واردات کی اطلاع پا کر وہ موقعۂ واردات پر پہنچا۔ وہاں اس وقت سینکڑوں لوگ جمع تھے۔ ہر ایک اپنے اپنے انداز میں اس واقعے کو بیان کر رہا تھا۔ بہرحال اس بات پر سب متفق تھے کہ یہ واردات بھی اسی جنگلی اباقہ نے کی ہے۔ لوگ اس المناک واقعے پر بہت رنجیدہ تھے۔ یورق نے محسوس کیا کہ اباقہ کے بارے میں ہمدردی کی جو لہر بغداد کے لوگوں میں پائی جاتی تھی وہ بالکل معدوم ہو چکی ہے۔ لوگ اس کی کارروائیوں پر سخت نکتہ چینی کر رہے تھے۔ بعض تو اسے پھانسی پر لٹکانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ بے گناہ بگھی بان کی لاش موقعۂ واردات پر ہی رکھی تھی۔ اس کا کوئی قریبی عزیز دھاڑیں مار مار کر میت پر رو رہا تھا۔ یہاں یورق کو لوگوں کے چہروں پر تاسف اور غضب کے ملے جلے آثار نظر آئے۔ پھر کچھ لوگ حکومت کے خلاف زبردست نعرہ بازی کرنے لگے۔ وہ الزام لگا رہے تھے کہ انتظامیہ لوگوں کی جان و مال کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہے۔ اس وقت ناظم اعلیٰ کچھ افسروں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے مشتعل لوگوں سے وعدہ کیا کہ مجرم کو جلد از جلد گرفتار کر کے عبرتناک سزا دی جائے گی۔ یورق' ناظم اعلیٰ کی زبانی ان تدبیروں کے متعلق سنتا رہا جو اباقہ کو گرفتار کرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے کی جا رہی تھیں اور اس کا خون رگوں میں کھولتا رہا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اباقہ کو ایک بُرے انجام سے بچانے کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔

اگلے روز وہ نبیلہ اور سلیمان کو گھر میں چھوڑ کر شہر میں نکل آیا اور بے مقصد گلیوں میں گھومتا رہا۔ بس ایک ہی امید تھی کہ شاید اباقہ شہر میں موجود ہو اور کہیں کسی موڑ پر وہ اسے یا اسے وہ دیکھ لے۔ اب تو اسے اس طرح گھومتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں کوئی اسے اباقہ کے ساتھی کی حیثیت سے پہچان نہ لے۔ دوپہر کے وقت وہ تھک ہار کر پھر دجلہ کے کنارے جا بیٹھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پہلے پہل اس نے دجلہ کے پانی کو چھوا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ اباقہ' اسد اور مارینا بھی تھے۔ اس وقت ان کے حوصلے کتنے جوان تھے' کتنا اعتماد تھا ان کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں میں۔ وہ ایک دوسرے کا سہارا تھے اور ایک دوسرے کی ہمت بھی لیکن اب سب کچھ بکھر گیا تھا۔ وہ تنہا رہ گیا تھا۔ نہ اس کے سامنے کوئی راستہ تھا اور نہ منزل۔ بوڑھا یورق دیر تک بیٹھا پانی کو گھورتا رہا۔ وہ اس لمحے سے بے خبر تھا جو اس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا اور حالات کو ایک نئی کروٹ دینے والا تھا۔ اچانک اسے عقب میں آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا سامنے اسد کھڑا مسکرا رہا تھا۔ شیر جیسے چہرے والا شیر جیسا جوان۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک غیر متزلزل اطمینان نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے بڑھا اور سردار یورق سے بغلگیر ہو گیا۔ اس کی چوڑی چھاتی سے لگ کر نہ جانے کیوں بوڑھے یورق کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ اس نے مضبوطی سے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں دریا کے کنارے گھاس کے ایک قطعہ پر بیٹھے گرمجوشی سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ ان کے پاس کرنے کی بہت سی باتیں ہیں لیکن اگر ان کے پاس باتیں بہت تھیں تو وقت بھی کم نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ ان کی گفتگو میں ایک ترتیب تھی۔ وہ رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کر رہے تھے۔ اسد کی کہانی مختصر تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ یاکی کو ساتھ لے کر بلغ چلا گیا تھا۔ اس کی بیوی کو بچہ ہونے والا تھا۔ وہ قریباً چار ماہ وہاں رہا۔ پھر اپنے پہلے بچے کی صورت دیکھتے ہی وہ واپس بغداد چلا آیا۔ اسے اباقہ کی فکر لاحق تھی۔

اس موقع پر یورق نے بتایا کہ اباقہ اکیلا ہی نہیں تھا وہ بھی اس کے ساتھ گیا تھا۔

اسد اس اطلاع پر حیران ہوا پھر اپنی کہانی جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا تھا اباقہ ایک نہایت پُرخطر مہم پر گیا ہے۔ وہ منگول سفارتکاروں کے تعاقب میں ہے تاکہ مارینا کو ان سے چھڑا سکے۔ اس مہم میں کامیابی کا امکان پچاس فیصد سے زیادہ نہیں تھا۔ وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ میری پریشانی بڑھتی رہی۔ میں نے بغداد اور قرب و جوار میں اباقہ کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر قراقرم سے آنے والے ایک تاتاری سے مجھے پتہ چلا کہ چنتائی خاں کی بیوی مارینا ابھی تک واپس قراقرم نہیں پہنچی۔ نہ ہی وہ منگول سفارتکار طوطم خاں واپس لوٹا ہے۔ اس طرح سے مجھے کچھ سکون ہوا اور میں نے اندازہ لگایا کہ اباقہ نے سفارتکاروں کو کہیں راستے میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میری امید بندھ گئی کہ جلد یا بدیر اباقہ بغداد ضرور لوٹے گا۔ میں نے کچھ دوستوں کے تعاون سے مشرقی بغداد میں عطریات کی دکان کھولی اور حسنات احمد کے فرضی نام سے رہنے لگا۔ میرا معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے روز اس مقام پر ضرور آتا تھا اور دریا کے کنارے گھومتے چہروں کے ہجوم میں اباقہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ آج بھی میں اسی معمول کے تحت یہاں آیا تھا۔"

اسد کے بعد یورق نے اپنی کہانی سنائی۔ سلطان جلال الدین سے ملاقات' سردار ابابکر کے قبیلے اور کالے پہاڑوں کی وادی کا تذکرہ کرتا ہوا وہ شیخ نجدی تک پہنچا۔ پھر جب اس نے شیخ نجدی کے انجام کے بعد سلطان جلال کی شہادت کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ ساتھ اسد اللہ بھی اداس ہو گیا۔ بعد میں یورق نے اباقہ کی گمشدگی اور مارینا کے اغوا کا ذکر کیا اور بتایا کہ کن صعوبتوں سے گزرتا ہوا وہ اپنے دو ہمراہیوں کے ساتھ بغداد پہنچا ہے۔ کہانی کے انجام تک پہنچتے پہنچتے یورق کی آنکھوں میں پھر نمی تیرنے لگی۔ وہ بے حد رنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اسد اللہ گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سردار یورق کا کندھا تھپتھپایا اور بولا۔ "سردار! سب سے پہلے تو میں تمہیں اسلام قبول کرنے پر دلی مبارک باد دیتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمان کے لئے مایوسی گناہ ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں خدائے وحدہ لاشریک کو ماننے والے ہمت نہیں ہارتے۔ تاریخ اسلام کیا ہے؟ پیٹ پر پتھر باندھ کر دفاعی خندق کھودنے کا نام تاریخ اسلام ہے' شہیدوں کے چہروں کی آخری مسکراہٹ سے روشنی لے کر مفتوح فصیلوں پر چراغاں کرنے کی روئیداد تاریخ اسلام ہے۔ جن کڑے مقامات پر حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور تلواریں چھوٹ جاتی ہیں ان مقامات سے سربکف آگے بڑھنے والے زندہ دلوں کا اعمالنامہ تاریخ اسلام ہے ..... سردار ہمت سے کام لو۔ انشاء اللہ ہم اس امتحان سے بھی سرخرو نکلیں گے۔"

اسد اللہ کے مجاہدانہ عزم اور ولولہ انگیز باتوں نے سردار یورق کے اندر ایک نئی روح دوڑا دی۔ یہ مجاہد اسلام واقعی ایک جادو اثر مقرر بھی تھا۔ کتنی ہی دیر وہ گھاس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس قطعہ پر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اسد اللہ نے بتایا کہ وہ اباقہ کی بغداد میں موجودگی سے باخبر ہو چکا ہے بلکہ اس کے کچھ ساتھی خفیہ طور پر اس کی تلاش بھی کر رہے ہیں۔ بہت جلد کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا۔

باتوں میں وقت گزرنے کا کوئی احساس ہی نہیں ہوا۔ جیسے پلک جھپکتے میں دوپہر سے شام ہو گئی۔ تھوڑی ہی دور اسد اللہ کی شاندار بگھی کھڑی تھی۔ اسد اللہ یورق کو لے کر بگھی میں آیا اور وہ شہر کی شفاف سڑکوں پر چلتے ہوئے اس رہائش گاہ تک پہنچے جہاں یورق کے ساتھ نبیلہ اور سلیمان بھی مقیم تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا تنگ و تاریک گھر تھا۔ اسد اللہ نے یورق سے اصرار کیا کہ وہ سب اس کے ساتھ چلیں۔ یورق نے کہا کہ اس وقت ان کا میزبان موجود نہیں۔ وہ اس سے اجازت لے لیں پھر ایک آدھ روز میں اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اسد اللہ نے کہا ٹھیک ہے۔ وہ پرسوں عصر کے بعد گھوڑا گاڑی لے کر انہیں لینے پہنچ جائے گا۔

☆======☆======☆

مسلم بن داؤد کو شراب کی لت قراقرم میں ہی پڑی تھی۔ وہ ان حسین دنوں کو ابھی تک نہیں بھولا تھا جب منگولوں کے جدامجد چنگیز خاں کے دربار میں بیٹھ کر وہ پرانے چاولوں کی تیز شراب کے جام چڑھایا کرتا تھا۔ اس کے خیمے میں حسین اور نرم و نازک لڑکیاں اس کی آمد کی منتظر ہوتی تھیں۔ اس وقت ابھی بڑھاپا بھی اتنا ٹوٹ کر نہیں برسا تھا۔ سموری خیمے کے گرم فرش پر بیٹھ کر وہ خوش خیلیوں میں مصروف رہا کرتا تھا اب تو وہ سب گئی گزری باتیں ہو گئی تھیں۔ قراقرم اس سے چھوٹ گیا تھا اور اباقہ کا خوف بھوت بن کر اس سے چمٹا رہتا تھا۔ عورتوں میں اس کی دلچسپی بہت حد تک کم ہو گئی تھی اور شراب یہاں ملتی نہیں تھی۔ ہاں کبھی کبھی وہ اپنے ایک خاص خادم کے ذریعے ایک آدھ صراحی منگوا لیتا تھا..... اس روز بھی اسے شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔ بغداد میں اباقہ کی موجودگی مسلم بن داؤد کے اعصاب کو بُری طرح متاثر کر رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اسے یوں لگتا تھا کہ جیسے ٹانگوں سے جان نکلی جا رہی ہے کبھی پسینہ آ جاتا تھا اور کبھی سردی لگنے لگتی تھی۔

دروازہ کھلا اور اس کا خاص خادم یعقوب اندر داخل ہوا وہ خالی ہاتھ واپس آیا تھا۔ مسلم بن داؤد نے اس کی طرف ناراضگی سے دیکھا۔ یعقوب نے ادب سے جھک کر سلام کیا۔ اور بولا۔ "آقا! ناکامی ہوئی ہے۔ مے فروش آج بھی نہیں ملا۔ گھر کا دروازہ بند ہے' باہر سے قفل لگا ہے۔ کسی شکار سے بھی اس کے بارے کوئی پتہ نہیں چلا۔"

یکدم داؤد کو طیش آ گیا۔ وہ پھنکارا۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں جہاں سے بھی لاسکو لاؤ۔"

خادم منمنایا۔ "آقا! اور کوئی ٹھکانہ تو میرے علم میں ..... نہیں۔"

داؤد کے جی میں آئی کہ کیوں نہ وہ خود خادم کے ساتھ جائے لیکن پھر وہ کپکپا کر رہ گیا۔ مے فروش نہر کلشومیہ کے ٹیلوں کے پاس رہتا تھا اور اباقہ بھی اپنی آخری واردات کے بعد انہی ٹیلوں میں روپوش ہوا تھا۔ نہیں اس کا اس طرف جانا مناسب نہیں۔ اس نے خادم کو گھور کر دیکھا اور ہدایت کی کہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ پھر سے فروش کا پتہ کرے اور اگر اسے رات بھر اس کے دروازے کے سامنے بیٹھنا پڑے تو بھی کچھ لے کر واپس آئے۔ خادم ادب سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔

دوبارہ اس کی شکل داؤد نے عصر کے بعد دیکھی۔ وہ اس دفعہ بھی خالی ہاتھ تھا لیکن اس دفعہ اس کے چہرے پر کچھ عجیب قسم کے تاثرات تھے۔ اس نے نہایت رازداری سے داؤد کو بتایا کہ اسے کچھ گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔ مے فروش کے گھر کو تو تالا لگا ہوا ہے لیکن اندر کوئی موجود ہے۔ اس نے کچھ دبی دبی نسوانی چیخیں سنی ہیں ....."

ایکا ایکی داؤد کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے خادم سے کچھ تفصیل معلوم کی پھر بے چینی سے کمرے سے ٹہلنے لگا۔ اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس مکان میں اباقہ موجود ہے۔ کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ لعنت بھیجے اس معاملے پر اور اباقہ پر' لیکن کبھی اس کی شیطانی فطرت جاگ اٹھتی تھی اور اس کا دماغ اسے شرارت پر اکسانے لگتا تھا۔ آخر اس سے نہیں رہا گیا۔ وہ فوراً وزیر خارجہ ابن یاشر کی نشست گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یقیناً وہ ایک بہت بڑا کام کرنے جا رہا تھا..... بہت بڑا اور اہم کام۔ اباقہ جیسے خونی کو گرفتار کرانا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وزیر خارجہ ابن یاشر اور مسلم بن داؤد کے درمیان نہایت اہم نوعیت کی گفتگو ہو رہی تھی۔ اس دوران ناظم بھی وہاں پہنچ گیا۔ ابن یاشر نے اسے ہدایت کی کہ وہ محتاط طریقے سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ اباقہ مغویہ لڑکیوں کے ساتھ واقعی اس مکان میں موجود ہے؟ ناظم اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گیا۔ اتنے میں کچھ اور متعلقہ افسر اور کوتوال شہر وہاں پہنچ گئے۔ تیزی سے منصوبہ بندی کی جانے لگی۔ ناظم نشست گاہ میں داخل ہوا تو سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر کامیابی کا جوش تھا۔ اس نے بتایا کہ اطلاعات درست ہیں۔ مجرم واقعی لڑکیوں کے ساتھ اس مکان میں موجود ہے۔ ناظم کی ہدایت پر فوراً کارروائی کی تیاری شروع کر دی گئی۔ ایسے کاموں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے مخصوص سپاہیوں میں سے ایک جتھہ چنا گیا اور انہیں چھاپے کی تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ عین اس وقت جب یہ چھاپہ مار دستہ نہر کلثومیہ کے ٹیلوں کی طرف روانہ ہونے والا تھا' وزیر داخلہ عبدالرشید بھاگم بھاگ وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی۔ اس نے چلا کر پوچھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ابن یاشر نے کہا کہ مجرم کی گرفتاری کے لیے چھاپہ مار دستہ روانہ کیا جارہا ہے۔

وزیر داخلہ نے تیزی سے کہا۔ "تم نے کون سے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے یہ اہم فیصلہ کیا ہے۔ یہ کارروائی نہیں ہو گی۔ ہرگز نہیں ہو گی۔"

وزیر خارجہ ابن یاشر نے برہمی سے کہا۔ "عبدالرشید کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ صرف تمہارا یا تمہاری بیٹی کا معاملہ نہیں پورے ملک کا مفاد اس سے وابستہ ہے۔ ایسے خونی مجرموں کے خلاف اگر ہم فوری کارروائی نہیں کریں گے تو لوگوں کا اعتماد ہم پر سے اُٹھ جائے گا۔"

قریب تھا کہ نوبت وزیر داخلہ اور وزیر خارجہ میں ہاتھاپائی تک پہنچ جاتی کہ ناظم شہر بیچ میں آیا اور اس نے فریقین کے جذبات ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ فیصلہ ہوا کہ فوری طور پر کارروائی نہ کی جائے اور وزیر داخلہ اپنے مؤقف سے خلیفہ کو آگاہ کریں۔

.... اسی شام وزیر داخلہ عبدالرشید' قصر خلد میں خلیفہ مستنصر باللہ کی پُرشکوہ نشست گاہ میں موجود تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور داڑھی بھیگی ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "امیرالمومنین! وہ میری اکلوتی بچی ہے۔ میری زندگی کا حاصل۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں بچوں گا۔ میں اس جنگلی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ انسان کو مارنا اس کے لیے چیونٹی مسلنے کے برابر ہے۔ اگر اس پر حملہ کیا گیا تو وہ مشتعل ہو کر تینوں بچیوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔ میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گی۔"

خلیفہ مستنصر باللہ کی پیشانی پر لکیروں کا جال بچھا تھا۔ انہوں نے مہربان نظروں سے عبدالرشید کے آبدیدہ چہرے کی طرف دیکھا اور بولے۔ "............ تو تم کیا چاہتے ہو رشید؟"

عبدالرشید نے کہا۔ "امیرالمومنین! خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس جنگلی پر فوری چڑھائی کرنے کی بجائے حکمت عملی سے کام لیا جائے۔ ہمارا اصل مقصد اس کی گرفتاری ہے .... اور اس کے لیے کوئی ایسا راستہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے' جس سے بے گناہ بچیوں کا خون ہمارے سروں پر نہ آئے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ مجرم کو گھیر کر اس سے گفت و شنید کی راہ اختیار کی جائے .... ٹھیک ہے اگر اس سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو ایسا کر لو لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ مجرم نے انتہائی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ اسے کسی طور گرفتاری سے بچنا نہیں چاہیے۔ اگر ہم اسے عبرتناک انجام سے دو چار نہ کر سکے تو عام شخص کے ذہن پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔"

عبدالرشید نے ادب سے کہا۔ "امیرالمومنین! میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

☆------☆------☆

دو ہفتے گزر گئے لیکن لڑکیوں کے اغوا کا مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید سنگین ہو گیا۔ اباقہ سرتاپا انتقام بن چکا تھا۔ اس کا ایک ہی مطالبہ تھا' کرائے کے قاتل عبداللہ مشہدی کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ انتظامیہ یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتی تھی۔ عبداللہ مشہدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

لڑکیوں کو چھڑانا تو درکنار' انتظامیہ اپنے دو اور آدمی گنوا بیٹھی۔ خلیفہ کے امیروں میں سے دو امیر اباقہ سے بات چیت کے لیے اس مکان میں پہنچے اور وہیں پھنس گئے۔ اباقہ نے ان کو بھی واپس نہیں آنے دیا۔ اس کا رویہ بالکل ایک درندے کا سا تھا۔ حکام چکرا کر رہ گئے تھے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس معاملے کو کیسے سلجھائیں۔ معاملہ صرف وزیر داخلہ کی بیٹی کا ہی نہیں تھا۔ اب دو امیر بھی اس جال میں پھنسے تھے۔ دوسری دو لڑکیاں بھی کوئی عام لڑکیاں نہیں تھیں۔ وہ نہایت اعلیٰ اور صاحب حیثیت خاندانوں کی چشم و چراغ تھیں۔ پورے شہر میں بے چینی کی ایک لہر سی دوڑ رہی تھی' انتظامیہ پر دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ کچھ لوگ اس حق میں تھے کہ جس طرح بھی ہو عبداللہ مشہدی کو گرفتار کر کے مجرم کے حوالے کر دیا جائے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

ایک شام کا ذکر ہے۔ ابھی وزیر داخلہ کے محل میں چراغ جل رہے تھے کہ ایک نوجوان صدر دروازے پر گھوڑے سے اترا۔ اس کے چہرے کا زیادہ تر حصہ پگڑی میں پوشیدہ تھا۔ اس نے کاغذ کا ایک پرزہ دربانوں کو دیا اور خود گھوڑے کے پاس کھڑا ہو کر اس کی گردن تھپتھپانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک دربان تیز قدموں سے باہر آیا اور احترام کے ساتھ نوجوان کو اندر لے گیا۔ مختلف راہداریوں سے گزر کر دونوں ایک سجے سجائے عالیشان کمرے میں پہنچے۔ کمرہ اگر بتیوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ایک تخت پر جائے نماز بچھا تھا اور وزیر داخلہ عبدالرشید آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے رحل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور رحل پر قرآن مجید' جو اس نے ابھی ابھی بند کیا تھا۔

نوجوان کو دیکھ کر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ "تم ..... تم اباقہ کے دوست ہو؟"

"جی ہاں۔" نوجوان نے اعتماد سے جواب دیا۔

وزیر داخلہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اسد اللہ! میں دنیا کے عیش و طرب میں ڈوبا ہوا تھا' آج دل پر چوٹ پڑی ہے تو عرق ندامت میں ڈوب گیا ہوں پر کرم اپنی نظریں میرے چہرے سے پھیر لو میں ان نظروں کی تاب نہیں لا سکتا۔" اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

اسد نے کہا۔ "وزیر محترم میں آپ کے زخموں پر نمک پاشی کے لیے نہیں مرہم رکھنے کے لیے آیا ہوں۔ غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں۔ خدا معاف کرنے والا ہے۔"

وزیر داخلہ نے گلوگیر لہجے میں۔ "دیکھو اسد! اپنے تمام اختیار اور طاقت کے باوجود میں کتنا بے بس ہو گیا ہوں۔ اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

اسد نے کہا۔ "وزیر محترم میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں پوری سچائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے احتیاط کا جو رویہ اختیار کیا ہے بالکل درست ہے۔ اگر اباقہ کے خلاف طاقت استعمال کی جاتی تو آپ کا اب تک سب کچھ ختم ہو گیا ہوتا۔ اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں۔ اس کے سامنے جو بھی آئے گا مارا جائے گا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے سینکڑوں سپاہی بھی مل کر اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔ وہ لڑے گا' مارے گا اور مر جائے گا۔"

وزیر داخلہ نے کہا۔ "اگر تم میرے ہمدرد بن کر آئے ہو تو پھر تمہاری ہر تجویز مجھے منظور ہے۔"

اسد نے کہا۔ "جناب وزیر میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فی الوقت آپ مجھے اس تک پہنچانے کا انتظام کریں اور دعا کریں کہ میں اسے قائل کرنے میں کامیاب رہوں۔ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو پھر ایک دوسرا راستہ اختیار کریں گے۔"

وزیر داخلہ خاموش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسد نے اس کے انداز کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "جناب وزیر! اگر آپ مجھ پر اعتماد نہیں کر پا رہے تو رہنے دیں۔ بلکہ آپ اگر چاہیں تو مجھے اباقہ کے ساتھی کی حیثیت سے گرفتار بھی کر سکتے ہیں۔ میں اس صورت حال کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں۔"

"نہیں ..... نہیں اسد۔ ایسا مت کہو۔" وزیر داخلہ نے بے قراری سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "تم تو میرے پاس رحمت کے فرشتے کی طرح آئے ہو ..... میں ابھی تمہاری

روانگی کا انتظام کرواتا ہوں۔" پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور محافظوں کو ہدایات دینے کے لیے تالی بجانے لگا۔

☆======☆======☆

اباقہ نے پانچوں یرغمالیوں کی مشکیں کس رکھی تھیں۔ چھٹا یرغمالی یعنی اس مکان کا مالک عبدل دوسرے کمرے میں تھا۔ کل رات اس نے اباقہ پر حملہ کی کوشش کی تھی مگر اباقہ نے نہایت درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی داہنی ٹانگ ران پر سے توڑ دی تھی۔ اب وہ ساتھ والے کمرے میں فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی چیخیں نہایت درد ناک ہو جاتی تھیں۔ عبدل کو ملنے والی اس سزا نے دوسرے یرغمالیوں کو سہما کر رکھ دیا تھا۔

اباقہ کمرے میں دہلیز پر چوکھٹ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نہایت بوسیدہ لباس تھا۔ زہر میں بجھی ہوئی لمبی تلوار گو نیام میں تھی لیکن اباقہ کا ہاتھ اس کے دستے پر تھا۔ وہ پلک جھپکتے میں اس "موت" کو نیام سے باہر کر سکتا تھا۔

دونوں نوگرفتار شدہ اسیر کچے فرش پر سوئے پڑے تھے۔ اس خاکی بچھو نے ان کے قیمتی لباسوں کا حلیہ اس طرح بگاڑ دیا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ تینوں لڑکیاں بھی قریب قریب لیٹی ہوئی تھیں۔ طاق میں رکھے چراغ کی مدھم روشنی ان کے زرد چہروں پر لرز رہی تھی۔ اچانک فاطمہ کی دبی دبی سسکیاں سنائی دیں۔ پھر یہ آواز بلند ہوتی چلی گئی وہ رو رہی تھی۔ اس کی سہیلی ثریا اٹھ کر بیٹھ گئی اور اسے تسلی دینے لگی۔ ثریا تینوں لڑکیوں میں سے بڑی تھی اور خاصی باہمت تھی۔ اس نے گھوڑا گاڑی سے اترنے کے بعد اباقہ پر حملہ کیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی مگر چپ ہونے کی بجائے فاطمہ کے رونے میں شدت آ رہی تھی۔

اچانک اباقہ دھاڑا۔ "چپ ہو جاؤ ..... میں کہتا ہوں چپ ہو جاؤ ..... ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فاطمہ نے ہونٹ سینے کی کوشش کی لیکن ہچکیاں بے ساختہ اس کے سینے سے ابل رہی تھیں۔ وہ ہچکیاں روکنے میں نے کام رہی۔ اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ثریا اباقہ پر چیخی۔ "میں نے کتنی بار تمہیں منع کیا ہے تم اسے کچھ مت کہا کرو۔ میں خود چپ کرا لوں گی اسے۔" اباقہ نے خون بار نظروں سے ثریا کو دیکھا پھر تلوار کے دستے کو بھینچ کر رہ گیا۔ ثریا اپنی سہیلی کو چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ باقی یرغمالی بھی اٹھ کر بیٹھ گئے اور سہمی ہوئی نظروں سے اباقہ کو دیکھنے لگے۔ اباقہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور گرج کر بولا۔ "میں ابھی واپس آؤں تو یہ لڑکی چپ ہو چکی ہو۔ سمجھے تم۔" سب کے سر بے ساختہ اثبات میں ہلنے لگے۔ اباقہ اٹھا اور ٹہلتا ہوا باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحن میں آگیا۔ رات کا پہلا پہر گزرنے کو تھا۔ آسمان پر چاند ستارے چمک رہے تھے۔ اباقہ نے بیرونی چار دیواری سے باہر جھانکا۔ سامنے کھیتوں کا طویل سلسلہ نظر آرہا تھا۔ ان کھیتوں نے اس مکان کو دو اطراف سے گھیر رکھا تھا۔ خوش قسمتی سے فصل اتنی بلند نہیں تھی کہ آدمی اس کے اندر چلتا ہوا مکان سے قریب پہنچ سکے۔ مکان کی باقی دو اطراف قدرتی طور پر ٹیلوں کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ اباقہ کو اس جانب سے کوئی فکر نہیں تھی۔ دفعتاً اباقہ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص کھیتوں میں چلتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں "صلح کا پرچم" لہرا رہا تھا۔ اباقہ جانتا تھا کہ یہ مکان مکمل طور پر سپاہیوں کے نرغے میں ہے۔ اس لئے نو وارد کو دیکھتے ہی اباقہ چوکنا ہو گیا۔ نووارد کی چال کچھ پہچانی سی لگ رہی تھی۔ وہ قریب پہنچا تو اباقہ حیران رہ گیا۔ وہ اسد اللہ تھا۔ پھر اسد کی آواز فضا میں گونجی۔ "اباقہ! میں اسد تم سے ملنا چاہتا ہوں اسد۔" اباقہ نے ہاتھ ہلایا۔ دروازے پر چونکہ باہر سے قفل لگا تھا۔ اس لیے اباقہ کی ہدایت پر اسد دیوار پھلانگ کر اندر آگیا۔ دونوں نے دیر تک معانقہ کیا۔ پھر دھیمے قدموں سے چلتے اس کمرے میں آگئے جہاں عبدل زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا تھا۔

"کیسے آئے ہو اسد؟" اباقہ نے پوچھا۔ اسد کو اس کے لہجے میں عجیب طرح کی سرد مہری محسوس ہو رہی تھی۔ اس سرد مہری کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ بولا۔

"اباقہ! میں سب کچھ جان چکا ہوں۔ تمہارے خلیج فارس کے سفر اور پھر سلطان جلال الدین کی شہادت تک ہر بات مجھے معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں سلطان کی شہادت سے تمہیں کس قدر صدمہ پہنچ سکتا تھا۔ اس واقعے پر تمہارا ردعمل بھی فطری ہے ..... مگر اباقہ ....."

"بس اسد اللہ!" اباقہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ کیونکہ اس سے آگے جو بھی تم کہو گے وہ میں مانوں گا نہیں۔" اسد نے اباقہ کی آنکھوں میں دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ وہاں جنون اور سرکشی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور نہایت دھیمے اور محتاط لہجے میں اباقہ کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ اس کا حسن کلام تھا کہ اباقہ نہ چاہنے کے باوجود سن رہا تھا لیکن یہ بات بھی واضح تھی کہ الفاظ اس پر مطلق اثر نہیں کر رہے۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے آواز کی لہریں کسی چٹان سے ٹکرا رہی ہوں۔ اسد بہت دیر اباقہ کو اس کے اقدام کے نتائج و عواقب سے آگاہ کرتا رہا۔ اسے سمجھاتا رہا کہ وہ بے گناہ لوگوں کو اپنے انتقام کا نشانہ نہ بنائے۔ اپنے انتقام کو ایسے راستے پر نہ چلائے کہ اپنے بیگانے سب اس کے دشمن ہو

جائیں۔ اس نے اسے بہت سے متبادل راستے بتائے۔ بہت سے طریقوں سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر سب کچھ بے اثر ہوا۔ اباقہ خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت اور برف جیسی سختی کے سوا اور کچھ نہیں تھا ..... دفعتاً اسد کو دروازے پر ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ اس نے دیکھا ایک لڑکی دروازے پر نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھری تھی۔ اباقہ کی اس جانب پشت تھی اس لیے وہ لڑکی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں میں چھری تھامے دبے قدموں سے اندر آئی۔ ایک ساعت کے لیے اس کی نظریں اسد سے ملیں ..... اور اس ایک ساعت میں ہی اس نے اسد کو سمجھایا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ اباقہ پر حملہ آور ہو رہی تھی اور چاہتی تھی کہ اسد بھی اس سے تعاون کرے۔ لڑکی کے انداز میں ہوشیاری اور بے خوفی پائی جاتی تھی اور لگتا تھا کہ اس نے جو کچھ سوچا ہے کر گزرے گی۔

اسد اللہ نے ایک نظر اباقہ کے چہرے کی طرف دیکھا اور سمجھ گیا کہ لڑکی دھوکہ کھا رہی ہے۔ اس بیچاری کو کیا معلوم تھا وہ کس شخص پر داؤ آزمانے جارہی ہے۔ حساس کانوں والا اباقہ اپنے عقب سے بے خبر نہیں تھا۔ میدان کار زار کے آزمودہ جنگجو کی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں ..... پھر اس سے پہلے کہ اسد اباقہ کو تھامتا یا لڑکی کو روکنے کی کوشش کرتا وہ کچھ ہو گیا جو اسد ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ لڑکی نے آخری چند قدم نہایت تیزی سے اٹھائے اور لپک کر اباقہ پر حملہ آور ہوئی۔ اباقہ نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اس کی تلوار بجلی کی طرح کوندی اور لڑکی کے سینے سے آپار ہو گئی وہ دردناک انداز میں چیخی۔ ساتھ والے کمرے سے اس کی سہیلیوں کی آوازیں آئیں۔ "ثریا ..... ثریا۔" لڑکی کے جسم سے ابلنے والا خون زمین میں جذب ہو رہا تھا۔ اباقہ پتھر کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس نے زمین پر گری لڑکی کا زخم دیکھا۔ اس کی نبضیں ٹٹولیں، مگر اب اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔ ساتھ والے کمرے سے لڑکیاں ابھی تک چیخ رہی تھیں۔ "ثریا ..... ثریا۔" لیکن اب وہ اسے آوازیں نہیں دے رہی تھیں۔ اس کا ماتم کر رہی تھیں۔

اسد نے اباقہ کو جھنجھوڑا۔ "یہ کیا کر دیا تم نے اباقہ ..... یہ کیا کر رہے ہو؟ خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔"

اباقہ تلوار ہاتھ میں لیے یک ٹک دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ وہ خوفناک لہجے میں بولا۔ "چلے جاؤ اسد ..... تم بھی چلے جاؤ۔ میری تلوار کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسد بولا۔ "اپنے دوست کو مارو گے اباقہ؟"

اباقہ نے کہا۔ "کیسی دوستی ..... کیسی دشمنی۔ میرے لیے اس دنیا میں کچھ باقی نہیں اسد ..... میرا سلطان مرگیا ..... میرا باپ مرگیا ..... وہ شخص مرگیا جسے میں ایک پل نظروں سے اوجھل نہ کرتا تھا۔ اس کے سر کی قسم اب یہ آنکھیں کسی کو نہ دیکھیں گی۔ اگر دیکھیں گی تو اس کے قاتلوں کو۔ وہ میرے دشمن ہوں یا دوست میں انہیں چن چن کر ماروں گا۔"

اسد بولا۔ "تُو نے بہت کو مارا ہے اباقہ۔ میں تیرے اجاڑے ہوئے گھر دیکھ کر آرہا ہوں۔"

اباقہ آنسو بہاتا ہوا بولا۔ "تُو نے ابھی کچھ نہیں دیکھا اسد۔ خدا کی قسم ابھی تُو نے کچھ نہیں دیکھا۔ ابھی بغداد کی ہر گلی میں صف ماتم بچھے گی' ہر گھر سے نالہ بلند ہو گا' ہر آنکھ خون روئے گی۔"

اسد نے کہا۔ "سلطان کی شہادت نے تجھے دل برداشتہ کر رکھا ہے۔ سمجھنے کی کوشش کر اباقہ کسی کے مرنے سے سب کچھ ختم نہیں ہو جاتا اور عظیم لوگ تو جاتے جاتے کچھ دے بھی جاتے ہیں۔ ان کے عظیم مقاصد زندہ رہتے ہیں اور ان کے نقوشِ قدم' منزلوں کے سراغ دیتے ہیں۔"

"نہیں اسد! نہ کوئی راستہ اور نہ کوئی منزل۔ سب کچھ لٹ گیا اب کچھ باقی نہیں۔ اب تو بس مارنا ہے اور مرجانا ہے۔"

اسد یک ٹک اباقہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو جھلملانے لگے تھے۔ پھر وہ پُر عزم لہجے میں بولا۔ "نہیں اباقہ ..... ابھی سب کچھ نہیں لٹا۔ ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ہاں ابھی بہت کچھ باقی ہے۔" پھر وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ اباقہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆------☆------☆

منظر وزیر داخلہ عبدالرشید کی عالی شان نشست گاہ کا تھا۔ وہ اور اسداللہ مصروف گفتگو تھے۔ عبدالرشید فکر مند لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اسد اللہ! مجھ پر دباؤ بڑھتا شروع ہو گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کچھ ہی روز بعد مجھ سے کھلے عام مطالبہ کیا جانے لگے گا کہ میں مجرم کے خلاف راست اقدام کر واؤں۔"

اسد نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ وہ اکیلا شخص ہے۔ آپ کی لاتعداد فوج کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے وہ مارا جائے گا..... لیکن ایک بات

میں پھر کہوں گا کہ یہ غلامیوں میں سے کوئی خوش قسمت ہی زندہ بچ سکے گا اور مجھے کہنے دیجئے کہ وہ سب سے پہلے آپ کی بیٹی ....."

"بس خدا کے لیے اور کچھ مت کہو۔" عبدالرشید نے تڑپ کر کہا۔ "مجھے میری بچی دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے ..... کچھ بھی کرو اسد' لیکن کسی طرح میری فاطمہ کو بچا لو۔" عبدالرشید اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسد کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ پھر وہ گھمبیر آواز میں بولا۔

"..... وزیر محترم! میری سمجھ میں تو اب ایک ہی راستہ آتا ہے۔ اس وقت اباقہ کو اگر کوئی قابو میں کر سکتا ہے تو وہ ماریتا ہے۔ اباقہ اس سے محبت کرتا ہے۔ شاید آپ بھی اس کے متعلق جانتے ہوں۔"

عبدالرشید فوراً بولا۔ "ہاں ..... میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ وہی عورت ہے نا جسے چغتائی خاں کی بیوی کہا جاتا ہے اور جسے منگول سفیر طوطم خاں اپنے ساتھ واپس لے جانا چاہتا تھا..... لیکن اس وقت وہ کہاں ہے؟"

اسد نے کہا۔ "یہی تو معلوم نہیں وزیر محترم۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا' منگول سفیر نے اسے قراقرم نہیں پہنچایا۔ میری اطلاعات کے مطابق وہ ابھی تک منگول سفیر کے قبضے میں ہے وہ اسے لے کر ایران کے مشرقی سرحدی علاقے میں کہیں روپوش ہے۔"

وزیر داخلہ نے کہا۔ "اسد اللہ! اگر یہ عورت اس جنگلی کو قابو میں کر سکتی ہے تو خدا کے لیے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ میں ہر طرح سے تعاون کو تیار ہوں۔"

اس نے کہا۔ "وزیر محترم! یہ کام اتنا آسان نہیں۔ اس کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔ کیا آپ اتنی دیر "اوپر" کا دباؤ برداشت کر لیں گے؟"

وزیر داخلہ نے کہا۔ "میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔"

اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وزیر محترم! آپ برا نہ مانیں تو میں ایک تجویز پیش کر سکتا ہوں۔"

"اسد! بیٹے! میں تمہیں اس مسئلے کے حل کے لیے کلی اختیار دیتا ہوں۔"

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "وزیر محترم! میں جانتا ہوں کہ آپ عبداللہ مشہدی کو ڈھونڈنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اس کے ملنے کی کوئی امید بھی نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہو ..... مگر آپ اپنی اس ناکامی کو عیاں نہ ہونے دیں۔ خلیفہ اور وزیر اعظم پر یہی ظاہر کرتے رہیں کہ عبداللہ مشہدی کی تلاش جاری ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور مجرم سے گفت و شنید بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ دوسری طرف آپ اباقہ پر بھی یہی ظاہر کریں کہ عبداللہ مشہدی کی تلاش میں پیش رفت ہوئی ہے اور عنقریب اس کا مطالبہ پورا کیا جا سکے گا۔ اس طرح نہ صرف آپ اباقہ کو پُر سکون رکھنے میں کامیاب رہیں گے بلکہ حکومت سے بھی خاطر خواہ مہلت حاصل کر لیں گے۔"

وزیر داخلہ کو اس نوجوان کی باتوں میں کسی دانا کی سی دانشمندی نظر آ رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کیا ہی اچھا ہو یہ نوجوان اس کا مشیر بنے۔ ذہنی طور پر اس نے اسد اللہ کی تجویز مان لی تھی۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک نوجوان سلام کرتا ہوا اندر آ گیا۔ اچھے قد کاٹھ کا یہ ایک خوش شکل نوجوان تھا لیکن چہرے سے گہرا دکھ جھلک رہا تھا۔ عبدالرشید نے نوجوان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ صالح ہے۔ فاطمہ کا شوہر۔" اسد نے غور سے اس بدنصیب شوہر کو دیکھا جو اپنی محبوب بیوی کا گھونگھٹ اٹھانے سے بھی محروم رہا تھا۔ کئی کٹھن مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ اپنی منزل تک پہنچ تھا لیکن دو ہاتھ کے فاصلے سے وقت کی آندھی نے اسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیا تھا۔ صالح کی آمد نے ماحول کو ایکدم سوگوار کر دیا۔ تعارف کراتے کراتے عبدالرشید کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ گفتگو کا رخ بدلنے کے لیے اسد اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا لیکن دلوں میں لگی آگ گفتگو کو اپنی لپیٹ میں ضرور لے لیتی ہے۔ جلد ہی ان کا موضوع گفتگو پھر اباقہ فاطمہ اور عبداللہ مشہدی ہو گئے۔ صالح نے اس سے پوچھا۔

"بھائی جان! یہ کہانی جو اباقہ نے شروع کی ہے۔ آخر کہاں ختم ہو گی؟"

اسد نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا برادر۔ وہ بالکل اپنے بس میں نہیں۔ مجھے تو خوف ہے عبداللہ مشہدی کو قتل کر کے بھی وہ چین سے نہیں بیٹھے گا....."

بہت دیر وہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔ پھر اسد اس وعدے کے ساتھ وزیر داخلہ سے رخصت ہو گیا کہ وہ کل ہی ماربنا کی تلاش میں روانہ ہوتا ہے۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ پچاس آزمودہ کار سپاہیوں کا ایک دستہ خفیہ طور پر اس مہم میں اس کے ساتھ جائے گا۔ وہ تو اس سے زیادہ سپاہی بھیجنے پر بھی تیار تھا لیکن اسد خود زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں چاہتا تھا۔

تمام امور طے کرنے کے بعد اسد وزیر داخلہ کے محل سے نکلا اور گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھوڑا دلکی چال چلتا بغداد کی بارونق گلیوں سے گزر رہا تھا۔ اچانک ایک خرسوار اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کے جسم پر بوسیدہ لباس تھا گلے

میں مالائیں اور گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ چہرے پر اس نے بھبھوت مل رکھی تھی۔ گدھا بھی اسی طرح گھنٹیوں اور رنگ برنگ کپڑے کے ٹکڑوں سے سجا ہوا تھا۔ دیکھنے میں یہ شخص بھیک مانگنے والا لگتا تھا..... لیکن اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو بغداد کے عام فقیروں سے جدا کرتی تھی۔ اسد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر اپنے رخ پر دیکھنے لگا۔ اچانک فقیر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ انداز بھیک مانگنے والا ہی تھا' مگر اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ نہایت صفائی سے اس نے یہ کاغذ اس کی جھولی میں گرا دیا۔ معاملہ پُراسرار تھا۔ اسد نے یونہی سے انداز میں کاغذ پکڑا اور اس کی تہیں کھولنے لگا۔ فقیر اب اسد کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اسد نے کاغذ کی تحریر دیکھی لکھا تھا۔

اسد اللہ! میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ۔ تمہارے لیے کچھ اہم اطلاعات ہیں۔

ایک دوست

تحریر نہایت مبہم اور نامکمل تھی لیکن اتنی ہی پُر تجسس بھی۔ اسد نے اس ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور دھیمی رفتار سے خرسوار کے عقب میں چلتا رہا۔ خرسوار اندرونِ شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہو گیا۔ مساجد سے شام کی اذان بلند ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں چراغ جل رہے تھے۔ عجیب پُراسرار اور افسانوی سا ماحول تھا۔ مختلف گلیوں سے گزر کر ایک جگہ بوڑھا خرسوار اچانک غائب ہو گیا۔ اسد گھوڑے پر سوار حیرانگی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ دونوں اطراف جھروکوں اور محرابوں والے اونچے مکان تھے۔ قریب ہی ایک نانبائی اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسد اس کے قریب جا کر کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ عقب سے دو گھڑسوار برآمد ہوئے اور نرم لہجے میں بولے۔ "چلیے جناب! ہمارے ساتھ آیئے۔" اسد خرسوار کے تعاقب میں اتنا مگن تھا کہ اپنے پیچھے آنے والوں سے آگاہ نہ ہو سکا۔ یقیناً یہ دونوں گھڑسوار شروع سے اس کے پیچھے تھے۔ وہ دونوں اسے لے کر ایک بڑے دروازے کے سامنے اُترے اور پھر اسے اندر لے گئے۔ بوڑھا خرسوار ایک کمرے میں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے چہرے سے بھبھوت صاف کر لی تھی لیکن باقی حلیہ ویسا ہی تھا۔ اسد نے دیکھا وہ کوئی غیر ملکی شخص تھا۔ رنگ سرخ و سپید اور آنکھیں نیلگوں۔ اسے اندر لانے والے دونوں گھڑسوار مقامی تھے اور اب غیر ملکی شخص کے عقب میں مؤدب کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے مترجم کے فرائض انجام دیئے اور اپنے مالک کا نام مائیکل بتایا۔ مائیکل اور اسد میں گفتگو شروع ہوئی اور دھیرے دھیرے پُراسرار ہوتی چلی گئی۔ مائیکل نے کہا۔ "میرے دوست! میں سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے سرزمین روس سے یہاں پہنچا ہوں۔ یہاں میری آمد کا مقصد چند افراد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ملاقات ہے۔ ان میں دو انتہائی اہم نام ابابّہ اور سردار یورق ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ابابّہ اور سردار یورق اسی شہر میں موجود ہیں اور یہ بھی خبر ہے کہ تم کل رات ابابّہ سے ملاقات کر چکے ہو۔ نوجوان! میں تمہیں کسی اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میرے آدمی کل اس وقت سے تمہارے تعاقب میں ہیں جب تم نے وزیر داخلہ کے سامنے خود کو ابابّہ کے ساتھی کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس وقت سے ہر پل تمہاری نگرانی کی گئی ہے۔ اس نگرانی کے سبب ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ سردار یورق تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہے۔ مگر ابابّہ کا مسئلہ ابھی جوں کا توں ہے۔ اب یہ تم بتاؤ کہ اس سے کیونکر ملاقات ہو سکتی ہے۔"

اسد نے کہا۔ "کیا آپ یہ وضاحت فرمائیں گے کہ آپ کو ابابّہ اور یورق کی ضرورت کس سلسلے میں درپیش ہے۔"

مائیکل نے کہا۔ "نوجوان! تم ابابّہ اور یورق کے ایک مخلص ساتھی کے طور پر سامنے آئے ہو اسی لئے میرے خیال میں تمہیں کچھ بتانے میں حرج نہیں ہے۔ سنو نوجوان! ہمارے ملک پر مشرق کے منگول ٹڈی دل حملہ آور ہو چکے ہیں۔ ان کی پرہوس نگاہیں ہمارے ہنستے بستے پُرامن شہروں پر لگی ہیں۔ ان کے ناپاک قدم ہماری کھیتیوں کو روند رہے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے نوجوان اپنی فصیلوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔ اپنے حوصلوں کو آواز دے رہے ہیں اور اپنے ہتھیاروں کو چمکا رہے ہیں۔ ایک طوفان ہے جو سینوں میں پل رہا ہے' ایک تاریخ ہے جو رقم ہونے والی ہے۔ ہم جانتے ہیں منگولوں سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ یہ درندہ نما انسان مشرق و مغرب میں خون کے دریا بہا چکے ہیں۔ ان کی سفاکی اور عیاری زبان زدِ عام ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان سے پوری تیاری کے ساتھ ٹکر لیں۔ روسی فصیلوں سے باہر ان درندوں کا شایانِ شان استقبال ہو اور اس کے لئے ہمیں مضبوط بازوؤں اور تجربہ کار ذہنوں کی ضرورت ہے۔ ایسے بازو اور ایسے ذہن جو منگولوں سے برسرِ پیکار رہ چکے ہوں۔ جنہوں نے منگولوں کے حوصلے آزما رکھے ہوں اور ان کی چالوں کو سمجھ رکھا ہو۔ مجھے میرے آقاؤں نے ناموں کی ایک فہرست کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس فہرست میں شامل بیشتر افراد سرزمین روس کا رخ کر چکے ہیں۔ جو باقی ہیں ان سے میں اور میرے ساتھی رابطے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابابّہ اور یورق بھی انہی میں شامل ہیں۔" اسد اور مائیکل میں تادیر گفتگو جاری رہی۔ دونوں نے ایک دوسرے کا مؤقف سمجھ لیا۔

اسد فوری طور پر اس "دعوت" کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن اسے یہ

بات کوئی ایسی بُری بھی نہیں لگی۔ اصل فیصلہ تو ابابّہ اور یورق خود ہی کر سکتے تھے مگر اولین مسئلہ ابابّہ تک رسائی تھا۔ اسد نے تفصیل سے غیر ملکی مہمان کو بتایا کہ "ابابّہ" کن حالات سے گزر رہا ہے اور اسے کس طرح مصائب نے جکڑ رکھا ہے۔ مائیکل کو جب معلوم ہوا کہ اسد کل اس عورت کی تلاش میں روانہ ہو رہا ہے جو ابابّہ کی وحشت دور کرنے کا سبب بن سکتی ہے' تو اس نے ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر اپنی خدمات اسد کو پیش کر دیں گے۔ اس نے کہا۔

"نوجوان! اس وقت تمہاری اور ہماری منزل ایک ہے۔ میں اس سلسلے میں تم سے ہر طرح کے تعاون کو تیار ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں خود تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں' ورنہ میں دو ایسے آدمی تمہارے سپرد کر دیتا ہوں جو چٹانوں سے زیادہ قوی اور سخت جان ہیں۔ تمہارے ایک اشارے پر وہ بلا جھجک اپنی جان دے دیں گے۔"

کچھ بحث تمحیص کے بعد اسد اللہ نے مائیکل کا تعاون قبول کر لیا۔ اسے یہ شخص قابلِ اعتماد اور کارآمد لگا تھا۔ سب سے زیادہ اس کو اس کی حب الوطنی نے متاثر کیا۔

☆======☆======☆

مارینا نے بچپن میں ایک کہانی سنی تھی۔ ایک ریچھ ایک عورت کو اٹھا کر غار میں لے جاتا ہے وہ اس سے عشق کرنے لگتا ہے۔ اس خیال سے کہ عورت اس کی غیر موجودگی میں بھاگ نہ جائے۔ وہ اس کے پیروں کے تلوے چاٹ چاٹ کر اتنے نازک کر دیتا ہے کہ وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ کچھ ایسا ہی حال مارینا کا بھی تھا۔ طوطم خاں نے اس کے تلوے تو نہیں چاٹے تھے لیکن جب بھی اسے کہیں باہر جانا ہوتا تھا وہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے پشت پر باندھ دیتا تھا۔ یہ غار ایک ایسی ڈھلوان پر واقع تھی کہ وہاں سے کھلے ہاتھوں اترنا بھی خاصا دشوار تھا۔ ہاتھ بندھے ہونے کی صورت میں وہاں سے اترنا سراسر موت کو دعوت دینا تھا۔ ایک روز مارینا نے فرار کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کے دونوں گھٹنے اور ایک رخسار بُری طرح چھل گیا تھا۔ اس روز طوطم خاں نے اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ یہاں رہ کر طوطم خاں کا رویہ اس کے ساتھ کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ کبھی تو اسے مارینا پر بے پناہ ترس آ جاتا تھا۔ وہ اسے کئی کئی روز کھانے کو کچھ نہیں دیتا تھا اور بے دردی سے زدوکوب بھی کرتا تھا مگر پھر جلد ہی اسے اپنے رویے پر ندامت ہونے لگتی تھی۔ وہ نہ صرف اس سے معافی مانگتا تھا بلکہ آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد بھی دوہرانے لگتا تھا۔ جب اس کا مزاج ٹھیک ہوتا تھا تو وہ ہر طرح مارینا کے آرام کا خیال رکھتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اسے کوئی پریشانی یا تکلیف نہ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب سے مارینا یہاں آئی تھی اس نے طوطم خاں کے علاوہ کسی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ انسان تو انسان' طوطم خاں تو یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی جانور یا پرندہ اس غار میں داخل ہو۔ ایک روز بلی کا ایک چھوٹا سا بچہ نہ جانے کہاں سے گھومتا ہوا آیا اور غار کے دہانے پر رکھے پتھر کے نیچے سے ہو کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ زخمی تھا اور سردی سے کانپ رہا تھا۔ مارینا نے اپنے بندھے ہاتھوں سے اس کے زخم پر مرہم رکھی اور سردی سے بچانے کے لئے اسے ایک اونی کپڑے میں لپیٹ دیا۔ شام کے وقت طوطم آیا تو بلی کے بچے کو دیکھ کر غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اس بیچارے کو دم سے پکڑ کر اتنی زور سے دیوار کے ساتھ مارا کہ وہ آواز نکالے بغیر مر گیا۔ مارینا وحشت کے اس مظاہرے پر رونے لگی۔ طوطم خاں نے اس پر بھی تھپڑوں کی بارش کر دی۔

مارینا کو طوطم خاں کا عجیب و غریب رویہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک روز طوطم کی غیر موجودگی میں وہ دہانے کے قریب بیٹھی گزرے دنوں کی تلخ و شیریں یادوں میں گم تھی کہ ایک آہٹ سن کر چونک گئی۔ یہ آہٹ طوطم خاں کے بھاری بھرکم قدموں کی نہیں تھی۔ نہ ہی کسی جنگلی خرگوش یا گلہری کی تھی۔ وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گئی۔ اچانک غار سے باہر ایک سایہ سا لہرایا اور ایک شخص جھک کر اندر جھانکنے لگا۔ اپنے سامنے ایک خوبصورت لڑکی کو بیٹھے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے وا رہ گئیں۔ وہ دبلے پتلے جسم والا ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ حلیے سے کوئی شکاری لگتا تھا' کندھے پر تیر کمان لٹک رہا تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی تھی اور چہرے پر مہینوں کی گرد جمی تھی۔ عرصے کے بعد کسی انسان کو اپنے سامنے دیکھ کر مارینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بوڑھا اسے حیرت سے دیکھتا ہوا اندر آ گیا۔

"تو کون ہے لڑکی اور یہاں کیا کر رہی ہے؟" بڑھاپے کے باوجود اس کی آواز میں جوانوں کی سی زندہ دلی تھی۔ مارینا نے اسے اپنا نام بتایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس ویرانے میں کیسے چلا آیا ہے۔ بوڑھے نے بتایا کہ وہ ایک شکاری ہے اس کی زندگی کا بڑا حصہ ویرانوں میں بھٹکتے اور قدرت کے مظاہر سے لطف اندوز ہوتے گزرا ہے۔ بعض اوقات وہ کئی کئی سال انسانی بستیوں کا رخ نہیں کرتا۔ اس نے بتایا کہ آج کل وہ ایک نایاب پرندے کی تلاش میں ہے۔

پھر اس نے مارینا کی کہانی سننا چاہی۔ مارینا نے مختصراً اسے اپنے متعلق بتایا۔ وہ جلد از جلد بوڑھے کو یہاں سے روانہ کر دینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ طوطم واپس آ جائے اور اس معصوم صورت بوڑھے کا حشر بھی' بلی کے اس بچے جیسا ہو۔ بوڑھے نے مارینا کی پریشانی اور اضطراب کو محسوس کر لیا۔ وہ بولا۔ "لڑکی! تو گھبرا مت میں تجھے اس

ظالم کی قید سے نجات دلواؤں گا۔"

مارینا نے کہا۔ "بزرگوار! آپ میری مدد کی کوشش میں خود بھی نقصان اٹھائیں گے۔ وہ بہت ظالم اور ہوشیار شخص ہے۔ اس ڈھلوان سے اترتے اترتے وہ ہمیں پکڑ لے گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اگر آپ میرے لئے کچھ کر سکتے ہیں تو یہ کریں کہ یہاں سے زندہ سلامت واپس چلے جائیں۔ پھر کبھی کسی انسانی بستی سے آپ کا گزر ہو تو ان لوگوں تک میری یہ درد بھری کہانی پہنچا دیں۔ شاید یہ بات کبھی ان کانوں تک بھی جا پہنچے جو میرے نام سے آشنا ہیں..... شاید وہ میری رہائی کے لئے کوئی کوشش کر سکیں۔" بالآخر مارینا بوڑھے کو سمجھانے میں کامیاب ہو گئی۔ بوڑھا اسے خدا حافظ کہہ کر غار سے باہر نکل آیا۔ "مجھے بھولیے گا نہیں۔" مارینا نے لرزاں آواز میں کہا۔ بوڑھے نے اداسی سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور مارینا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

☆-------☆-------☆

سردار یورق نے ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزار دی۔ پھر قریبی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ سردار نے اٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اسد کی خوابگاہ کی طرف چل دیا۔ اسد مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد ابھی ابھی واپس آیا تھا اور اب سامان رخت باندھنے میں مصروف تھا۔ یورق کو سامنے دیکھ کر وہ چونک گیا۔ یورق کے چہرے کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی اہم بات کرنے آیا ہے۔

"اسد اللہ!" یورق نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "میں آج تمہارے سامنے ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں اور ایک اطلاع بھی دینا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ جب مارینا "کالے پہاڑوں کی وادی" سے غائب ہوئی تو میں نے پوری دیانتداری سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ مگر ایک بات ایسی ہے جو میں اب تک تم سے چھپاتا رہا ہوں۔ مجھے اپنے اس رویے پر شرمندگی بھی ہے اور افسوس بھی لیکن کیا کروں' میرے دل سے یہ بات کسی صورت نہیں نکلتی کہ وہ عورت اباقہ کی زندگی کے لئے خطرہ ہے۔ میں نے بغداد پہنچ کر بارہا کوشش کی کہ تمہیں مارینا کے بارے میں اس اہم اطلاع سے باخبر کر دوں لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ مگر آج جب کہ تم مارینا کی تلاش میں افغان سرحد کی طرف روانہ ہونے والے ہو' میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مارینا اس علاقے میں نہیں ہے۔" چند لمحے توقف کے بعد سردار یورق نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "جب میں نبیلہ اور سلیمان کے ساتھ ایران سے ہوتا ہوا بغداد آ رہا تھا تو راستے میں ایک شخص نے دو ہزار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشرفی کے بدلے مجھے ایک اہم اطلاع "فروخت" کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ مارینا کو اغوا کرنے والے افراد میں شامل تھا۔ انہیں طوطم خاں نے چار ہزار اشرفیاں دی تھیں جو انہوں نے آپس میں تقسیم کیں۔ اس نے بتایا کہ طوطم خاں نے مارینا کے ساتھ "مشہد" کا ارادہ کیا تھا۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ وہ "مشہد" کے نواح میں کہیں موجود ہے۔ ہم اس وقت چونکہ "مشہد" سے کافی آگے نکل آئے تھے اور اس وقت مجھے اباقہ کی فکر بھی لاحق تھی اس لئے اس اطلاع پر میں "مشہد" کا رخ نہ کر سکا۔ ہاں تم سے ملنے کے بعد مجھے تمہیں اس بارے میں بتانا چاہئے تھا لیکن میں نہ بتا سکا۔ اپنی اس غلطی پر مَیں شرمندہ ہوں۔"

اسد نے یورق کی پوری بات سن کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "سردار تم نے کبھی یہ سوچا کہ مَیں اتنے یقین کے ساتھ مارینا کی تلاش میں کیوں روانہ ہو رہا ہوں جب کہ اس کے متعلق میرے پاس کوئی اہم سراغ بھی نہیں؟" یورق سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسد نے مسکرا کر کہا۔ "سردار یورق' میری چھٹی حس کہتی تھی کہ تم مارینا کے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ جانتے ہو .... اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ تم مجھے روانہ ہوتے دیکھ کر یہ اہم اطلاع اپنے سینے میں دفن نہ رکھ سکو گے۔ مجھے تمہاری اندرونی سچائیوں پر بھروسہ تھا۔ سردار مجھے معلوم تھا تم اتنے بُرے دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔ میں رات بھر تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں سردار یورق! اور صبح بھی میں نے گڑگڑا کر خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ سردار یورق کے دل کی گرہ کھل جائے .... اور میری دعا قبول ہوئی سردار!"

"ہاں تمہاری دعا قبول ہوئی اسد!" سردار یورق نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "جاؤ' خدا تمہارا مددگار ہو۔"

اسد نے کہا۔ "سردار یورق! جانے سے پہل میں ایک اور کام کرنا چاہتا ہوں۔ آج تک باپ بیٹوں کے نام رکھتے رہے ہیں مگر آج ایک نوجوان' اپنے بزرگ کا نام رکھنا چاہتا ہے۔ تم اس وقت "اللہ کی مدد" بن کر میرے پاس آئے ہو۔ میں تمہارا اسلامی نام نصراللہ رکھتا ہوں۔ نصراللہ کا مطلب ہے' اللہ کی مدد۔"

یورق نے خوشدلی سے اس نام کو قبول کیا لیکن تلفظ اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسد نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "گھبراؤ مت سردار! ابھی ہم تمہیں یورق ہی کہیں گے۔ اباقہ کا نام بھی تو اسماعیل ہے مگر ہم اسے اباقہ کہتے ہیں۔" یورق ہنس دیا۔

اس دوران سلیمان اور نبیلہ بھی آ گئے اور سب مل کر اسداللہ کی روانگی کی تیاری

کرنے لگے۔

☆——————☆——————☆

ایک روز بعد کی بات ہے خلیفہ کے محل میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔ وزیراعظم کے علاوہ ابنِ یاشر اور مسلم بن داؤد بھی وہیں موجود تھے۔ ابن یاشر کہہ رہا تھا۔

"امیرالمومنین! اباقہ کو خواہ مخواہ ہوّا بنایا جا رہا ہے اور اسے ہوّا بنانے میں سب سے اہم کردار خود عبدالرشید نے ادا کیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے ایک آدمی اور پورے شہر کو بے بس کر ڈالے۔ وہ انسان ہے کوئی جن تو نہیں۔ گستاخی معاف امیرالمومنین! میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں آپ مجھے صرف دس باہمت افراد اور چند گھڑی کی مہلت دے دیں میں اس پاگل کو مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹتا آپ کے قدموں میں لے آؤں گا۔ حد ہو گئی برداشت کی۔ کتنی دیدہ دلیری سے وہ ہم سے عبداللہ مشہدی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ میں تو کہوں گا اگر عبداللہ مشہدی ملتا بھی ہے تو ہمیں اس کا مطالبہ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ تو ایک عدد مردود شخص ہے' خدا کی قسم اگر ایک فوج مل کر بھی امیرالمومنین کا سر جھکانا چاہے تو ہم جیسے جاں نثار اسے لہو میں ڈبو دیں۔"

وزیراعظم نے تائید کرنے والے انداز میں کہا۔ "اُس کی سفاکی درندگی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ جب سے اس نے ایک بچی کو قتل کیا ہے میں خود بھی سوچ رہا ہوں کہ اب ہمیں مزید کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔"

وزیرِ خارجہ ابن یاشر نے کہا۔ "امیرالمومنین! مَیں تو کہتا ہوں کہ اُس کے خلاف کارروائی میں کسی قیمت پر تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔"

خلیفہ مستنصر نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "ابن یاشر' میری اطلاعات کے مطابق وہ نہایت سفاک اور جنگجو شخص ہے۔ تمہیں یاد ہو گا۔ سیف الدین کے مکان پر ہماری کارروائی کو اُس نے کس بُری طرح ناکام کیا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اس مرتبہ بھی وہ نقصان پہنچائے۔"

اس موقع پر مسلم بن داؤد نے کہا۔ "امیرالمومنین' بندہ مجرم کو نہایت قریب سے جانتا ہے جس واقعے کا آپ ذکر کر رہے ہیں میں بھی اس میں موجود تھا۔ اس وقت مجرم کے ساتھ بیسیوں ساتھی تھے۔ بخدا آپ یقین کریں وہ تنہا کچھ بھی نہیں ہے۔ قراقرم میں کم از کم دو تین مواقع ایسے آئے جب مجھ جیسے ناتواں بوڑھے نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا۔ وہ پھرتیلا ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں جتنا مشہور ہو چکا ہے۔ تلوار چلانا تو اسے سرے سے آتا ہی نہیں۔ یقین کریں قراقرم میں چغتائی خاں نے اس کی وہ درگت بنوائی تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدا کی پناہ۔ مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور قید میں پھینکوا دیا تھا۔ وہاں سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اور کوٹھڑی میں کیڑے پکڑ پکڑ کر کھاتا تھا۔ امیرالمومنین! یہ تو ہم لوگوں نے خواہ مخواہ اس کا خوف خود پر سوار کر رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اُس مکان پر اچانک ہلّہ بول دیا جائے تو وہ جان جانے کے خوف سے تلوار پھینک کر کھڑا ہو جائے گا۔"

وزیراعظم نے کہا۔ "ہاں یہ تو ہے۔ ایسے مجرم جب موت کو سامنے دیکھتے ہیں تو اپنی دھمکیاں بھول جاتے ہیں۔"

ابن یاشر نے کہا۔ "بالکل حضور! موت کا راگ الاپنا اور بات ہے' اسے گلے سے لگانا اور بات۔ مجھے کامل بھروسہ ہے کہ اگر ہم اچانک اس پر جا پڑیں تو وہ سکتے میں کھڑا رہ جائے گا۔ فرض محال اُس نے حرکت کی بھی تو ایک شخص کتنوں کو ہلاک کر سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک یا دو یرغمالیوں کو زخمی کر پائے گا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا امیرالمومنین! جو کچھ وہ کر رہا ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو گا۔"

وزیراعظم نے طویل سانس لے کر کہا۔ "امیرالمومنین! محسوس ہو رہا ہے کہ لوگ اس معاملے کی وجہ سے حکومت کو مسلسل ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔ یوں بھی عبدالرشید بیٹی کی وجہ سے کچھ جذباتی ہو رہا ہے۔ اُس کے کہنے پر ہم اس معاملے کو کب تک طول دیں گے۔ جتنی تاخیر ہو گی حل دشوار ہوتا جائے گا۔ پورے اٹھارہ روز ہو چکے ہیں۔ اب عبدالرشید دو تین ہفتوں کی اور مہلت مانگ رہا ہے۔ خبر نہیں اُس کے ذہن میں کیا ہے لیکن مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔"

ابن یاشر نے کہا۔ "جناب! ایسے مسئلے مہینوں میں نہیں ساعتوں میں حل کیے جاتے ہیں۔ لوگ تو اب انتظامیہ کی بزدلی کا مذاق اُڑانے لگے ہیں۔"

خلیفہ نے کہا۔ "عبدالرشید سے ایک بار پھر بات کر لی جائے آخر اُس کے پاس وزارتِ داخلہ کا قلمدان ہے۔"

ابن یاشر تیزی سے بولا۔ "خلیفۃ المسلمین! یہ صرف وزارت داخلہ کا معاملہ نہیں' میری وزارت بھی اس میں ملوث ہے۔ مغول قاصد آئے دن مجرم کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ کیا کہیں گے کہ ڈھونڈنا تو درکنار ہم ہاتھ آئے مجرم پر ہاتھ نہیں ڈال رہے۔"

خلیفہ کو ابن یاشر کے یہ الفاظ کچھ ناگوار گزرے مگر وزیراعظم نے اس ناگواری کو محسوس کرتے ہوئے فوراً کہا۔ "امیرالمومنین! عبدالرشید کو بلا تو لیا جائے مگر اس سے فائدہ کچھ نہیں جذباتی صدمے نے اُس کی قوت فیصلہ بُری طرح متاثر کی ہے۔ وہ بالکل بچوں

کے انداز میں سوچ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے بعد میں وہ خود بھی ہمارے فیصلے کو سراہے مگر اس وقت وہ ہرگز نہیں مانے گا۔"

خلیفہ مستنصر نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے جو بھی کرنا ہے کرو' مگر خوب غور و فکر کر لو۔ یہ پیش نظر رہے کہ وہ افراد جو مجرم کی قید میں ہیں اُن کی تمام امیدیں ہم سے وابستہ ہیں۔ ان کی جانوں کا تحفظ ہماری ذمے داری ہے۔ اگر انہیں کچھ ہوا تو ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا۔"

ابن یاشر نے کہا۔ "امیرالمومنین! ہم نے کافی سوچ بچار کی ہے۔ ایک بڑا اچھا منصوبہ ہمارے ذہن میں ہے۔ میری حاصل کردہ معلومات کے مطابق مکان کے اندر موجود راشن آج رات یا کل کسی وقت ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد یقینی طور پر مجرم کی طرف سے راشن کی مانگ آئے گی اور یہ پہلا موقع ہو گا کہ باہر کے کسی آدمی کو مکان کے اندر جانے کا موقع ملے گا۔ ہمارے جو آدمی راشن لے کر جائیں گے وہ بغداد کی ڈھائی لاکھ فوج میں سے چوٹی کے جانباز ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ کسی بلا سے کم نہیں۔ اُن کے اندر داخل ہوتے ہی اردگرد موجود سپاہی بھی مکان میں گھس جائیں گے اور انشاء اللہ اُس موذی کو موقع پر ہی ٹکڑے کر دیا جائے گا۔"

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں قصرِ خلد سے آگے' دجلہ کے اس پار نہر کلثومیہ کے نیلوں کے دامن میں اُس چھوٹے سے مکان کے اندر اباقہ نے فاطمہ کے ہاتھ کھولے اور حسب معمول اسے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ فاطمہ اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں گئی۔ ذرا ہی دیر بعد وہ واپس آ کر اباقہ کو بتا رہی تھی کہ تمام کا تمام راشن ختم ہو چکا ہے۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ بغداد کی وسیع و عریض چھاؤنی کا اندرونی منظر تھا۔ ایک جانب ایک چھوٹی سی چاردیواری تھی۔ چاردیواری کے اندر زمین پر گھاس بچھی تھی۔ وزیر خارجہ ابن یاشر اپنے دو ساتھیوں کو توال شہر اور ناظم کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ وہ تینوں آرام دہ نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے کم از کم آٹھ چاق و چوبند سپاہی موجود تھے۔ ان سپاہیوں کے سخت گیر چہرے اور ورزشی جسم بتا رہے تھے کہ وہ کوئی بھی مشکل ترین کام کر گزرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان سپاہیوں کی قیادت ایک "یک ہزاری" سردار کے سپرد تھی۔ وہ ان کے سامنے کھڑا انہیں مختلف ہدایات دے رہا تھا۔ دراصل یہ ساری تیاری اباقہ کے خلاف ہو رہی تھی۔ خلیفہ نے وزیر خارجہ ابن یاشر کو اس مہم کا نگران اعلیٰ مقرر کیا تھا اور اسے اجازت دی تھی کہ وہ یرغمالیوں کو چھڑانے لیے اپنی صوابدید کے مطابق جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے اقدامات کرے۔

یک ہزاری سردار کے اشارے پر سپاہیوں نے تلوار زنی اور دست بدست لڑائی کی مشق شروع کر دی۔ وزیر خارجہ بڑے انہماک سے یہ مظاہرہ دیکھ رہا تھا۔ جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ بوڑھا مسلم بن داؤد تھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے منہ وزیر خارجہ کے کان کے قریب کیا اور بولا۔

"وزیر محترم! خوراک کی مانگ آگئی ہے۔"

اس اطلاع پر ابن یاشر کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے معنی خیز نظروں سے ناظم اور کوتوال کی طرف دیکھا اور پھر تینوں اٹھ کر ایک کمرے میں آگئے۔ یہ یک ہزاری سردار کا دفتر تھا۔ دیواروں پر مختلف نقشے اور جنگی ہتھیار آویزاں تھے۔ وہ تینوں نشستوں پر بیٹھ گئے۔ مسلم بن داؤد نے بھی اندر آکر چوتھی نشست سنبھال لی۔ اپنی خشخشی داڑھی کھجا کر وہ بولا۔

"محترم حضرات! ابھی نگران دستے کے کمان دار نے اطلاع دی ہے کہ مجرم نے خشک خوراک کا تقاضا کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ دوپہر سے پہلے ایک بورا گندم کا آٹا' نصف بورا خشک گوشت اور دو تھیلے پنیر کے مکان میں پہنچا دیے جائیں۔"

وزیر خارجہ نے پُر جوش لہجے میں ناظم سے کہا۔ "منصور! میں نے کہا تھا نا آج یا کل کسی وقت کام شروع ہو جائے گا۔"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے وزیر محترم۔" ناظم منصور نے کہا۔ "اب ہمیں آپ کی ہدایات کی ضرورت ہے۔"

وزیر خارجہ اٹھ کر دیوار تک گیا۔ وہاں ایک سفید کاغذ پر اس نے سیاہی سے مکان کا خیالی نقشہ بنا رکھا تھا۔ ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے وہ بولا۔ "یہ وہ کمرہ ہے جہاں مجرم نے یرغمالیوں کو رکھا ہے اور جس کی دہلیز پر وہ ہر وقت بیٹھا رہتا ہے۔ چونکہ یہ کمرہ کچھ بلندی پر ہے اس لیے وہ باآسانی مکان کی چار دیواری سے باہر کھیتوں پر نظر رکھ سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں اب تک اس نے ہم سے جو بھی گفتگو کی ہے وہ اس کمرے کی دہلیز پر کی ہے اور گفتگو کرنے والا مکان کی چار دیواری سے باہر کھڑا رہا ہے ..... مگر آج پہلی بار اسے مکان کا بیرونی قفل کھولنا ہو گا تاکہ خوراک وصول کر سکے۔ جیسا کہ ہمارا منصوبہ ہے مجرم کے لئے خوراک لے کر جانے والے افراد ہمارے ماہر ترین چھاپہ مار ہوں گے اور وہ اندر داخل ہو کر مجرم پر قابو پانے کی کوشش کریں گے' لیکن یہاں میں آپ کے سامنے وہ چیزوں کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ ہم سب اس وقت ایک دستے کی طرح کام کر رہے

ہیں اس مہم کی ناکامی یا کامیابی کی صورت میں ہم سب متاثر ہوں گے لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے درمیان مکمل افہام و تفہیم ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ میں کل مشہور چینی طبیب فانگ ہو سے ملا تھا۔ فانگ ہو نے اس لڑکی کی لاش کا معائنہ کیا تھا جو مکان کے اندر مجرم کے وار سے ہلاک ہوئی۔ فانگ ہو کا کہنا ہے کہ لڑکی کے سینے میں جو زخم لگا وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا تھا۔ یہ زہر انتہائی تیز ہے کہ اس کا ایک چرکا بھی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنا ہو گی کہ مجرم کے پاس جو تلوار ہے وہ زہر میں بجھی ہوئی ہے۔ دوسری بات جو کل سے میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے' یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مجرم خوراک وصول کرتے ہوئے بھی ہوشیاری دکھا جائے۔ اب تک کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی چوکنا شخص ہے۔ خوراک وصول کرنے کے لیے وہ دو طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ خوراک لانے والوں سے کہے کہ اسے برآمدے یا کمرے میں ڈھیر کر دیں۔ اس صورت میں تو ہمارے منصوبے کی کامیابی کا امکان ہے لیکن دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خوراک کو صحن میں ڈھیر کروا دے اور بعد میں جب ہمارے آدمی واپس چلے آئیں تو وہ یرغمالیوں سے کہہ کر اسے اندر رکھوالے۔ اگر اس نے یہ دوسرا طریقہ اختیار کیا تو کیا ہماری ساری منصوبہ بندی دھری نہیں رہ جائے گی۔"

مسلم بن داؤد نے کہا۔ "وزیر محترم! آپ کا کہنا بالکل بجا ہے۔ میرے ذہن میں بھی یہ خدشہ موجود تھا۔"

ابن یاشر نے زور دے کر کہا۔ "یہ امکان واقعی موجود ہے اور اس کا ایک حل بھی ہے۔ کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ خوراک اٹھانے والے بھی ہمارے آدمی ہوں اور "خوراک" بھی ہمارے آدمی۔"

جلد ہی مسلم بن داؤد اس جملے کا مفہوم سمجھ گیا۔ وہ بے ساختہ بولا۔ "سبحان اللہ۔ آپ کی فراست مسلمہ ہے۔ آپ کا مطلب ہے کہ خوراک کے بوروں میں خوراک کی جگہ ہمارے سپاہی ہوں۔"

"بالکل۔" وزیر خارجہ نے کہا۔ "خشک گوشت کے نصف بورے میں اگر پنیر کے دو تھیلے بھی رکھ دیے جائیں تو اس کا حجم خاصا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں بھی ایک آدمی چھپ سکتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ باہر سے دیکھنے میں کسی کو شک نہ ہو تو اس کے لیے ہم بوروں میں روئی وغیرہ رکھ سکتے ہیں تاکہ بیرونی سطح ہموار نظر آئے۔"

ناظم منصور نے کہا۔ "وزیر محترم! ایک تجویز میری بھی ہے۔ اگر آپ کا یہ منصوبہ ہے تو پھر مجرم کو خوراک کی فراہمی رات کی تاریکی میں کی جائے تاکہ اسے بوروں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساخت پر کوئی شبہ نہ ہو۔"

وزیر خارجہ نے قہر آلود نظروں سے نوجوان ناظم کی طرف دیکھا پھر غصے سے بولا۔"منصور! تم ہمیشہ ایسی بات کرتے ہو جس سے تصدیق ہوتی ہے کہ تم اس عہدے پر غیر موزوں ہو ..... وہ شخص جو اٹھارہ روز سے پانچ آدمیوں کو یرغمال بنائے بیٹھا ہے اتنا گدھا ہرگز نہیں کہ ہمیں رات کی تاریکی میں خوراک پہنچانے کی اجازت دے۔"

مسلم بن داؤد نے وزیر خارجہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔"محترم وزیر آپ کا خیال سو فیصد درست ہے میرا تو اندازہ ہے کہ ان کی خوراک رات ہی سے ختم ہے مگر اس نے دن چڑھنے کا انتظار اس لیے کیا تھا کہ اس متوقع کارروائی سے بچ سکے ..... ویسے میں اس حد تک جناب منصور کی تائید ضرور کروں گا کہ مجرم کو خوراک کی فراہمی شام تک ٹال دی جائے۔ میرا مطلب ہے اگر رات کی تاریکی نہیں تو شام کا جھٹپٹا ہی سہی۔"

وزیر خارجہ نے کہا۔"ہاں اس حد تک کوشش ضرور کی جا سکتی ہے۔"

وزیر خارجہ کی سرزنش پر ناظم منصور کافی بوکھلا گیا تھا۔ خفت دور کرنے کے لیے اس نے بات بدلی۔"وزیر محترم! میرا مقصد یہ تھا کہ مجرم اور یرغمالیوں کو خوراک کے بغیر آٹھ پہر ہونے کو آئے ہیں۔ اگر کسی طرح انہیں رات تک ٹال دیا جائے تو ہو سکتا ہے رات کسی پہر بھوک سے بیتاب ہو کر وہ خوراک وصول کرنے پر رضامند ہو جائے۔"

وزیر خارجہ برہمی سے بولا۔"اور اگر رات تک اس جنونی نے کسی بدبخت کا سر کاٹ کر کھیتوں میں اچھال دیا تو خلیفہ کو جواب تم دو گے یا ناظم اعلیٰ صاحب خود ذلیل ہوں گے؟" ناظم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ ابن یاشر اسی لہجے میں بولا۔"منصور لگتا ہے تم ابھی تک مجرم کو سمجھ نہیں سکے ہو۔ نہ ہی تم نے اس "بحران" پر سنجیدگی سے غور و فکر کیا ہے۔ ہماری یہی غیر سنجیدگی ہے جس کی رو سے ایک تنہا شخص ابھی تک ہمیں انگلیوں پر نچا رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مکان کے سامنے موجود ہمارا نگران دستہ اٹھارہ روز میں کم از کم تین بار اندر داخل ہونے کی کوشش کر چکا ہے۔ ہر بار ان کا خیال تھا کہ مجرم اس وقت سو رہا ہو گا' لیکن وہ ہر دفعہ انہیں جاگتا ہوا ملا۔ جو شخص اٹھارہ روز جاگ کر یا اس طرح سو کر گزار سکتا ہے کہ ذرا سی آہٹ پر جاگ جائے' اس سے تم یہ توقع کر رہے ہو کہ وہ چند پہر کی بھوک سے بے تاب ہو کر اپنی گردن تمہارے ہاتھ میں دے دے گا۔" ناظم ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

وزیر خارجہ نے اپنی چوڑی اور گھنی مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا۔"میں تمہیں اس شخص سے ڈرا نہیں رہا اور نہ ہی میں خود خوف کھاتا ہوں ہاں میں ہر معاملے کو پوری

سنجیدگی سے لیتا ہوں اور یہی وجہ ہے ..... یہی وجہ ہے کہ میں اس مردود پر قابو پاؤں گا اور چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

کچھ دیر بعد چھاپہ ماروں کا کمانڈر بھی اپنے ماتحتوں کو مشق کرانے کے بعد اندر آیا۔ وہ سب سر جوڑ کر اپنے منصوبے کو آخری شکل دینے میں مصروف ہو گئے۔

☆------☆------☆

دونوں لڑکیاں سہمی ہوئی ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔ بھوک کی وجہ سے ان کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ زیادہ بُرا حال گرفتار شدہ امیروں کا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے ان موٹے تازے امیروں کو بیٹھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ وہ زمین پر نیم دراز تھے۔ اباقہ نے دہلیز پر بیٹھے بیٹھے ایک نظر پھر کھیتوں کی طرف دوڑائی۔ اسے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا تھا۔ دوپہر کے وقت ایک غیر مسلح سپاہی نے چاردیواری کے پاس آ کر اسے اطلاع دی تھی کہ خوراک کے بارے ان کا پیغام شہر پہنچا دیا گیا ہے۔ اباقہ کو بہت طیش آیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ دوپہر تک خوراک پہنچ جائے گی اور یہاں ابھی صرف پیغام ہی پہنچا ہے۔ اس نے سرد لہجے میں سپاہی کو مطلع کیا تھا کہ سہ پہر تک مطلوبہ اشیاء پہنچ جائیں ورنہ نتائج کی ذمہ داری ان پر ہو گی اور اب شام ہونے کو آئی تھی۔ اباقہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی نظر بار بار ایک امیر کے چہرے پر جم جاتی تھی۔ امیر بھی دیکھ چکا تھا۔ اباقہ اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا ہے اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اباقہ طیش کے عالم میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ حکام کو سبق سکھانے کے لیے وہ کسی کی گردن بھی کاٹ سکتا ہے۔ اسی لیے تھوڑی دیر بعد جب اباقہ اپنی جگہ سے اٹھا تو لڑکیوں سمیت دونوں امیروں کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے۔ خاص کر اس امیر کے منہ سے تو ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

فاطمہ کے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے اپنے بچھونے کی طرف بڑھی اور اس کے نیچے سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر اباقہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی لرزاں آواز ابھری۔

"یہ میں نے اپنے حصے سے بچایا تھا۔ اگر تمہیں زیادہ بھوک لگی ہے تو یہ کھا لو۔ مگر خدا کے لیے کسی کو کچھ نہ کہنا۔ کچھ دیر انتظار کر لو۔ میرے ابا جان خوراک ضرور بھجوائیں گے۔"

اباقہ نے روٹی کا ٹکڑا فاطمہ کو واپس کرتے ہوئے کہا۔"کل کے لیے کیوں بچاتی ہو۔ کھا لو اسے۔ کیا معلوم کل تمہیں دیکھنا ہے یا نہیں۔"

فاطمہ کے ساتھ ساتھ باقی یرغمالیوں کی آنکھیں بھی خوف سے پھیل گئی ایک امیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کا نام عباسی تھا بولا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ تم ہمیں قتل کردو گے۔"

اباقہ گھمبیر لہجے میں بولا۔ "تمہیں تمہارے حکمران قتل کریں گے۔ اپنی بے وقوفی اور ہٹ دھرمی سے۔ شاید وہ اس وقت تمہاری موت کے پروانے کو آخری شکل دے رہے ہیں۔"

فاطمہ چیخ کر بولی۔ "نہیں۔ ابا حضور' ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

اباقہ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ "اگر تمہارے ابا حضور ایسا نہ ہونے دیں تو بڑی اچھی بات ہے' لیکن ایسا ہو گا نہیں۔"

فاطمہ نے ہکلا کر پوچھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ وہ لوگ حملہ کردیں گے؟"

اباقہ نے کہا۔ "شاید....."

امیر عباسی تھرتھر کانپنے لگا۔ تھوک نگل کر بولا۔ "اباقہ! اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم تو اس معاملے میں ثالثی کے لیے آئے تھے۔ خدا کے لیے ہمیں چھوڑ دو۔"

اباقہ بولا۔ "تمہارا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ تم اس شہر کے بااثر افراد میں شمار ہوتے ہو۔ ان ہی بااثر افراد میں سے کچھ بدباطنوں نے ایک روشن چراغ کا نور میری آنکھوں سے چھینا ہے اور کیا پتہ یہ ظلم تم ہی نے کیا ہو۔"

دوسرے یرغمالی امیر رحمن نے جب صورت حال کی سنگین کروٹ کو محسوس کیا تو وہیں بیٹھے بٹھائے اپنی تمام دولت اور جائیداد اباقہ کو دینے کی پیشکش کردی۔ اباقہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں امیر عبدالرحمن۔ ایک پھوٹی کوڑی نہیں۔ کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ اگر کچھ کر سکتے ہو تو مجھے اس پیشہ ور قاتل عبداللہ مشہدی کی شکل دکھادو۔ میں تمہارے شہر سے روٹی کا ایک لقمہ اور پانی کا ایک گھونٹ لیے بغیر واپس چلا جاؤں گا۔"

..... عین اس وقت جب یہ باتیں ہو رہی تھیں نہر کلثومیہ کی طرف دو خچروں کے ساتھ تین آدمی اس مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خچروں پر دو بورے لدے تھے۔ آدمی بظاہر غیر مسلح تھے' لیکن ان کے کپڑوں میں چھوٹی تلواریں بڑی احتیاط سے چھپائی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس خنجر بھی تھے۔ یہ سارا لوہا زہر میں بجھا ہوا تھا۔ بوروں میں بھی آدمی تھے۔ ایک بورا کچھ بڑا تھا' لیکن دوسرا چھوٹا۔ چھوٹے بورے میں جو شخص تھا وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی مشکل میں گرفتار تھا..... اس کا نام مسلم بن داؤد تھا۔ بوڑھے داؤد کے ساتھ عجیب حادثہ ہوا تھا۔ سہ پہر کے وقت جب ابن یاشر کی زیر نگرانی یہ دو بورے تیار ہو رہے تھے' وزیراعظم بنفس نفیس تیاریاں دیکھنے کے لیے چھاؤنی پہنچ

گئے تھے۔ گندم کا بورا تو ٹھیک نظر آرہا تھا' لیکن دوسرا بورا کچھ بڑا بن گیا تھا۔ مجرم کے مطالبے کے مطابق اس میں نصف بورا خشک گوشت اور دو چھوٹے تھیلے پنیر کے تھے۔ اصولی طور پر اس بورے کو دوسرے بورے سے چھوٹا ہونا چاہئے تھا مگر دونوں بوروں میں ایک ہی قد کاٹھ کے سپاہی بند تھے۔ وزیراعظم نے اس خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دوسرے بورے میں کوئی کوتاہ قد اور کم وزن شخص بھیجا جائے۔ چھاپہ ماروں میں ایسی وضع کا کوئی سپاہی نہیں تھا بلکہ پوری چھاؤنی میں ایسا منحنی آدمی ملنا دشوار تھا۔ اچانک وزیراعظم کو یاد آیا کہ خلیفہ کے سامنے مسلم بن داؤد نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ کئی بار اباقہ سے دو بدو لڑچکا ہے اور ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ بوڑھے داؤد کا جسم بھی منحنی سا تھا۔ وزیراعظم نے داؤد سے کہا کہ کیوں نہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ لے۔ مسلم بن داؤد کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اباقہ سے لڑنا کجا وہ تو اس کے سائے سے بھی بدکتا تھا۔ کہاں وزیراعظم اسے بورے میں گھسنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ وہ بوکھلا کر ابن یاشر کی طرف دیکھنے لگا۔ ابن یاشر کو خاموش دیکھ کر وزیراعظم بولے۔

"بھئی اگر مسلم بن داؤد نے مجرم کے بازو آزما رکھے ہیں تو اسے بھیجنے میں حرج ہی کیا ہے۔ دوسرے جوانوں کے حوصلے بھی اس کی موجودگی میں بلند رہیں گے۔" پھر وزیراعظم نے داؤد سے پوچھا تھا۔ "داؤد! تم تیار ہو نا۔" داؤد کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔ مشکل سے تھوک نگل کر بولا تھا۔

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں وزیراعظم۔"

..... اور اب مسلم بن داؤد بورے میں بند اباقہ کی طرف جارہا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ مکان کے صحن میں پہنچ کر انہیں بورے کے اندر سے گرد و پیش پر نظر رکھنا تھی۔ اگر اباقہ بوروں کو صحن میں رکھواتا تو انہیں حرکت میں آنے کے لیے تیار رہنا تھا۔ جونہی اباقہ ان کے پاس پہنچتا انہیں تیز دھار خنجروں سے جو ان کے ہاتھ ہی میں تھے بوروں کو چاک کرنا تھا اور اباقہ پر حملہ آور ہونا تھا۔ یہ عمل دونوں نے ایک ساتھ کرنا تھا۔ دو چھوٹے چھوٹے بگل بھی ان دونوں کو دیے گئے تھے۔ اباقہ سے لڑائی کا آغاز ہوتے ہی انہیں یہ خاص قسم کے بگل بجا دینا تھے تاکہ مکان سے باہر موجود مسلح سپاہی موقع کی طرف لپک سکیں۔

مسلم بن داؤد بورے کے اندر خچر کی پشت پر اوندھا لیٹا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے میں چاندی کا چھوٹا سا منقش بگل تھا۔ اسے ایک فیصد امید بھی نہیں تھی کہ وہ یہ خنجر اور بگل استعمال کرسکے گا۔ خلیفہ کے سامنے ہانکی ہوئی بڑ اس کے لیے زندگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا کٹھن ترین امتحان بن گئی تھی۔ آخر اس نے مری مری آواز میں دستہ سالار کو پکارا۔

"کیا بات ہے؟" باہر سے درشت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" داؤد نے فریاد کی۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" باہر سے آواز آئی۔ "محترم وزیر کا حکم ہے کہ راستے میں بورے ہرگز نہ کھولے جائیں۔ ویسے بھی ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

..... سورج ڈوب چکا تھا۔ مغرب میں شفق کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کھیتوں کے درمیان چلتے ہوئے مکان کے سامنے پہنچے اور رک گئے۔ اباقہ یہ سارا منظر کمرے کی دہلیز پر سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گہری نظروں سے ان تینوں آدمیوں کا جائزہ لیا جو خچروں کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان میں سے دونے بغداد کے عام مزدوروں کی طرح سروں پر رومال باندھ رکھے تھے۔ تیسرا فوجی وردی میں تھا' لیکن یہ وہ نہیں تھا جو اس سے پہلے اباقہ سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ اس نے آگے آکر بلند آواز سے کہا۔

"اباقہ! تمہارا مطلوبہ سامان پہنچ گیا ہے۔ اتروالو۔"

سامان کا جائزہ لے کر اباقہ نے پوچھا۔ "پنیر کے تھیلے کہاں ہیں؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "وہ خشک گوشت کے ساتھ بورے میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اباقہ نے کہا۔ "صدر دروازے کی چابی پھینک رہا ہوں۔ قفل کھول کر خچر اندر لے آؤ۔"

پھر اباقہ نے سپاہی کو دکھا پستول کر چابی ہوا میں اچھال دی۔ وہ چار دیواری سے کوئی دس گز دور جا گری۔ چند ہی لمحے بعد دروازے پر کھٹ پٹ ہوئی اور وہ کھل گیا۔ اباقہ کمرے کی دہلیز پر اس طرح کھڑا تھا کہ اگر اچانک صحن سے اس پر کوئی خنجر وغیرہ پھینکا جاتا تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ زہر میں بجھی ہوئی تلوار وہ نیام سے باہر کر چکا تھا۔ تلوار کو نیام سے باہر دیکھ کر کمرے کے اندر یہ غمالیوں کے چہرے اور بھی پھیکے پڑ گئے تھے۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ دونوں لڑکیوں نے گھٹنوں میں منہ چھپا رکھے تھے۔ امیر عباسی بلند آواز میں سورۃ یٰسین کے ورد میں مصروف تھا۔ امیر رحمٰن بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ خچر صحن میں پہنچے تو اباقہ پکارا۔

"رک جاؤ۔ سامان وہیں اُتار دو۔"

اس نے دیکھا سپاہی کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس بدلنے والے رنگ نے اباقہ کو مزید چوکنا کر دیا۔ اس کے پٹھے غیر محسوس طور پر پھول گئے اور سفید آنکھیں تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ مزدوروں نے بورے خچروں سے اتار کر صحن میں رکھ

دیے۔ وردی والے سپاہی نے بلند آواز سے کہا۔

"اباقہ! سامان دیکھ کر پورا کر لو۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گا۔ تم اب واپس جاؤ۔"

تینوں آدمی چند ساعتوں کے لیے کھڑے رہے۔ پھر وہ واپس مڑے اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ اباقہ دہلیز پر کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ تقریباً سو گز دور نکل گئے تو اباقہ بر آمدے سے ہو کر صحن میں آیا۔ چار دیواری سے سر نکال کر اس نے ایک بار پھر تینوں افراد کی طرف دیکھا۔ وہ صحیح سمت پر جا رہے تھے۔ دونوں بورے صحن میں دروازے کے قریب پڑے تھے۔ اباقہ بوروں کی طرف بڑھا۔ اس وقت اچانک ایک بورے میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس سے پہلے کہ اباقہ کچھ سمجھتا۔ بورا پہلو سے چاک ہوا اور کوئی شخص حیرت ناک پھرتی سے اس کی طرف آیا۔ اباقہ کو ایک ساعت کی بھی دیر ہوتی تو تیز دھار خنجر اس کی گردن کاٹ جاتا۔ کچھ ایسی ہی چابکدستی تھی حملہ آور کے انداز میں۔ اباقہ اس شخص کی پھرتی پر حیران رہ گیا۔ وار خالی جاتے ہی وہ شخص تیزی سے پلٹا اور اب اس کے ہاتھ میں تلوار نظر آرہی تھی۔ جھکائی دے کر اس نے اباقہ کی ناف پر وار کیا۔ اباقہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور ایسا کرتے ہوئے وہ دوسری بوری سے ٹکرا گیا۔ نتیجے میں وہ پشت کے بل زمین پر گرا۔ اباقہ نے کمرے کے اندر سے لڑکیوں کی چیخیں سنیں۔ وہ جان چکی تھیں کہ خطرے کی گھنٹی بج اٹھی ہے۔ اباقہ کے نیچے گرتے ہی حملہ آور نے اس پر جست لگائی' لیکن جست لگانے سے پہلے اس نے کوئی چیز ہونٹوں سے لگائی اور بگل کی آواز نیم تاریک فضا میں پھیلتی چلی گئی۔ اباقہ نے تیزی سے کروٹ بدلی اور حملہ آور کی زد سے نکل گیا۔ حملہ آور نے گر کر اٹھنے میں جلدی نہیں کی اور یہ اس کے حق میں بہت اچھا ہوا۔ ورنہ اباقہ کی زہر آلود تلوار اس کی گردن اڑا دیتی۔ وار خالی جانے کے فوراً بعد اباقہ کو احساس ہوا کہ اُس کا مقابلہ عام سپاہیوں سے نہیں' یقیناً بغداد حکام نے اپنے خاص تربیت یافتہ جوانوں کو اس کے مقابل بھیجا تھا۔ اس وقت بیرونی دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور خچروں کے ساتھ آنے والے تینوں آدمی تلواریں سونتے اندر گھس آئے۔ ایک ساعت ضائع کیے بغیر انہوں نے اباقہ پر دھاوا بولا۔ بیک وقت تین تلواریں اباقہ کی تلوار سے ٹکرائیں۔ اباقہ تلوار چلاتا ہوا آہستگی سے پیچھے ہٹا۔ اُس وقت نیچے گرے ہوئے چوتھے شخص نے لپک کر اباقہ کی ران پر وار کیا۔ ایک انگارا سا ٹانگ کے گوشت میں اتر گیا۔ اباقہ پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ حملہ آوروں کی تلواریں بھی زہرناک ہیں۔ چار زبردست شمشیرزن' زہر میں ڈوبی ہوئی چار تلواروں کے ساتھ' موت کے چار فرشتوں کی طرح اُسے گھیرے کھڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اباقہ کے تن بدن میں بجلیاں بھر گئیں۔ خطرے کے شدید احساس نے اسے سر تا پا ق بنا دیا۔ اس نے پشت دیوار سے لگائی اور چاروں حملہ آوروں سے بھڑ گیا۔ ایک حملہ آو کے پیٹ سے اس کی تلوار کی نوک ٹکرائی تو اسے اندازہ ہوا کہ انہوں نے لباس تلے ز بکتر پہن رکھے ہیں۔ وہ چیخا۔

"بزدلو! لڑنے آئے تھے تو مردوں کی طرح آتے۔" پھر اس نے جھلا کر تلوار کا وار کیا تو ایک حملہ آور کی گردن شانوں سے صاف اڑ گئی پھر اس نے ناقابل یقین تیزی سے جھک کر ایک حملہ آور کا پاؤں ٹخنے پر سے کاٹ ڈالا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ دونوں امیر تیزی سے کمرے کی دہلیز پر آئے۔ ان کے پاؤں آزاد تھے۔ غالباً فاطمہ نے اپنے آزاد ہاتھوں کا فائدہ اٹھایا تھا اور ان دونوں کے پاؤں کھول ڈالے تھے۔ اباقہ نے انہیں فرار ہوتے دیکھا تو حملہ آوروں کو جھکائی دے کر دروازے کی طرف لپکا۔ امیر رحمٰن تو اسے دیکھ کر واپس کمرے میں گھس گیا مگر امیر عباسی تذبذب کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔ عقب سے ایک حملہ آور نے اباقہ پر خنجر پھینکا' جو نشانہ چوکنے سے امیر عباسی کے دل میں پیوست ہو گیا۔ ایک چیخ کے ساتھ وہ برآمدے میں آ گرا۔ اباقہ نے مڑ کر حملہ آوروں کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہ سامنے کھیتوں کی طرف اٹھ گئی۔ کم و بیش بیس تیرانداز اس کا نشانہ لے چکے تھے۔ اباقہ نے چھلانگ لگائی اور دہلیز پر سے ہٹ گیا۔ بیسیوں تیر سنسناتے ہوئے اس کے قریب سے گزر گئے۔ ابھی وہ اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ تیروں کی ایک اور باڑ آئی' پھر ایک اور باڑ اور پھر جیسے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ان گنت تیر کمرے کی دیواروں اور دروازے میں پیوست ہو گئے۔ اباقہ اپنی جگہ دبکا رہا۔ وہ جانتا تھا یہاں سے اٹھنے کی قیمت موت ہے۔ دفعتاً ایک لڑکی چلاتی ہوئی کمرے سے نکلی۔ نیم تاریکی کے باوجود' اباقہ پہچان گیا۔ یہ فاطمہ تھی۔ اباقہ نے لیٹے لیٹے اس کا پاؤں پکڑا اور وہ چیختی ہوئی زمین بوس ہو گئی۔ اباقہ کی آنکھوں سے درندگی جھلک رہی تھی۔ اس نے لڑکی کی گردن ایک ہاتھ سے پکڑی اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ایک طویل خنجر کی طرح تھام لی۔ وہ پھنکارا۔

"تیرے باپ کے پاس تیری لاش واپس جائے گی۔"

فاطمہ نے زمین پر لیٹے لیٹے رحم طلب نظروں سے اباقہ کو دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں انتقام کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ چہرہ پتھر کی طرح سخت تھا۔ اس نے تلوار بلند کی۔ فاطمہ نے جان بچانے کے فطری عمل کے تحت دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔ اباقہ کی نگاہ اس کے مہندی لگے ہاتھوں پر پڑی اسے یاد آیا' ایک روز مارینا نے بھی تو ایسے ہی مہندی لگائی تھی۔ ایسے ہی نقش و نگار اس کے ہاتھوں پر بھی تو کاڑھے گئے تھے۔ نہ جانے اس

قت وہ خوبصورت ہاتھ کہاں ہوں گے۔ ان پر یہ نقش و نگار باقی بھی ہوں گے یا نہیں۔ فعتاً اباقہ کے دل سے آواز آئی۔ "اباقہ! اس لڑکی کو چھوڑ دے یہ لڑکی بھی مارینا کی طرح ظلوم ہے۔ اس کی جان بخش دے۔ شاید اس کے صدقے ہی تجھے تیری مارینا بھی مل جائے۔" وہ خاموش نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر تلوار نیچے کر لی۔

اُس نے سرگوشی میں لڑکی سے پوچھا۔ "امیر رحمٰن اور تیری سہیلی کہاں ہیں؟"

وہ سسکاری لے کر بولی۔ "دونوں مر گئے۔ ان کے جسم تیروں سے چھلنی ہیں۔"

اباقہ نے محسوس کیا کہ تیراندازی ایک دم رُک گئی ہے۔ برآمدے میں خشک بھوسے کا ایک ڈھیر تھا اور وہ دونوں اس وقت وہاں چھپے ہوئے تھے۔ عارضی طور پر یہ جگہ چھپنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔ اباقہ نے صحن میں نگاہ دوڑائی تاریکی اب کافی گہری ہو گئی تھی۔ باقی ماندہ دو حملہ آور بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ چاروں طرف ایک گہری خاموشی طاری تھی۔ پھر اچانک خاموشی کا یہ طلسم ٹوٹ گیا۔ ایک قریبی ستون کے عقب سے دونوں حملہ آور برآمد ہوئے اور تیزی سے کمرے کی طرف بڑھے۔ ان کی پھرتی دیدنی تھی مگر اباقہ وہاں ہوتا تو انہیں ملتا۔ جونہی حملہ آور اندر گھسے اباقہ نے لپک کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ میں فاطمہ کا بازو پکڑا اور تیزی سے صحن میں آیا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی نگاہ خشک گوشت اور پنیر کی بوری کی طرف گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے ہلکورا دے کر بوری کمر پر لاد لی۔ کمرے کے اندر اب دروازہ بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔ اباقہ فاطمہ کے ساتھ بیرونی دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا توانا بازو فاطمہ کی نازک گردن میں حائل کر رکھا تھا۔ پھنکار کر بولا۔ "اگر آواز نکالو گی تو گردن توڑ دوں گا۔"

بیرونی دروازے کے باہر بھاگتے قدموں کی آوازیں بتدریج قریب آ رہی تھیں۔ یہ تیراندازوں کا وہ دستہ تھا جنہوں نے کمرے کے دروازے پر تیروں کی بوچھاڑ کی تھی۔ جونہی یہ افراد بھاگتے ہوئے اندر گھسے اباقہ نے فاطمہ کو لیا اور باہر نکل آیا۔ کھیتوں میں تاریکی تھی مگر دور کچھ روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ روشنیاں مشعل بردار گھڑسواروں کی تھیں جو اپنے چھاپہ ماروں کی کارکردگی دیکھنے کے لئے تیزی سے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اباقہ ان کے پہنچنے سے پہلے ٹیلوں میں داخل ہو جانا چاہتا تھا۔ اس کی کمر پر لدے ہوئے بورے میں بوڑھا مسلم بن داؤد تھا جو دیر ہوئی بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆------☆------☆

خلیفہ مستنصر کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ ابن یاشر سر جھکائے اس کے سامنے کرسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بیٹھا تھا۔ وزیراعظم بھی خاصا طول نظر آ رہا تھا۔ خلیفہ نے سخت لہجے میں ابن یاشر سے کہا۔ "ابن یاشر! تُو تو کہتا تھا میں چند گھڑی میں اس کو مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹتا آپ کے قدموں میں لے آؤں گا۔ کہاں ہے تمہارا وہ مرا ہوا کتا۔ میں نے تو سنا ہے کہ موقعے پر بے گناہ یرغمالیوں اور تمہارے سورماؤں کی لاشیں پڑی ہیں۔ کیا اسی وقت سے میں نے تمہیں ڈرایا نہیں تھا؟"

ابن یاشر نے کہا۔ "امیرالمومنین! سارا کام صرف ایک شخص کی وجہ سے خراب ہوا۔ جناب وزیراعظم کی ہدایت پر ہم نے مسلم بن داؤد کو بھی چھاپہ مار دستے کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ اس نے منصوبے کے مطابق بروقت حرکت نہیں کی اور بورے میں چھپا بیٹھا رہا۔ مجرم نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر پانا پلٹ دیا۔"

الزام وزیراعظم پر آیا تھا اس لیے اس نے ابن یاشر کو گھور کر کہا۔ "یاشر تم مسلم بن داؤد کو مجھ سے بہتر جانتے تھے اگر وہ اس قابل نہیں تھا تو تم اسی وقت اعتراض کر دیتے۔"

خلیفہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بات یہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ منصوبہ' منصوبہ ہی نہیں جو ایک شخص کی بے عملی کی وجہ سے تباہ ہو کر رہ جائے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ایک نازک معاملہ ہے اس کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لو اس وقت تم نے میری بات سنی تھی؟"

ابن یاشر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ باہر سے شوروغل کی آوازیں آنے لگیں۔ خلیفہ کے اشارے پر ایک مؤدب خادم نے دریچے سے باہر جھانکا۔ شوروغل کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا لوگوں کا ایک انبوہ نعرہ زنی کر رہا ہے۔ خادم نے جائزہ لینے کے بعد کہا۔ "امیرالمومنین! سو ڈیڑھ سو آدمی نہر کلٹومیہ پر پیش آنے والے حادثے پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔"

خلیفہ کے حکم پر خادم نے دریچہ بند کر دیا۔ سوچ کی گہری لکیریں اس کی پیشانی پر پھیل رہی تھیں۔ وزیر کھنکار کر بولا۔

"امیرالمومنین' اس پورے سانحے میں ایک ہی اطلاع حوصلہ افزا ہے اور وہ یہ کہ عبدالرشید کی بیٹی فاطمہ ابھی زندہ ہے۔"

خلیفہ نے کہا۔ "اور کیا یہ حقیقت حوصلہ شکن نہیں کہ اس کے زندہ رہنے میں ہماری کارروائی کا کوئی دخل نہیں؟ مجھے یہ سوچ کر شرم محسوس ہو رہی ہے کہ کچھ ہی دیر بعد اس ناکامی کی خبر پورے بغداد میں پھیل جائے گی۔"

وزیراعظم نے تسلی دینے کے لیے کہا۔ "امیرالمومنین' ہمارے سپاہی مسلسل مجرم کے تعاقب میں ہیں۔ ہو سکتا ہے جلد ہی کوئی اچھی خبر آ جائے۔"

..... جس وقت قصرِ خلد کی روشنیوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں' نہر کلٹومیہ کے پارٹیلوں کی مدھم چاندنی میں اباقہ فاطمہ کے ساتھ چلتے چلتے اچانک رک گیا۔ اسے بڑی دیر سے ایک شبہ سا ہو رہا تھا۔ اس نے بورا کمرے اتار کر نیچے رکھا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے تلوار نکالی اور بورے کا منہ باندھنے والی رسی کاٹ ڈالی۔ فاطمہ بے سدھ ہو کر اونچی گھاس میں بیٹھ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اباقہ کو بھوک ستانے لگی ہے اور اب وہ بورے سے کھانے کی کوئی چیز نکالے گا۔ اس وقت خشک گوشت کا ایک ٹکڑا یا تھوڑا سا پنیر ان کے جسموں میں نئی زندگی دوڑا سکتا تھا۔ اباقہ نے بورے میں ہاتھ ڈالا اور دفعتاً پیچھے ہٹالیا۔ فاطمہ نے محسوس کیا کہ بورے میں خوراک کی بجائے کچھ اور ہے۔ اباقہ نے بورے کو نیچے سے پکڑا اور ایک جھٹکے سے الٹا دیا اندر سے ایک انسانی ہیولا برآمد ہوا اور دھم سے گھاس پر گرا۔ کسی سانپ کی طرح اس نے کنڈلی مار رکھی تھی۔ زمین پر گر کر اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ اباقہ غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی آواز نکلی۔ "مسلم بن داؤد!".....

مسلم بن داؤد کے ایک ہاتھ میں ابھی تک خنجر تھا۔ اباقہ نے یہ خنجر اس کی بند مٹھی سے نکال لیا۔ ایک دو آہیں بھر کر بوڑھے داؤد نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر وہ خالی نظروں سے آسمان کو تکتا رہا۔ پھر اس کی نظر اباقہ پر پڑی مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نظر نہیں آیا۔ شاید وہ اسے خواب سمجھ رہا تھا۔ اس نے کسمسا کر کروٹ بدلی' پھر واپس مڑ کر اباقہ کی طرف دیکھا اور دفعتاً اس کے چہرے پر دنیا جہان کا خوف سمٹ آیا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چھوٹی سی داڑھی بے خیالی میں مسلسل ہلتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور اٹھ کر مخالف سمت میں بھاگا۔ چند قدم بھاگ کر ٹھوکر کھائی اور پتھروں پر گرا۔ گرتے ہی پھر اٹھا اور ایک خطرناک ڈھلوان پر چڑھنے لگا۔ تین چار گز اوپر گیا ہو گا پھسل کر نیچے آ گیا۔ مگر ارادے کا پکا تھا پھر زور لگا کر اوپر چڑھنے لگا۔ چار گز کی بلندی سے اسے پھر اوندھے منہ پھسل کر نیچے آنا پڑا۔ نہایت ہراس کے عالم میں داؤد نے یہ عمل تین بار دہرایا۔ پھر ایک نظر فاطمہ اور اباقہ کی طرف دیکھا۔ اباقہ اپنی جگہ بے حرکت بیٹھا تھا۔ داؤد نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور اباقہ کے بالکل پاس سے گزرتا ہوا دوسری سمت میں بھاگ کھڑا ہوا' لیکن ادھر بھی ٹیلے تھے۔ تب اباقہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں مسلم بن داؤد کا خنجر تھا۔ بوڑھا ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے حلق سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگاتار ڈری آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس طرف ڈھلوان زیادہ عمودی نہیں تھی۔ بوڑھا کوئی دس گز اوپر پہنچ گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ ٹیلہ پار کر کے دوسری طرف اترتا اباقہ کا خنجر والا ہاتھ لہرایا اور بوڑھے کی طویل چیخ سناٹے کو چیر گئی۔ وہ ہاتھ پاؤں چلاتا بلندی سے نیچے گرا اور اباقہ کے قدموں میں پہنچ گیا۔ وہ ایسے تڑپ رہا تھا جیسے جان کنی کا عالم طاری ہو' لیکن خنجر اس کی پنڈلی میں لگا تھا۔ اباقہ نے خنجر نکالا اور اس کی شہ رگ پر رکھ دیا۔ داؤد کے منہ سے ناقابل فہم آوازیں نکلنے لگیں۔ کبھی وہ تڑپنے لگتا اور کبھی تڑپنا چھوڑ کر ہاتھ جوڑنے لگتا۔

اباقہ خونخوار لہجے میں بولا۔ "بتا مسلم بن داؤد۔ اپنے جرم خود ہی بتا۔ تُو نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ بتا سب کچھ۔"

مسلم بن داؤد کے حلق سے مرغی جیسی آواز نکلی۔ وہ کپکپاتا ہوا بولا۔ "اباقہ! میں نے تیرے ساتھ بہت ظلم کیے ہیں۔ میں تیرا گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دے۔"

اباقہ غرایا۔ "میں نے تجھ سے تیرے جرم پوچھے ہیں"

بوڑھا منمنایا۔ "میرے جرائم بے حساب ہیں اباقہ۔"

اباقہ نے کہا۔ "جتنے بھی ہیں بتا۔"

بوڑھا لرزاں آواز میں بولا۔ "میرا سب سے پہلا جرم تو یہ ہے کہ میں نے تجھ سے جھوٹا وعدہ کیا اور مارینا کا لالچ دے کر تجھے چین کی مہم پر بھیجا ..... میرا دوسرا جرم یہ ہے کہ میں نے ہینڈاس کے ہاتھوں تجھے قتل کرانے کی کوشش کی۔ میرا تیسرا جرم یہ ہے کہ میں نے خلیفہ وقت کے دربار میں تجھ پر جاسوسی کی تہمت لگائی ....." یہاں تک کہہ کے داؤد خاموش ہو گیا۔

"آگے بتا ..... آگے بتا۔" اباقہ غرایا۔

داؤد رو دینے والے لہجے میں بولا۔ "میرا چوتھا جرم یہ ہے کہ میں نے زبیدہ نامی کنیز کو مارا اور مارینا کو اغوا کرانے کی سازش کی۔"

"اس سے پہلے ناظم اعلیٰ کے ساتھ مل کر معصوم یاکی کی عزت لوٹنے کا منصوبہ تیرے باپ نے بنایا تھا؟"

اباقہ دھاڑا۔

"ہاں اس میں بھی میں شریک تھا۔"

"ہاں آگے بول۔"

"پھر میں نے مارینا کو طوطم خان کے حوالے کرا دیا اور یہ جھوٹی خبر پھیلائی کہ اس

نے خودکشی کر لی ہے۔ اس کے بعد ..... اس کے بعد میں نے کچھ نہیں کیا اباقہ۔"

"اس کے بعد تُو نے کچھ نہیں کیا؟" اباقہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کیا۔" داؤد ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"اور یہ جو توبرے میں سے برآمد ہوا ہے' یہ جہنم میں جا رہا تھا؟"

داؤد ہکلایا۔ "مجھے زبردستی بھیجا گیا ہے اباقہ۔ خدا کی قسم اس میں میری مرضی نہیں تھی۔"

اباقہ خونخواری سے بولا۔ "مسلم بن داؤد! تُو بھول رہا ہے' لیکن میرا حافظہ کمزور نہیں۔ تیرا سب سے پہلا جرم یہ ہے کہ تُو نے قراقرم میں میرے بازو پر کندہ تحریر دیکھی اور اس سے چنگیز کے بیٹے تولائی خاں کو آگاہ کر دیا۔ میری مصیبتوں کا آغاز یہیں سے ہوا تھا داؤد۔ صرف تیری اس غداری پر میں تیرے جسم کو دس بار ٹکڑے کر سکتا ہوں لیکن میں تجھے اتنی جلدی نہیں ماروں گا۔ اسی طرح تڑپاؤں گا جس طرح تُو نے مجھے تڑپایا ہے۔" اباقہ کی آنکھیں مدھم چاندنی میں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

مسلم بن داؤد نے کانپتے ہاتھ سے خنجر اپنی شہ رگ سے ہٹایا اور بولا۔ "اباقہ مجھے چھوڑ دے۔ بخدا میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔ اتنا کچھ دوں گا کہ تُو تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"کیا دے گا تُو مجھے؟" اباقہ نے پوچھا۔

مسلم بن داؤد نے کہا۔ "میرے پاس جو کچھ ہے تُو لے لے۔ چار صندوق اشرفیوں اور قیمتی پتھروں سے بھرے ہوئے میرے پاس رکھے ہیں۔ دربار خلافت سے وقتاً فوقتاً ملنے والے تحائف ہیں جن کی مالیت لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ بغداد کی انتہائی حسین ترین کنیزیں میری ملکیت ہیں۔ میں ان میں سے تین ایسی حسین لڑکیاں تجھے دوں گا کہ تیری راتیں جنت رنگ ہو جائیں گی۔ بخدا تُو ..... تُو مارینا کو بھی بھول جائے گا۔ مجھے میرے سازو سامان میں سے صرف ایک مصلّے اور ایک تسبیح کی ضرورت ہے۔ میں سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں میں چلا جاؤں گا۔"

اباقہ نے خنجر دوبارہ مسلم بن داؤد کی گردن پر رکھ دیا اور دانت پیس کر بولا۔ "منحوس بڈھے! یہ ساری دولت تیری جان نہیں بچا سکتی بلکہ اس سے دس گنا دولت بھی ہوتی تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ باقی رہی مصلّے اور تسبیح کی بات' تو تُو مصلّے پر بیٹھ کر بھی سازشیں سوچے گا اور تسبیح کے دانوں پر بھی تجھے منصوبے سوجھیں گے۔ میں تیری فطرت سے آگاہ ہوں مسلم بن داؤد۔"

اباقہ نے اس کی گردن پر خنجر کا دباؤ بڑھایا تو وہ چیخ اٹھا۔ شاید سمجھ رہا تھا کہ ذبح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کا وقت آگیا۔ اباقہ نے کہا۔ "نہیں داؤد! ابھی نہیں پہلے تُو مجھے یہ بتائے گا کہ تُو یہاں کیسے پہنچا ہے اور تیرے ساتھ اس سازش میں اور کون کون شریک تھا۔"

داؤد گڑگڑایا۔ "اگر میں سب کچھ سچ سچ بتادوں تو تُو مجھے معاف کردے گا۔"

داؤد ایک بار پھر منتیں سماجتیں کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنی آمد کا احوال بھی سناتا جارہا تھا۔ اس نے کم و بیش سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ سوائے اس کے کہ اس نے وزیر خارجہ کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ اباقہ شراب فروش کے گھر چھپا ہوا تھا۔ وزیر خارجہ ابن یاشر کے متعلق سن کر اباقہ کے جبڑے بھنچ گئے۔ داؤد کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ساری کارروائی کا کرتا دھرتا وہی ہے۔ اس سے پہلے ماریتا کے اغوا کی سازش بھی داؤد نے اسی کے ساتھ مل کر تیار کی تھی۔

اباقہ کی زندگی میں ایک بار پھر درندگی اور سرکشی کی جھلک دکھائی دینے لگی..... وہ داؤد سے کرید کرید کر ابن یاشر کے متعلق سوالات پوچھنے لگا۔ مثلاً یہ کہ یاشر اپنے محل میں کس وقت موجود ہوتا ہے۔ وہ سوتا کس وقت ہے۔ محل کا نقشہ کیا ہے۔ اس کی خواب گاہ کے قریب کتنے پہریدار موجود ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ فاطمہ ایک طرف سمٹی سمٹائی بیٹھی حیرت سے یہ باتیں سن رہی تھی۔

☆======☆======☆

اسد اللہ ایرانی علاقے میں سفر کرتا ہوا مشہد کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے ساتھ پچاس سواروں کا ایک دستہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ دو عدد روسی جانباز تھے جو وقت رخصت مائیکل نے اس کے ساتھ کر دیئے تھے۔ تاتاری دستوں کے ساتھ مڈبھیڑ سے بچنے کے لیے وہ بستیوں سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے۔ مشہد سے کوئی تین منزل دور انہوں نے ایک رات ایک چھوٹے سے گاؤں میں قیام کیا۔ گاؤں کے قریب ہی ایک کشادہ جگہ انہوں نے خیمے لگا دیئے۔ وہ سب کے سب عام دیہاتی لباس میں تھے۔ گاؤں میں پتہ چلا کہ ایک قافلہ اترا ہے تو لوگ مختلف اشیاء بیچنے کے لیے آنے لگے۔ رات جب انہوں نے کھانا کھا لیا تو ایک رقاصہ اپنے سازندوں کے ساتھ آدھمکی۔ وہ ان کے سامنے رقص کرنا چاہتی تھی مگر اسد اللہ نے اسے منع کر دیا۔ رقاصہ کے اصرار پر اسد نے صرف اتنی اجازت دی کہ وہ انہیں کوئی نغمہ سنا دے۔

نوخیز نیشاپوری رقاصہ نے اٹھلا کر پوچھا۔ "کوئی پرانا نغمہ یا تازہ؟"

اسد کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اپنی طرح تازہ سناؤ۔"

رقاصہ نے سازندوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے ساز چھیڑے۔ رقاصہ کی مدھر آواز فضا

میں ابھری۔ وہ ایک پُرسوز فارسی گیت گا رہی تھی۔ اس کے بول کچھ یوں تھے۔

میں داستانوں کی شہزادی نہیں۔
لیکن میں ایک دیو کی قید میں ہوں۔
میں گزارا ہوا وقت نہیں۔
مگر واپس آنے سے معذور ہوں۔
میں غار میں اگا ہوا وہ پھول ہوں۔
جس نے کبھی نیلا آسمان نہیں دیکھا۔
میں سمرقند کی تتلی
قراقرم کی مٹھی میں ہوں
میرا سانس گھٹ رہا ہے۔
اے ہوا مجھے ڈھونڈ لے۔

..... گیت ختم ہو گیا مگر اسد کے سارے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ چھوڑ گیا۔ اس نے رقاصہ سے پوچھا یہ پُر درد گیت اس نے کہاں سے سنا۔ رقاصہ نے اپنے ایک سازندے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا نام رضا ہے۔ یہ شاعری بھی کرتا ہے۔ اس نے یہ گیت لکھا ہے۔"

اسد نے نوجوان شاعر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بھئی! بہت خوب گیت لکھا ہے تم نے۔ بہت درد ہے اس میں۔"

نوجوان شاعر نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے عرض کیا۔ "حضور اس گیت میں درد اس لیے ہے کہ اس میں سچائی ہے۔"

"کیا مطلب؟" اسد کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

شاعر نے کہا۔ "یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں۔ آج سے کوئی ایک ماہ پہلے میں دس بارہ کوس دور ایک قصبے میں گیا تھا۔ ہم سات آٹھ مسافر قصبے کی سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس رات بڑی بارش ہو رہی تھی۔ سردی بھی اپنے عروج پر تھی۔ کوئی نصف رات کا عمل ہو گا جب کسی نے سرائے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم سب اٹھ بیٹھے۔ سرائے کے مالک نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک بوڑھا شخص کھڑا تھا۔ اس کا پھٹا پرانا لباس بارش میں بری طرح بھیگا ہوا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا یہاں تک پہنچا تھا۔ حلیے سے کوئی بھکا ہوا شکاری لگتا تھا۔ سرائے کا مالک اسے اندر لے آیا۔ بوڑھے کو شدید بخار تھا۔ اسے ہم نے خشک کپڑے دیئے اور سردی دور کرنے کے لیے آگ جلائی۔ بوڑھے کی حالت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاصی تشویشناک تھی۔ وہ کھینچ کھینچ کر سانس لے رہا تھا۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ شمالی پہاڑوں سے آیا ہے۔ اس نے کہا۔

"میں نے ان پہاڑوں میں ایک حسین لڑکی کو دیکھا ہے۔ وہ ایک نہایت طاقتور اور سخت دل منگول کی قید میں ہے اس لڑکی نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس کی قید کا حال کسی بستی کے مکینوں تک پہنچا دوں۔ میں نے دل میں اپنی اس بیٹی سے عہد کیا تھا کہ اس کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ میں نے مشہد کا ارادہ کیا لیکن راستے میں بیمار پڑ گیا۔ بیماری کے باوجود گرتا پڑتا یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اسی رات پچھلے پہر بوڑھا انتقال کر گیا۔ صبح تک اس کی سنائی ہوئی کہانی پوری بستی میں گردش کرنے لگی۔ مجھے بھی اس کہانی نے بہت متاثر کیا اور اس میں نے یہ گیت لکھا۔"

نوجوان شاعر کی بات سن کر اسد کی بے چینی میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔ "نوجوان! کیا تو اس لڑکی کا نام بتا سکتا ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "بوڑھے نے اس کا نام بتایا ضرور تھا لیکن میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ بہر حال اس قصبے میں کئی لوگوں کو یہ نام معلوم ہو گا۔"

اسد نے پوچھا۔ "بوڑھے نے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی۔ جہاں وہ لڑکی قید ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "بالکل کی تھی بلکہ اس نے زمین پر لکیریں کھینچ کر بھی سمجھایا تھا۔ یہ ساری باتیں سرائے کے مالک کو معلوم ہیں۔"

اسد اسی وقت اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے نوجوان شاعر سے کہا۔ "رضا! تم نے ہمیں نہایت اہم اطلاعات دی ہیں۔ اب تھوڑی سی تکلیف اور کرو۔ تمہیں میرے ساتھ اسی وقت اس قصبے تک چلنا ہو گا۔"

..... اگلے روز صبح کے وقت اسد کا دستہ طوفانی رفتار سے شمالی پہاڑوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اڑ کر یہ سفر طے کر لیتا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ غار میں قید وہ لڑکی مارتا ہی ہے اور اسے زنجیر کرنے والا وہی بدبخت طوطم خاں ہے۔

☆======☆======☆

دوسرے روز ٹھیک دوپہر کے وقت وہ اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ یہ سرسبز پہاڑی علاقہ تھا۔ پرندے اور چھوٹے موٹے جانور بھی کثرت سے تھے۔ اس کے باوجود انسانی آبادی کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس علاقے میں انہیں ایک ایسی پہاڑی تلاش کرنا تھی جس کی چوٹی دیکھ کر ایسے لگتا ہو کہ کسی چڑیا کے بچے نے دانہ لینے کے لیے منہ کھول رکھا

ہے۔ یہ نشانی اسد کو اس سرائے کے مالک نے بتائی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس سے پہلے من چلے نوجوانوں کی ایک ٹولی اس لڑکی کی تلاش میں روانہ ہوئی تھی لیکن چند روز بعد ہی وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے تھے۔

اسد نے اپنے ساتھیوں کو دو دو تین تین کی ٹولیوں میں مختلف اطراف میں پھیلا دیا اور شام کے وقت ایک مقررہ جگہ ملنے کی ہدایت کی۔ دن ڈھلے تک وہ مطلوبہ چوٹی تلاش کرتے رہے۔ شام کو وہ ملے تو کسی کی طرف سے حوصلہ افزا خبر نہیں آئی۔ اگلے روز پھر تلاش شروع ہوئی۔ اسد نے ویران ٹیلوں میں ایک تنہا شخص کو دیکھ لیا۔ وہ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے بھگاتا اس شخص تک پہنچا اور اسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ یہی طوطم خاں ہے۔ اس سے پہلے ا ں نے طوطم خاں کی ایک جھلک دیکھی تھی۔

طوطم خاں بھی گہری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسد اور اس کے ساتھیوں کے جسموں پر سادہ لباس تھے اور انہوں نے اپنے چہرے پگڑیوں میں چھپا رکھے تھے۔ دیکھنے میں وہ روزگار کی تلاش میں نکلے ہوئے مسافر یا ڈاکو لگتے تھے۔ اپنے سامنے اتنے آدمی دیکھ کر بھی طوطم خان کے چہرے پر مطلق خوف نظر نہیں آیا۔

اسد نے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

طوطم خان اطمینان سے بولا۔ "یہی سوال تم سے میرا بھی ہے۔"

اسد نے کہا۔ "ہم مسافر ہیں روزگار کی تلاش میں مشہد جا رہے ہیں۔"

طوطم خاں انہیں ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ شاید سوچ رہا تھا کہ اگر یہ مسافر ہیں تو ادھر کیسے آنکلے میں۔ اسد نے اس کی الجھن بھانپ کر کہا۔ "ہم کل سے راستہ بھٹکے ہوئے ہیں لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

طوطم اعتماد سے بولا۔ "میں یہاں کچھ بھی کر رہا ہوں' تم سے مطلب نہیں' لیکن میں تمہیں ایک عارضی روزگار ضرور فراہم کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اسد نے پوچھا۔

طوطم نے بے تکلفی سے کہا۔ "گھوڑے سے نیچے اترو تو کچھ بات کریں۔"

اسد اور اس کے ساتھی نیچے اتر آئے۔ کچھ دیر جان پہچان کی گفتگو کے بعد طوطم بولا۔ "اس کام کا معاوضہ میں تمہیں دو ایسے قیمتی پتھروں کی شکل میں دے سکتا ہوں' مشہد میں جن کی مالیت کم از کم پانچ ہزار اشرفی ہے' لیکن تمہیں میرے ساتھ پورا تعاون کرنا ہو گا اور کسی قسم کا لالچ دل میں نہیں لانا ہو گا۔"

تھوڑی سی گفتگو کے بعد اسد اور طوطم میں شرائط طے ہو گئیں۔ طوطم خاں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے پھیلی ہوئی چٹانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں کل سے ایک عورت چھپی ہوئی ہے۔ اس سے آگے ایک تیز بہاؤ والا پہاڑی نالا ہے' اس لیے وہ پار نہیں سکتی۔ انہی چٹانوں میں اس نے کہیں پناہ لے رکھی ہے۔ اسے تلاش کرنا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "یہ عورت ہے کون؟"

طوطم خاں بولا۔ "یہ عورت میری ملکیت ہے لیکن وفادار نہیں۔ میں اسے راہ راست پر لانے کے لیے اس ویرانے میں لے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگوں سے دور رہ کر سدھر جائے گی' مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ پچھلے تین ماہ میں اس نے کم از کم چار دفعہ فرار ہونے کی کوشش کی ہے....."

طوطم خاں کافی دیر اسد کو مارینا کے متعلق بتاتا رہا اور اسد صبر و تحمل سے یہ باتیں سنتا رہا۔ اس کا خون اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا اور اونچی نیچی چٹانوں میں مارینا کی تلاش میں مصروف ہو گئے..... شام ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی جب اسد سے کوئی سو گز آگے ایک سپاہی چلایا۔ "یہ رہی....."

اس کے ساتھ ہی اسد نے سرخ لباس والی ایک عورت کو تیزی سے بھاگتے دیکھا۔ اس کے لمبے ریشمی بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ایک سپاہی سامنے سے آیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر عورت کو روکنا چاہا۔ عورت نے تیزی سے رخ بدلا اور نشیب میں چھلانگ لگا دی لیکن یہاں سے ٹھوکر لگی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گری اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ اسد اتنے فاصلے سے بھی یہ آواز پہچان گیا وہ مارینا ہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مارینا پھر اٹھنے کی کوشش کرتی' طوطم خاں پتھر پھلانگتا ہوا اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک زور کا تھپڑ مارا۔ اسد کے تن بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔ مگر اس نے ضبط کیا اور دھیمے قدموں سے چلتا مارینا کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک پگڑی میں چھپا ہوا تھا۔ دوسرے سپاہی بھی موقع پر پہنچ چکے تھے۔ مارینا نے ایک ایک کی صورت دیکھی' پھر روہانسی آواز میں بولی۔

"خدا کے لیے مجھے اس ظالم کے پنجے سے نکال لو۔ یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

جواب میں طوطم خان نے ایک غصیلا قہقہہ لگایا۔ مارینا کی بے چارگی پر اسد کا دل خون ہو رہا تھا۔ اب اور انتظار مشکل تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ مارینا التجا آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسد نے پگڑی کا پلو چہرے سے ہٹایا۔ مارینا نے اسے دیکھا اور سکتے کے عالم میں رہ گئی۔

"اسد!" اس کے ہونٹوں سے ایک حیرت ناک چیخ نکلی۔ پھر اس کے چہرے پر

مسرت کی یلغار ہوئی اور وہ خود کو طوطم خاں سے چھڑاتی ہوئی تیر کی طرح اسد کی طرف آئی۔ چند قدم بھاگ کر وہ اسد سے لپٹ گئی اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اب طوطم خاں کے حیران ہونے کی باری تھی۔ وہ منہ کھولے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے تلوار نکالی اور مارینا کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "کیا حماقت ہے یہ؟"

"رک جاؤ۔" اسد چلایا "..... مجھے دیکھو! میں بھائی ہوں اس بہن کا۔ اگر ایک قدم بڑھاؤ گے تو ٹکڑے کر دوں گا۔"

طوطم نے سنی ان سنی کرتے ہوئے مارینا کی طرف چھلانگ لگائی۔ اسد نے پھرتی سے گھوم کر مارینا کو اپنی آڑ میں کر لیا۔ طوطم کا وار اسد کے کندھے کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ اسد کے سپاہیوں نے تلواریں نکالیں اور تیزی سے طوطم کو گھیر لیا۔

"رک جاؤ۔" اسد اللہ بولا۔ "یہ میری بہن کا گناہ گار ہے اس سے حساب بھی میں ہی لوں گا۔"

"نہیں اسد۔" مارینا اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولی۔ "تمہیں کچھ ہو نہ جائے۔"

اسد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "نہیں مارینا۔ باغیرت بھائی بہنوں کو یوں بے آسرا چھوڑ کر نہیں مرتے۔"

اس نے کھینچ کر مارینا کو خود سے جدا کیا اور چھلانگ لگا کر طوطم خاں کے سامنے آیا۔ طوطم خاں کی تلوار بجلی کی طرح کوندی۔ اسد تیزی سے نیچے جھکا پھر اس کا بھرپور مکہ طوطم کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ الٹ کر پتھروں میں گرا۔ اس نے تلوار نکالی اور طوطم کو اٹھنے کا موقع دیا۔ طوطم پر ایک دم وحشت سوار ہو گئی۔ وہ چلا کر اسد پر حملہ آور ہوا۔ تلواریں ٹکرائیں اور دونوں میں گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ سپاہی ساکت کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ طوطم کے ایک زور دار حملے سے اسد لڑکھڑا کر جھاڑیوں میں گرا۔ طوطم خاں اس موقع پر فیصلہ کن وار سکتا تھا مگر اسد نے زبردست ذہانت کا مظاہرہ کیا اور لیٹے لیٹے تلوار طوطم کی طرف اچھال دی خنجر کی طرح تیرتی ہوئی تلوار طوطم کے اٹھے ہوئے بازو میں پیوست ہو گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ اس ایک لمحے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسد اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور اس نے ایک طاقتور مکہ طوطم کے منہ پر مارا۔ طوطم لڑکھڑایا اور اس کے بعد اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تلوار اس کے زخمی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اسد اس پر روئی کی طرح دھنکنے لگا۔ اس کا انداز غضبناک تھا..... تھوڑی ہی دیر بعد لحیم شحیم منگول خون میں لت پت سنگلاخ زمین پر پڑا تھا۔ اس میں سر اٹھانے کی ہمت بھی باقی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔ اسد کی ہدایت پر سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اس کی مشکیں کس دیں۔ اسد مارنہ کے پاس پہنچا' اپنی پگڑی جو لڑائی کے دوران کھل چکی تھی اس نے پتھروں سے اٹھائی او آنچل کی طرح مارینا کے سر پر پھیلا دی۔

☆======☆======☆

..... نہر کلثومیہ کے پار اباقہ کے خلاف چھاپا مار کارروائی ناکام ہوئے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ ایک روز خلیفہ وقت اپنے دربار میں موجود تھے۔ مصاحبین و امرا درجہ بدرجہ مزین نشستوں پر بیٹھے تھے۔ کچھ سیاسی امور پر گفتگو ہو رہی تھی۔ دفعتاً ناظم شہر تیز قدموں سے اندر داخل ہوا اور آداب بجا کر خلیفہ کے قریب پہنچ گیا۔ خلیفہ کے پاس جھک کر اس نے نہایت دھیمے لہجے میں کوئی بات کہی۔ خلیفہ کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی دکھائی دی۔ انہوں نے ناظم سے کچھ کہا اور وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ ایک ادھیڑ عمر شخص کو لیے اندر داخل ہوا۔ یہ شخص خلیفہ کے روبرو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ناظم نے اس سے کہا۔

"اے شخص' جو کچھ تُو نے مجھے بتایا امیرالمومنین تیری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔"

ادھیڑ عمر شخص نے لرزاں آواز میں کہا۔ "خلیفۃ المسلمین! میں بندہ حقیر شہر کے جنوبی حصے میں نہر کلثومیہ کے پاس آٹے کی ایک چکی کا مالک ہوں۔ کل کام کی زیادتی کی وجہ سے میں رات گئے گھر روانہ ہوا۔ میں نہر کے دوسرے پل کے پاس پہنچا تھا کہ ایک سایہ تاریکی سے نکلا اور اس نے مجھے دبوچ لیا۔ یا امیر! میں نے اس کی شکل دیکھی تو سرتاپیر کانپ گیا۔"

خلیفہ مستنصر نے کہا۔ "اے شخص! جو کہنا ہے مختصر کہہ۔"

اس شخص نے تھوک نگل کر کہا۔ "امیرالمومنین!..... وہ اباقہ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا' جاشہر والوں کو بتا دے میں کل ٹھیک نصف شب کو ان کی بستی میں آؤں گا۔ عین جس گھڑی رات کا تیسرا پہر شروع ہو گا میں امیر التجار معین الملک کو اٹھا لے جاؤں گا۔ وہ اپنے گرد جتنی دیواریں کھڑی کرنا چاہتا ہے کر لے' حکومت اس کو بچانے کے لیے جتنا زور لگا سکتی ہے لگا لے مگر نصف شب کے بعد معین الملک میرے رحم و کرم پر ہو گا۔"

..... پورے دربار کے لیے یہ اطلاع دھماکہ خیز تھی۔ مجرم کی دیدہ دلیری حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس نے نہ صرف حکومت وقت کے ایک نہایت اہم عمیدار پر ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان بھی کر رہا تھا۔ بغداد انتظامیہ کے لیے یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ لوگوں میں پہلے ہی اضطراب کی لہر دوڑ رہی تھی۔ مجرم ناکام

کارروائی کے بعد مغویہ اور مسلم بن داؤد کے ساتھ روپوش ہو چکا تھا۔ اگر وہ اس بار بھی کامیاب رہتا تو حکومت کا کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ خلیفہ نے اسی وقت دربار برخاست کر دیا اور اپنے خاص مشیروں اور مصاحبین کے ساتھ صلاح مشورہ شروع کر دیا۔

شام تک مختلف عمدیداروں میں ملاقاتیں جاری رہیں۔ ایک زبردست لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ خلیفہ کا حکم تھا کہ مجرم کو کسی قیمت پر کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔ پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی' خاص طور معین الملک کی رہائش گاہ قلعے کا منظر پیش کر رہی تھی۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر آسانی سے کہا جا سکتا تھا کہ اگر مجرم نے معین الملک تک پہنچنے کی حماقت کی تو اس کا انجام دردناک ہو گا۔ معین الملک تک پہنچنا تو دور کی بات "سلیمانی ٹوپی" کے بغیر وہ اس علاقے میں بھی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ ہر گلی اور ہر موڑ پر سادہ لباس والے سپاہی موجود تھے۔ بلامبالغہ بغداد کی تین چوتھائی انتظامیہ اس علاقے کو گھیرے ہوئے تھی۔ معین الملک کے مکان کی اس طرح تلاشی لی گئی تھی کہ کہیں چوہے کا بچہ بھی ہوتا تو پکڑا جاتا۔ مکان میں جو دستہ تعینات کیا گیا تھا اس کے ایک ایک سپاہی کی شناخت کی گئی تھی۔ ناظم شہر کا حکم تھا کہ عشاء کے بعد فجر کی اذان تک کوئی شخص مرد' عورت یا بچہ معین الملک سے ملاقات نہیں کرے گا..... مجرم نے ایک عجیب طرح کا ہراس ذہنوں پر طاری کر دیا تھا۔ کوتوال شہر ادھ کھلے دروازے کی درز سے بار بار معین الملک کو دیکھتا تھا جیسے ڈر رہا ہو کہ وہ بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ جوں جوں رات بھیگ رہی تھی' دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ سینکڑوں نگاہیں معین الملک کی محافظت کا فریضہ انجام دے رہی تھیں۔ آخر رات کا دوسرا پہر ختم ہوا۔ تیسرے پہر کی پہلی گھڑی شروع ہوئی۔ ایک ایک پل برسوں پر محیط تھا..... وقت دھیرے دھیرے سرکتا رہا اور آخر پہلی گھڑی ختم ہو گئی۔ دوسری گھڑی شروع ہوئی اور وہ بھی ختم ہو گئی..... کچھ نہیں ہوا۔ معین الملک اپنی جگہ موجود تھا۔ پہریداروں کے اعصاب آہستہ آہستہ پُرسکون ہونے لگے۔ خطرے کا وقت گزر گیا تھا۔ دروازے پر کھڑے فربہ اندام کوتوال نے ایک طویل جمائی لی اور اس وقت ناظم شہر بدحواسی میں بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ کوتوال کے قریب پہنچ کر وہ بولا۔

"غضب ہو گیا عماد۔ غضب ہو گیا۔ مجرم مغربی حصے سے وزیر خارجہ کو اٹھا کر لے گیا ہے۔"

یہ خبر کوتوال کے سر پر وزنی ہتھوڑے کی ضرب ثابت ہوئی۔ ساتھی سپاہیوں کی طرح اس کا منہ بھی کھلا رہ گیا۔ جو پہلا خیال اس کے ذہن میں آیا یہی تھا۔ "مجرم نے ہم سے بہت بڑا دھوکا کیا ہے ..... بہت بڑا دھوکا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑی ہی دیر میں انتظامیہ کے مخصوص حلقوں میں کھلبلی مچ چکی تھی۔ وزیر خارجہ کا اغوا کوئی معمولی بات نہیں تھی اور مجرم نے یہ اغوا اس طرح کیا تھا کہ پوری انتظامیہ کے چہرے پر طمانچے کے نشان رہ گئے تھے۔ انتظامیہ نے تمام وسائل معین الملک کی حفاظت پر لگا دیے تھے اور دوسری طرف ایک ایسا کام ہو گیا تھا جو ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وزیر خارجہ کا اغوا معین الملک کی موت سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ یہ خبر جب خلیفہ مستنصر تک پہنچی تو انہوں نے سب سے پہلا حکم یہی دیا کہ اس خبر کو پھیلنے سے روکا جائے۔ خوش قسمتی سے اس حکم کی درست طور پر تعمیل ہوئی۔ انتظامیہ اس خبر کو اپنے زمہ دار حلقوں تک محدود رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ نچلی سطح کے جو اہلکار اس حادثے سے باخبر ہو چکے تھے۔ ان کے لیے نظربندی کے احکامات جاری کر دیے گئے۔ خلیفہ مستنصر نے دوسرا حکم یہ دیا کہ مجرم کو ہر قیمت اور ہر صورت میں روپوش ہونے سے روکا جائے۔ اس کے لیے فوج کی خدمات حاصل کی جائیں اور کسی مصلحت کو آڑے نہ آنے دیا جائے۔

جس وقت بغداد کے لوگ گہری نیند سو رہے تھے' انتظامی حلقوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

.....

دوسری طرف اباقہ' وزیر خارجہ کو عقاب کی طرح اچک کر اپنے چٹانی بسیرے میں واپس پہنچ چکا تھا۔ اب اس کے یرغمالیوں کی تعداد پھر تین ہو گئی تھی اور ان میں خلافت عباسیہ کا وزیر خارجہ بھی شامل تھا۔ وزیر خارجہ ابن یاشر کو ہوش آ چکا تھا لیکن اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اباقہ کے ہاتھوں اغوا ہو چکا ہے۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ رات گئے اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہا تھا اچانک عقب سے کسی نے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھ ان ٹیلوں کی تیرگی میں کھلی تھی اور اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اباقہ کا وحشی چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں تاریکی میں انگاروں کی طرح روشن تھیں۔ کچھ ہی دور اسے مسلم بن داؤد اور فاطمہ نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔

ابن یاشر خطرناک لہجے میں بولا۔ "اباقہ تو نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ جانتا ہے یہ حماقت تیری موت کو کتنا عبرتناک بنا سکتی ہے؟"

جواب میں اباقہ نے زمین پر تھوکا اور نفرت سے بولا۔ "تُو اپنی موت کو یاد کر ابن یاشر۔ میری موت کتنی بھی اذیت ناک ہوئی۔ اس زندگی سے سہل ہو گی۔"

ابن یاشر بولا۔ "تو نے موت کا صرف نام سنا ہے اباقہ۔"

اباقہ دھاڑا۔ "میں خود موت ہوں ابن یاشر۔ دیکھ میں تجھے دکھاتا ہوں ..... میں

خود موت ہوں۔"

اباقہ مسلم بن داؤد کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے کپڑے کی ایک پٹی مضبوطی سے اس کی آنکھوں پر باندھ دی۔ داؤد چیخنے چلانے لگا مگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اباقہ نے تڑپتے مچلتے داؤد کو اٹھایا اور تھوڑی دور ایک کھائی کے پاس لے گیا۔ پھر اس نے خنجر سے اس کے ہاتھ آزاد کئے اور ان ہاتھوں میں ایک ابھرے ہوئے پتھر کا کونہ تھما دیا۔

داؤد چلایا۔ "کیا کر رہے ہو اباقہ؟"

اباقہ نے اطمینان سے کہا۔ "میں کچھ نہیں کر رہا لیکن اگر تم نے اس پتھر کو چھوڑ دیا تو نیچے کھائی میں جا گرو گے۔ جسم کے دس پچاس ٹکڑے ضرور ہو جائیں گے۔ صبح ہونے میں ایک پہر باقی ہے۔ اگر صبح تک لٹکتے رہو گے تو اتار لوں گا۔"

یہ سنتے ہی داؤد مقناطیس کی طرح پتھر سے چمٹ گیا۔ اس کے پاؤں خلا میں لٹک رہے تھے۔ اباقہ واپس ابن یاشر اور فاطمہ کے پاس آیا۔ "اگر تم دونوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میری تلوار نیام سے باہر آ جائے گی۔"

مسلم بن داؤد نے ہاتھوں کی پوری طاقت سے پتھر کو تھام رکھا تھا۔ وہ بار بار اپنے پاؤں سکیڑ رہا تھا لیکن کہیں جگہ ہوتی تو اس کے پاؤں ٹکتے۔ اس کے ہونٹوں سے معافیاں' درخواستیں اور التجائیں پانی کے دھارے کی طرح نکلنے لگیں۔ نہ جانے کن کن پاکیزہ ہستیوں' بزرگوں اور ولیوں کی قسمیں کھا کھا کر وہ اباقہ کو اپنے نیک چال چلن کا یقین دلا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔ اس نے چیخنا چلانا اور رونا شروع کر دیا۔ پھر رونے کی آواز بھی مدھم ہو گئی۔ اب اس کے حلق سے ایک لرزہ خیز خرخراہٹ نکل رہی تھی۔ یہ خرخراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ جسم و جان کی پوری قوت سے پتھر کو تھامے رکھنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اس کے بازو اور اس کی انگلیاں شل ہو چکی تھیں۔ جانے کتنی دیر داؤد پر جان کنی کا عالم طاری رہا پھر اس کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی جو لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی چلی گئی۔ جب یہ چیخ نقطۂ عروج پر پہنچی تو پتھر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ..... وہ دھم سے دو گز نیچے سخت زمین پر آ گرا۔ اباقہ کے حلق سے ایک وحشیانہ قہقہہ بلند ہوا۔ اس قہقہے کی گونج نے فاطمہ اور ابن یاشر کو لرزا کر رکھ دیا۔ درحقیقت اباقہ نے داؤد کو صرف دو گز کی بلندی پر لٹکایا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر داؤد کی آنکھیں کھولیں۔ وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر اباقہ بولا۔

"داؤد! اپنے ظلم کی وجہ سے تجھے ابھی بہت تڑپنا ہے۔"

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسداللہ' مارینا اور طوطم خاں کے ساتھ واپس بغداد پہنچا تو سیدھا وزیر داخلہ عبدالرشید کے محل پر آیا۔ راستے میں مارینا اور طوطم کو وہ سلیمان کی تحویل میں دے آیا تھا۔ عبدالرشید نے خود صدر دروازے پر آکر اسداللہ کا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں میں ڈرے ہوئے سوال تھے۔ اسد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہم کامیاب لوٹے ہیں جناب۔"

وزیر داخلہ کے مدقوق چہرے پر امید کی روشنی چمکی۔ بیٹی کے غم نے گھلا کر اسے آدھا کر دیا تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے نشست گاہ میں آ بیٹھے۔ اسد نے کہا۔ "جناب تازہ ترین صورت حال کیا ہے۔"

وزیر داخلہ نے اس پر انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ کل اباقہ نے وزیر خارجہ ابن یاشر کو بھی اغوا کر لیا ہے۔ اس اغوا کی حیرت انگیز تفصیلات بتانے کے بعد وزیر داخلہ نے کہا کہ آج صبح ٹیلوں میں اباقہ کے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا گیا ہے۔ فوج کے کئی دستوں نے اس مقام کو گھیر لیا ہے۔

اسد نے کہا۔ "جناب جتنی جلدی ہو سکے آپ مجھے اباقہ تک پہنچانے کا انتظام کریں۔ اس سلسلے میں کوئی دشواری تو نہیں؟"

وزیر داخلہ نے بے دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب کیا دشواری ہے اسد! اب تو وزیر خارجہ خود اغوا ہو گیا ہے۔ اب تو دربار خلافت سے بھی مصالحتی کوششوں کی حمایت ہو گی۔ تم ابھی میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

اسد نے محسوس کیا کہ وزیر داخلہ پر ناامیدی طاری ہے۔ شاید اسے یقین نہیں تھا کہ اباقہ کو گفت و شنید پر آمادہ کیا جا سکے گا۔

.... ٹھیک تین گھڑی بعد اسد' یورق اور مارینا ان ٹیلوں میں پہنچ چکے تھے جہاں اباقہ نے فاطمہ' داؤد اور ابن یاشر کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ ان ٹیلوں کو چاروں طرف سے فوجیوں نے گھیر رکھا تھا اور عام آدمی کو اس جانب آنے کی کسی صورت اجازت نہیں تھی۔ مقامی کمان دار کو پہلے سے اطلاع کی جا چکی تھی۔ کمان دار کی ہدایت پر ایک پیغام بر ٹیلوں میں آگے گیا اور ایک پتھر پر چڑھ کر بلند آواز میں اباقہ کو بتایا کہ اس کے کچھ دوست اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ اباقہ کا ہیولا دور ایک پتھر پر نظر آ رہا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔ "مجھے صرف ایک شخص سے ملنا ہے اور اس کا نام عبداللہ مشہدی ہے۔ اپنے کمان دار کو بتا دو کہ اگر شام تک یہ مطالبہ پورا نہیں ہوا تو ابن یاشر کا سر اس کی گردن پر نہیں رہے گا۔"

اسداللہ نے مارینا کا بازو پکڑ کر اسے سپاہیوں کے عقب سے آگے کر دیا۔ اباقہ واپس

لوٹ رہا تھا۔ جب مارینا کی آواز ٹیلوں میں گونجی "اباقہ.........."

اباقہ مڑا اور اس کا جسم ساکت ہو کر رہ گیا۔ تب اسداللہ اور یورق بھی آگے آئے اور مارینا کے ساتھ اباقہ کی طرف بڑھنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اباقہ اور مارینا آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اباقہ یک ٹک مارینا کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو جھلملا رہے تھے۔ اس نے لرزاں آواز میں اپنا دکھ مارینا کو سنایا۔

"مارینا! سلطان مر گیا' وہ ہمیں تنہا چھوڑ گیا.......... ہم یتیم ہو گئے مارینا۔"

مارینا کی آنکھوں میں بھی نمی تیر گئی۔ کئی ماہ پرانا غم پہلے روز کی طرح تازہ ہو گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر نرمی سے بولی۔ "اباقہ! غم کا یہ پہاڑ صرف تم پر ہی نہیں ہم پر بھی ٹوٹا ہے۔"

اباقہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ یورق نے کہا۔ "جنگلی ہمیں بیٹھنے کے لئے بھی نہ کہے گا۔"

"نہیں سردار! خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

مارینا نے کہا۔ "اسد میں اباقہ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

اسد اور یورق نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پتھروں پر بیٹھ گئے۔ مارینا نے گہری نظروں سے اباقہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ ان آنکھوں میں ایک خاموش جادو تھا۔ اباقہ نگاہیں جھکا کر رہ گیا۔ مارینا اور وہ ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ اباقہ کا رخ چند گز دور یرغمالیوں کی طرف تھا۔ مگر اس کے کان مارینا کی طرف لگے تھے۔ مارینا دھیمے لہجے میں اس سے گفتگو کرنے لگی۔ وہ اپنے لفظوں کی نرم انگلیوں سے اباقہ کے زخموں پر مرہم رکھ رہی تھی۔ آخر اس نے بڑی لجاجت سے اباقہ سے کہا کہ وہ یرغمالیوں کو رہا کر دے۔ کیونکہ عبداللہ مشہدی روپوش ہو چکا ہے اس لئے اس جدوجہد سے کچھ حاصل نہیں۔ اس نے اباقہ کو اسد کا منصوبہ سمجھاتے ہوئے کہا وہ ایک یرغمالی کو یہیں رہا کر دیتے ہیں۔ باقی دو یرغمالیوں کو وہ اپنے ساتھ رکھیں گے اور اس شرط پر رہا کریں گے کہ ان کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اباقہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"مارینا.......... میں.......... یہ نہیں کر سکتا۔ کسی صورت نہیں۔"

مارینا چند لمحے اس کی صورت دیکھتی رہی پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ غصے سے بولی۔ "اباقہ! کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

اباقہ خاموش رہا۔ مارینا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ "اباقہ! میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم مجھے اس بے رخی سے جواب دو گے۔ تم نے میری التجا ٹھکرا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے دل پر جو زخم لگایا ہے عمر بھر مندمل نہ ہو سکے گا۔ کاش میں تمہارے پاس نہ آتی۔"

اباقہ نے چونک کر ماریٹا کی طرف دیکھا۔ اس کا حسین چہرہ غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اباقہ کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس کے چہرے پر زبردست کشمکش نظر آ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر یرغمالیوں کی طرف دیکھا پھر تلوار نہایت غصے سے پتھروں میں پھینک کر اٹھ گیا۔ تلوار گرنے کی آواز سن کر یورق اور اسد تیزی سے ان کی طرف آئے۔ اباقہ رخ پھیر کر کھڑا تھا۔ اسد نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "اباقہ! ہم جانتے ہیں ہم تجھ پر زبردستی کر رہے ہیں لیکن ہمیں معاف کر۔"

ماریٹا نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ اس کے چہرے پر مسرت کی جھلک تھی۔

یورق نے کہا۔ "اباقہ! تجھے یہاں سے نکلنے کا منصوبہ ماریٹا نے بتا دیا ہو گا۔ تجھے کوئی اعتراض تو نہیں۔"

اباقہ نے رخ پھیرے بغیر جواب دیا۔ "جو تمہارا دل چاہے کرو۔"

ماریٹا اسد اور یورق جلد جلد کچھ مشورہ کرنے لگے۔ پھر اسد ٹیلوں میں آگے گیا۔ دوسری طرف سے وزیر داخلہ عبدالرشید کچھ افسروں کے ساتھ آگے بڑھا۔ کافی دیر ان کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ پھر اسد نے واپس آ کر بتایا کہ شرائط طے ہو گئی ہیں۔ ہم عبداللہ مشہدی کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ فاطمہ کو اسی وقت رہا کر دیا جائے گا۔ باقی دو یرغمالی ہمارے ساتھ رہیں گے۔ اپنے تعاقب کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم اُن دونوں کو راستے میں کہیں چھوڑ دیں گے۔ اباقہ اس ساری گفتگو سے لاتعلق رہا تھا۔

اسداللہ فاطمہ کے پاس پہنچا۔ اس کے جسم پر ابھی تک دلہن کا لباس تھا مگر اب یہ لباس پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اسد نے اس کی مشکیں کھولیں اور بولا۔

"جاؤ فاطمہ! ان ٹیلوں کے پیچھے تمہارا باپ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"اور تمہارا دولہا بھی۔" یورق نے لقمہ دیا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو چمک گئے۔ اس نے ایک نظر اباقہ اور اسد کی طرف دیکھا پھر پنجرے سے اڑنے والی چڑیا کی طرح اترائی کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ باپ اور بیٹی کا ملاپ کوئی ایک فرلانگ آگے ہوا۔ اس جذباتی منظر کو اباقہ بھی دیکھ رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا ایک نادیدہ بوجھ اس کے دل سے اتر گیا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اباقہ' اسد' ماریٹا اور یورق ایک بند گھوڑا گاڑی میں شہر کی طرف جا رہے تھے۔ وزیر خارجہ ابن یاشر اور مسلم بن داؤد ان کے ساتھ تھے۔ محاصرہ کرنے والے دستوں نے معاہدے کے مطابق ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ نہر کلثومیہ

وہ سیدھے اس مکان پر پہنچے جہاں سلیمان اور نبیلہ مقیم تھے۔ طوطم خاں بھی وہیں تھا۔ ان تینوں کو گاڑی میں لاد کر وہ پھر روانہ ہو گئے۔ گاڑی میں خورد و نوش کا وافر انتظام تھا۔ گھوڑے اصیل اور صحت مند تھے۔

☆———☆———☆

بغداد سے کوئی پندرہ کوس دور آ کر انہیں اندازہ ہوا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تعاقب کرنے والے تین گھڑسوار تھے۔ یہ سراسر معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ اسد نے ایک مصالحت کنندہ کی حیثیت سے وزیر داخلہ عبدالرشید اور دوسرے افسروں کو ضمانت دی تھی کہ دونوں یرغمالیوں کو خوارزم کی سرحد پار کرنے سے پہلے ہی رہا کر دیا جائے گا بشرطیکہ ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اب نامعلوم گھڑسواروں کا یہ تعاقب اسد اور یورق کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا مگر جلد ہی ان کی یہ تشویش دور ہو گئی۔ ایک ویران جگہ یہ گھڑسوار' گھوڑا گاڑی کے بالکل قریب پہنچ گئے اور اس وقت اسد نے مائیکل کو پہچان لیا۔ گھوڑا گاڑی ایک طرف درختوں میں کھڑی کر دی گئی۔ مائیکل نے گھوڑے سے اتر کر سب کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ اسد نے اباقہ اور سلیمان سے مائیکل کا تعارف کیا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد یہ قافلہ پھر آگے روانہ ہوا۔ اس دفعہ مائیکل اور اس کے دو ساتھی گھڑسوار بھی ان کے ساتھ تھے۔

انہوں نے رات بھر بغیر رکے سفر جاری رکھا۔ اگلے روز شام کے وقت وہ درختوں سے گھرے ہوئے ایک کہنہ سال مکان کے سامنے پہنچے۔ یہ مکان کسی زمیندار کی ملکیت تھا جو سرحد پر تاتاریوں کے خوف سے اسے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ایک دفعہ سفر کے دوران اسد نے اس مکان کا سراغ لگایا تھا۔ اس کا لگایا ہوا یہ سراغ آج ان کے لئے مفید ثابت ہوا تھا۔ مکان اجاڑ تھا۔ دیواروں پر کائی اور چھتوں پر گھاس اگی ہوئی تھی۔ کمروں میں گیدڑوں اور پرندوں نے بسیرا کر رکھا تھا۔ ان سب نے مل کر کوشش کی اور رات سونے کے وقت تک تین کمروں کو قیام کے قابل بنا لیا۔ نبیلہ اور ماریٹا نے خشک راشن نکال کر دسترخوان بچھایا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ تھکن کے باوجود رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ پھر ایسے سوئے کہ اگلے روز دوپہر کے وقت بیدار ہوئے۔ اسد کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ یورق نے جاگتے ساتھ ہی مسلم بن داؤد سے گن گن کر بدلے لینے شروع کر دیئے۔ وہ اس کمرے میں گیا جہاں وزیر خارجہ ابن یاشر طوطم خاں اور مسلم بن داؤد بندھے پڑے تھے۔ اس کمرے کا فرش چونکہ گندا تھا' لہٰذا یورق جب داؤد کو باہر لایا تو اس کی ہیئت دیکھنے کے قابل تھی۔ گرد اور پرندوں کے بیٹ اس کے جسم سے بھبھوت کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔ پنڈلی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زخم کی وجہ سے وہ تھوڑا لنگڑا بھی رہا تھا۔ یورق نے مسلم بن داؤد کو پہلے تو گھوڑوں کی خدمت پر لگایا۔ پھر اسے حکم دیا کہ وہ درختوں سے لکڑیاں اکٹھی کرے۔ جب وہ لکڑیاں اکٹھی کر چکا تو یورق اس سے اپنے جسم کی مالش کرانے لگا۔ مالش کرنے کے بعد داؤد بری طرح ہانپ رہا تھا مگر یورق نے اسے ہدایت کی کہ وہ پتھروں کا چولہا بنا کر اس میں آگ جلائے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ داؤد نے سیدھا ٹیڑھا چولہا بنایا اور آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔ لکڑیاں گیلی تھیں اور دھوئیں سے داؤد کی آنکھیں نکلی جا رہی تھیں۔ پھونکیں مار مار کر وہ بے حال ہو رہا تھا۔ ماریتا اور نبیلہ کو مسلم بن داؤد کی حالت دیکھ کر مسکراہٹ روکنی مشکل ہو گئی۔ آخر ماریتا کو اس پر ترس آیا اور اس نے آگ جلا کر داؤد کو اس مشکل سے نکالا۔ اباقہ ابھی تک گم صم تھا۔ کچھ دیر بعد اسد بھی واپس آ گیا۔ وہ سب مل کر اباقہ کی دلجوئی کی کوشش کرنے لگے۔

اسد نے کہا۔ ”اباقہ! یقین رکھو' عبداللہ مشہدی صرف تمہارا ہی نہیں ہمارا بھی دشمن اول ہے۔ اس کا تڑپتا لاشا دیکھنے کو ہماری آنکھیں بھی ترس رہی ہیں لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں تحمل سے کام لینا ہے۔ وہ بدبخت اس وقت کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ بغداد والوں کو خود اس کا علم نہیں۔ ہم اہل شہر سے ٹکرا کر کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ میں بلکہ ہم سب خدا کو حاضر ناضر جان کر وعدہ کرتے ہیں کہ حالات سازگار ہوتے ہی عبداللہ مشہدی کو زمین کی ساتویں تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور عبرتناک انجام سے دوچار کریں گے۔ سلطان جلال ہمیں بھولا ہے اور نہ بھول سکتا ہے۔ اس کا کہا ہوا ہر لفظ ہمارے دلوں پر نقش ہے ....“

اس موقع پر مائیکل آگے آیا اور اس نے اباقہ کو بتایا کہ اس کے ملک میں حالات نے کیا کروٹ لی ہے۔ وہاں کی سرحدوں پر کیا خطرات منڈلا رہے ہیں اور شہر کن حادثوں کی زد میں ہیں۔ اس نے اباقہ سے درخواست کی کہ وہ وحشی منگولوں کے خلاف لڑنے کے لیے اس کے ہمراہ سرزمین روس کا رخ کرے۔ مترجم کی وساطت سے مائیکل تادیر اباقہ کو اپنے موقف سے آگاہ کرتا رہا۔ اباقہ اس کی بات سن رہا تھا لیکن اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ وہ برف کی سل دکھائی دے رہا تھا۔

اس رات کا ذکر ہے' نبیلہ اور ماریتا اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں زمین پر ایک دبیز قالیچہ بچھا ہوا تھا اور آتشدان میں آگ دہک رہی تھی۔ ساتھ والے کمرے میں تینوں قیدی محبوس تھے۔

نبیلہ نے کہا۔ ”لگتا ہے بھائی جان اباقہ آپ سے ناراض ہیں۔“ ماریتا تھوڑی ایک

ہاتھ پر ٹکائے گہری سوچ میں گم تھی۔ نبیلہ نے جواب نہ پا کر پھر کہا۔ ”سلیمان مجھے بتا رہے تھے کہ اسد بھائی آج سارا دن کسی گاؤں میں ہمارے رہنے کے لیے مکان تلاش کرتے رہے ہیں۔“ ماریتا نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ نبیلہ نے شوخی سے ماریتا کو چٹکی بھری اور بولی۔ ”آپا' اگر بھائی جان اس گورے کے ساتھ منگولوں سے لڑنے چلے گئے تو نہ جانے کتنی دیر پچھتاتی رہو گی۔ جا کر انہیں منالو نا۔ تمہیں کھا تو نہیں جائیں گے۔“

ماریتا نے مصنوعی خفگی سے نبیلہ کو دیکھا پھر بولی۔ ”میں کیوں مناؤں' میں نے اسے کیا کہا تھا۔ ہم سب اس کا بھلا ہی سوچ رہے ہیں۔“

نبیلہ آنکھیں نچا کر بولی۔ ”آپا! کسی کا پتھر بھی چوٹ نہیں دیتا اور کسی کا پھول بھی نشان نکال دیتا ہے۔“

”تو کیا کروں میں؟“ ماریتا نے پوچھا۔

”ہائیں .... ہائیں۔“ نبیلہ نے آنکھیں نکالیں۔ ”اب یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا۔ بھئی آخر تم اس کی ہونے والی دلہن ہو' جا کر خوش کر لو اسے جیسے ہوتا ہے۔“ ماریتا خاموش رہی۔ نبیلہ لاپرواہی کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔ ”ٹھیک ہے ہمیں کیا۔ نہیں جانا تو نہ جاؤ۔ وہ تو آج کل میں چلا ہی جائے گا۔“

ماریتا بھی ذرا شوخی سے بولی۔ ”مجھے تو نہیں لگتا وہ جائے گا۔ تم دیکھ نہیں رہی تھیں کیسے منہ پھلا رکھا تھا اس نے لگتا تھا کوئی بوڑھی بال بکھیرے بیٹھی ہے۔“

”توبہ توبہ۔ اپنے مجازی خدا کے متعلق یہ واہیات!“ نبیلہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ”میں تو بھئی ابھی بتاتی ہوں جا کر بھائی جان کو ابھی تو کچھ نہیں بگڑا ہمارے چاند جیسے بھیا کا۔“ پھر اس سے پہلے کہ نبیلہ اٹھتی ماریتا نے اس کی چوٹی پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

”سلیمان نے تجھے کچھ زیادہ ہی شریر کر دیا ہے۔“

نبیلہ مسکرا کر بولی۔ ”ہاں' ہیں تو وہ بڑے شریر۔“ پھر اس سے پہلے کہ نبیلہ جان بوجھ کر ان شرارتوں کی تفصیل میں جاتی ماریتا نے تکیے پر سر ڈال کر منہ سر لپیٹتے ہوئے کہا۔

”نبیلہ! میں تو سو رہی ہوں تو بھی سو جا۔“

نبیلہ نے کہا۔ ”........... تو نہیں جاؤ گی تم بھائی جان کے پاس!“

”نہیں۔“ ماریتا سرہلاتے ہوئے کہا۔

”روؤ گی بیٹھ کر انشاء اللہ!“ نبیلہ نے بڑے خلوص کے ساتھ کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

☆ ------ ☆ ------ ☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

..... کوئی گھڑی ڈیڑھ گھڑی بعد مارینا نے آہستہ سے سر اٹھا کر نبیلہ کی طرف دیکھا۔ اس کی سانس کی مدھم آواز بتا رہی تھی کہ وہ سو چکی ہے۔ آتشدان میں دہکتے ہوئے کوئلوں کی ہلکی سرخی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ مارینا نے کان لگا کر سنا' ساتھ والے کمرے میں خاموش چھائی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی اسد' یورق' اباقہ اور سلیمان باری باری پہرہ دیتے ہیں۔ پہلے پہر کا پہرہ اباقہ کا تھا۔ مارینا جسم کو چادر میں لپیٹتے ہوئے دھیرے سے اٹھی اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ برآمدے اور صحن میں خاموشی تھی۔ وہ دبے قدموں چلتی صحن میں آئی اور بہ آہستگی دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ کچھ ہی دور اسے اباقہ کا ہیولہ نظر آیا۔ وہ گھوڑوں کے پاس ایک درخت کے گرے ہوئے تنے پر بیٹھا تھا۔ خاموش اور بے حس و حرکت۔ مارینا دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھی اور قریب پہنچ کر ہولے سے بولی۔ "اباقہ۔"

اباقہ نے ایکدم مڑ کر دیکھا لیکن پھر آہستہ سے منہ پھیر لیا۔ مارینا نے ایک نظر واپس مکان کے دروازے کی طرف دیکھا اور اباقہ کے قریب بیٹھ گئی۔

"مجھ سے ناراض ہو اباقہ؟" وہ بے ساختہ معصومیت کے ساتھ بولی۔

اباقہ نے منہ پھیر لیا۔ مارینا نے اس کی آستین تھام کر اپنی طرف کھینچی۔ "بتاؤ ناراض ہو اباقہ؟"

اباقہ نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم سے نہیں' اپنی قسمت سے ناراض ہوں۔"

مارینا نے اس کا بازو تھام لیا اور نرمی سے کہا۔ "دیکھو اباقہ! اپنے سلطان سے محبت کے اظہار کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم اس کے ارادوں کو عملی جامہ پہنائیں۔ تمہیں یاد ہو گا۔ سلطان نے کہا تھا' ہم منگولوں سے دشمنی کریں گے' وہ ہمیں جہاں' جب اور جس حالت میں ملیں گے ہم انہیں ماریں گے۔ ان کی زندگیاں حرام کریں گے ..... اباقہ! کیا تم صرف عبداللہ مشہدی کے تعاقب میں رہو گے اور سلطان کے اس فرمان کو بھول جاؤ گے۔"

اباقہ بولا۔ "مارینا! میرے سینے میں جو آگ بھڑک رہی ہے' میں اسے کیسے ٹھنڈا کروں؟"

مارینا نے مسکرا کر کہا۔ "اگر یہ آگ میرا گلا گھونٹنے سے ٹھنڈی ہو سکتی ہے تو لو میرا گلا حاضر ہے۔"

"نہیں مارینا" اباقہ' بے تابی سے بولا۔ "ایسی باتیں مت کرو۔ تم ..... تم تو میری زندگی کا آخری سہارا ہو۔"

مارینا کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ اباقہ نے بڑے کرب کے ساتھ ان خوبصورت آنکھوں کی طرف دیکھا۔ پھر میکانکی انداز میں اس کے بازو آگے بڑھے اور مارینا اس کے سینے سے لگ گئی ..... تاریکی میں وہ دونوں ایک ہی انسانی جسم کا حصہ دکھائی دے رہے تھے۔

☆======☆======☆

اگلے روز اباقہ نیند سے بیدار ہوا تو اسد اور سفید رنگت والا مائیکل' صحن کی دھوپ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ مارینا اور نبیلہ دوسرے کمرے میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ اباقہ کو بیدار ہو کر صحن میں آتے دیکھا تو نبیلہ کپڑے سے ہاتھ صاف کرتی باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح شرارت ناچ رہی تھی۔ اباقہ کو چھیڑتے ہوئے بولی۔ "لگتا ہے بھائی جان آپ رات دیر تک جاگتے رہے ہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" اباقہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

نبیلہ نے مارینا کو آواز دی۔ "آپا! ذرا باہر آکر دیکھنا میں سچ کہہ رہی ہوں یا جھوٹ۔"

نبیلہ کی دو آوازوں پر تو مارینا باہر نہیں آئی مگر تیسری آواز پر اسے دروازے سے جھانکنا پڑا۔ اس کی شرمگیں نگاہیں ایک لمحے کو اباقہ سے ٹکرائیں پھر وہ نبیلہ سے بولی۔

"کیوں شور کر رہی ہو؟"

"شور تو بھائی جان کی آنکھیں کر رہی ہیں جناب۔" وہ کمر لچکا کر بولی۔

برآمدے سے یورق کی آواز آئی۔ "کس کی آنکھیں کیا کر رہی ہیں بھئی۔"

"کچھ نہیں کچھ نہیں۔" نبیلہ نے ترچھی نظروں سے مارینا کو دیکھا۔ اس کی گھرکی پر بات بدل کر بولی۔ "داؤد کی آنکھوں میں چنگاڈ کی بیٹ پڑ گئی ہے' کہہ رہا ہے درد کر رہی ہیں۔"

یورق کے طلق سے قہقہہ بلند ہوا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ داؤد کی شان میں کوئی قصیدہ پڑھتا۔ بیرونی دروازہ شور سے کھلا اور مائیکل کا ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ اس نے کاغذ مائیکل کو تھما دیا۔ مائیکل غور سے کاغذ کی تحریر پڑھنے لگا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ تحریر ختم ہوئی تو مائیکل کا رنگ برف کی طرف سفید تھا۔ یورق اور اباقہ بھی مائیکل کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ تحریر پڑھ کر مائیکل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کاغذ اسد کی طرف بڑھا دیا۔ اسد نے یہ کاغذ ترجمان کو دیا اور بولا پڑھ کر سناؤ۔ ترجمان نے خط پڑھنا شروع کیا۔

31 دسمبر 1237ء ریازان کے نامہ نگار کی طرف سے افسر کار خاص مائیکل ہوورتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نام ..... احوال یہ ہے کہ منگول فوج مختصر محاصرے کے بعد ریازان میں داخل ہو گئی ہے۔ مغل منجنیقوں کی شعلہ باری سے ریازان کی کاٹھ کی فصیلیں خاکستر ہو گئیں۔ ابھی ہمیں اچھی طرح یہ احساس بھی نہ ہو پایا تھا کہ ہماری فصیلیں جواب دے چکی ہیں کہ مغل سوار شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ ہماری سپاہ نے دیوانہ وار مقابلہ کیا لیکن ان جنگلیوں کے سامنے کسی کا بس نہ چلا ..... ریازان مقتل بن گیا۔ مردوں کو تعاقب کر کے برف و خون سے سرخ گلیوں میں پکڑا گیا اور زندہ نیزوں پر چڑھا دیا گیا۔ نیزوں سے چھد کے تلملا تلملا کے ریازان کے ان گنت تجربے زندگی کی سرحد پار کر گئے۔ پادریوں نے کلیساؤں میں روپوش ہو کر دروازے بند کر لیے تھے۔ دروازے توڑ کر انہیں پکڑا گیا اور بھیڑوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ ان کے ساتھ جو عورتیں کلیساؤں میں پناہ گزین تھیں ان سے انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ ان کی عصمت دری کی گئی اور پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔ پورا شہر کھنڈر بن چکا ہے۔ تعفن زدہ گلیوں سے دھواں اٹھتا ہے اور لاشوں کے ڈھیروں پر بچے روتے ہیں۔ آگے نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ خدا ہمارے گناہ معاف کرے۔"

مائیکل کے چہرے پر فکر کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ ایک روز پہلے اس نے بتایا تھا کہ اس کے بیوی بچے بھی ریازان میں مقیم ہیں۔ اسد اور یورق بھی خاموش کھڑے تھے۔ اباقہ کے ذہن میں برسوں پہلے کا وہ منظر گھوم رہا تھا جب سمرقند و بخارا میں بھی آگ اور خون کا یہ کھیل کھیلا گیا تھا ..... اندرونی حدت سے اباقہ چہرہ تمتمانے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر مائیکل کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

"ہم تمہارے ساتھ چلیں گے دوست۔"

مائیکل کو اباقہ کی بات سمجھ نہیں آئی لیکن چہرے کے تاثرات سے وہ جان گیا کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اسد کے چہرے پر بھی اطمینان کے تاثرات تھے۔ اباقہ نے مائیکل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن تمہارے ساتھ جانے کے لیے میری ایک شرط ہے۔ اسد اللہ بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔"

ترجمان نے یہ بات مائیکل تک پہنچائی تو وہ مسکرا دیا۔ بولا۔ "میں اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اسد سے پہلے ہی جانے کی درخواست کر چکا ہوں۔"

اسد بولا۔ "اور میں اس شرط پر رضامندی ظاہر کر چکا ہوں کہ اباقہ بھی ساتھ جائے گا۔" اباقہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی' اگر اسے خوفناک سنجیدگی کہا جاتا تو بے جا نہ تھا۔

☆------☆------☆

اس رات وہ روانگی کے لیے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ لائحہ عمل یہ تھا کہ علی الصبح اسد نے مارینا' نبیلہ اور سلیمان کو اس گاؤں میں پہنچا دینا تھا جہاں اس نے ان کی رہائش کا انتظام کیا تھا۔ سلیمان اور نبیلہ کے متعلق یہاں کی انتظامیہ کچھ نہیں جانتی تھی' صرف مارینا کے بارے قدرے تشویش ہو سکتی تھی مگر یہاں وہ خوارزم کی نسبتاً کہیں زیادہ محفوظ تھی جہاں منگول قابض اندھیر مچا رہے تھے۔ یوں بھی اس دور افتادہ گاؤں میں ایک پردہ نشین لڑکی کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔ داؤد اور ابن یاشر کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ انہیں بندھی مشکوں کے ساتھ یہیں چھوڑ دیا جائے کسی سرحدی چوکی پر ان کے بارے پیغام پہنچا دیا جائے گا کہ وہ فلاں جگہ بندھے پڑے ہیں۔ یہ ساری حکمت عملی اسد اور یورق نے تیار کی تھی' اباقہ بالکل لاتعلق رہا تھا۔ کسی وقت تو اسد کو اندیشہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ غمازیوں کو چھوڑتے وقت وہ طیش میں آجائے گا۔ خاص طور پر مسلم بن داؤد کو معاف کرنا اباقہ کے لیے بے حد مشکل تھا ..... بہرحال یہ کڑوا گھونٹ ان سب کو پینا ہی تھا۔ طوطم خاں کے بارے ابھی تک انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

رات کا پہلا پہر نصف سے زائد گزر چکا تھا۔ اباقہ پہرے پر تھا اور بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ صبح کا اجالا مارینا کو ایک بار پھر اس سے جدا کر رہا تھا۔ پھر ان دونوں کے درمیان میدان جنگ کی بے کراں وسعتیں تھیں۔ چمکتی تلواریں تھیں' نیزے اور بھالے تھے' خون کی ندیاں تھیں اور حوادث کے طوفان۔ اسے یقین تھا آج رات مارینا اس سے ملنے ضرور آئے گی ..... اور پھر دروازے میں حرکت پیدا ہوئی۔ ایک انسانی ہیولا مکان سے برآمد ہوا اور اباقہ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ مارینا ہی تھی۔ اباقہ آگے بڑھا اور بے اختیار ہو کر اس کے ہاتھ تھام لیے دونوں درخت کے گرے ہوئے تنے پر بیٹھ گئے۔ ملگجی چاندنی درختوں سے چھن چھن کر ان تک پہنچ رہی تھی۔ جنگلی پھولوں کی بھینی مہک فضا میں رچی ہوئی تھی۔ دور کہیں کوئی پپیہا اپنا راگ الاپ رہا تھا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" مارینا نے کہا۔

"میں ..... تمہارے لیے واپس لوٹوں گا۔" اباقہ نے کہا۔

"میں ایسی ہی چاندنی راتوں میں بیٹھ کر دعا کیا کروں گی کہ جب تم واپس لوٹو تو تمہارا خون بھی تمہارے ساتھ ہو۔"

"وقت زخموں کا مرہم ہے مارینا۔"

"اباقہ!"

"مارینا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دفعتاً ایک آہٹ نے انہیں چونکا دیا۔ دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔ ان کے سامنے طوطم خاں کھڑا تھا۔ درختوں سے اترنے والی چاندنی اس کے غضبناک چہرے کو نہایت خوفناک بنا رہی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں طیش کی بجلیاں چمک رہی تھیں۔ مارینا اور اباقہ کو محو دیکھ کر وہ نہایت آہستگی سے آیا تھا اور قریب رکھی ہوئی اباقہ کی تلوار اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اب یہ عریاں تلوار اس کے ہاتھوں میں چمک رہی تھی۔

وہ سرسراتی آواز میں مارینا سے مخاطب ہوا۔ "میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا مارینا۔ دنیا کی آخری سرحد اور زندگی کی آخری سانس تک تیرا پیچھا کروں گا۔ تو ہیری نہیں تو کسی کی بھی نہ ہو سکے گی۔" طوطم خاں ایسے جنونی انداز میں بول رہا تھا کہ مارینا کانپ کر رہ گئی۔ وہ سرکتی ہوئی اباقہ کے قریب چلی گئی۔ اباقہ کی نگاہیں طوطم کی تلوار پر تھیں جو وہ دھیرے دھیرے ہلا رہا تھا۔ پھر ایکدم طوطم نے یہ تلوار مارینا کے قدموں میں پھینک دی اور بولا۔

"مجھ سے پیچھا چھڑانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر دو۔ قتل کر دو مجھے۔" یہ کہتے ہوئے طوطم نے نہایت وحشت کے عالم میں اپنا گریبان پھاڑا اور ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

مارینا بے بسی سے اباقہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ زرد ہو کر چاندنی کا حصہ بن گیا تھا۔ اباقہ بھی کبھی تلوار کو اور کبھی طوطم کو دیکھ رہا تھا۔ طوطم پھر بولا۔ "سوچتے کیا ہو۔ میں تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ مارو مجھے' ورنہ میں تمہاری زندگیاں حرام کر دوں گا۔"

اباقہ نے مارینا کی طرف دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اگر ہم تمہارے خون سے ہاتھ نہ رنگنا چاہیں تو پھر؟"

"تو پھر تجھے آج ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔" طوطم خاں نے غضب ناک لہجے میں کہا اور اباقہ کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

"کیسا فیصلہ؟" اباقہ نے پوچھا۔

"چنگیز خاں کے پوتے باتو خاں کا سر۔"

"کیا مطلب؟" اباقہ نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں بھی تمہارے ساتھ روس کی مہم پر جاؤں گا۔ منگول لشکر کی قیادت چنگیز کا پوتا باتو خاں کر رہا ہے۔ ہم دونوں اس کا سر حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مارینا سے شادی وہی کرے گا جو باتو خاں کا سر لائے گا۔"

اباقہ اور مارینا حیرت سے منہ کھولے طوطم خاں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اباقہ بولا۔

"طوطم خاں! تم جانتے ہو تم کیا بات کر رہے ہو؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" طوطم ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "تمہیں یہی گھمنڈ ہے نا کہ تم بہادر اور طاقتور ہو۔ تو پھر بہو بہادر' سوچ کیا رہے ہو۔ ہم دونوں کے لئے میدان کھلا ہے۔"

اباقہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ "طوطم تم ایسی بات کر رہے ہو جس پر شاید بعد میں تمہیں خود بھی پچھتانا پڑے۔ باتو خاں تک پہنچنا تمہارے خیال میں کوئی آسان کام ہے۔"

طوطم زہریلے لہجے میں بولا۔ "اور مارینا کا حاصل کرنا تمہارے خیال میں آسان ہے۔ باتو خان کا سر نادر ہے تو مارینا اس سے بڑھ کر نادر ہے۔ یا کہہ دو کہ تمہیں مارینا سے سچی محبت نہیں۔ تم صرف اس کے حسن کے شکاری ہو۔ کہہ دو یہ بات۔"

مارینا طوطم خاں پر چیخی۔ "چپ ہو جاؤ۔ خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ تم کچھ نہیں جانتے میرے بارے میں۔"

طوطم وحشیانہ انداز میں غرایا۔ "تُو اس معاملے میں مت بول۔ مجھے بات کرنے دے اس جنگجو بہادر سے۔ ہاں بول اباقہ کیا خیال ہے تیرا۔"

اباقہ نے ایک نظر مارینا کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے طوطم خاں۔ اگر اس طرح تیرا منحوس سایہ مارینا سے ہٹ سکتا ہے تو مجھے یہ شرط منظور ہے۔"

"منحوس" کے لفظ پر طوطم خاں کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ وہ گرجا۔ "اپنی زبان کو لگام دے اباقہ۔ اگر میں چاہتا تو اس وقت یہاں تیری لاش تڑپ رہی ہوتی' لیکن میں تجھے ہرانا چاہتا ہوں۔ مرتو تُو اس وقت خود ہی جائے گا جب مارینا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیکھے گا۔"

اباقہ نے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ "اس کا فیصلہ وقت کرے گا طوطم۔"

طوطم نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔ "تو ٹھیک ہے ملا ہاتھ۔ مارینا اس کی ہو گی جس کے پاس باتو خاں کا سر ہو گا۔"

اباقہ نے ہاتھ آگے بڑھایا اور دونوں کے پنجے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ مارینا کا رنگ زرد ہو رہا تھا' وہ احتجاجی لہجے میں چیخی۔ "اباقہ۔"

اباقہ نے بے پناہ اعتماد سے کہا۔ "اپنی محبت پر بھروسہ رکھو مارینا۔ وہی ہو گا جو تم چاہو گی۔ میں یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گا۔"

مارینا نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپایا اور سسکنے لگی۔ اباقہ نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا لیکن طوطم خاں لپک کر سامنے آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں اباقہ!" وہ غرایا۔ "مارینا کو چھونے کا حق اب اسی کو ملے گا جو باتو کا سر لائے گا۔"

اباقہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔

مارینا نے ایک نظر اباقہ کی طرف دیکھا پھر چادر کے پلو سے چہرہ ڈھانپتی ہوئی تیز قدموں سے مکان کی طرف بڑھ گئی۔

☆======☆======☆

اسد اللہ علی الصبح نبیلہ' سلیمان اور مارینا کو لے کر روانہ ہو گیا۔ انہیں گاؤں تک پہنچا کر اسے فوراً واپس آ جانا تھا۔ اس دوران اباقہ وغیرہ کو روانگی کی تیاری کرنا تھی۔ وقت رخصت سلیمان فرداً فرداً سب سے بغلگیر ہوا۔ خصوصاً اباقہ سے وہ دیر تک معانقہ کرتا رہا۔ نبیلہ اور مارینا گھوڑوں پر سوار درخت کے نیچے کھڑی تھیں۔ اسد اللہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اباقہ کی نگاہیں مسلسل مارینا کی پشت پر جمی تھیں۔ کچھ ہی دور طوطم خاں کھڑا اباقہ کو گھور رہا تھا۔

شاید اس لئے مارینا نے اباقہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ گھوڑے حرکت میں آئے اور ان کے سموں کی اڑائی ہوئی گرد سنہری دھوپ میں چمکنے لگی۔ مارینا کی زرد اوڑھنی آہستہ آہستہ اباقہ سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ اباقہ سوچ رہا تھا۔ ابھی اس اوڑھنی میں حرکت پیدا ہو گی اور مارینا ایک بار پھر مڑ کر الوداعی نظروں سے اس کی طرف دیکھے گی ..... لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اباقہ سے زرد اوڑھنی کا فاصلہ بڑھتا چلا گیا اور پھر وہ درختوں میں اوجھل ہو گئی۔ مارینا اور اباقہ کے درمیان تنی ہوئی کوئی ڈور جیسے جھٹکے سے ٹوٹ گئی ..... اباقہ نے ایک آہ بھری۔ کتنی افسردہ کر دینے والی جدائی تھی یہ۔ جذبے سمٹے ہوئے تھے اور لفظ خاموش۔ ایک حرف تسلی اباقہ کی زبان پر اٹکا رہ گیا تھا اور ایک اشک لرزاں مارینا کی آنکھ میں چلا گیا تھا۔ بہت سی ان کہی باتوں کی دھول اباقہ کے سینے میں پھیلنے لگی۔ اسے لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ اس نے کچھ دور کھڑے طوطم کو جلتی نظروں سے دیکھا اور اندر چلا گیا۔

دن کا دوسرا پہر شروع ہو رہا تھا۔ جب اسد' سلیمان وغیرہ کو چھوڑ کر واپس آ گیا۔ ادھر روسی نمائندے مائیکل کی سربراہی میں قافلہ روانگی کی تیاری کر چکا تھا۔ انہیں سوداگروں کے بھیس میں سفر کرنا تھا اور اس کے لئے مائیکل نے سامان تجارت کا انتظام کر رکھا تھا۔ ہندوستانی صندل' عود اور کافور جو بغداد میں عام ملتا تھا' اس نے کافی مقدار میں خرید رکھا تھا۔ اس کے علاوہ بنگال کا مخملی کپڑا اور سراندیپ کے یاقوت اور بلور بھی ان کے

پاس موجود تھے۔ یہ اشیاء یہ ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں کہ وہ ملک ملک بھٹکنے والے تاجر ہیں اور ان کے کسی کام کے عسکری مقاصد نہیں۔ اسد اللہ واپس پہنچا تو اس نے اباقہ کو مسلم بن داؤد اور ابن یاشر کے سامنے کھڑا پایا۔ ان دونوں کی مشکیں مضبوطی سے کس دی گئیں تھیں اور وہ ایک کمرے کے گرد آلود فرش پر پڑے تھے۔ اباقہ غصیلی نظروں سے ان دونوں کو گھور رہا تھا پھر وہ نہایت سرد لہجے میں بولا۔

"مسلم بن داؤد' یہ نہ سمجھنا میں تجھے اپنی جان کے خوف سے چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تیرے دل میں کوئی ایسی بات ہے تو میں تجھے قسمت آزمائی کا پورا موقع دے سکتا ہوں۔ میں تیری بند شیں کھول سکتا ہوں اور اپنی تلوار تیرے ہاتھ میں دے سکتا ہوں۔ پھر تجھ سے یہ وعدہ بھی کر سکتا ہوں کہ میرا کوئی ساتھی تیرے راستے میں نہیں آئے گا۔ اگر تو چاہے تو مجھے ان رسیوں میں باندھ بھی سکتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر تو اپنی ہمت سے بھاگ کر ایک کوس دور نکل گیا تو تیرا پیچھا نہیں کروں گا۔ بول تجھے منظور ہے؟"

مسلم بن داؤد گھگیایا۔ "نہیں اباقہ! میں جانتا ہوں تو کسی کے خوف سے ہمیں رہا نہیں کر رہا۔ یہ تیری مہربانی ہے' تیری عنایت ہے اباقہ۔ ہم تیری جوانمردی کا امتحان لے کر اپنی زندگی گنوانے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

اباقہ نے ابن یاشر کی طرف دیکھا۔ "تیرے دل میں کوئی وسوسہ ہے ابن یاشر تو تو بھی نکال لے۔ سنا ہے تو نے خلیفہ سے کہا تھا کہ مجھے مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹتا اس کے قدموں میں لے آئے گا۔ میں تجھے خلیفہ کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دے رہا ہوں۔ اپنی بند شیں مجھے دے کر میری تلوار لے لے اور بھاگ جا اگر بھاگ سکتا ہے۔"

مسلم بن داؤد نے پھر فریاد کی۔ "نہیں اباقہ' ہمیں شرمندہ نہ کر۔ ہم پہلے ہی بہت شرمسار ہیں۔"

ابن یاشر نے گھور کر داؤد کو دیکھا۔ وہ بار بار "ہم" کا لفظ استعمال کر کے اپنے ساتھ ساتھ اس کی بھی تذلیل کر رہا تھا۔ آخر وہ خلافت عباسیہ کا وزیر خارجہ تھا کوئی عام شخص نہیں تھا۔ غصے کی ایک لہر اس کے اندر سے اٹھی اور اس کی زبان کو گویائی دے گئی۔ وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اباقہ حالات ایسے ہیں کہ تو یہ سب کچھ کہہ سکتا ہے' لیکن یہ مت بھول اگلی دفعہ جب ہمارا سامنا ہو گا تو صورت حال مختلف ہو گی۔"

اباقہ دانت پیس کر بولا۔ "صورت حال وہی ہو گی جس میں' میں تجھے تیرے محل سے اٹھا کے لایا تھا بدبخت انسان۔"

ابن یاشر اطمینان سے بولا۔ "میزبانی کا شکریہ اباقہ۔ میرے لئے یہ چند روز اچھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تفریح بہت ہوئے ہیں۔"

"..... یہیں پر ابن یاشر وہ غلطی کر گیا جو اس جیسے دانا شخص کو ہرگز نہیں کرنی چاہئے تھی۔ اس کی بات میں چھپا ہوا طنز اباقہ کو آگ بگولا کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے تلوار نیام سے باہر کی۔ مسلم بن داؤد اس کے تیور دیکھ کر خوف سے چلایا۔ اسد نے یہ منظر دیکھا تو تیزی سے اباقہ کی طرف بڑھا اور اسے اپنی بانہوں میں لینے کی کوشش کی۔ اباقہ نے مچھلی کی طرح تڑپ کر خود کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور تلوار سونت کر ابن یاشر کی طرف بڑھا۔ مسلم بن داؤد کی ہذیانی چیخ یورق اور مائیکل کو بھی کمرے کی طرف متوجہ کر چکی تھی۔ ابھی اباقہ ابن یاشر سے دو گز دور تھا کہ یورق لپک کر اس سے بغلگیر ہو گیا اور پورے زور سے اسے دھکیلتا ہوا دروازے تک لے گیا۔ اباقہ فرط غضب میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس کے حلق سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ "ذلیل انسان میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہیں تیری قبر بناؤں گا۔" ابن یاشر اپنی جگہ بے حرکت بیٹھا تھا اس کا رنگ سرسوں کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ چوڑی مونچھوں کے نیچے ہونٹ تھرا رہے تھے۔ دفعتاً اباقہ نے زور مارا اور قوی ہیکل یورق کو ایک طرف دھکیلتا ہوا پھر ابن یاشر پر جھپٹا۔ اس وقت مائیکل اس کے سامنے آیا وہ خود کو عریاں تلوار سے بچاتا ہوا اباقہ سے لپٹ گیا۔ عقب سے یورق اور پہلو سے اسد نے اسے تھام لیا۔ اباقہ کے جسم میں جیسے بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اس نے ان تینوں کے درمیان سے اپنی تلوار نکالی اور یاشر کے چہرے پر وار کیا۔ تلوار کی نوک' نیزے کی انی کی طرح یاشر کی ناک سے ٹکرائی اور دایاں نتھنا پھاڑتی ہوئی ابرو تک چلی گئی۔ پلک جھپکتے میں گہرے زخم سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔ اسد' یورق اور مائیکل بے قابو اباقہ کو کھینچتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔ ابن داؤد آنکھیں بند کئے منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا لگتا تھا اسے لرزے کا بخار چڑھا ہوا ہے۔

اس واقعے کے ٹھیک ایک گھڑی بعد ان کا قافلہ شمال کی جانب محو سفر ہو گیا۔ طوطم خاں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اباقہ اور اسد کے کہنے پر مائیکل اسے بھی ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اسد نے مائیکل کو بتایا تھا کہ طوطم خاں منگولوں کا مخرف سفیر ہے اور خاقان کے ہرکارے اسے کئی مہینوں سے خوارزم اور عراق کے علاقوں میں تلاش کر رہے ہیں۔ مائیکل کو بھی ایسے ہی "منگول دشمنوں" کی ضرورت تھی۔ اس نے طوطم کو ساتھ لے جانے کی ہامی بھر لی۔

روانہ ہونے سے پہلے اسد اور یورق نے احتیاط کے ساتھ یاشر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ اس کا زخم خاصا سنگین تھا مگر وہ خون روکنے میں کامیاب رہے تھے۔ اب انہیں

صرف ایک کام کرنا تھا۔ کسی نزدیکی چوکی پر یہ اطلاع دینی تھی کہ مسلم بن داؤد اور یاشر فلاں جگہ پڑے ہیں۔

پھر ان کا یہ کام خود بخود آسان ہو گیا۔ سرحدی جنگل میں انہیں ایک فوجی سوار نظر آیا۔ اسد نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔ فوجی سوار نے پوچھنے پر بتایا کہ نزدیکی چوکی یہاں سے کم از کم نصف منزل کی دوری پر ہے۔ اسد نے اس سوار سے اس کا گھوڑا چھینا اور اس کے جوتے بھی اتروا لئے۔ پھر اسے اس کھنڈر نما مکان کا پتہ دیتے ہوئے کہا کہ وہاں دو ایسے افراد بندھے پڑے ہیں جن کے بارے میں اپنے کمانڈر کو اطلاع دے کر وہ شاباش اور انعام کا حقدار ٹھہر سکتا ہے۔ سوار نے روہانسی آواز میں کہا۔ "لیکن گھوڑے کی گمشدگی پر جو سزا ملے گی؟" یورق بولا۔ "بے وقوف! ایک مریل گھوڑے کے بدلے تو انہیں دو پلے ہوئے خچر دے گا تو وہ سزا کیوں دیں گے تجھے۔ ان میں سے ایک خچر تھوڑا سا زخمی ضرور ہے لیکن وہ سرکاری خچر ہے۔ تیرے گھوڑے جیسے پچاس گھوڑے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جا شاباش۔"

تنہا فوجی سوار نے اُلجھی نظروں سے ان عجیب و غریب تاجروں کو دیکھا اور ننگے پاؤں کانٹوں سے بچتا بچاتا آہستہ آہستہ جنوب مشرق کی طرف چل دیا۔ اسد کو امید تھی کہ وہ رات سے پہلے اپنی چوکی تک نہ پہنچ سکے گا۔ اس سے پیشتر وہ ابن یاشر اور خلیفہ مستنصر کی پہنچ سے دور نکل چکے ہوں گے۔

☆======☆======☆

اسد کا اندازہ درست تھا۔ اس رات انہوں نے سرحد سے کوئی چالیس کوس آگے درختوں سے گھرے ہوئے ایک محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ تھوڑی سی ہموار جگہ دیکھ کر تین خیمے ایستادہ کر دیئے گئے۔ سامان تجارت ایک خیمے میں منتقل کر کے وہاں مائیکل نے اپنے دو آدمی پہرے پر بٹھا دیئے۔ اسد اباقہ اور مائیکل ایک ہی خیمے میں تھے۔ کھانا کھا کر جب سب لوگ سونے کی تیاری کر رہے تھے اباقہ ٹہلتا ہوا پڑاؤ سے آگے نکل گیا۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ تاروں کی محفل سجی تھی۔ جنگلی پھولوں کی خوشبو سے لدی ہوا شاخوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی ..... لیکن آج یہ سب کچھ اباقہ کو اچھا نہیں لگا۔ اس ماحول پر جیسے کسی نے اداسی کی مہر لگا دی تھی۔ رہ رہ کر اباقہ کو مارینا کی جدائی کا منظر یاد آتا تھا۔ عجیب عجیب وسوسے اس کے دل میں سر اٹھا رہے تھے۔ جاتی دفعہ اس نے ایک نظر بھی تو اسے نہیں دیکھا تھا۔ حالات نے انہیں کہاں سے کہاں لا پھینکا تھا۔ ایک وقت تھا کہ ان کے درمیان صرف ایک رات کا فاصلہ تھا ..... ایک رات کی چند گھڑیوں کا فاصلہ' صبح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ایک بند دھن میں بندھنے والے تھے۔ اس وقت وہ چند گھڑیاں گزارنی بھی کتنی مشکل محسوس ہوتی تھیں لیکن اب قدرت نے انہیں ماہ و سال کا انتظار دے کر دو مختلف سمتوں کو روانہ کر دیا تھا۔ شاید اسی ستم ظریفی کا نام زندگی تھا۔ اباقہ دیر تک بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھا اور سست قدموں سے چلتا سفری خیمے میں واپس آ گیا۔ مائیکل سو چکا تھا۔ اسد شمعدان کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اباقہ نے اپنا بستر کھولا اور خیمے کے ایک کونے میں بچھانے لگا۔ اچانک اس کی نظر ایک کپڑے پر پڑی۔ اس نے کپڑے کی تہیں کھولیں تو ایک کاغذ اور بالوں کی ایک ریشمی لٹ پھسل کر اس کی جھولی میں آ گری۔ اس نے بے اختیار ہو کر لٹ کو چھوا اور چھونے سے پہلے ہی وہ پہچان گیا کہ یہ لٹ مارینا کی ہے۔ یہ خوشبو' یہ رنگت یہ طوالت اور کس کا نصیب ہو سکتی تھی۔ اس نے چور نظروں سے اسد کو دیکھا وہ اپنی کتاب میں گم تھا۔ اباقہ نے لٹ جلدی سے تکیے کے نیچے چھپا دی پھر خط کھول کر دیکھنے لگا۔ سفید کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں ہی تھیں۔ یقیناً یہ خط اور یہ لٹ بستر باندھتے وقت اس میں رکھے گئے تھے۔ غالباً بستر مارینا اور نبیلہ نے باندھے تھے۔ نبیلہ کا نام ذہن میں آتے ہی اباقہ سمجھ گیا کہ اگر یہ خط مارینا کا ہے تو اس نے نبیلہ سے لکھوایا ہے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے یہ خط اسد کی طرف بڑھا دیا۔ اسد نے خط دیکھ کر کتاب بند کی اور اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مسکراتی نظروں سے اباقہ کو دیکھا اور بولا۔ "مارینا کا خط ہے۔"

اباقہ کا دل جو پہلے ہی شدت سے دھڑک رہا تھا باقاعدہ اچھلنے لگا۔ اسد نے شمعدان قریب کیا اور پڑھنے لگا۔ "اباقہ! تم جا رہے ہو۔ تم جہاں جاؤ گے میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ انشاء اللہ تم ایک روز سرخرو ہو کر واپس لوٹو گے۔ اس وقت اگر میں زندہ ہوئی تو گھر کی دہلیز پر تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی اور اگر مر گئی تو میری قبر کی مٹی تمہارے ہاتھوں کی منتظر ہو گی۔ اباقہ! ایک بات میں آج تم پر کھول دینا چاہتی ہوں۔ میری زندگی اور موت اب صرف اور صرف تم سے وابستہ ہے اور یہ حقیقت کسی شرط میں ہارنے یا جیتنے سے بدل نہیں سکتی اگر ہار اور جیت کی بات کرتے ہو تو تم نے مجھے اس وقت جیت لیا تھا جب میں قراقرم سے تمہارے ساتھ چل پڑی تھی۔ اب اگر تم مجھے ہارنا بھی چاہو تو نہیں ہار سکتے۔ کیونکہ میں تمہاری ہار بننے کی بجائے اپنی عزت کی جنگ لڑتے ہوئے مرنا پسند کروں گی ..... اباقہ! میں ایک کمزور عورت ہوں' تمہیں مجھ سے کوئی بھی چھین سکتا ہے لیکن میں ایک مضبوط عورت بھی ہوں مجھے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" تمہاری منتظر مارینا۔

اسد نے خط پڑھ کر اباقہ کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اباقہ! آخری جملہ تمہاری سمجھ میں آیا؟"

اباقہ نے کہا۔ "ذرا پھر پڑھو۔"

اسد نے دہرایا۔ "اباقہ! میں ایک کمزور عورت ہوں' تمہیں مجھ سے کوئی بھی چھین سکتا ہے لیکن میں ایک مضبوط عورت بھی ہوں مجھے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اباقہ نے سر ہلایا۔ "میں سمجھ رہا ہوں اسد۔ اس نے کہا ہے کہ شاید کوئی اور حسین عورت یا حسین لمحہ میرا راستہ بدلنے کی کوشش کرے لیکن اسد وہ اتنی کمزور بھی نہیں جتنا وہ خود کو سمجھتی ہے۔ وہ ایک جادو ہے جو میری رگ رگ میں سما چکا ہے' وہ میرے روئیں روئیں پر حکومت کرتی ہے....."

جذبات اور مسرت کی فراوانی میں یہ بات خود بخود اباقہ کی زبان سے نکل گئی تھی۔ اسد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس وحشی کے اندر دھیرے دھیرے کوئی شاعر حلول کر رہا ہے۔ "وحشی شاعر" اس نے دل میں اباقہ کو ایک مناسب سا نام دیا اور اس نام پر خود ہی مسکرا اٹھا۔

اباقہ نے خیمے کے نیم وا دروازے سے باہر جھانکا۔ ان کے چھوٹے سے پڑاؤ پر چاندنی ٹوٹ کر برس رہی تھی۔ کچھ ہی دور مائیکل کے دونوں گونگے جانباز مجسموں کی طرح بے حرکت کھڑے پہرہ دے رہے۔ ایک چمکدار سیاہ گھوڑی درخت کی ایک جھکی شاخ پر منہ مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ گھوڑی' یہ پہریدار یہ چاندنی اور یہ خیمے سب کچھ اباقہ کو بھلا لگا۔ ہر شے اچانک ہی حسین ہو گئی تھی۔ اس کے اندر ایک نئی ترنگ جاگ رہی تھی۔ آگے بڑھنے کی ترنگ دشمن سے نبرد آزما ہونے کی ترنگ' مشکلیں سر کرنے اور پھر فتح کا پھریرا لہراتے ہوئے واپس آنے کی ترنگ.....

☆======☆======☆

وہ ایک چمکیلی صبح تھی۔ زمین پر برف کی دبیز چادر نے اسے کچھ اور چمکیلا بنا دیا تھا۔ ماسکو اس زمانے میں بلندی پر واقع ایک عام سا شہر تھا اور اس جگہ واقع تھا جہاں اب کریملین کی عمارتیں ہیں۔ ماسکووا اور نگلی نایا مدیوں کا سنگم عین اس شہر کے دامن میں تھا۔

شہر پناہ سے باہر دور تک درختوں کا سلسلہ تھا۔ ان درختوں پر برف نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ ایک کھلی جگہ پر چند نوجوان لڑکیاں کھیل کود میں مصروف تھیں۔ یہ سب شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے محافظ گھوڑوں پر سوار کچھ فاصلے پر مؤدب کھڑے تھے۔ لڑکیوں نے اونی کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان کے سروں پر سموری ٹوپیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں۔ انہوں نے برف کے تین مجسمے بنا رکھے تھے اور ان پر تیراندازی کی مشق کر رہی تھیں۔ مجسمے بڑی ہنرمندی سے بنائے گئے تھے اور انہیں دیکھتے ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ جنوب مشرق میں بسنے والے وحشی منگولوں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ کچھ فاصلے پر چند نو عمر لڑکیاں چھوٹی تلواروں سے تلوار بازی میں مصروف تھیں۔ لڑکیوں کی چہکاریں اور ان کے قہقہے فضا میں دور تک بکھر رہے تھے۔ ان سب سے الگ ایک منجمد ندی کے کنارے نتاشا بیٹھی تھی۔ اس نے چیڑ کے ایک درخت سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ وہ تلوار ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی جس سے وہ کچھ دیر پہلے مشق کر رہی تھی۔ نتاشا' دلادی میر کے رئیس اعظم یوری کی بیٹی تھی۔ ان دنوں وہ تفریح کی غرض سے اپنے چچا کے پاس ماسکو آئی ہوئی تھی۔ چچا کی بیٹی زارینہ اس کی گہری سہیلی تھی۔ اس وقت نتاشا کے کانوں میں زارینہ کا وہ فقرہ گونج رہا تھا جو اس نے دو ہفتے پہلے اسے دیکھتے ساتھ ہی کہا تھا۔ وہ بولی تھی۔

"خدا کی قسم! ایک سال میں قیامت بن گئی ہو۔"

"کیا میں واقعی قیامت بن گئی ہوں۔" نتاشا نے شفاف برف میں اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی ایسا کرتے ہوئے اس کی خمدار سنہری زلفیں آگے کو جھک آئیں اور ایک لٹ بل کھا کر اس کی ٹھوڑی کو چھونے لگی۔ نتاشا نے اپنے سراپا پر نگاہ دوڑائی اور نرم دھوپ بھی اس کے رخساروں میں چبھنے لگی۔ اس نے جلدی سے اپنے ٹھنڈے ہاتھ چہرے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کانوں میں وہ دیہاتی گیت گونجنے لگا جس میں ایک ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے' تم اب اٹھارہ سال کی ہو گئی ہو اس لئے باغ میں پھول چننے نہ جایا کرو۔ پھولوں کے ساتھ نوکیلے کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ پھولوں کا خیال ذہن میں آتے ہی نتاشا کے ذہن میں دنیا جہان کی مہک سما گئی۔ اس نے تصور میں دیکھا زمین پر دور دور تک پھولوں کی پتیاں بچھی ہیں۔ افق سے سورج طلوع ہو رہا ہے اس کی کرنوں میں پتیوں پر پڑی شبنم چمک رہی ہے۔ پھر ایک ہیولا نظر آتا ہے۔ یہ ایک شہزادہ ہے۔ اس کا طویل ریشمی دامن فضا میں لہرا رہا ہے اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول ہے۔ وہ دوڑتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے لیکن لگتا ہے وہ تیر رہا ہے۔ پھر وہ اس کے قریب پہنچتا ہے اور نہایت احترام سے وہ پھول اس کے قدموں میں رکھ دیتا ہے .... یہ منظر نتاشا کئی بار دیکھ چکی تھی۔ یہ اس کی جاگتی آنکھوں کا خواب تھا جو تنہائی پاتے ہی اس کے حواس پر طاری ہو جاتا تھا۔ ایک طویل سانس لے کر نتاشا نے سر جھٹکا اور ٹھوڑی ہاتھوں پر ٹکا کر منجمد ندی کا نظارہ کرنے لگی .... دفعتاً اسے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ شہر کو جانے والا راستہ ندی کے دوسری جانب سے گزرتا تھا اور یہ گھوڑے اسی راستے پر آ رہے تھے۔

اچانک نتاشا کے دل میں ایک خدشہ جاگا۔ سرحدی علاقوں سے منگولوں کے حملوں کی خبریں آ رہی تھیں۔ ریازان کی تباہی کی داستانیں ہر شخص کی زبان پر تھیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ منگول اس طرف بھی آ سکتے ہیں مگر زیادہ تر لوگ اس خدشے کو بے بنیاد قرار دیتے تھے۔ خود نتاشا کے والد نے دلادی میر سے اسے اپنے خط میں لکھا تھا کہ وہ اطمینان سے سیر و تفریح کرے۔ منگول لٹیرے ان کی منظم قوت سے ٹکرانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے۔

نتاشا نے دل ہی دل میں ان وحشی لٹیروں پر لعنت بھیجی اور غور سے ندی کے پار دیکھنے لگی۔ گھوڑوں کی ٹاپیں اب نزدیک آ گئی تھیں اور قافلہ جلد ہی اس کے سامنے سے گزرنے والا تھا۔ ٹاپوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ گھڑسوار سرپٹ بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی تعداد دس سے پندرہ کے درمیان تھی .... پھر نتاشا نے انہیں اپنے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ وہ طوفانی رفتار سے اڑے چلے جا رہے تھے۔ ان کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ طویل فاصلے طے کرتے ہوئے آئے ہیں۔ ان میں سے سب سے آگے ایک منگلی سا نوجوان تھا دوسرے سواروں کے برعکس اس کے سر پر ٹوپی وغیرہ نہیں تھی۔ اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ چہرہ تنا ہوا تھا اور پوستین کا گریبان کھلا تھا۔ پلک جھپکتے میں گھڑسوار اس کے سامنے سے گزر کر درختوں میں اوجھل ہو گئے۔ اب صرف ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں۔ نتاشا کی نگاہوں میں اس نوجوان کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ خوبصورت نہیں تھا لیکن اس کے چہرے اور اس کے انداز میں عجیب طرح کی کشش تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہوا کا ایک منہ زور جھونکا اس کے سامنے سے گزر گیا ہے' یا کوئی شہاب ثاقب تھا جو چمکیلی لکیر کھینچتا ہوا اس کے سامنے سے نکلا ہے۔ نتاشا سوچنے لگی نہ جانے یہ کون لوگ تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ ان کا رخ تو شہر کی طرف ہی تھا لیکن ممکن تھا انہیں آگے جانا ہو۔ یونہی دل لگی کے لئے نتاشا سوچنے لگی یہ نوجوان جو اس نے دیکھا ہے اس کے خوابوں کے شہزادے سے کس حد تک ملتا ہے۔ اس نے تصور ہی تصور میں موازنہ کیا اور پھر خود ہی ہنس دی۔ ان دونوں میں کوئی مطابقت نہیں تھی۔

"نتاشا!" زارینہ نے دور سے آواز دی۔ "چلو واپس چلیں۔"

نتاشا اپنی جگہ سے اٹھی اور پتھر پھلانگتی ہوئی سہیلیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆——————☆——————☆

نتاشا نے اپنے کمرے میں آ کر گھڑسواری کا لباس تبدیل کیا۔ اب اس کے جسم پر خوبصورت پھولوں والا لباس نظر آ رہا تھا۔ ایک گرم شال اس نے کندھوں پر پھیلائی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ اس وقت اسے نچلی منزل سے کچھ اونچی آوازیں سنائی دیں۔ یوں لگتا تھا کچھ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ نتاشا نے دروازہ کھولا اور برآمدے میں آ گئی۔ اس وقت زارینہ بھی بال سنوارتی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ ان دونوں نے نیچے نشست میں دیکھا۔ نیچے کا منظر دیکھ کر نتاشا دم بخود رہ گئی۔ وہ جنگلی نوجوان جسے اس نے "نگلی ندی" کے کنارے دیکھا تھا اب تین چار ساتھیوں کے ساتھ ان کی نشست گاہ میں موجود تھا لیکن اس طرح کہ نتاشا کا خون کھول کر رہ گیا۔ اس کے چچا صرف ایک زیر جامہ پہنے ان لوگوں کے درمیان کھڑے تھے۔ دو آدمیوں نے انہیں بازوؤں سے تھام رکھا تھا۔ نشست گاہ کے دروازے اندر سے بند تھے اور کوئی محافظ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو ایک شناسا چہرہ نتاشا کو نظر آیا وہ محل کی باورچن کا سات آٹھ سالہ لڑکا تھا۔ وہ اپنی میلی کچیلی، مور کے پر والی سرخ ٹوپی پہنے ہونقوں کی طرح ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ جنگلی کے ہاتھ میں تلوار تھی جس کی نوک اس نے نتاشا کے چچا "آئیوان" کے عریاں پیٹ سے لگا رکھی تھی۔ آئیوان شہر کے نائب رئیس تھے ان کے ساتھ یہ سلوک حیران کن تھا۔ لگتا تھا ان لوگوں نے انہیں بستر سے گھسیٹ کر نکالا ہے۔ وہ سخت غصے میں دکھائی دیتے تھے۔ گرج کر بولے۔ "کیا کرو گے زیادہ سے زیادہ مجھے قتل کر ڈالو گے لیکن میں یہ حکم جاری نہیں کروں گا۔ میں یہ حکم جاری کرنے کا مجاز ہی نہیں ہوں۔ ڈیوک (رئیس) خود آئیں گے تو یہ سب کچھ، ہو گا۔"

جنگلی کا ایک ساتھی جو مقامی تھا اور کوئی فوجی افسر دکھائی دیتا تھا تیزی سے بولا۔

"جناب آئیوان! آپ ضابطے کی کارروائی میں الجھیں گے تو بڑا نقصان ہو گا۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ آپ اس نازک ترین صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

آئیوان نے لاپرواہی سے اپنا ہاتھ لہرایا۔ "تباہ ہو جائے سب کچھ، میں کہتا ہوں پورا شہر راکھ ہو جائے مجھے کچھ نہیں لینا، اور جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کا حساب تم سے ایسا لوں گا کہ یاد کرو گے۔" فقرہ ختم کر کے آئیوان نے زور سے ہچکی لی اور آگے پیچھے جھولنے لگا۔ وہ شدید نشے میں دکھائی دیتا تھا۔

زارینہ اور نتاشا کے لئے یہ سب کچھ دیکھنا اب ناممکن ہو رہا تھا۔ زارینہ نے چیخ کر باپ کو آواز دی اور وہ دونوں تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آ گئیں۔ محافظوں کو آوازیں دینا فضول تھا۔ نتاشا فوجی افسر پر چیخی۔ "کون ہو تم اور نائب رئیس سے یہ کیا بیہودگی ہو رہی ہے۔"

فوجی افسر سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا اور بولا۔

"محترمہ! میرا نام مائیکل ہے، مائیکل ہوورتھ، میں آپ کو خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا لیکن حقیقت ہے کہ منگولوں کے ہراول دستے کسی بھی وقت شہر تک پہنچنے والے ہیں۔"

نتاشا اور زارینہ کے منہ سے ایک ساتھ ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ نتاشا بولی۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

مائیکل بولا۔ "آپ مجھے نہیں جانتیں مس نتاشا! لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ رئیس اعظم جناب کنیازیوری کی صاحبزادی ہیں۔ دراصل صورت حال بہت مخدوش ہے۔ مس نتاشا! ہم نے راستے میں سوزوال اور روستوف کے تباہ شدہ کھنڈر دیکھے ہیں۔ منگولوں نے ان شہروں کو حسرتناک انجام سے دوچار کیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" نتاشا اور زارینہ ایک ساتھ بولیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ فوجی افسر ٹھیک کہہ رہا ہے اور سوزوال، روستوف جیسے شہر تاراج ہو گئے ہیں۔ مائیکل سلسلہ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔

"............ اور اب وہ ماسکو کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہاں سے تین منزل کے فاصلے پر ہم نے ان کے ہراول دستوں کا پڑاؤ دیکھا ہے۔ آپ یقین کریں شہر کی سلامتی اس وقت سخت خطرے میں ہے۔"

نتاشا اور زارینہ کے چہروں پر تاریک سائے لہرانے لگے۔ زارینہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ "لل لیکن .... میرے والد کا اس میں کیا قصور ہے؟"

مائیکل تیزی سے بولا۔ "آپ کے والد شہر کے دفاع کے لئے فوجی دستوں کو احکامات جاری کر سکتے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ہم بکواس کر رہے ہیں اور اگر صحیح بھی کہہ رہے ہیں تو احکامات دینے کی ذمے داری رئیس کی ہے اور رئیس کا اس وقت کہیں پتہ نہیں۔ سنا ہے وہ شہر سے باہر ہیں۔"

آئیوان اس گفتگو کے دوران آنکھیں بند کئے مسلسل آگے پیچھے جھولتا رہا تھا۔ اسے دو آدمیوں نے تھام رکھا تھا ورنہ شاید وہ گر جاتا۔ گاہے گاہے وہ خود کو بے وقت جگانے والوں کی شان میں ایک آدھ قصیدہ بھی پڑھ دیتا تھا۔ گو وہ نتاشا کا سگا چچا نہیں تھا لیکن اس کی بے عزتی پر نتاشا کی برہمی سمجھ میں آنے والی بات تھی، وہ تند لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی ہے آپ کو ان کی حالت کا خیال کرنا چاہئے تھا۔ برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور اگر بہت ضروری ہے تو سپہ سالار سے بات کریں۔"

نتاشا کی اس بات پر سخت گیر جنگلی نے غضبناکی سے اسے گھورا مگر اس سے پہلے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کچھ بولتا مائیکل نے ایک جھٹکے سے تلوار نیام میں ڈالی اور ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ بازوؤں پر گرفت ختم ہوتے ہی آئیوان لڑکھڑانے لگا۔ زارینہ اور نتاشا نے لپک کر اسے تھام لیا ورنہ وہ شیشے کی نازک تپائی پر ڈھیر ہو جاتا۔ قریب کھڑے سات آٹھ سالہ بچے نے یہ منظر دیکھا تو صورت حال کی سنگینی سے بے خبر کھلکھلا کر ہنس دیا۔ زارینہ اور نتاشا نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورا تو وہ یکدم سہم گیا اور کان لپیٹ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

اب دوپہر ہونے کو آئی تھی۔ ہفتہ وار تعطیل تھی اس لئے شہر کی برف سے ڈھکی ہوئی گلیوں میں زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ مائیکل، اباقہ اور اسد وغیرہ نائب رئیس کے ذاتی محافظ کے ساتھ سپہ سالار کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ مائیکل نے اپنے شناختی کاغذات کے ساتھ محافظ کو اندر بھیجا اور اسے کہا کہ سپہ سالار سے کہا جائے کہ ایک فوری نوعیت کے مسئلے پر گفتگو کے لئے ملاقات نہایت ضروری ہے۔ کافی انتظار کے بعد محافظ واپس آیا۔ اس نے کہا کہ سپہ سالار گھر میں نہیں وہ تھوڑی دیر پہلے قلعے کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا۔ "میں قلعے سے ہو کر آ رہا ہوں۔ وہاں نہ تو سپہ سالار کی سواری موجود ہے اور نہ وہ خود۔"

مائیکل پریشانی سے محافظ کی طرف دیکھنے لگا۔ محافظ کندھے اچکا کر بولا۔ "میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں سپہ سالار دو حسین عورتوں کے ساتھ اپنی نیم گرم خوابگاہ میں موجود تھا اور تعطیل کا لطف اٹھا رہا تھا۔ وہ ان سے چند گز دور تھا لیکن وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ اسی طرح جیسے سپہ سالار اس تباہی سے بے خبر تھا جو تیزی سے اس کی طرف اور اس شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ نیلا آسمان خاموش تھا۔ چمکتا ہوا سورج جیسے ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔ دور اوپر اڑتا ہوا کوئی پرندہ بے قراری سے چلا رہا تھا۔

مائیکل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس مہلت بہت کم ہے۔ قلیل وقت میں ہمیں کسی ذمے دار شخص تک رسائی حاصل کرنا ہو گی۔" اس نے اسد اور اباقہ کو نائب رئیس کے محافظ کے ساتھ قلعے کی طرف روانہ کیا اور خود تین ساتھیوں کے ساتھ ایک اعلیٰ فوجی افسر کی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ یورق کے علاوہ طوطم خاں بھی اس کے ساتھ تھا۔

اباقہ اور اسد محافظ کے ساتھ گھوڑے بھگاتے قلعے کی طرف بڑھے۔ سپہ سالار کے گھر سے قلعے کے دروازے تک سنسان گلیاں ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونجتی چلی

گئیں۔ یہ قلعہ بلندی پر واقع تھا اور یہاں کے دوسرے قلعوں کی طرح اس کی فصیلیں لکڑی کی تھیں۔ داخلی راستے پر مسلح محافظ موجود تھے۔ آئیوان کے ذاتی محافظ کی وجہ سے انہیں داخل ہونے سے روکا نہیں گیا۔ قلعے کے اندر وسیع احاطوں میں سپاہی چمکیلی دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سامان حرب کی جھلک کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان سپاہیوں کی حالت ان چڑیوں کی سی تھی جو پانی میں پھدکتی ہیں اور اپنے اوپر منڈلانے والے عقاب سے بے خبر ہوتی ہیں۔ ذاتی محافظ انہیں مختلف احاطوں سے گزار کر قلعے کے داروغہ کے پاس لے گیا۔ داروغہ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ جب اسے منگولوں کے ہراول دستوں کے بارے میں بتایا گیا تو اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ اپنی گھونگھریالی داڑھی کھجاتا ہوا محافظ سے بولا۔

"مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ ابھی میرے کچھ جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ نواحی جنگل میں کچھ پُراسرار نقل و حرکت پائی جاتی ہے۔" پھر وہ اسد اور اباقہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تمہارے خیال میں اگر وہ واقعی منگول ہیں تو ان کا شہر تک پہنچنے کا امکان کب تک ہے؟"

محافظ نے ترجمانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے داروغہ کا یہ سوال اسد تک پہنچایا۔ اسد نے اباقہ کی طرف دیکھا۔ اباقہ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا ہی چاہتا تھا کہ ایکدم خاموش ہو گیا۔ اس کے حساس کان ہوا کی لہروں پر ایک ہلچل محسوس کر رہے تھے۔ پھر ایکدم وہ مڑا اور قلعے کی فصیل کی طرف بھاگا۔ فصیل پر چڑھ کر اس نے نیچے دیکھا لیکن وہاں سے کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا ایک برجی کی طرف لپکا۔ برجی پر پہنچتے ہی اس کی نظر نشیب میں دور تک دیکھنے کے قابل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ قلعے سے صرف ایک کوس دور گھنے جنگل میں بے شمار نقطے حرکت کر رہے تھے۔ منگولوں کا ہلاکت خیز سیلاب قہرالٰہی کی طرح ماسکو کی طرف لپک رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں زمین لرزنے کو تھی۔ ہتھیار چمکنے کو تھے اور خون اچھلنے کو تھا۔ بے شمار چیخیں ابھی سے اباقہ کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اس نے نیچے دیکھا اور حلق پھاڑ کر چیخا۔ "منگول آ گئے۔"

اس وقت قریبی برجی پر کھڑا ایک اور محافظ بھی ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔ "منگول آ گئے....." بے شمار آوازیں ایک ساتھ ابھریں اور ہر جسم کو پتھر کر گئیں۔ پھر شدید حیرانی کا یہ لمحہ گزرا اور دھوپ سینکتے ہوئے سپاہی اپنی وردیوں اور اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مائیکل اس وقت پچ ہزاری سردار رودف سے گفتگو کر رہا تھا جب اچانک زمین دہلنے لگی اور چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں۔ سردار یورق بھی مائیکل کے ساتھ تھا۔ اس نے ان آوازوں کو غور سے سنا اور اطمینان سے تلوار نیام سے باہر کر لی۔ "اب گفتگو کا کچھ فائدہ نہیں۔" اس نے ترجمان سے کہا۔ "ہمارے دوست پہنچ گئے ہیں۔" دوستوں سے اس کی مراد منگول تھے۔ ترجمان نے یہ بات مائیکل وغیرہ تک پہنچائی اور ان کے چہرے بھی سفید ہو گئے۔ دفعتاً کمرے سے باہر آہٹ سنائی دی اور ایک زخمی سپاہی اس طرح بھاگتا اندر داخل ہوا کہ اس نے اپنی آنتیں اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھیں۔ وہ چیخ کر رودف سے بولا۔ "آقا! محل کو آگ لگ گئی۔ اپنی جان بچایئے۔" پھر وہ تیورا کر گرا اور ساکت ہو گیا۔ یورق مائیکل اور طوطم تلواریں سونت کر باہر نکلے انہوں نے ایک سات آٹھ سال کی بچی کو دیکھا جس کے ریشمی لبادے میں آگ لگی تھی اور وہ چیختی ہوئی صحن میں چکرا رہی تھی۔ پھر ایک تیر آیا اور بچی کی مشکل آسان کر گیا۔ وہ اچھل کر پشتہ فرش پر گری اور بے جان ہو گئی۔ سردار یورق نے دیکھا کہ تاتاری سپاہی محل سرا کی دیواریں پھلانگ پھلانگ کر اندر داخل ہو رہے ہیں۔ ان کے جسموں پر سمور کے لبادے اور سر پر آہنی خودیں تھیں جن پر جانوروں کی طرح سینگ لگے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے جوش اور غضب سے تمتما رہے تھے۔ پاچھوں سے جھاگ بہہ رہی تھی اور آنکھیں انگاروں کی طرح روشن تھیں۔ یورق کو وہ وقت یاد آیا جب وہ بھی ایسے ہی بے قابو وحشیوں کے ساتھ دشمن پر ہلہ بولا کرتا تھا۔ شراب کے نشے میں دھت اور خون کی پیاس سے بے قرار۔ اسے معلوم تھا محل میں گھسنے والے سپاہیوں کے پیچھے کم از کم پانچ گنا سپاہی اور موجود ہوں گے۔ لہٰذا ان سے تلوار زنی کرنا خودکشی کرنے کے برابر تھا۔ اس نے اپنے اوپر جھپٹنے والے دو تاتاری سپاہیوں کو شدید زخمی کیا پھر مائیکل کا ہاتھ پکڑتا ہوا ایک بند چوبی دروازے سے ٹکرایا اور اسے توڑتا ہوا باہر گلی میں جا گرا۔ عورتوں کا ایک گروہ خوفزدہ بکریوں کی طرح بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ منگول شہر پناہ کے باہر سے گلی کوچوں پر آگ کی بارش کر رہے تھے۔ سلفر اور گندھک سے بھرے ہوئے مرتبان منجنیقوں کے ذریعے شہر میں پھینکے جا رہے تھے۔ یہ آتش گیر مادہ چپے چپے کو جہنم زار بنا رہا تھا۔ برف پر گرتے ہی یورق اور مائیکل اٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ طوطم خاں بھی ان کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ قہرالٰہی کے مقابلے کو بہت دیر ہو چکی تھی۔

قلعے سے ایک فرلانگ دور یورق نے اباقہ اور اسد کو دیکھ لیا۔ وہ دھڑا دھڑ جلتے ہوئے مکانوں کے درمیان گھوڑے بھگاتے جنوب کی طرف جا رہے تھے۔ نائب رئیس کا

ذاتی محافظ بھی ان کے ساتھ تھا۔ سردار یورق نے پورے زور سے چیخ کر اباقہ کو آواز دی۔ اباقہ نے لگام کھینچی اور مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ منگولوں کا ایک دستہ مار دھاڑ کرتا تیزی سے یورق وغیرہ کی طرف آ رہا تھا۔ اباقہ نے اسد کو اشارہ کیا اور وہ تینوں انھیں بچانے کے لئے بڑھے۔ گھوڑے قریب پہنچے تو یورق بھاگ کر اسد کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اسی طرح مائیکل محافظ کے پیچھے اور طوطم اباقہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ منگول سر پر پہنچتے وہ گھوڑے بھگاتے ہوئے سیاہ دھوئیں میں روپوش ہو گئے۔

پورا شہر جل رہا تھا۔ گلیاں خون سے سرخ ہو رہی تھیں۔ لوگ بھاگ رہے تھے اور بھاگے چلے جا رہے تھے۔ "کدھر جانا ہے؟" اباقہ نے چیخ کر اسد سے پوچھا۔

اسد بولا۔ "آئیوان کے محل کی طرف چلو وہاں اصطبل میں گھوڑے موجود ہوں گے۔" انہوں نے اپنے گھوڑے آئیوان کے محل کی طرف سرپٹ دوڑا دیئے۔ محل کے قریب پہنچے تو وہ شعلوں پر نظر آیا۔ اباقہ' یورق سے بولا۔

"تم لوگ اصطبل میں گھوڑے دیکھو' ہم دیکھتے ہیں شاید اندر کوئی زندہ بچ گیا ہو۔"

یورق اور طوطم خاں' مائیکل کے ساتھ اصطبل کی طرف لپکے تو اباقہ اور اسد گھوڑوں کو ایڑ لگا کر محل کے احاطے میں گئے۔ اباقہ کی شہ پر گھوڑا ایک آدھ جلی کھڑکی سے کود کر اندر داخل ہو گیا۔ "کوئی ہے؟" اباقہ زور سے چیخا۔ اس وقت اسے زمین پر پڑی وہ گول ٹوپی نظر آئی جس پر مور کا پَر لگا تھا۔ "کوئی ہے؟" وہ پھر زور سے چیخا۔ جواب میں اسے قریب سے بچے کی چیخ سنائی دی۔ در و دیوار دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ شدید تپش کے سبب گھوڑا آگے بڑھا۔ سامنے کمرے کی دہلیز پر اسے کسی شخص کی ادھ جلی لاش نظر آئی۔ برہنہ جسم سے اس نے پہچانا وہ نائب رئیس آئیوان ہی تھا۔ اباقہ کے کانوں میں اس کے الفاظ گونجنے لگے۔ "سارا شہر بھی جل جائے تو مجھے کچھ نہیں لینا....." اس کے منہ سے نکلی بات کتنی جلدی پوری ہوئی تھی۔ اس کی لاش پھلانگ کر وہ آگے بڑھا تو زینہ نظر آیا۔ زینے پر بچھا سرخ قالین جگہ جگہ سے جل رہا تھا۔ زینے کے بالائی سرے پر ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اباقہ پہچان گیا یہ وہی لڑکی تھی جسے مائیکل نے نتاشا کہہ کر بلایا تھا۔ وہ دھوئیں میں بری طرح کھانس رہی تھی۔ اباقہ کو دیکھ کر وہ چیخی۔ وہ اسے مدد کے لئے بلا رہی تھی۔ عین اس وقت زینے کے نیچے سے ایک آواز آئی۔ سرخ ٹوپی والا دبلا پتلا لڑکا سنگ مرمر کی ایک میز کے نیچے گھسا چیخ رہا تھا۔ "بچاؤ ..... خدا کے لئے بچاؤ۔" وہ فارسی بول رہا تھا۔ اباقہ نے ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا پھر اس کی نگاہ چھت کی طرف اٹھ گئی۔ چھت پوری طرح آگ کی لپیٹ میں تھی اور کسی بھی وقت گرا چاہتی تھی۔ ایک بہت بڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فانوس چھت سے ٹوٹ کر لڑکی کے پاؤں میں گرا اور زبردست چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ لڑکی اب دونوں ہاتھ ہلا کر اباقہ کو مدد کے لئے بلا رہی تھی۔ دوسری طرف لڑکا ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ چھت کے شہتیر تڑخنے لگے تھے۔ اباقہ کے پاس صرف اتنا وقت تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو بچا سکتا اس نے تیزی سے فیصلہ کیا اور زینے کے نیچے پھنسے لڑکے کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک جلتے پلنگ کو پھلانگا اور لڑکے کو لے کر تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ اس وقت اس نے اسد کو دیکھا جو لڑکی کو کندھے پر اٹھائے زینے پھلانگتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔ دونوں آگے پیچھے نشست گاہ سے باہر نکلے اور اس کے ساتھ ہی وسیع چھت خوفناک دھماکوں سے فرش پر آ گری۔ اباقہ اور اسد باہر نکلے تو یورق اور طوطم اصطبل سے گھوڑے حاصل کر چکے تھے۔ ان سب نے گھوڑے سنبھالے اور تیزی سے سڑک پر آئے۔ سامنے ایک بڑی حویلی کا دروازہ کھلا اور کوئی دس تاتاری سوار وحشیانہ قہقہے لگاتے ادھر سے برآمد ہوئے۔ وہ ایک نوجوان لڑکی کو کھینچتے ہوئے باہر لا رہے تھے۔ اباقہ وغیرہ کو دیکھ کر تاتاری ٹھٹکے اور تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ دونوں طرف سے تلواریں ٹکرائیں' اباقہ' اسد اور یورق نے پلک جھپکتے میں ان میں سے چار کو ہلاک کر ڈالا۔ شاید تھوڑی سی مہلت اور ملتی تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا لیکن اس وقت عقب سے سرپٹ گھوڑوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سردار یورق چلایا۔ "بھاگو۔" انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور تیزی سے آگے بڑھے۔ جاتے جاتے سردار یورق نے تاک کر نیزہ پھینکا جو دو سپاہیوں کی گرفت میں مچلتی لڑکی کے سینے سے پار ہو گیا۔ سردار یورق جانتا تھا کہ اس نے لڑکی پر احسان کیا ہے۔ وحشی منگول قبضے میں آئی ہوئی نوجوان عورتوں سے جو سلوک کرتے تھے وہ لرزہ خیز ہوتا تھا۔ مرنے سے پہلے وہ ان درندوں کے ہاتھوں ہزار بار مرتی تھیں۔ اس سے پہلے کہ متعاقب دستہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر سکتا وہ ایک تنگ گلی میں مڑے اور دھوئیں کے تاریک مرغولوں نے انہیں چھپا لیا۔ چونکہ اب کثیر تعداد میں منگول شہر میں داخل ہو چکے تھے اس لئے منجنیقوں کی آتش بازی کم ہو گئی تھی۔ ویسے بھی اب آتش بازی سے کوئی فائدہ نہیں تھا' پورا شہر جل رہا تھا۔ اباقہ اور اس کے ساتھی جلتے ماسکو کی دھواں دھواں گلیوں سے گزرتے شمال مغرب کی طرف نکل گئے۔ کھلی فضا میں پہنچتے ہی ان کے گھوڑوں نے رفتار پکڑی اور تیزی سے فاصلہ طے کرنے لگے۔

☆-----☆-----☆

اب ان کی منزل "ولادی میر" تھی۔ ولادی میر زرخیز وسط روس کا سب سے مستحکم شہر تھا۔ کئی برس پہلے "کیف" کے مذہبی شہر کی بجائے "ولادی میر" کو دارالحکومت بنا لیا گیا

تھا۔ یہاں کا رئیس اعظم کنیازیوری ایک طاقتور حکمران سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اردگرد کے امیروں اور جاگیرداروں کو زیرنگیں کر کے ایک مضبوط اور منظم فوج کی بنیاد رکھی تھی لیکن اردگرد کی ریاستوں سے اس کی چپقلش ہر وقت جاری رہتی تھی۔ اس کی ایک وجہ دارالحکومت کی "کیف" سے منتقلی بھی تھی۔ دسمبر کے آغاز میں جب منگولوں نے ریازان پر چڑھائی کی تو وہاں کے رئیسوں نے ولادی میر سے مدد کی درخواست کی تاکہ حملہ آوروں کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ اس وقت رئیس اعظم نے پس و پیش سے کام لیا۔ دراصل وہ اپنی جنگ خود لڑنا چاہتا تھا۔ اس کی اس خودغرضی نے اہل روس کو بہت نقصان پہنچایا۔

مائیکل کا خیال تھا کہ ریازان کے خطے سے پسپا ہونے والے منتشر روسی دستے ولادی میر میں یکجا ہو چکے ہوں گے اور رئیس اعظم یوری وہاں منگولوں کے خلاف ایک زبردست محاذ کھولنے کی تیاری مکمل کر چکا ہو گا۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ جلد از جلد ولادی میر پہنچیں اور اہل شہر کو ماسکو کے عبرتناک انجام کی خبر دے کر منگولوں کی تیز رفتار پیش قدمی سے آگاہ کرتے۔ توقع تھی کہ منگول لشکر کے ہراول دستے فوراً ہی آگے روانہ نہیں ہوں گے۔ وہ فتح کے نشے میں چُور باقی لشکر کا انتظار کریں گے۔ پھر سپہ سالار اعظم باتو خاں اور دوسرے سرداروں کے مشورے سے پیش قدمی کا رخ مقرر کیا جائے گا۔ اس کام میں دو تین روز لگ سکتے تھے۔ ماسکو سے ولادی میر تین روز کی مسافت پر تھا۔ اس کا مطلب تھا منگول لشکر کے ماسکو چھوڑنے سے پہلے وہ ولادی میر تک پہنچ جائیں گے۔

ماسکو سے ولادی میر تک کا راستہ گھنے جنگلوں اور برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ مائیکل کی رہنمائی میں وہ حتی الامکان تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ اندھیرا پڑنے تک وہ ماسکو سے ایک منزل آگے نکل آئے تھے۔ ان کا یہ قافلہ کل نو افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں مائیکل کے علاوہ رئیس اعظم یوری کی بیٹی نتاشا اور وہ سات آٹھ سالہ بچہ بھی شامل تھا جس کی جان اباقہ نے بچائی تھی۔ وہ ابھی تک اباقہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں پر آبلے پڑے ہوئے تھے۔ نتاشا پہلے اسد اور پھر مائیکل کے پیچھے بیٹھ کر سفر کرتی رہی تھی۔ وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ اس کا چچا اس کے سامنے ایک تاتاری کی تلوار کا شکار ہو کر فرش پر گرا تھا اور آگ کی لپیٹ میں آیا تھا۔ نتاشا یہ منظر دیکھ کر ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے تاتاری سپاہی چیختی چلاتی زارینہ کو گھسیٹ کر کمرے سے باہر لے گئے تھے۔ وہ اب ان کے قبضے میں تھی اور سینکڑوں دوسری عورتوں کی طرح دردناک انجام سے دوچار ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ اباقہ کے آگے بیٹھا ہوا معصوم لڑکا بھی لگاتار رو رہا تھا۔ اس کی ماں بالائی منزل کے نعمت خانے میں ایک سپاہی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں قتل ہوئی تھی۔ اس نے ماں کی گردن سے ابلتا خون دیکھا تھا اور چیختا چلاتا نچلی منزل پر آ کر میز کے نیچے چھپ گیا تھا۔ لڑکے نے اباقہ کو اپنا نام علی بتایا تھا۔ وہ اس دور دراز علاقے میں کیسے پہنچا یہ سب کچھ بتانے سے وہ قاصر تھا۔

نصف شب سے کچھ پہلے ان کے گھوڑے تھکن سے نڈھال ہو گئے تو وہ پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ ایک چھوٹی سی بستی میں انہوں نے قیام کا ارادہ کیا۔ بستی کے لوگ ماسکو کی تباہی سے باخبر ہو چکے تھے۔ پناہ گزینوں کی کئی ٹولیاں یہاں سے گزر چکی تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اس قافلے میں ایک بڑے فوجی افسر کے علاوہ رئیس اعظم یوری کی بیٹی بھی ہے تو انہوں نے بستی کا سب سے اچھا مکان ان کے لئے خالی کر دیا۔ دہقانوں کی اس بستی میں زبردست ہراس پایا جاتا تھا۔ کچھ لوگ یہ جان کر کہ منگول اس طرف آ رہے ہیں راتوں رات اپنا قیمتی سامان اور اہل و عیال محفوظ جگہوں پر پہنچانے کی فکر میں تھے۔

اگلے روز علی الصبح انہوں نے پھر دلدلی میر کی طرف سفر شروع کیا۔ بستی سے انہیں دو زائد گھوڑے اور خوراک کا سامان بھی حاصل ہو گیا تھا۔ دوپہر سے ذرا قبل جب وہ ستانے کے لئے ہموار جگہ تلاش کر رہے تھے اچانک درختوں سے کوئی پچاس عدد گھڑسوار نکلے اور ان پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ انہیں سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اباقہ' علی کو اپنے آگے بٹھائے اسی سے باتیں کر رہا تھا۔ دفعتاً گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی اور درختوں سے اچھلے والے دو چمکدار نیزے اس کے سر کی طرف آئے۔ وہ غیر ارادی طور پر نیچے جھکا اور اس کی موت نیزوں کی صورت میں ایک بالشت کی بلندی سے گزر گئی۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ منگول حملہ آور ہو گئے ہیں' لیکن پھر اس نے اونی ٹوپیوں میں چھپے ہوئے حملہ آوروں کے سرخ و سپید چہرے دیکھے تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ مقامی لوگ ہیں' لیکن انہوں نے حملہ کیوں کیا؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔ اس وقت اس سوال کا جواب تلاش کرنا حماقت تھی موت ان کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ اباقہ نے ہلکے پھلکے علی کو بازو سے پکڑ کر آگے سے پیچھے کیا اور حملہ آوروں سے ٹکرا گیا۔ اس کے سامنے دو طویل القامت گھڑسوار تھے۔ اباقہ نے ایک گھڑسوار کا وار بچا کر اسے کندھے سے ایسا دھکا دیا کہ وہ گھوڑے سے الٹ کر نیچے آ رہا۔ دوسرے گھڑسوار کو اباقہ کے سامنے آنا کچھ زیادہ ہی مہنگا پڑا۔ اباقہ نے بلا کی پھرتی سے اس کی گردن اڑا دی۔ پشت پر بیٹھے علی نے یہ منظر دیکھا تو خوف سے چلا اٹھا۔ اباقہ نے سمجھا شاید کوئی عقب سے آ رہا ہے اس نے چابکدستی سے گھوڑے کو گھمایا اور اس وقت اس کی نظر نتاشا کی طرف اٹھ گئی وہ گھوڑے

کے ایال (گردن کے بال) سے لپٹی ہوئی تھی اور گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ ایک گھڑسوار تلوار سونتے اس کے تعاقب میں تھا۔ اباقہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حملہ آور کے پیچھے لپکا۔ تینوں گھوڑے آندھی کی رفتار سے بھاگتے درختوں میں داخل ہو گئے۔ حملہ آور اب نتاشا کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ قریب پہنچتے ہی وہ تلوار اس کی پشت میں گھونپ دے گا۔ اباقہ نے سرپٹ بھاگتے گھوڑے کی لگام چھوڑی اور کندھے سے کمان اتار کر حملہ آور کا نشانہ لے لیا۔ اس کا دوسرا تیر نشانے پر لگا اور گھڑسوار ایک کراہ کے ساتھ گھوڑے سے لڑھک گیا۔ چند لڑھکنیاں کھا کر وہ پُر شور آواز کے ساتھ ایک درخت سے ٹکرایا۔ نتاشا کا گھوڑا ابھی تک سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ نتاشا جو گھوڑے کی پشت سے کھسک گئی تھی سخت کوشش کے بعد ایال کے سہارے دوبارہ زین پر آ گئی تھی۔ نتاشا کا گھوڑا منہ زور تھا اور یوں بھی وہ اس پر تنہا تھی۔ اباقہ کو اس تک پہنچنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی۔ بالآخر ایک طویل تعاقب کے بعد اس نے گھوڑے کو جا لیا اور لگامیں تھام کر اسے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹہنیوں سے الجھ کر نتاشا کا قیمتی لباس کئی جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ یہ اس کا قیمتی لباس اور قیمتی زیورات ہی تھے جنہوں نے حملہ آور کو اس کے پیچھے لگایا تھا۔

اباقہ نے نتاشا کا منہ زور گھوڑا خود سنبھالا اور اسے دوسرے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ وہ ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں چاروں طرف درختوں اور برف کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اصل قافلے سے بچھڑ کر وہ بہت دور نکل آئے تھے۔ انہوں نے جنگل کی بھول بھلیوں میں ساتھیوں کی تلاش شروع کر دی۔ اس بات کا دھڑکا بہت لگا ہوا تھا کہ کہیں اس تلاش کے بدلے میں حملہ آوروں سے ہی مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ سہ پہر کی شام تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آخر وہ تھک کر چور ہو گئے۔ علی نے تو باقاعدہ منہ بسورنا شروع کر دیا۔ مجبوراً اباقہ کو ایک جگہ قیام کرنا پڑا۔ سائبان کی طرح جھکی ہوئی ایک بڑی چٹان کے نیچے انہوں نے پناہ لی۔ خوش قسمتی سے اباقہ کے گھوڑے کے ساتھ راشن کا ایک تھیلا موجود تھا۔ اس نے نتاشا اور علی کو گوشت کے خشک ٹکڑے اور پنیر کھانے کو دیا۔ یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ وہ قافلے سے بچھڑ چکے ہیں اور اب انہیں اکیلے ہی سفر کرنا ہو گا۔ قافلے کے انجام کے بارے میں انہیں پریشانی تھی۔ اباقہ جانتا تھا کہ جس قافلے میں یورق' اسد اور طوطم جیسے جنگجو ہیں ایسے قافلے کا پچاس سوار کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان پچاس سواروں کو مزید کمک مل گئی ہو۔ جیسے تیسے سردی میں کانپتے انہوں نے وہ رات گزاری اور صبح سویرے سورج کو دیکھ کر شمال مشرق کی طرف سفر شروع کر دیا۔ دوپہر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت سورج اچانک گہرے بادلوں میں روپوش ہو گیا۔ سہ پہر تک ہر شے کو تاریکی نے ڈھانپ لیا اور تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی برف باری بھی ہونے لگی۔ انہوں نے پھر ایک پہاڑی کھوہ میں پناہ لی۔ نتاشا کا رویہ اباقہ اور علی سے عجیب کھچا کھچا سا تھا۔ حالانکہ اباقہ نے خود کو مشکل میں ڈال کر اس کی جان بچائی تھی۔ شاید اس کے ذہن میں ابھی تک یہ بات تھی کہ اباقہ نے اس کے چچا سے ناروا سلوک کیا تھا اور جس وقت تحل میں آگ لگی ہوئی تھی اس نے اسے نظرانداز کر کے ایک خادمہ کے لڑکے کی جان بچائی تھی۔

جس کھوہ میں انہوں نے پناہ لی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ برف سے بچنے کے لئے انہیں ایک دوسرے سے جڑ کر بیٹھنا پڑتا تھا لیکن شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی نتاشا ایک بھکاری جیسے شخص اور ایک ادنیٰ ملازمہ کے چھوکرے کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتی تھی۔ وہ ایک گھنے درخت تلے جا بیٹھی۔ اباقہ کا مرحوم باپ بہت سی زبانیں جانتا تھا۔ اس نے اباقہ کو بھی کئی زبانیں سکھائی تھیں۔ روسی زبان کے چند لفظ بھی اباقہ کو آتے تھے۔ اس نے انہی لفظوں کا الٹا سیدھا استعمال کر کے نتاشا سے کہا کہ وہاں کیوں بیٹھی ہو؟

جواب میں نتاشا نے رواں فارسی میں جواب دیا۔ "شکریہ میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

اباقہ اس کی فارسی دانی پر حیران رہ گیا۔ علی نے اس کی حیرانی بھانپتے ہوئے کہا۔

"مالکہ نے فارسی سیکھ رکھی ہے۔ یہ میری ماں سے بھی فارسی بولا کرتی تھی۔"

..... ماں کا ذکر آتے ہی علی ایک بار پھر اداس ہو گیا۔ اب وہ ایک یتیم بچہ تھا۔ بے آسرا' بے سہارا اور کمزور سا۔ اسے دیکھ کر اباقہ کو اپنا بچپن یاد آ جاتا تھا۔ وہ سوچنے لگا علی کو پیش آنے والا حادثہ برسوں پہلے اسے بھی تو پیش آیا تھا۔ اسی طرح منگولوں نے اس کے شہر پر حملہ کر کے اس کی من موہنی صورت والی ماں کو شہید کر دیا تھا۔ وہ ماں کی لاش دیکھ کر زور زور سے چیخنے لگا تھا۔ پھر اس کے باپ نے اسے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔ اسی طرح جیسے اباقہ نے اس معصوم کو شعلوں سے اٹھایا تھا۔ جو کام اباقہ کے باپ نے کیا تھا وہ اس دفعہ اباقہ نے کیا تھا۔ اباقہ کو علی کے باپ کا خیال آیا اس نے پوچھا۔ "علی تمہارا باپ کہاں ہے؟"

علی بچگانہ انداز میں انگلیاں مروڑ کر بولا۔ "میری ماں کہتی تھی تمہارا باپ بڑا بہادر تھا۔ اس نے ایک لڑائی میں سات آدمیوں کو قتل کیا تھا پھر وہ خود بھی شہید ہو گیا۔"

..... اباقہ اور علی باتیں کرتے رہے' باہر برف باری تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اباقہ نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ درخت کے نیچے بیٹھی نتاشا اب اپنے آپ میں سمٹنے کی کوشش

کر رہی تھی۔ کبھی ہوا کا کوئی جھونکا آتا تو پتوں سے جھڑ کر بہت سی برف اس کے جسم پر آ گرتی۔

"مالکہ اندر آ جاؤ۔" علی پھر چلایا۔

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ بڑے عزم سے بولی۔ اس وقت کہیں قریب ہی کسی بھیڑیے کے چلانے کی آواز آئی۔ اباقہ نے مسکرا کر سرگوشی کی۔ "دیکھنا اب وہ دوڑتی ہوئی آئے گی۔" ذرا ہی دیر بعد بھیڑیا پھر چیخا۔ نتاشا اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی کھوہ میں آ گئی۔ اباقہ اور علی نے سمٹ کر اس کے لئے جگہ بنائی۔

علی بولا۔ "آپ تو نجومی ہیں۔ آپ نے کہا اب مالکہ دوڑتی ہوئی آئے گی اور وہ آ گئی۔ آپ کو کیسے پتہ چلا۔"

اباقہ علی کو بھیڑیے کے بارے بتا کر خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بات ٹال دی' لیکن نتاشا تو سمجھ ہی چکی تھی۔ بے عزتی کے احساس سے اس کا چہرہ اس سردی میں بھی سرخ ہو رہا تھا۔ اباقہ نے اس کی خفت دور کرنے کے لئے صبح ہونے والے واقعے کا ذکر چھیڑ دیا۔ نتاشا کی زبانی اسے اتا پتہ چل سکا کہ علاقے میں راہ گیروں پر اس قسم کے حملے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے خودمختار حکمران ہیں جو آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔ نتاشا کا خیال تھا کہ ان کے قافلے پر حملہ کسی قریبی جاگیردار نے کیا ہو گا۔

ساری رات وہ شدید طوفان کی زد میں رہے۔ صبح برف باری کا زور ٹوٹا اور وہ باہر نکلے تو انہوں نے ایک گھوڑا مرا ہوا پایا۔ وہ پہلے ہی کچھ پژمردہ تھا' سخت سردی اس کی جان لے گئی تھی۔ کفایت شعاری سے کھانا کھا کر وہ پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب گھوڑا ایک تھا اور سوار تین۔ اباقہ نے نتاشا کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور علی سے کہا کہ وہ اس کے پیچھے بیٹھ جائے۔ علی اس کے پیچھے بیٹھا تو وہ جلدی سے نیچے اتر گئی۔ "کیا ہوا۔" اباقہ نے پوچھا۔

"میں اس کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔" وہ حقارت سے بولی۔

"کیوں؟" اباقہ نے تیزی سے پوچھا۔

"اس کے جسم سے بو آ رہی ہے۔"

اباقہ بولا۔ "خدا کا خوف کرو۔ اگر راستہ کھو گیا اور کچھ دن یہاں بھٹکتے رہے تو تمہارے جسم سے اس سے بڑھ کر بو آئے گی۔"

وہ تنک کر بولی۔ "بس میں کہہ چکی ہوں' میں تب بیٹھوں گی جب یہ اترے گا۔"

اباقہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "تو ٹھیک ہے۔ اب یہ نہیں اترے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علی نے نتاشا کی ناراضگی دیکھ کر نیچے اترنا چاہا' لیکن اباقہ نے جھڑک کر اسے بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ پھر وہ خود بھی گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ نتاشا ان کے پیچھے پیدل چلنے لگی۔ برف کئی جگہ گھوڑے کے گھٹنوں تک پہنچ رہی تھی۔ خاصا مشکل سفر تھا جلد ہی نتاشا بری طرح ہانپنے لگی اور آخر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ کھلے لبادے کے نیچے اس کے جوتے' موزے اور پنڈلیاں تربتر تھیں۔ وہ جوتے اتار کر ان کے اندر سے برف نکالنے میں مصروف ہو گئی۔ اباقہ نے گھوڑا روک لیا علی پھر چلا کر بولا۔ "مالکہ گھوڑے پر بیٹھ جائیں۔" نتاشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رات کھوہ میں گفتگو کے دوران ان میں جو تھوڑی سی شناسائی پیدا ہوئی تھی وہ پھر بیگانگی میں بدل چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اباقہ نے گھوڑا بڑھا دیا۔ نتاشا بھی اٹھ کر چلنے لگی۔ اب اسے برف سے پاؤں نکالنا مشکل ہو رہے تھے اور وہ ڈگمگا رہی تھی۔ قریباً تین کوس انہوں نے اسی طرح سفر کیا آخر ایک جگہ نتاشا نڈھال ہو کر بیٹھ گئی اور اونچی آواز میں رونے لگی۔ ساتھ ہی وہ مقامی زبان میں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ اباقہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی لیکن علی کچھ کچھ سمجھ رہا تھا اور اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ "مالکہ" ان دونوں کو کوسنے دے رہی ہے۔ وہ اپنی پتلی پتلی ٹانگوں سے چلتا نتاشا کے پاس پہنچا اور بولا۔ "خدا کے واسطے مالکہ' گھوڑے پر بیٹھ جائیں۔ میں گھوڑے کی دُم کے پاس بیٹھ جاؤں گا۔ آپ کو بالکل بو نہیں آئے گی۔" نتاشا نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورا پھر نہایت طیش کے عالم میں چلتی ہوئی گھوڑے پر آ بیٹھی۔ علی تیزی سے گھوڑے کی دُم کے پاس بیٹھ گیا۔ اباقہ اس کی ہوشیاری دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

ان کا سفر جاری رہا جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ صحیح سمت میں جا رہے ہیں۔ شام کو انہوں نے ایک چھوٹے سے مکان میں قیام کیا۔ پہاڑی ڈھلوان پر واقع اس تنہا مکان میں ایک مختصر سا خاندان رہتا تھا۔ رات کو سوتے وقت اباقہ نے علی سے پوچھا۔ "تمہاری مالکہ رو رو کر کیا کہہ رہی تھی؟"

علی نے پہلے تو بتانے سے انکار کیا پھر بولا۔ "وہ کہہ رہی تھی۔ تم دونوں جانور ہو گندے اور بدبودار اجڈ گنوار۔"

اباقہ جانتا تھا اس نے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا تھا لیکن علی نمک حلال ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔ صبح جب وہ روانہ ہوئے تو نتاشا کے پاس اپنا گھوڑا تھا۔ رات اس نے اپنے باپ کا تعارف کرا کے یا کوئی قیمتی زیور دے کر میزبانوں سے یہ گھوڑا حاصل کر لیا تھا۔ اس نے ایک گرم شال بھی حاصل کی تھی۔ بال جو اب تک کھلے ہوئے تھے اس نے دو

لٹوں میں گوندھ کر کندھوں پر ڈال لئے تھے۔ رات کی پُرسکون نیند کے بعد وہ نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔

دلادی میر کی طرف ان کا سفر پھر شروع ہوا۔ موسم اب بہتر تھا ..... بقایا سفر عافیت سے گزرا اور وہ سہ پہر کے وقت دلادی میر کے مضافات میں پہنچ چکے تھے۔

☆======☆======☆

اسد' یورق' طوطم خان اور مائیکل نے ڈٹ کر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ مائیکل کے دونوں گونگے محافظ بھی نہایت بے جگری سے لڑے۔ لڑائی کے دوران مائیکل گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ عین اس وقت جب ایک حملہ آور اس پر نیزہ پھینکنا چاہتا تھا ایک شخص اچھل کر اس کے اوپر لیٹ گیا۔ نیزہ اس کے سینے سے پار ہوا اور مائیکل بچ گیا۔ مائیکل پر جان قربان کرنے والا اس کے دو جاں نثاروں میں سے ایک تھا۔ پلک جھپکتے میں درختوں سے چھلانگیں لگا کر کوئی دو درجن مزید افراد میدان میں آ گئے اور انہوں نے اس مختصر قافلے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کا گھیرا توڑ کر نکلنا گو بہت زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن اسد اللہ نے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو مبارزت سے روک دیا۔ مائیکل نے محاصرہ کرنے والوں سے چلا کر پوچھا۔

"کیا چاہتے ہو؟"

ان کا سردار آگے بڑھا اور گرج کر بولا۔ "اپنے ہتھیار دور پھینک کر گھوڑوں سے اتر آؤ۔"

انہوں نے ہتھیار پھینکے اور گھوڑوں سے اتر آئے۔ تین آدمیوں نے ان کی تلاشی لی اور پیش قبض خنجر بھی ان کے جسموں سے جدا کر دیئے۔ سردار کے حکم پر ایک طویل رسے سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ چند گھڑسوار اباقہ اور نتاشا کی تلاش میں نکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ حملہ آور انہیں لے کر گھنے درختوں میں گھس گئے۔

اسد اللہ نے ترجمان کے ذریعے مائیکل سے پوچھا۔ "یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" مائیکل نے کہا۔ "میرے اندازے کے مطابق یہ ایک مقامی رئیس کاکوف کے پالے ہوئے لشکری ہیں۔ ان لوگوں کا پیشہ لوٹ مار اور غلاموں کی تجارت ہے۔"

ایک جگہ وہ ٹھہرے تو اسد اللہ نے ان کے سردار سے گفتگو کی۔ مائیکل کا کہا درست تھا۔ حملہ آوروں کا مطمع نظر مال غنیمت تھا۔ اسد نے جب ان کے سردار کو بتایا کہ وہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے منگولوں کے خلاف ان کی مدد کو آئے ہیں تو انہیں یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آیا۔ اسد نے ان کے سامنے ایک مؤثر تقریر کی۔ ترجمان ساتھ ساتھ ان کا مطلب بیان کرتا چلا گیا۔ اسد نے کہا۔

"دوستو' سنبھلنے کی کوشش کرو۔ منگولوں کا ہلاکت خیز سیلاب تمہارے شہروں کو خس و خاشاک کی طرح بہاتا چلا آ رہا ہے۔ ان کی تلواریں تمہارے خون کی پیاس میں ہانپ رہی ہیں۔ ان کے گھوڑے تمہاری لاشیں روندنے کو بے قرار ہیں ..... اور تم ایک دوسرے کی گردن کاٹنے کی فکر میں ہو۔ جاؤ جا کر ماسکو کی راکھ اور وہاں کے کھنڈر دیکھو اور اندازہ لگاؤ کہ تمہارے شہروں کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ یاد رکھو منگول کی تلوار یہ نہ دیکھے گی کہ یہ کون سے رئیس کا سپاہی ہے۔ وہ تلوار صرف کاٹے گی۔ وہ نہ تمہارے بچے دیکھے گی اور نہ بوڑھے۔ تمہاری عورتوں کو گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر بھگایا جائے گا۔ ان عورتوں میں وہ باحیا لڑکیاں بھی ہوں گی جنہیں چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا اور وہ مائیں بھی ہوں گی جن کی چھاتیوں میں اپنے معصوم بچوں کا دودھ ہو گا۔ اپنے باپوں اور بھائیوں کو پکارتی اور اپنے بچوں کے لئے چلاتی وہ بھاگتی رہیں گی یہاں تک کہ گر کر دم توڑ دیں گی۔ ذرا سوچو جب وہ مریں گی تو اس زمین کا سینہ پھٹ نہ جائے گا۔ اس آسمان سے خون نہ برسے گا؟..... اے دوستو! سنبھل جاؤ۔ خود پر اور اپنے پیاروں پر رحم کرو۔ آپس کے جھگڑے بھول کر ایک ہو جاؤ۔ ایک ایسی مضبوط دیوار بن جاؤ جو اس وحشی سیلاب کو روک سکے۔ اگر دیر کرو گے تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہم تمہارے دست و بازو بن کر آئے ہیں' طویل مسافتیں طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔ اگر ہمیں مارو گے تو اپنے ہی ہاتھ کاٹو گے' اپنے ہی دوستوں میں کمی کرو گے....."

اسد کی تقریر ختم ہوئی تو حملہ آوروں کا رویہ مختلف نظر آ رہا تھا۔ سردار کی آنکھوں میں مہربانی کی جھلک تھی لیکن اس کے گروہ میں چند افراد تند و تیز باتیں کر رہے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ جان بچانے کے لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔

اسد نے کہا۔ "بھائیو! اگر تمہارے دل ہماری طرف صاف نہیں ہوئے تو ٹھیک ہے اپنی مرضی کر لو۔ ہماری جان کی ضرورت ہے تو لے لو۔ ہم تو آئے ہی جان قربان کرنے کے لئے ہیں۔ اگر تمہیں دولت کی ضرورت ہے تو ہمارا سب کچھ چھین لو ہمیں کوئی شکوہ نہیں۔ صرف ہماری تلواریں ہمارے پاس رہنے دینا تاکہ مشکل میں تمہارے کام آ سکیں۔"

حملہ آوروں کے چہروں پر کشمکش تھی۔ سردار نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی اور ساتھیوں سے کچھ گفتگو کرنے لگا۔ اسد نے انہیں متذبذب دیکھا تو مائیکل سے لے کر وہ تھیلا سردار کی طرف اچھال دیا جس میں سرانديپ کے یاقوت اور بلور تھے۔ سردار نے تھیلا

ہوا میں دبوچ لیا۔ اسد بولا۔

"ہمیں دولت کی ضرورت نہیں یہ سب کچھ رکھ لو ہمیں بیچ کر بھی تم اتنی دولت حاصل نہیں کر سکتے۔"

اسد کے پے در پے حملوں نے حملہ آوروں کو پشیمانی کی سرحد پر لا کھڑا کیا۔ وہ کچھ دیر آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ پھر سردار تھیلا لئے اسد کے پاس واپس آیا اور اسے تھیلا تھماتے ہوئے بولا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے تم پر حملہ کیا۔ تمہاری باتوں نے ہمیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"اسد بولا۔" اچھے بھائی' سوچو نہیں' عمل کرو۔ وقت قیامت کی چال چل رہا ہے۔ اپنے گھوڑے سنبھالو اور بستی بستی پھیل جاؤ۔ لوگوں کو خواب غفلت سے جگاؤ۔ رئیسوں کو مشرت کدوں سے نکالو۔ ہتھیار سنبھالو اور ایک پرچم تلے جمع ہو جاؤ۔"

اسد نے حملہ آوروں کو اس انداز میں سمجھایا کہ ان کے چہروں پر ہیجان نظر آنے لگا۔ ان کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسد کی باتوں نے ان کے دل میں جگہ بنالی ہے۔ کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ لوگ واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ اسد نے تھیلے میں سے کچھ یاقوت نکال کر سردار کے حوالے کر دیئے۔ وہ لینے سے معترض تھا مگر اسد نے اسے یہ کہہ کر سمجھایا کہ یہ وہ خوشی سے دے رہا ہے۔ اس رقم کے عوض اگر چند گھوڑے آ جائیں گے۔ چند تلواریں آ جائیں گی اور چند سپاہیوں کو زاد راہ مل جائے گا تو منگولوں کے خلاف ان کی مزاحمت کچھ اور قوی ہو جائے گی۔

اس لڑائی میں دونوں طرف سے ایک ایک شخص ہلاک ہوا تھا۔ دونوں لاشیں سپرد خاک کرنے کی ذمے داری اسد نے اٹھائی۔ حملہ آور انہیں الوداع کہہ کر رخصت ہو گئے۔ ایک درخت کے نیچے دو قبریں کھود کر لاشیں دفنا دی گئیں۔ اسد اور یورق نے اپنے انداز میں دعا مانگی اور مائیکل نے اپنے انداز میں۔ اباقہ' تتاشا اور علی کا ملنا اب کافی دشوار نظر آتا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اردگرد کے علاقے میں گھوڑے دوڑائے۔ آخر عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اسد نے مائیکل سے مشورہ کیا اور سفر دوبارہ شروع کر دیا۔

..... راستے کی مشکلوں پر قابو پاتے اور حتی الامکان تیزی سے سفر کرتے وہ اگلے روز دوپہر کے وقت دلادی میر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اس وقت موسم خراب ہو رہا تھا اور برف باری کے آثار نظر آتے تھے۔

دلادی میر میں ماسکو کی تباہی کی خبریں پہنچ چکی تھیں لیکن لوگوں پر صورت حال واضح نہیں تھی۔ سرکاری طور پر بھی اس المیے کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ یہ مائیکل تھا جس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلادی میر کے حکام پر واضح کیا کہ ماسکو راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے اور اب منگول گھوڑوں کی سرخ دلادی میر کی طرف ہے۔ اس تصدیق کے بعد دلادی میر کے طول و عرض میں خوف اور اضطراب کی کیفیت اور شدید ہو گئی۔ اسد وغیرہ یہ جان کر پریشان ہوئے کہ اباقہ ابھی تک دلادی میر نہیں پہنچا۔ خدشہ تھا کہ وہ تاتاشا اور بچے کے ساتھ برفانی طوفان میں گھر گیا ہو گا۔ اگلے روز دوپہر تک انہوں نے اباقہ کا انتظار کیا آخر اسد نے فیصلہ کیا کہ وہ ان کی تلاش میں جائے گا۔ یورق اور مائیکل بھی تیار ہو گئے۔ مائیکل کے کہنے پر نائب سپہ سالار نے فوج کا ایک دستہ بھی ان کے ساتھ کر دیا لیکن ابھی وہ سب شہر کے دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ دور انہیں دو گھوڑے آتے دکھائی دیئے۔ اسد نے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ غور سے گھوڑوں کو دیکھتے رہے۔ پھر سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اباقہ اور تاتاشا ہی تھے۔ جونہی وہ قریب پہنچے اسد وغیرہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ سب کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا۔ اب وہ دلادی میر کے دفاع کے لئے تیار تھے۔ دلادی میر جس کی فضاؤں میں ان گنت ہنگامے پرورش پانے والے تھے۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ جنوری کا ٹھٹھرا ہوا سورج تیزی سے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ عظیم الشان شہر دلادی میر کے طول و عرض میں روزمرہ کے معمولات جاری تھے۔ برف سے ڈھکی ہوئی سڑکوں پر سوری لباس پہنے لوگوں کا ایک جم غفیر متحرک تھا۔ بظاہر زندگی معمول پر تھی لیکن چہروں پر ایک انجانا سا خوف پایا جاتا تھا۔ کچھ ڈری ڈری سرگوشیاں گلی کوچوں میں گردش کر رہی تھیں اور یہ خوف تھا منگول وحشیوں کا۔ جن کے لشکر' سیاہ بادلوں کی طرح دلادی میر کے افق پر چھا رہے تھے۔

شہر کے جنوبی حصے میں حضرت مریم کے کلیسا کے قریب متمول لوگوں کی شاندار آبادی تھی۔ یہاں زیادہ تر تاجر پیشہ لوگ آباد تھے' لکڑی اور پتھر کی بنی ہوئی ڈھلوان چھتوں والی خوبصورت عمارتیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں' لیکن عین چوراہے میں ایک سرخ رنگ کی عمارت ان سب سے جدا تھی۔ یہ شہر کے معروف تاجر توزن باخ کی رہائش گاہ تھی۔ توزن باخ شمد کی مکھیاں پالتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے شہر کے مضافات میں ایک وسیع قطعہ زمین حاصل کر رکھا تھا۔ پھیلتے پھیلتے اس کا کام اب اتنا پھیل گیا تھا کہ اس نے شمد برآمد کرنا شروع کر دیا تھا۔ پچھلے چند سالوں سے اس کا نام شمد کے تاجر کی حیثیت سے بہت مشہور ہوا تھا۔ توزن باخ اس وقت اپنی شاندار نشست گاہ میں موجود تھا۔ دریچوں کے دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے۔ دروازے بند تھے اور دروازوں سے باہر چوکس دربان کھڑے تھے۔ نشست گاہ کے اندر فانوس کی مدھم روشنی پھیلی تھی اور آتشدان میں

جلتی ہوئی آگ نے کمرے کی فضا کو آرام دہ بنا دیا تھا۔ اس وقت توزن باخ کے علاوہ دو منگول بھی کمرے میں موجود تھے۔ یہ دونوں منگول درحقیقت باتو خان کے لشکر کے جاسوس تھے۔ وہ پچھلے ایک ماہ سے دلادی میر میں مصروفِ کار تھے۔ منگولوں کا وطیرہ تھا کہ کسی بھی شہر پر یلغار سے قبل وہاں اپنے جاسوس بھیجتے تھے۔ جو نہایت مہارت اور جانفشانی سے اپنے لشکر کے لئے قیمتی معلومات حاصل کرتے تھے۔ ان جاسوسوں کی خصوصیت تھی کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر اہم ترین مقامات تک رسائی حاصل کر لیتے تھے اور شہر کے دفاعی انتظامات میں ایسے رخنے تلاش کر لیتے تھے جو ان کی فوج کے لئے فتح کا نشان بن جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ جاسوس شہر میں بدامنی اور مایوسی پھیلانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے تھے۔ سراسیمگی پیدا کرنے والی زیادہ تر افواہوں کا منبع یہی منگول تخریب کار ہوتے تھے۔

توزن باخ کے پاس بیٹھے ہوئے یہ دونوں منگول بھی پرلے درجے کے عیار اور فتنہ پرور افراد تھے۔ وہ بڑی روانی سے روسی بول رہے تھے اور ان کے خدوخال بھی مقامی لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ بادی النظر میں انہیں منگولوں کی حیثیت سے پہچاننا دشوار تھا۔ ایک منگول نے شراب کا جام چڑھاتے ہوئے توزن باخ سے پوچھا۔

"جناب وقت تیزی سے جا رہا ہے۔ آپ کا آدمی کہیں جا کر سو تو نہیں گیا؟"

ابھی منگول کا فقرہ مکمل ہی ہوا تھا کہ دروازہ کھلا اور دربان نے ادب سے جھک کر اطلاع دی کہ سردار یگوڈا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ توزن باخ نے سر کے اشارے سے اسے اندر لانے کی اجازت دی۔ ذرا ہی دیر بعد ایک گرانڈیل شخص اندر داخل ہوا۔ نصف چہرے کے سموری لبادے سے اس کے توانا بازو جھانک رہے تھے۔ اس کی خود رو سنہری داڑھی دونوں شانوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ہمراہ ایک دبلے پتلے جسم والا شخص تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے اور مسلسل اپنے پاؤں کو گھور رہا تھا۔ گرانڈیل شخص بولا۔ "مالک! رآئیوانا حاضر ہے۔"

توزن نے تنقیدی نظروں سے دبلے پتلے شخص کا جائزہ لیا اور دونوں منگولوں کی طرف رخ کر کے بولا۔ "دوستو یہ ہے رآئیوانا۔ یہ شاہی مطبخ کے اہم ترین باورچیوں میں سے ایک ہے۔"

منگول نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "رآئیوانا سنا ہے کہ شاہی محل میں اہم سرداروں کے اعزاز میں جو ضیافت دی جا رہی ہے' اس کی تیاری میں تم بھی شرکت کرو گے۔"

"جی ہاں۔" رآئیوانا نے جھک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگول بولا۔ "تو تمہیں ہماری پیشکش منظور ہے؟"

رآئیوانا نے کہا۔ "جناب! میں انکار کر کے آپ جیسے مہربانوں کو ناراض نہیں کر سکتا۔ لیکن....."

"لیکن کیا؟" تو زن باخ کی باریک آواز کمرے میں گونجی۔ اس کی بارعب شخصیت کے برعکس آواز خاصی مضحکہ خیز تھی۔

رآئیوانا جھجکتے ہوئے بولا۔ "جناب! میں آپ کی زبان سے اس بات کی یقین دہانی چاہتا ہوں کہ مجھے میری بیوی بچوں کے ساتھ بحفاظت نوورد گرود پہنچایا جائے گا..... اور میری گرفتاری کی صورت میں مجھے تنہا نہیں چھوڑا جائے گا....."

تو زن باخ نے گرانڈیل شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "رآئیوانا تمہارے سامنے یہ گیوڈا کھڑا ہے' لیکن تم سمجھو کہ یہ میں کھڑا ہوں۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا وہ میں نے کہا ہے۔ جو وعدہ کیا ہے وہ میں نے کیا ہے اور میں نے جو وعدہ کیا ہے وہ ہر صورت میں پورا ہو گا۔ جونہی تصدیق ہوئی کہ کام ہو گیا ہے تمہارا انعام جو دو من خالص سونے کی شکل میں ہو گا تم تک پہنچ جائے گا۔ تمہیں اور تمہارے انعام کو بحفاظت نوورد گرود پہنچانا ہمارے مسلح دستے کی ذمہ داری ہو گی۔ اس دستے کا کماندار گیوڈا ہو گا اب خود سوچ لو جو دستہ گیوڈا کی قیادت میں ہو گا اس کا راستہ روکنے کی جرأت اس علاقے میں کون کرے گا۔ گیوڈا اس وقت واپس آئے گا جب نوورد گرود میں تم اپنی حفاظت کی طرف سے بالکل مطمئن ہو جاؤ گے۔ باقی رہی تمہاری گرفتاری کی بات تو اس کا امکان ایک فیصد بھی نہیں' لیکن اگر کوئی ایسی انہونی ہوئی تو ہم تمہیں تنہا چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس معاملے میں ہماری سلامتی تمہاری سلامتی سے وابستہ ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دلاوی میر کے ہر زندان کی دیوار میں میرے لئے ایک دروازہ موجود ہے۔ اسم اثر و رسوخ کی چابی سے میں یہ دروازہ جس وقت چاہوں کھول سکتا ہوں۔"

رآئیوانا بولا۔ "بس جناب ..... مجھے آپ کی ہر بات پر یقین آیا۔ بس اب آپ مناسب مقدار میں خالص قسم کے زہر کا انتظام کر دیں۔"

تو زن باخ نے تالی بجائی۔ دروازہ کھلا اور دربان ایک بوڑھے شخص کو لئے اندر داخل ہوا۔ میلا کچیلا لباس پہنے ہوئے یہ شخص فرشی سلام کرتا اندر داخل ہوا تو تو زن باخ کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ وہ بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے رآئیوانا سے مخاطب ہوا۔

"یہ دلاوی میر کا سب سے تجربہ کار کیمیا گر ہے۔ مجھے امید ہے تمہیں اپنے مطلب

کی چیز مل جائے گی۔"

کیمیا گر نے اپنے کندھے سے لٹکتا ہوا چرمی تھیلا فرش پر رکھا اور اس کے اندر سے چند پڑیاں نکال لیں۔ پھر وہ ایک پڑیا کھولتا ہوا بولا۔

"یہ سفید رنگ کا سفوف سنکھیا ہے۔ اس کا ذائقہ بالکل نہیں ہوتا۔ چند گھونٹ پانی میں ملا کر بھی دیا جا سکتا ہے۔ نہایت مہلک زہر ہے۔ آٹھ پہر کے اندر موت واقع ہو جاتی ہے۔ مناسب مقدار میں دیا جائے تو کھانے والا ایک پہر بھی مشکل سے نکالتا ہے۔ میرے پاس اس کا سُرخ سفوف بھی ہے' لیکن سفید تمہارے کام کے لئے زیادہ مناسب رہے گا اور یہ دیکھو یہ "ست کچلا" ہے۔ میرا باپ یہ ہندوستان سے لے کر آیا ہے۔ وہاں اس کا درخت ہوتا ہے۔ اس درخت کے بیجوں سے یہ زہر نکالا جاتا ہے۔ یہ انتہائی زود اثر زہر ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شکار تڑپ کر مر جاتا ہے۔ اگر سالن یا شیرینی میں ملا دو گے تو کھانے والے کو پتہ بھی نہ چلے گا۔"

ایک منگول نے پوچھا۔ "اور بابا..... اس پڑیا میں کیا ہے؟"

بوڑھے نے اپنی پُراسرار بھنوؤں کو حرکت دی اور بولا۔ "یہ افیون ہے۔ پوست کے کچے دوزوں کو چیرا دے کر یہ زہر حاصل کیا جاتا ہے۔ میں نے اس میں دھتورے کی آمیزش کی ہے اور نہایت مہلک بنا دیا ہے' لیکن اس میں بو ہے اور ذائقہ بھی خاصا کڑوا ہے....."

کافی دیر نشست گاہ میں مختلف زہروں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ آخر فوری اور یقینی نتیجہ حاصل کرنے کے لئے "ست کچلا" کے استعمال کا فیصلہ کیا گیا۔ باورچی رآئیوانا نے بوڑھے سے اپنی ضرورت کے مطابق زہریلا محلول حاصل کیا اور یہ ہلاکت آفریں نشست برخاست ہو گئی۔ گرانڈیل گیوڈا جب باورچی اور کیمیا گر کو لے کر باہر نکل گیا تو تو زن باخ نے عیارانہ مسکراہٹ سے دونوں منگولوں کی طرف دیکھا اور باریک آواز میں بولا۔

"دوستو! آج رات شاہی ضیافت گاہ میں خالی برتنوں کے ساتھ خاقان اعظم کے دشمنوں کی لاشیں بھی اٹھیں گی۔"

دائیں طرف بیٹھے منگول نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ایک جام آج کی ضیافت کے نام....." تینوں نے پیمانے ٹکرائے اور ہونٹوں سے لگا لئے۔

☆------☆------☆

اباقہ' اسد وغیرہ کے ٹھہرنے کا انتظام رئیس اعظم کنیاز یوری کے محل کے قریب ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا گیا تھا۔ یہ ایک پُرشکوہ اور وسیع و عریض رہائش گاہ تھی۔ اس میں وہ تمام مہمان قیام پذیر تھے جنہیں خاص مقاصد کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے مدعو کیا گیا تھا۔ ان سب مہمانوں میں دو باتیں مشترک تھیں۔ وہ بلا کے جنگجو اور غارت گر تھے اور سب کے سب قزاقوں کے دشمن تھے۔ یہ کل چالیس افراد تھے جن میں سے کچھ خوارزم اور چین سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ منگول تھے۔ اس رات ان تمام مہمانوں کے اعزاز میں ضیافت دی جا رہی تھی۔ رئیس اعظم یوری چونکہ خود شہر میں موجود نہیں تھا لہٰذا یہ ضیافت نائب رئیس کی طرف سے تھی۔ رئیس اعظم کی غیر موجودگی کا پتہ' اباقہ کو اسند سے چلا تھا۔ اسد کی طرح اسے بھی تشویش ہوئی تھی۔ درحقیقت اس نازک موقعے پر رئیس اعظم کی غیر موجودگی شہر کے دفاع کو دشوار تر بنا سکتی تھی۔ اسد نے اباقہ کو بتایا تھا کہ اطلاعات کے مطابق رئیس اعظم منگولوں سے مقابلے کے لئے مضافاتی علاقوں سے فوج جمع کر رہے ہیں۔

شام کا وقت تھا۔ اباقہ نیند سے بیدار ہوا تو علی اسے نظر نہیں آیا۔ وہ اس کے ساتھ ہی پلنگ پر سویا تھا۔ اب اس کا پلنگ خالی نظر آ رہا تھا۔ اباقہ نے کھڑکی کے پٹ کھولے اور باہر جھانکنے لگا۔ سامنے سنگ مرمر کا خوبصورت صحن تھا۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک نقرئی فوارہ رنگدار پانی فضا میں اُچھال رہا تھا۔ سامنے ہی رئیس اعظم کے شاندار محل کے در و دیوار نظر آ رہے تھے۔ فوارے کے پاس اسد اللہ بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ یہ کتاب عراق سے ہی اس کے ساتھ تھی۔ دراصل وہ روسی زبان سیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں اسے کامیابی بھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کتاب سے نظریں اٹھائیں تو اباقہ نے چلا کر پوچھا۔

"اسد! تمہیں علی نظر نہیں آیا؟"

اسد کا جواب نفی میں تھا۔ اباقہ کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ صحن میں آیا اور علی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ انجان جگہ پر لڑکے کا اس طرح نکل جانا تشویشناک تھا۔ اسے ڈھونڈتا اباقہ اس باغ کی طرف نکل گیا جو شاہی محل کی بیرونی دیوار کے ساتھ واقع ہے۔ ایک پستہ دیوار شاہی محل کو باغ سے جدا کرتی تھی۔ اس دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا۔ اباقہ کے دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ کھلا اور علی نے چوروں کی طرح اس میں سے نکل کر باغ میں جھانکا۔ پھر وہ باغ میں آیا اور تیزی سے صحن کی طرف بھاگنے لگا۔ اباقہ اس کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ وہ سخت گھبرایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

"علی!" اباقہ نے اسے آواز دیں

وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اباقہ نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ "کہاں گئے تھے؟"

علی سخت سراسیمہ نظر آتا تھا۔ اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ کہنے لگا۔ "میں ..... میں ..... مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی۔"

اباقہ نے کہا۔ "اچھا تو تم کھانے کی خوشبو سونگھتے ہوئے محل میں چلے گئے تھے۔"

علی تھوک نگل کر بولا۔ "ہاں بالکل ایسا ہی ہوا تھا لیکن....."

"لیکن کیا؟" اباقہ نے پوچھا۔ علی کی گول گول آنکھوں میں ہراس نظر آ رہا تھا۔ اباقہ کو لگا جیسے علی نے محل میں کوئی انہونی چیز دیکھی ہے۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ بولتے کیوں نہیں۔" اباقہ نے اسے شانے سے جھنجھوڑا۔

علی سرگوشی میں بولا۔ "بھائی جان ..... مجھے اتنے زور کی بھوک لگی تھی کہ میں آپ کے جاگنے کا انتظار نہ کر سکا۔ پسرہ دار سے نظر بچا کر میں محل کے مطبخ میں چلا گیا۔ وہاں بڑے بڑے دیگچوں میں کھانا پک رہا تھا۔ کھانا پکانے والا آدمی کوئی چیز لینے کے لئے باہر گیا تو میں اندر گھس گیا۔ ابھی میں ایک دیگچے کا ڈھکنا اٹھا ہی رہا تھا کہ باہر کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔ میں جلدی سے ایک الماری کے پیچھے چھپ گیا۔ میں نے سمجھا کھانا پکانے والا واپس آ گیا ہے لیکن وہ کوئی اور شخص تھا۔ لباس سے وہ بھی باورچی دکھائی دیتا تھا۔ وہ چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتا اندر آیا پھر اس نے اپنی قمیض کے اندر سے ایک شیشے کی بوتل نکالی۔ اس میں کوئی پانی جیسی چیز تھی۔ اس نے دو دیگچوں کے ڈھکن اٹھا کر یہ چیز اندر ڈال دی۔ وہ سخت گھبرایا ہوا دکھائی دیتا تھا اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جونہی وہ شخص باہر نکلا میں بھی الماری کے پیچھے سے نکل کر بھاگ آیا۔"

اباقہ کے جسم میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ علی اسے ایک نہایت خوفناک اطلاع فراہم کر رہا تھا۔ اباقہ نے اس سے پوچھا۔ "تیرا کیا خیال ہے۔ اس آدمی نے کھانے میں کیا ملایا ہے؟"

علی نے کہا۔ "میرا خیال ہے اس نے کوئی ایسی چیز کھانے میں ڈالی ہے جو نہیں ڈالنی چاہئے تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کھانا کھانے والا مر جائے۔"

اباقہ نے کہا۔ "تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ اس کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہ کوئی بہت گہری سازش ہے۔"

"سازش ..... سازش کیا ہوتی ہے؟" علی نے پوچھا۔

اباقہ نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کسی نے نعمت خانے سے نکلتے دیکھا تو نہیں۔" علی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اباقہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آؤ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ۔"

ابھی وہ چند قدم ہی چلے تھے کہ اچانک درختوں کی اوٹ سے کوئی چھ عدد نقاب پوش نکلے اور ان کے سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں تھیں۔ اس سے پہلے کہ اباقہ کچھ سمجھتا ایک جال اس پر آ پڑا۔ وہ جال کے اندر بری طرح مچلا۔ اس نے علی کو دیکھا جو اسے جال سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک نقاب پوش نے تلوار کا دستہ زور سے علی کے سر پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر گھاس پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ خون فوارے کی طرح اس کی پیشانی سے پھوٹ پڑا تھا۔ اباقہ کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی مگر اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کرتا عقب سے کسی وزنی شے کی ضرب اس کے سر پر پڑی۔ اس کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ پھر ایک اور شدید ضرب سے اس کی کھوپڑی جھنجھنائی اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک تاریک چادر تن گئی۔

دوبارہ اسے ہوش آئی تو وہ ایک پتھریلے تہہ خانے میں تھا۔ اس کے بال خون سے بھیگ کر گردن سے چپکے ہوئے تھے۔ یہ خون سر کے پچھلے حصے سے نکلا تھا اور سارے جسم کو بھگو گیا تھا۔ اباقہ نے زخم ٹٹولنے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہا تو ایک وزنی زنجیر جھنجھنا اٹھی۔ اس نے تہہ خانے کی نیم تاریکی میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ اس کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ پاؤں ٹخنوں کے پاس سے دو آہنی کڑوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کڑوں کا درمیانی فاصلہ ڈیڑھ گز کے قریب تھا اس لئے اباقہ کی دونوں ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ دونوں کلائیاں بھی آہنی کڑوں میں تھیں۔ ان کڑوں کو وزنی زنجیریں چھت سے منسلک تھیں۔ زنجیروں میں جھول نہیں تھا لہٰذا اباقہ کے دونوں بازو اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ تہہ خانے میں سخت سردی تھی اور فرش اباقہ کے ننگے پاؤں کے نیچے برف ہو رہا تھا۔ میں کس کی قید میں ہوں؟ اباقہ کے ذہن میں پہلا سوال یہی تھا۔ پھر اچانک اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ اور علی باغ میں باتیں کر رہے تھے کہ ..... علی کا خیال آتے ہی اباقہ کا دماغ جھنجھنا اٹھا..... وہ زخمی ہو کر زمین پر گرا تھا۔ اس کی پیشانی سے خون ابل رہا تھا..... پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا نہیں ..... پھر اباقہ کو وہ باتیں یاد آئیں جو اس حادثے سے چند لمحے پہلے علی نے اس سے کی تھیں اور اس کے ساتھ ہی اباقہ لرز گیا۔ "میرے خدا!" بے ساختہ اس کے منہ نکلا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر بے ہوش رہا تھا۔ شاہی ضیافت ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ اگر ہونے والی تھی تو کتنی ہی جانوں کو شدید خطرہ لاحق تھا ..... اور ان جانوں میں اسد اور یورق کی جانیں بھی شامل تھیں۔ اسد اور یورق کا خیال آتے ہی اباقہ تڑپ اٹھا۔ اس کی خوفناک دھاڑ سے تہہ خانہ گونج گیا۔ "کوئی ہے۔" وہ سینے کی

پوری قوت سے چیخا تھا۔ اس کی چیخ کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے مسلسل چلانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ آہنی زنجیروں کو زوردار جھٹکے دے رہا تھا۔ زنجیروں کی آواز اباقہ کی دھاڑوں کے ساتھ مل کر تہہ خانے میں قیامت کا سماں پیدا کر رہی تھی۔ اچانک اباقہ کی نگاہ تہہ خانے کے زینوں سے ہوتی ہوئی اس کے دروازے پر اٹک گئی۔ وہاں ایک سپاہی اطمینان سے تلوار گود میں رکھے بیٹھا تھا۔ اباقہ نے اسے خون بار نظروں سے گھور کر کہا۔

"مجھے یہاں قید کرنے والا کون ہے' بلاؤ اسے ..... فوراً۔"

اس شخص کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ اباقہ کو لاپرواہی سے دیکھ کر منہ چلاتا رہا۔ اباقہ نے غصے کے عالم میں اس پر چیخنا شروع کر دیا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ اس طرح پہریدار طیش میں آ جائے گا لیکن وہ نہایت ہتک آمیز باتیں سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ درحقیقت وہ روسی تھا اور اباقہ کی زبان سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔ تھک ہار کر اباقہ خاموش ہو گیا اور زنجیروں سے زور آزمائی کرنے لگا۔ زنجیریں بھی پہریدار کی طرح اپنی جگہ اٹل تھیں۔ انہیں چھت کے پتھروں اور فرش میں نہایت مضبوطی سے گاڑا گیا تھا۔ اباقہ کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ اسی احساس نے اسے ایک بار پھر چیخنے پر مجبور کر دیا۔ اسی وقت تہہ خانے کا آہنی دروازہ ایک مہیب گڑگڑاہٹ کے ساتھ کھلا اور قندیلوں کی روشنی دکھائی دی۔ غلاموں کی ایک قطار قندیلیں اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ ان کے عقب میں چند مسلح سپاہی تھے۔ ایک بھاری تن توش کا شخص ان کا کمانڈر دکھائی دیتا تھا۔ وہ اباقہ کے قریب پہنچا اور قندیل کی روشنی میں احتیاط سے اس کی بند شمیں دیکھنے لگا۔ اباقہ نے چلا کر اس سے کہا۔

"تم جو کوئی بھی ہو مجھے اسی وقت نائب رئیس سے ملواؤ۔ ورنہ تم سب کو بری طرح پچھتانا ہو گا۔"

اباقہ کی چیخ و پکار کا ان سپاہیوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اگر اثر ہوا تو صرف یہ کہ ایک آدمی نے اچانک اباقہ کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور اوپر سے ایک ڈوری باندھ دی۔ اب اباقہ کے حلق سے صرف غوں غاں کی آواز نکل رہی تھی۔ آہنی دروازہ ایک بار پھر کھلا اور قندیل بردار غلاموں کے عقب میں چلتی ہوئی ایک حسین عورت زینہ زینہ تہہ خانے میں اترنے لگی۔ اباقہ نے پہچان لیا۔ وہ نتاشا تھی۔ وہ چمکدار سرخ لباس میں تھی اور چہرہ پتھر کی طرح سخت نظر آ رہا تھا۔ اچانک اباقہ کو اندازہ ہوا کہ وہ نتاشا کی قید میں ہے۔

نتاشا شاہانہ چال چلتی اس کے سامنے پہنچی اور پُر حقارت نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے نازک ہونٹ اندرونی غضب سے پھڑپھڑا رہے تھے۔ وہ ایک بھوکی شیرنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی دیتی تھی' وہ اباقہ کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ اس کے جسم سے اٹھنے والی حرارت اباقہ کو اپنی عریاں جلد پر محسوس ہو رہی تھی۔ ایک غضبناک سرگوشی میں وہ بولی۔

"بدبخت شخص تو نے میرے باپ جیسے چچا کو توہین آمیز سلوک کا نشانہ بنایا۔ تو نے ایک اونی غلام لڑکے کے سامنے رئیس اعظم کی بیٹی کو بے عزت کیا۔ اس کی زندگی کو حقیر جان کر آگ میں پھینک دیا۔ تو نے اسے برف زار میں پیادہ چلایا اور خود گھوڑے پر سواری کی۔ تو نے اپنے ناپاک جسم کے ساتھ اس کے پہلو میں بیٹھنے کی جسارت کی۔ خدا کی قسم میں ان جرائم کی پاداش میں تیرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں گی۔ تیرا انجام شاہی گستاخوں کے لئے عبرت کی یادگار ہو گا۔"

اباقہ نے چیخ کر اس سے کہنا چاہا کہ وہ اپنے انتقام کی آگ ضرور ٹھنڈی کرے' لیکن پہلے ان لوگوں کی جان بچائے جو اس کے دوست بن کر دور دراز علاقوں سے یہاں پہنچے ہیں' لیکن وہ کچھ نہ کر سکا۔ اس کا منہ مضبوطی سے بند کر دیا گیا تھا تاکہ وہ شہزادی کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر سکے۔ ایک غلام نے آگے بڑھ کر طشتری میں رکھی ہوئی ایک طویل چھڑی شہزادی کو پیش کی۔ شہزادی نے چھڑی اٹھائی اور نہایت نفرت سے گھما کر اباقہ کے منہ ماری۔ ایک طرح سے یہ اباقہ کی سزا کا افتتاح تھا۔ افتتاح کے بعد شہزادی نتاشا بڑی شان سے چلتی ہوئی ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ دو تنومند غلام آگے بڑھے اور بید کی باریک چھڑیوں کے ساتھ اباقہ پر پل پڑے کوئی اور ہوتا تو لمحوں میں اس کی کھال ادھڑ جاتی' لیکن وہ اباقہ تھا' سخت جان' سخت جلد اور اذیت کو شربت کی طرح گھول کر پی جانے والا۔ یکے بعد دیگرے کئی چھڑیاں اس کے جسم پر ٹوٹ گئیں۔ اس کا ضبط دیکھ کر شہزادی کے ذہن میں ایک انوکھا خیال آیا۔ اس نے مارنے والوں کو حکم دیا کہ صرف مجرم کے چہرے کو نشانہ بنایا جائے ..... چہرہ آخر چہرہ تھا۔ اس پر بے دریغ چھڑیاں پڑنی شروع ہوئیں تو کھال زخمی ہونی شروع ہوئی۔ یہ منظر لرزہ خیز تھا۔ اباقہ چہرے کو بچانے کے لئے مسلسل دائیں بائیں حرکت دے رہا تھا لیکن بچنا محال تھا۔ سر کے زخم نے بھی ایکا ایکی خون اگلنا شروع کر دیا تھا۔ جلد ہی اباقہ کے ہونٹ پھٹ گئے اور دونوں نتھنوں سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں ..... اباقہ نڈھال ہو گیا۔ شہزادی نے اپنے پاؤں کو حرکت دی۔ ایک غلام آگے بڑھا اور اس نے ادب سے شہزادی کی جوتی اتار لی۔ یہ جوتی لے کر وہ اباقہ کے پاس پہنچا اور اس کا نکسوا اباقہ کی ناک کے سامنے کر دیا۔ پھر اپنی ناک ہاتھ پر رگڑ کر اس نے اباقہ کو سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ شہزادی کی خواہش تھی کہ مجرم اپنی ذلالت ظاہر کرنے کے لئے جوتی پر ناک رگڑے۔

اباقہ نے خون سے بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا۔ اس چہرے پر ایک عجیب سی وحشت برس رہی تھی۔ وہ حلق سے مسلسل "غوں غاں" کی آوازیں نکال کر اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا ..... انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ شاہی ضیافت گاہ میں کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے' لیکن وہاں اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ جب اس نے شہزادی نتاشا کی خواہش کے مطابق جوتے پر ناک رگڑنے سے انکار کیا تو ایک بار پھر وہ غضب ناک ہو گئی۔ اس نے غلام کے ہاتھ سے چھڑی لے کر بے دریغ اباقہ کے منہ پر مارنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ نڈھال ہو گیا۔ وہ تلخ سرگوشی میں بولی۔

"میں تمہیں ماروں گی نہیں جنگلی' تیرا غرور توڑوں گی۔ تجھے ادب کرنا سکھلاؤں گی۔ تو پالتو جانور کی طرح میرے قدموں میں بیٹھ کر دم ہلائے گا۔ یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔ ہاں یہ کنیاز یوری کی بیٹی کا وعدہ ہے۔" پھر وہ چھڑی پھینک کر پاؤں پٹختی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ قندیل بردار غلاموں اور مسلح سپاہیوں نے اسے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ جب وہ چلی گئی تو اباقہ کے حلق میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا گیا۔ اباقہ ایک بار پھر چیخنے چلانے لگا مگر وہاں اب اس کی زبان سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس تنہا پہریدار کے سوا تمام افراد تہہ خانے سے چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ پہریدار بھی میکانکی انداز میں چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ واقعی ان ناقابل شکست زنجیروں کی موجودگی میں کسی پہریدار کی ضرورت نہیں تھی۔

اباقہ کی آواز اب تہہ خانے کی خالی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ "خدا کے لئے میری بات سنو ..... خدا کے لئے۔" وہ بار بار یہ الفاظ دوہرا رہا تھا اور زنجیروں کو جھٹکے دے رہا تھا۔ اچانک اسے تہہ خانے کے نیم تاریک کونے میں ایک متحرک ہیولا دکھائی دیا۔ کوئی نہایت ضعیف شخص جھک کر چلتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب وہ روشنی میں آیا تو اباقہ نے دیکھا کہ وہ ایک باریش بزرگ تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پیالہ تھا۔ ضعف کی وجہ سے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی اور پانی فرش پر گرتا چلا آ رہا تھا۔ اباقہ نے اس کی پیشانی پر ایک سیاہ داغ دیکھا اور اس کے دل سے آواز آئی کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ کئی مسلمان بزرگوں کی پیشانی پر اس نے ایسے داغ دیکھے تھے۔ قریب پہنچ کر بزرگ نے پیالہ اباقہ کے ہونٹوں سے لگا دیا اباقہ نے چند گھونٹ لئے پھر ایک موہوم امید کے سہارے بولا۔

"بابا! تم میری زبان سمجھتے ہو؟"

بوڑھے نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اجنبی' تیری زبان سمجھتا ہوں اور یہ بھی جان گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں کہ تیرے چیخنے چلانے کی وجہ کیا ہے۔"

اباقہ بے تابی سے بولا۔ "کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟"

بوڑھا بولا۔ "میں تیری مدد کرنا چاہتا ہوں' اس لئے کہ تو مسلمان ہے۔ میرے ہی خدا اور رسول ؐ کو ماننے والا ہے۔ میں اس قید خانے کا خدمتگار ہوں۔ پچھلے بیس برس میں تو پہلا مسلمان ہے جو یہاں آیا ہے۔ تیرے انجام کا سوچ کر میرا دل کانپ رہا ہے ..... کون ہے تو اور تیرے وہ ساتھی کون ہیں جن کے متعلق تجھے خطرہ ہے کہ انہیں زہر دے دیا جائے گا؟"

بے بسی کے احساس سے اباقہ کی آنکھیں بھیگ گئیں اس نے بوڑھے کو مختصراً اپنے اور ساتھیوں کے متعلق بتایا۔ بوڑھے نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے عشاء کی نماز ادا کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ شاہی ضیافت اب شروع ہونے ہی والی ہے۔"

اباقہ کی بے قراری میں اور اضافہ ہو گیا وہ بولا۔ "بابا' مجھے بتا میں کیا کروں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"

بوڑھے نے کہا۔ "بیٹے! مجھے بتا میں تیرے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ میری حالت تو تو دیکھ ہی رہا ہے۔ ضعف کے سبب مجھے دو قدم چلنا بھی مشکل ہے۔ اگر میں توانا ہوتا تو شاید پہرے داروں سے بچ بچا کر تیرا پیغام ساتھیوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا۔"

اباقہ عاجزی سے بولا۔ "بابا! میرے عزیز ترین دوستوں کی زندگی خطرے میں ہے۔ کیا تم مجھے ان کی زندگی بچانے کا موقع نہیں دے سکتے۔"

بوڑھا کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد بولا۔ "میرے بدنصیب بچے' تو نہیں جانتا کہ تو کہاں آ چکا ہے۔ نہ جانے تیرا کون سا گناہ تجھے شہزادی نتاشا کی قید میں لے آیا ہے۔ یہ بڑی ظالم جگہ ہے بیٹے۔ میں نے ان سنگلاخ دیواروں کے اندر سفاکی اور بربریت کے ایسے مظاہرے دیکھے ہیں کہ میری زندگی بھر کی نیند اڑ چکی ہے۔ یہاں میں نے بڑے بڑے سورماؤں کو کتے بلیوں کی طرح زمین چاٹتے دیکھا ہے' بڑے بڑے بہادروں کو بھکاریوں کی طرح موت کی بھیک مانگتے سنا ہے۔ یہ در و دیوار انسانی بے بسی و بیچارگی کی ایسی خونچکاں داستانوں کے شاہد ہیں کہ جنہیں سننے اور سنانے کے لئے پہاڑ جیسا کلیجہ چاہئے۔ اس تہہ خانے میں رئیس اعظم کے صرف وہ مجرم لائے جاتے ہیں جن کو زندہ درگور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ بدقسمت قیدی مرنے سے پہلے ہزار بار مرتے اور ہزار بار جیتے ہیں۔ بالآخر جب ان کی لاش یہاں سے نکالی جاتی ہے تو وہ لاش نہیں ہوتی

مظلوم گوشت اور مجروح ہڈیوں کا ایک ایسا ڈھیر ہوتی ہے جسے دیکھ کر دوبارہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ میرے بدنصیب بچے تو نے ابھی کچھ نہیں دیکھا۔ کاش میرے اختیار میں ہوتا اور میں تجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیتا۔ اس تہہ خانے میں انسان کو عذاب دینے کے ایسے ایسے طریقے ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہی آدھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ کاش میں تیرے جسم سے تیری جان جدا کر سکتا..... کاش۔"

اباقہ بولا۔ "لیکن میں زندہ رہنا چاہتا ہوں بابا۔"

بوڑھا بولا۔ "تیری یہ خواہش دیر پا نہیں بچے۔ جب وہ موت کا فرشتہ تجھ پر مشق ستم شروع کرے گا تو تیری زبان سے جو پہلا کلمہ ادا ہو گا وہ یہی ہو گا' اے خدا مجھے موت دے دے۔"

"موت کا فرشتہ۔ یہ کون ہے؟" اباقہ نے پوچھا۔

بوڑھا بولا۔ "اس کا نام گیوڑا ہے۔ وہ اس قید خانے کا جلاد ہے۔ عرف عام میں اسے موت کا فرشتہ کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اسے جس راستے سے گزرنا ہو وہاں سے جانور بھی بھاگ جاتے ہیں۔"

بوڑھے کا کلام کسی بھی سامع کا خون خشک کرنے کے لئے کافی تھا' لیکن اباقہ نے یہ سب کچھ مرعوب ہوئے بغیر سنا۔ بوڑھا خاموش ہوا تو اباقہ بولا۔

"بابا! اگر اس قید خانے کا جلاد موت کا فرشتہ ہے تو پھر اس وقت اس شہر میں ایک نہیں' دو موت کے فرشتے ہیں اور وہ دوسرا فرشتہ تیرے سامنے کھڑا ہے۔ میرا نام اباقہ ہے اور موت میری محبوبہ ہے۔ میرے پاس اتنی مہلت نہیں کہ میں تمہیں زیادہ کچھ بتا سکوں ..... لیکن وقت سب کچھ بتا دے گا اور دکھا بھی دے گا۔" اباقہ کے لہجے میں مہیب چٹانوں کی گڑگڑاہٹ تھی۔ بوڑھا اپنی کمزور نگاہوں سے ایک ٹک اباقہ کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنی لرزاں آواز میں کہا۔

"بیٹے کچھ دیر پہلے میں تیری قوت برداشت کا مشاہدہ کر چکا ہوں اور اسی لئے مجھے لگتا ہے کہ تجھ جیسا بہادر جوان ایک حسرت ناک موت کی امانت ہو گیا ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "کل کی بات کل پر چھوڑ دو بابا' کیا آج کی مشکل میں تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو؟"

بوڑھے نے کہا۔ "ہاں! میں تمہاری یہ بندشیں کھول سکتا ہوں اور تمہیں وہ خفیہ راستہ بھی بتا سکتا ہوں' جو تمہیں اس عقوبت خانے سے باہر لے جا سکتا ہے' لیکن....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن کیا؟"

"لیکن اس کے بعد میرے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ ناقابل بیان ہے۔ قسم خدا کی اگر میرے مذہب میں خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں تمہیں آزاد کر دیتا۔"

اباقہ نے کہا۔ "بابا' تو پھر میں تم سے ایک وعدہ کرتا ہوں۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنے ساتھیوں کو خطرے سے آگاہ کر کے واپس آ جاؤں گا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا اور نہ تم پر کوئی حرف آئے گا۔"

اباقہ نے دیکھا بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے ہیں۔ پھر وہ لرزتے ڈگمگاتے قدموں سے ایک طاق کی طرف بڑھا اور اس کے اندر سے ایک چابی نکال لی۔ اباقہ کے پاس پہنچ کر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے داہنے ہاتھ کا قفل کھول دیا۔ باقی کے قفل اباقہ نے خود کھولے۔ ایک کونے میں اباقہ کا لباس ڈھیر تھا اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ اس دوران بوڑھا دوبارہ اس طاق میں ہاتھ ڈال چکا تھا جہاں سے اس نے چابی نکالی تھی۔ وہ طاق کے اندر کسی چیز کو کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ضعف کی وجہ سے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اباقہ نے طاق میں ہاتھ ڈالا تو ایک آہنی کڑا مٹھی میں آ گیا۔ اباقہ نے معمولی سی قوت لگائی تو گڑگڑاہٹ سے ایک چٹان سرکی اور عین طاق کے نیچے ایک چوکور خلا نظر آنے لگا۔ بوڑھے نے کہا۔ "جا بیٹا' خدا تیرا حامی و ناصر ہو۔"

اباقہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "بابا' میں جانتا ہوں تم نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے لیکن میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ میں واپس آؤں گا۔"

"نہیں بیٹا۔" بوڑھے نے کہا۔ "اب واپس آنے کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے صرف اپنا یہ خنجر دے دو' تاکہ صبح جب پہریدار اندر داخل ہوں تو میں ان سے لڑ کر شہادت کا رتبہ پانے کی کوشش کر سکوں۔ خدا سے دعا کرنا کہ مجھے اس کوشش میں ناکامی نہ ہو۔"

بوڑھے نے اپنا کپکپاتا ہاتھ خنجر کے لئے اباقہ کی طرف بڑھایا۔ اباقہ نے جھک کر اس ہاتھ کو چوم لیا۔ پھر اسے سہارا دیتا ہوا کونے میں بچھے بستر کی طرف لایا اور آرام سے لٹا دیا۔

"نہیں بابا!" اس نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔ "تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ صرف میرا انتظار کرنا ہے۔" اس سے پہلے کہ بوڑھا کچھ کہتا۔ اباقہ مڑا اور تیزی سے چلتا ہوا خلا میں داخل ہو گیا۔ دیوار کی دوسری جانب ایک ویسا ہی طاق نظر آ رہا تھا۔ اباقہ نے اندر ہاتھ ڈالا آہنی کڑا موجود تھا۔ اباقہ نے اسے اپنی طرف کھینچا۔ چٹان مدھم آواز کے ساتھ دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ سامنے ایک سرنگ نما راستہ تھا جو بتدریج اوپر اٹھتا چلا گیا تھا۔ اباقہ اس سرنگ میں چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس سرنگ کا اختتام ایک پتھریلی دیوار پر ہوا۔ اباقہ نے تاریکی میں

دیواروں کی چکنی سطح پر ہاتھ پھیرا اور اسے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی چٹان ہے۔ اس نے ہاتھ کا ذرا سا دباؤ ڈالا تو چٹان گڑگڑاہٹ کے ساتھ سرک گئی۔ اباقہ کو سر پر کھلا آسمان دکھائی دیا۔ یخ بستہ ہوا کے جھونکوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ قید خانے سے باہر آ چکا ہے۔ وہ محتاط انداز میں باہر نکلا۔ یہ مہمان خانے کا وہی باغ تھا جس میں اس پر اور علی پر حملہ ہوا تھا۔ اباقہ نے دیکھا سرنگ کے دھانے سے سرکنے والی چٹان دراصل ایک پتھریلا تختہ تھا جو آہنی پٹیوں پر چلتا تھا۔ اس تختے کے اوپر پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کسی خفیہ راستے کا دروازہ ہے۔ اباقہ نے جھک کر اس تختے کو سرنگ پر برابر کرنا چاہا لیکن اس وقت کسی نے اس کی گردن پر تلوار کی نوک رکھ دی۔ اباقہ نے عقب میں دیکھا' دو صحت مند سپاہی اطمینان سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے' لیکن ان کا یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ اباقہ نے وہ حرکت کی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ پوری قوت سے اپنے پنجوں پر اچھلا اور اور اس کی دونوں ٹانگیں دونوں سپاہیوں کے چہروں پر پڑیں۔ ایک کو لگنے والی ٹھوکر تو اس قدر شدید تھی کہ وہ ایک درخت سے ٹکرایا اور آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے نے اٹھنے کی کوشش ہی کی تھی کہ اباقہ نے عقاب کی طرح جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔ اس نے چلانے کے لئے منہ کھولا تو اباقہ کا خنجر اس کی شہ رگ کاٹ گیا۔ چیخنے کی حسرت ایک خرخراہٹ کی صورت اس کے گلے میں رہ گئی۔ اباقہ نے اسے پھرتی سے سرنگ میں دھکیلا پھر دوسرے سپاہی کا بھاری بھرکم جسم گھسیٹ کر سرنگ میں ڈالا۔ اس کی تلوار جو ابھی تک نیام میں تھی نکالی اور سنگی تختہ سرنگ پر برابر کر دیا۔ تلوار تھامے وہ اس دیوار کی طرف بڑھا جو محل اور مہمان خانے کے باغ کو جدا کرتی تھی اور جس میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اباقہ نے دروازے سے کان لگائے دوسری جانب پہریداروں کی موجودگی ثابت ہو رہی تھی۔ اباقہ نے تلوار دانتوں میں دبائی اور اچھل کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس درخت کی طویل شاخیں شاہی محل کی ایک کھڑکی تک پہنچتی تھیں۔ اباقہ ایک مضبوط شاخ سے جھولتا ہوا بے آواز کھڑکی تک پہنچا اور اندر کود گیا۔ یہاں اس نے ایک مسہری سے چادر اتاری اور اسے پگڑی کی طرح سر پر لپیٹ کر چہرہ چھپا لیا۔ پھر وہ تلوار سنبھالتا اندازے سے ضیافت گاہ کی طرف بڑھا۔ ایک راہداری میں دو باوردی محافظوں سے اس کا سامنا ہوا۔ اباقہ تیزی سے ایک کمرے میں گھس گیا۔ مگر محافظ اسے دیکھ چکے تھے وہ تلواریں سونتے اس کی طرف بڑھے۔ جونہی وہ تاریک کمرے میں گھسے اباقہ تیر کی طرح باہر نکلا۔ اس کی ٹکر سے دونوں محافظ لڑکھڑا کر دائیں بائیں گرے اور اباقہ طویل راہداری میں بھاگتا چلا گیا۔ کچھ آگے اسے کشادہ زینے نظر آئے' وہ زینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھلانگتا زیریں منزل پر پہنچا۔ ایک کنیز نے اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور چیخ کر الٹے پاؤں بھاگی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ ایک خادم سے ٹکرائی جو بڑی سی طشتری لئے خراماں خراماں چلا جا رہا تھا۔ خادم اچھل کر فرش پر گرا اور کھانوں سے بھری ہوئی طشتری دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی۔ چیخ و پکار کی آواز اب بہت سے محافظوں کو اباقہ کی طرف متوجہ کر چکی تھی۔ اباقہ زینوں پر ان کے بھاگتے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ سامنے سے بھی ایسی ہی آوازیں آ رہی تھیں۔ اباقہ نے تیزی سے سوچا اور اس سمت بھاگا جدھر خادم طشتری کے ساتھ جا رہا تھا۔ ابھی وہ چند گز ہی بھاگا تھا کہ اس کی ناک نے کھانوں کی خوشبو ٹکرائی۔ اس خوشبو نے اس کی راہنمائی کی اور چند ہی لمحوں میں وہ عظیم الشان ضیافت گاہ کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک نظر اندر دیکھا۔ ضیافت گاہ کی بلند و بالا مخروطی چھت سے ان گنت فانوس لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر شیشہ کاری کی گئی تھی اور روشنی نے شیشے کے ساتھ مل کر ضیافت گاہ کو بقعہ نور بنا دیا تھا۔ ایک طویل میز پر شاہی مہمان دو قطاروں میں بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے صاف ستھرے خادمین دست بستہ کھڑے تھے .....

کھانا بس شروع ہوا ہی چاہتا تھا بلکہ بہت سے مہمانوں کے ہاتھ میں تو نوالے بھی تھے۔ شاید وہ باہر ہونے والی چیخ و پکار سے ٹھٹک گئے تھے۔ اباقہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اس کے پیچھے دو تلوار بردار محافظ آندھی کی طرح اڑے چلے آ رہے تھے۔ اباقہ نے بھاگتے بھاگتے جست کی اور اوندھے منہ کھانے کی میز پر آیا۔ ایک چھناکا ہوا اور وہ کئی رکابیوں' طشتریوں اور پیالوں کو اپنے ساتھ لیتا ہوا فرش پر گرا۔ ضیافت گاہ میں مؤدب کھڑی کنیزوں کی چیخیں فضا میں گونجیں۔ مہمانوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اباقہ فرش سے اٹھا تو اس کی نگاہ مائیکل پر پڑی جو نائب رئیس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ابھی تک پیالہ تھا۔ اباقہ کی ٹانگ گھومی اور پیالہ اچھل کر میز کے وسط میں جا گرا۔ اباقہ کا تعاقب کرنے والے محافظ اب میز کا چکر کاٹ کر اس کے پہلوؤں میں پہنچ چکے تھے۔ ان کی تلواریں اٹھی ہوئی تھیں اور انداز بتا رہا تھا کہ وہ قریب پہنچتے ہی اباقہ پر وار کریں گے۔ اباقہ بھی ان کے استقبال کے لئے تیار تھا' لیکن اس وقت نائب رئیس کی رعب دار آواز گونجی۔ "ٹھہرو....."

اباقہ کے اردگرد محافظوں کے قدم رک گئے۔ مہمان دم بخود کھڑے تھے۔ ان کے لباس سالن سے داغدار تھے اور انواع و اقسام کا شوربہ قطرہ قطرہ میز سے ٹپک رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" نائب رئیس نے پوچھا۔

اباقہ نے کچھ نہیں کہا' لیکن سینے پر ہاتھ رکھ کر ادب سے جھکا جس کا مطلب تھا کہ

میں ... کوئی بھی ہوں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ نائب رئیس نے برہم ہو کر ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا ..... تب اسد اللہ کی آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"جناب! اس شخص کی کارروائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کھانا مسلک ہے۔ کیا کسی طرح اس بات کی تصدیق ہو سکتی ہے؟" اسد کا یہ سوال ترجمان کی وساطت سے نائب رئیس تک پہنچا تو اس نے فوراً ایک خادم کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ نائب رئیس کے سامنے چینی کا ایک منقش پیالہ تھا جس میں گوبھی کے گرم شوربے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ نائب رئیس نے خادم کو شوربہ چکھنے کا حکم دیا۔ خادم نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اس نے چار پانچ چمچ شوربے کے پیئے اور نائب رئیس کے اشارے پر چند قدم پیچھے ہٹ کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔ سب نظریں خادم کی طرف لگی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد خادم کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا اور گلے کی رگیں پھول رہی تھیں مگر وہ نظریں جھکائے مؤدب کھڑا تھا۔ پھر یکلخت وہ لڑکھڑایا اور اوندھے منہ گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی ایک بانچھ سے خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ تمام مہمان اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جان کنی کے اذیت ناک مرحلے سے گزر کر خادم ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جیسے محافظ دستے کے سردار کو ہوش آیا۔ وہ چیخ کر اپنے ماتحتوں سے بولا۔

"محل سے باہر جانے والے تمام راستے بند کر دیئے جائیں۔"

نائب رئیس نے حکم دیا۔ "تمام باورچیوں کو فوراً حاضر کیا جائے۔"

جس وقت یہ ہنگامہ ہو رہا تھا اچانک مائیکل کو نقاب پوش کا خیال آیا۔ اس نے جلدی جلدی چاروں طرف دیکھا پھر بلند آواز میں بولا۔

"نقاب پوش کہاں ہے؟"

سب دائیں بائیں دیکھنے لگے ..... لیکن ان کی زندگیاں بچانے والا اجنبی ضیافت گاہ میں موجود نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

ہنگامے کا فائدہ اٹھا کر اباقہ ضیافت گاہ سے نکل آیا تھا۔ جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا اس نے اسد کو دیکھا تھا۔ وہ بے قراری سے اسے چاروں طرف تلاش کر رہا تھا۔ اباقہ جلدی سے دروازہ پار کر گیا تھا۔ پھر بھی اسے شک تھا کہ اسد نے اسے نکلتے دیکھ لیا ہے۔ جلد ہی اس کا یہ شک درست ثابت ہو گیا۔ جونہی وہ اس کھڑکی تک پہنچا جہاں سے درخت کی شاخ کا سہارا لے کر باغ میں اترنا تھا' اچانک ایک آواز نے اس کے قدم باندھ لئے۔ "اباقہ!" اباقہ نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ اسد اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "اباقہ! تم ساری دنیا سے چھپ سکتے ہو' مجھ سے نہیں۔"

اباقہ بولا۔ "تیری نظر بڑی تیز ہے اسد۔"

اسد نے کہا۔ "اباقہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم اور علی اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

اباقہ بولا۔ "اسد اس وقت یہ سب کچھ بتانے کا وقت نہیں۔ علی کو شہزادی' نتا... کے آدمیوں نے باغ میں زخمی کیا تھا۔ اس کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ ہمیں اسے ... صورت ڈھونڈنا ہے۔ تم یہ سب کچھ مائیکل کو بتا کر اس کی مدد حاصل کرو۔ میں بھی ا... طور پر کوشش کرتا ہوں۔"

اسد' اباقہ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ بہت جلدی میں تھا۔ ایک دو باتیں ... کے اس نے اسد کو خدا حافظ کہا پھر کھڑکی سے جست لگا کر درخت کی شاخ تھامی اور تا... میں گم ہو گیا۔

درخت سے اتر کر اباقہ باغ میں پہنچا اور احتیاط سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ا... مہمان خانے کے ایک محافظ پر شک تھا کہ وہ حملہ کرنے والے سپاہیوں کے ساتھ شر... تھا۔ اگر کسی طرح اس محافظ سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو کوئی اہم بات معلوم ہو سکتی تھ... محافظوں کی کوٹھڑیاں مہمان خانے کے پہلو میں باغ کے ساتھ ہی واقع تھیں۔ اباقہ و... تک پہنچ بھی سکتا تھا لیکن اس وقت ان کوٹھڑیوں کے قریب چار پانچ محافظ کھڑے گپ... ہانک رہے تھے۔ اباقہ وہیں تاریکی میں چھپ کر ان کے جانے کا انتظار کرنے لگا' لیکن ... کی گفتگو طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی۔ نہایت واہیات قسم کی گفتگو تھی۔ اپنی محبو... کے بارے میں وہ نہایت غلیظ زبان استعمال کر رہے تھے۔ ایک نوجوان محافظ اپنی محبو... شہزادی نتاشا کا ہم پلہ قرار دے رہا تھا۔ بالآخر کوئی دو گھڑی بعد وہ وہاں سے ٹلے اور ... ایک موہوم امید کے سہارے ان کوٹھڑیوں کی طرف بڑھا۔ تین کوٹھڑیوں میں روشنی ... رہی تھی۔ اباقہ احتیاط سے باری باری ان کوٹھڑیوں میں جھانکنے لگا۔ کسی کوٹھڑی میں ا... مطلوبہ چہرہ نظر نہیں آیا' لیکن ایک کوٹھڑی میں ایسی گفتگو ہو رہی تھی کہ اباقہ کے ... کھڑے ہو گئے۔ اباقہ تاریکی میں دیوار کے ساتھ چپکا ہوا تھا لہٰذا اس کے دیکھے جا... امکان بہت کم تھا۔ کوٹھڑی میں جو افراد موجود تھے ان میں سے ایک مہمان خانے کا نگ... اعلیٰ تھا۔ دوسرا بھی کوئی اعلیٰ افسر تھا۔ دونوں کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے ... نامعلوم افسر نگران اعلیٰ کو کوئی اہم اطلاع دے رہا تھا۔ اس گفتگو میں بار بار منگول اور ... کا ذکر آ رہا تھا۔ نگران اعلیٰ کی آنکھیں خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ اباقہ گو روسی ... نہیں جانتا تھا لیکن جو چند لفظ اسے سمجھ آئے تھے اور جو تاثرات اسے دونوں روسیوں...

چہروں پر نظر آ رہے تھے وہ اسے ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر رہے تھے۔ اباقہ نے دیکھا کہ نگران اعلیٰ نے نہایت افراتفری کے عالم میں اپنے ہتھیار سنبھالے اور ساتھی افسر کے ساتھ دروازے کی طرف لپکا۔ جونہی وہ باہر نکلے اباقہ نے ساکت ہو کر سانس روک لی۔ وہ اس کے بالکل قریب سے ہوتے ہوئے اصطبل کی طرف بڑھ گئے۔ اباقہ نے کچھ دیر سوچا پھر وہ بھی ان کے پیچھے لپکا۔ نہایت اعتماد سے وہ ان کے پیچھے ہی پیچھے اصطبل میں گھس گیا۔ وہ دونوں اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ ان سے کسی احتیاط کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کی طرح اباقہ نے بھی اصطبل سے اپنا گھوڑا لیا۔ پھر تینوں گھوڑے تیزی سے مہمان خانے کے صدر دروازے کی طرف بڑھے۔ اباقہ نے اپنا گھوڑا دونوں گھوڑوں سے اس قدر قریب کر لیا کہ محافظوں نے اسے بھی نگران اعلیٰ کا ساتھی سمجھا۔ بغیر پوچھ گچھ کے وہ مہمان خانے سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی نگران اعلیٰ اپنے ساتھی کے ساتھ پوری رفتار سے مشرقی شہر کی طرف بھاگ نکلا۔ اباقہ نے کچھ فاصلے سے ان کا تعاقب جاری رکھا۔ بالآخر وہ ایک آبی گزرگاہ کے کنارے پہنچ گئے یہ آبی گزرگاہ شہر کے مشرقی کونے کو باقی شہر سے جدا کرتی تھی۔ یہ گزرگاہ ایک عمیق پہاڑی نالے کی صورت میں تھی جس کا پاٹ کئی مقامات پر دو سو گز کے قریب تھا۔ کم پاٹ والے مقامات پر تین پل بنائے گئے تھے جو مشرقی حصے کو باقی شہر سے ملاتے تھے۔ نگران اعلیٰ اور اس کا ساتھی پل پر پہنچے اور سرپٹ گھوڑے بھگاتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے مگر جب اباقہ پل پر آیا تو اسے گھوڑے سے اترنا پڑا۔ دراصل یہ پل لکڑی کے تھے اور اتنے مضبوط نہیں تھے۔ سواروں کے لئے حکم تھا کہ پل پر سے پاپیادہ گزریں۔ نگران اعلیٰ کی چونکہ سرکاری حیثیت تھی اس لئے وہ گھوڑے پر سوار گزر گیا تھا مگر اباقہ کو محافظ سپاہی کے کہنے پر نیچے اترنا پڑا۔ جب وہ حتی الامکان تیزی سے پل پار کر کے دوسری طرف پہنچا تو نگران اعلیٰ اور اس کے ساتھی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ اندازے سے ایک طرف چل دیا۔ راستے کے دونوں طرف اِکا دُکا مکان تھے لیکن گنجان آبادی ابھی تین چار فرلانگ کی دوری پر تھی۔ اچانک اباقہ کو آگ نظر آئی۔ اس آگ کی روشنی تاریک افق پر پھیلتی جا رہی تھی۔ اباقہ کو راستے میں چند افراد بھی ملے جو بھاگتے ہوئے پل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ سخت خوفزدہ نظر آتے تھے۔ ایک موڑ پر اباقہ کو نگران اعلیٰ نظر آیا۔ اس کا گھوڑا قریب ہی پڑا تڑپ رہا تھا اور وہ خود ایک طرف بیٹھا اپنی چوٹیں سہلا رہا تھا۔ اباقہ نے گھوڑا اس کے پاس روکا اور کود کر نیچے آیا۔

"کیا بات ہے بھئی۔ گھوڑے کو کیا ہوا۔"

"ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔" نگران اعلیٰ نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اباقہ کا چہرہ ابھی تک پگڑی میں چھپا تھا۔ اس لئے نگران اسے اپنے مہمان کی حیثیت سے پہچاننے سے قاصر تھا۔

اباقہ نے کہا۔ "کدھر جانا ہے۔ میرے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

نگران بولا۔ "تم کدھر جا رہے ہو؟"

اچانک اباقہ کو اندازہ ہوا کہ ان کی ساری گفتگو ترکی میں ہو رہی ہے اسے خوشی ہوئی کہ نگران اس کی زبان سمجھتا ہے۔ اس نے کہا۔ "میں تو آبادی کی طرف جا رہا تھا..... لیکن یہ آگ۔"

نگران نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے تم ابھی تک بے خبر ہو۔"

"کیسی بے خبری۔" اباقہ انجان بن کر بولا۔

نگران نے سراسیمگی سے کہا۔ "بھلے آدمی' منگولوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ شہر میں گھس آئے ہیں اور زبردست قتل و غارت کر رہے ہیں۔ پورے دلادی میر پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ میں اپنے بیوی بچوں کو نکالنے کے لئے جا رہا تھا کہ گر کر گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔"

"اور آپ کے بیوی بچے؟"

"جو خدا کو منظور۔" نگران گلوگیر لہجے میں بولا۔ "میرا ساتھی گیا ہے۔ اس کے اپنے بیوی بچے بھی ہیں۔ دیکھیں کون جیتا ہے اور کون مرتا۔"

اباقہ نے پوچھا۔ "آپ زخمی لگتے ہیں۔"

نگران کراہ کر بولا۔ "ہاں میرا ٹخنہ ٹوٹ گیا ہے' کندھے کا جوڑ بھی اکھڑا ہوا لگتا ہے لیکن مجھے اپنی پرواہ نہیں' کسی طرح میرے بچے نکل آئیں اور میں انہیں محفوظ مقام تک پہنچا دوں تو موت کو بھی گلے لگا لوں گا۔"

اباقہ نے دیکھا افق پر نظر آنے والی سرخی اب مزید پھیل گئی تھی۔ کچے راستے پر دکا ٹولیاں بھاگتی ہوئی پل کی طرف جا رہی تھیں۔ اباقہ نے کہا۔

"آپ کو منگولوں کے حملے کی اطلاع کس نے دی؟"

نگران بولا۔ "میرے اسی ساتھی نے جو میرے ساتھ آ رہا تھا' اسے دو سواروں سے معلوم ہوا تھا جو نائب رئیس کو خبر دینے کے لئے شاہی محل جا رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مشرقی حصے میں ایک خونریز جھڑپ کے بعد منگولوں کے ہراول دستے شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔"

اباقہ کا دماغ سنسنا رہا تھا' منگولوں سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے

کرتے تھے اور اسی طرح بے خبری میں اپنے شکار کو دبوچ لیتے تھے اور اس دفعہ تو منگول کی دل کو جادو کے پر لگے ہوئے تھے۔ اطلاعات کے مطابق اس لشکر کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ہر سپاہی گھڑسوار تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کا یہ گھڑسوار لشکر باتو خاں کی قیادت میں ایک برق پا موت بن گیا تھا اور اب یہ موت دلادی میر پر سایہ فگن تھی۔ اگر واقعی ایسا ہو چکا تھا تو پھر دلادی میر کی یہ رات اپنی صبح سے محروم ہونے والی تھی۔ اباقہ نے نگران اعلیٰ سے کہا۔

"محترم! میں ذرا آگے جا کر صورت حال کا جائزہ لیتا ہوں۔ آپ گھبرائیے نہیں' میں ابھی لوٹتا ہوں۔"

نگران نے کراہتے ہوئے کہا۔ "کیوں خواہ مخواہ جان خطرے میں ڈالتے ہو۔ جاؤ یہیں اپنا انتظام کرو۔"

اباقہ نے کہا۔ "محترم! مجھے ابھی تک یقین نہیں کہ منگولوں نے حملہ کر دیا ہے۔ میں تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

پھر اس سے پہلے کہ اباقہ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑ لگاتا۔ کہیں دور سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ چند ہی لمحے بعد گھڑسوار سرپٹ گھوڑ دوڑاتے نمودار ہوئے۔ نگران اعلیٰ اور اباقہ کو دیکھ کر وہ رک گئے۔ ان میں وہ شخص بھی تھا جسے اباقہ نے کوٹھڑی میں نگران کے ساتھ دیکھا تھا اور جو یہاں تک اس کے ساتھ آیا تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اترا اور نگران اعلیٰ سے بولا۔

"گورکی! منگول جاسوسوں نے شہر میں قیامت برپا کر دی ہے۔"

"کیا مطلب؟" نگران اعلیٰ نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ منگول حملے کی خبر افواہ ہے مگر یہ افواہ اتنی تیزی سے پھیلی ہے کہ لوگ خوف سے پاگل ہو گئے ہیں' ہر طرف افراتفری مچی ہوئی ہے۔"

"اور یہ آگ؟"

"یہ آگ بھی اسی غدار ٹولے نے لگائی ہے تاکہ حملے کی خبر میں حقیقت کا رنگ بھرا جا سکے۔"

"اوہ میرے خدا!" نگران اعلیٰ کے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہو گئی۔ اس کے انداز میں تشویش کے ساتھ اطمینان بھی موجود تھا۔ اس اطمینان کی وجہ ظاہر تھی۔ منگولوں کا خوف ہر آفت سے بڑھ کر گھمبیر تھا۔

نگران کے ساتھی نے کہا۔ "گورکی' میرا خیال ہے کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟"

"کیا مطلب؟" گمران گورکی کا چہرہ پھر خوف کی آماجگاہ بن گیا۔

"تم یہ چیخ و پکار سن رہے ہو؟"

"ہاں!" گورکی نے جواب دیا۔

"سینکڑوں لوگ چیختے چلاتے پل کی طرف آ رہے ہیں۔ انہیں روکنا تقریباً ناممکن ہے اور تم جانتے ہی ہو پل کی حالت کیا ہے؟"

ایکا ایکی گورکی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ کراہ کر بولا۔ "تو انہیں روکو۔ روکتے کیوں نہیں انہیں۔"

ایک باوردی افسر بولا۔ "جناب' ہم نے بڑی کوشش کی ہے۔ لوگ اتنے خوفزدہ ہیں کہ کچھ نہیں سنتے۔"

اس وقت اباقہ نے محسوس کیا کہ شور بہت قریب پہنچ چکا ہے' پھر اسے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے عقب میں لوگوں کا ایک جم غفیر نظر آیا۔ وہ جان بچانے کے لئے اندھا دھند پل کی طرف آ رہے تھے۔ اباقہ نے مڑ کر دیکھا۔ پل پر جلنے والی روشنیاں قریباً نصف فرلانگ پیچھے دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ صورت حال کو بہت حد تک سمجھ چکا تھا۔ اس نے ایک نظر فوجی افسروں کے ہراساں چہرے دیکھے اور پل کی طرف دوڑ لگا دی۔ پلک جھپکتے اس نے نصف فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔ پل کے ناکے پر دو محافظ حیران پریشان اباقہ کے عقب میں دیکھ رہے تھے جہاں لوگوں کا ہجوم چیختا چلاتا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اباقہ سیدھا اس کوٹھڑی میں گھس گیا جو پل کے سرے پر سپریداروں کی رہائش کے لئے بنائی گئی تھی۔ مختصر کوٹھڑی میں دو تین صندوق پڑے تھے۔ دیواروں سے سپریداروں کی وردیاں اور ان کے ہتھیار لٹک رہے تھے۔ اباقہ کی نگاہیں تیزی سے کسی چیز کی تلاش میں تھیں۔ پھر وہ چیز اسے نظر آئی۔ یہ ایک گندا سا مرتبان تھا جس میں مشعلوں کا روغن رکھا تھا۔ اباقہ نے مرتبان اٹھایا اور وہیں سے گھما کر پل پر پھینکا۔ ساتھ ہی اس نے ایک جلتی ہوئی مشعل پھینک دی۔ پل کے تختوں نے آگ پکڑی اور دھڑا دھڑ جلنے لگے۔ خوفزدہ انسانی ریلا اب پل سے چند گز کی دوری پر تھا۔ کچھ ٹولیاں تو جلتی ہوئی آگ سے کود کر نکل گئیں' مگر بڑے ہجوم کو اباقہ نے روک لیا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر پل کے درمیان کھڑا ہو گیا اور چلا چلا کر انہیں خطرے سے آگاہ کرنے لگا مگر وہاں سنتا کون تھا۔ لوگ اندھے بہرے ہو چکے تھے۔ جانوروں کے بدکے ہوئے ریوڑ کی طرح وہ پل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد تھے۔ ان میں بچے عورتیں مرد سب شامل تھے اور ان کی تعداد

ہر لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اباقہ نے پل کے جنگلے سے ایک مضبوط لکڑی اکھاڑی اور لوگوں پر پل پڑا۔ وہ انہیں مار رہا تھا' دھکیل رہا تھا' ان پر چلا رہا تھا۔ اباقہ کی زبردست مزاحمت دیکھ کر کچھ محافظ بھی اس کی مدد کو لپکے۔ عین اس وقت جب لوگ اباقہ اور تین دوسرے محافظوں کو روند کر پل پر چڑھنے والے تھے' گڑگڑاہٹ کی مہیب آواز کے ساتھ پل ٹوٹ گیا اور اس کے جلتے ہوئے تختے کوئی 20 گز نیچے برفانی پانی میں جا گرے۔ ہجوم غم و غصے کے عالم میں اباقہ اور اس کے ساتھی محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ مگر اس دوران کوئی چیخ کر بولا۔ "دوسرے پل کی طرف چلو۔" دیکھا دیکھی لوگ پہاڑی نالے کے ساتھ ساتھ دوسرے پل کی طرف بھاگے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہیں رک جانا پڑا۔ کچھ لوگوں کی زبانی پتہ چلا کہ دوسرا پل جو کوئی دو فرلانگ دور تھا ٹوٹ گیا ہے اور اس حادثے میں سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے ہیں۔ یہ ایک روح فرسا خبر تھی۔ لوگ دم بخود رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ اس پل پر بھی خوفزدہ لوگوں نے ہلہ بولا تھا اور محافظوں کے روکنے کے باوجود بے شمار افراد پل پر آ گئے تھے۔ نتیجے میں وہ ٹوٹ گیا اور اس پر موجود مرد عورتیں اور بچے برفانی نالے میں جا گرے۔ اس خبر نے لوگوں کو سناٹا کر رکھا دیا۔ اب وہ کشمکش کے عالم میں کبھی پہاڑی نالے کی طرف دیکھ رہے تھے اور کبھی مغرب میں آگ کے شعلوں کی طرف۔ اس موقعے پر شاہی مہمان خانے کا نگران اعلیٰ گورکی ایک بلند جگہ پر کھڑا ہو گیا اور اس نے ہجوم کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ منگول حملے کی افواہ غدار نولے نے پھیلائی ہے اور ان کے جان و مال اپنے گھروں میں بالکل محفوظ ہیں۔ گورکی کی تقریر نے لوگوں کے حواس قدرے بحال کئے۔

تقریر کے بعد گورکی سیدھا اباقہ کے پاس پہنچا اور گرمجوشی سے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں بھی اباقہ کے لئے ممنونیت کے جذبات تھے۔ اس نے بروقت کوشش کر کے سینکڑوں لوگوں کی جانیں بچا لی تھیں۔ لوگ اس کا چہرہ دیکھنے کے خواہشمند تھے لیکن پگڑی نے ابھی تک اس کی شکل چھپا رکھی تھی۔ اچانک گورکی کی نگاہ اس کے بازو پر پڑی۔ کہنی کے قریب ایک زخم نظر آ رہا تھا۔ شاید دھکم پیل میں کسی نے چرکا مار دیا تھا۔ گورکی کے اشارے پر ایک افسر نے آستین اٹھا کر اباقہ کا زخم دیکھا اور خون روکنے کے لئے پٹی باندھ دی۔ پھر کچھ افسر اور سپاہی نوٹے ہوئے پل کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ امدادی کارروائیوں میں حصہ لے سکیں اور باقی افسر و سپاہی گورکی کے اگلے حکم کے منتظر ہو گئے۔ چونکہ اس وقت گورکی ہی وہاں سب سے ذمے دار فرد تھا لہٰذا سب نگاہیں اس کی طرف لگی تھیں۔ لوگوں کی بھاگ دوڑ تو ختم ہو گئی تھی مگر ان کا خوف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدستور قائم تھا اور وہ واپس گھروں کو جانے سے انکاری تھے۔

اباقہ نے گورکی سے کہا کہ مسلح سپاہیوں کے ساتھ انہیں علاقے کا ایک چکر لگا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ ہنگامہ شروع کرنے والے کون تھے اور یہ کیسے شروع ہوا۔ گورکی کا اپنا خیال بھی یہی تھا لیکن زخمی ہونے کی وجہ سے وہ خود نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے پندرہ سوار اباقہ کے ساتھ کر دیئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد خبر لے کر آئیں۔ اباقہ ان سواروں کے ساتھ برق رفتاری سے آبادی کی طرف بڑھا۔ مشرقی حصے کی یہ آبادی کوئی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور اس وقت خالی تھی۔ تمام کے تمام لوگ گھروں سے باہر تھے۔ دروازے کھلے تھے' روشنیاں جل رہی تھیں' ایک بازار کھلا ہوا نظر آیا دکاندار جانیں بچانے کے لئے بھاگ چکے تھے۔ چند راستوں سے گزر کر اباقہ اور اس کے ساتھی سپاہی ان مکانوں تک پہنچ گئے جو آگ کے شعلوں پر تھے یہاں اباقہ کو چند لاشیں بھی نظر آئیں۔ ان لاشوں کی حالت سے ظاہر تھا کہ مرنے والے بھگدڑ میں کچلے گئے ہیں۔ اچانک ایک موڑ پر اباقہ اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ تیروں کی پہلی ہی باڑ چار سپاہیوں کو گھوڑوں سے گرا گئی۔ گرنے والوں کی کربناک چیخیں بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی یہ مختصر سا دستہ تتر بتر ہو گیا۔ اباقہ نے گھوڑے کو تیزی سے ایک طرف موڑا اور تیراندازوں کی نظر سے بچنے کے لئے روشنی کی زد سے نکل گیا۔ گھوڑا سرعت سے ایک درخت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اباقہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس درخت کی شاخوں میں ایک نیزہ بردار چھپا ہوا ہے وہ نیزہ بردار اپنا دوسرا نیزہ ہاتھوں میں تول چکا تھا۔ اباقہ کو نشانہ بنانا اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا..... جنگ کے میدان میں کبھی کبھی ایسے موقعے بھی آتے ہیں جب ایک نامور جنگجو ایک ادنیٰ پیادے کی زد پر ہوتا ہے۔ یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ بے خبری کا ایک لمحہ اباقہ کو موت کے روبرو لے آیا تھا.....

☆------☆------☆

اباقہ سے ملنے کے بعد اسد مزید پریشان ہو گیا۔ شہزادی نتاشا کو اباقہ پر حملہ کروانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر علی کہاں گیا۔ اسے ہلاک کر دیا گیا؟ یہ سوچ اذیت ناک تھی۔ اسد جب واپس ضیافت گاہ میں پہنچا تو شوربہ پینے والا خادم دم توڑ چکا تھا اور "نقاب پوش" کی تلاش ہو رہی تھی۔ اسد' مائیکل کو ایک طرف لے گیا اور بولا۔ "وہ نقاب پوش اباقہ تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ شہزادی نتاشا کے آدمیوں نے اس پر حملہ کیا تھا اور علی ان کے پاس ہے۔"

مائیکل نے حیران ہو کر کہا۔ "شہزادی کو اباقہ پر حملہ کروانے کی کیا ضرورت تھی۔

تاہم اگر ایسا ہوا ہے تو برا ہوا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو میں پتہ کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے مائیکل لمبے ڈگ بھرتا ایک بوڑھے شخص کے پاس جا کھڑا ہوا اور دھیمے لہجے میں باتیں کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد بوڑھے نے اطاعت گزاری سے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔ اسد اور مائیکل باتیں کرتے ہوئے ضیافت گاہ سے نکلے اور نشست گاہ میں آ بیٹھے۔ ان کا موضوع گفتگو علی اور اباقہ تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بوڑھا شخص واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ کوئی اہم اطلاع دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مائیکل اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اسد نے انہیں عقبی باغ کی طرف جاتے دیکھا۔ مائیکل کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس نے آ کر اسد سے کہا۔ "برادر' تمہیں درست اطلاع ملی ہے۔ اباقہ اور علی پر واقعی حملہ ہوا ہے۔ عقبی باغ میں حوض کے پاس خون کے دھبے بھی موجود ہیں لیکن جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں علی' نتاشا کے آدمیوں کے پاس موجود نہیں۔ وہ خود بھی اس کے بارے میں سخت پریشان ہیں۔ اردگرد کے علاقے میں چپکے چپکے اس کی تلاش ہو رہی ہے۔ میرے آدمی نے جو اطلاع دی ہے اس سے پتہ چلا ہے کہ حملہ کرنے والوں نے اباقہ کو بھی کاری ضربیں لگائی تھیں۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ حملہ آور اسے باغ سے اٹھا کر لے گئے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں لے گئے۔ بہرحال اس دوران وہ بچہ وہیں پڑا رہا۔ شاید ان کا خیال تھا کہ واپس آ کر اس کا انتظام کر لیں گے مگر اباقہ کو محفوظ مقام تک پہنچاتے انہیں کچھ دیر لگی۔ جب وہ واپس باغ میں پہنچے تو بچہ وہاں موجود نہیں تھا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کہ وہ ہوش میں آ کر چلا گیا اس کی چوٹ خاصی شدید تھی۔ حملہ آوروں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اتفاقاً کوئی باغ کی طرف نکل آیا اور اس نے بچے کو اٹھا لیا۔ مگر ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ بچے کو واقعی کسی نے اٹھایا ہے اور اگر اٹھایا ہے تو وہ کون ہے؟"

اس دوران سردار یورق بھی ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ علی اور اباقہ کی گمشدگی سے پریشان تھا۔ اسد نے اسے شروع سے آخر تک ساری بات بتائی ..... اچانک سردار یورق کی آنکھیں چمکنے لگیں وہ بولا۔

"میں سمجھ گیا' لڑکا کس کے پاس ہے۔"

"کس کے پاس ہے؟" اسد نے بے ساختہ پوچھا۔

یورق بولا۔ "پہلے یہ پتہ کراؤ' مہمان خانے میں میرا خدمت گار کون تھا اور اس وقت کہاں ہے؟"

اسد نے یورق کی بات مائیکل تک پہنچائی۔ مائیکل نے اسی بوڑھے شخص کو بلا کر کچھ ہدایات دیں اور وہ واپس چلا گیا۔ سردار یورق اسد سے بولا۔ "شام کے وقت جب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضیافت پر آنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ میں نے اس خادم سے گرم پانی لانے کے لئے کہا۔ وہ "بہت بہتر" کہہ کر چلا گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اسے دیکھا کہ کندھے پر کوئی چیز رکھے تیزی سے صدر دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ وہ خاصی وزنی شے تھی اور چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں کافی دیر گرم پانی کا انتظار کرتا رہا لیکن پانی آیا اور نہ خدمتگار۔ مجھے خدمتگار کا مشکوک انداز اب اچھی طرح یاد آ رہا ہے....."

ان کی گفتگو جاری تھی کہ مائیکل کے آدمی نے آ کر خدمتگار کے پورے کوائف بیان کر دیئے۔ وہ شہر کے مشرقی حصے کا رہائشی تھا۔ اس کا پورا پتہ ایک کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ مائیکل نے نائب رئیس سے محل سے نکلنے کی خصوصی اجازت حاصل کی اور اسد کو لے کر تیزی سے روانہ ہو گیا..... سرپٹ گھوڑے دوڑاتے وہ اس پہاڑی نالے تک پہنچے جو شہر کے مشرقی کونے کو باقی آبادی سے جدا کرتا تھا۔ پل پار کر کے وہ دوسری طرف آ گئے۔ خدمتگار کے چھوٹے سے مکان تک پہنچنے کے لئے انہیں مزید کچھ دیر گھوڑے بھگانے پڑے۔ آخر انہوں نے اس کا گھر ڈھونڈا اور دروازے پر دستک دی۔ تیسری دستک پر دروازہ کھلا اور ایک ڈری ہوئی شکل نظر آئی۔

"تمہارا نام جارج ہے؟" مائیکل نے پوچھا۔

"جج ..... جی ہاں۔" دروازے میں کھڑے شخص نے جواب دیا۔ اس کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ جسم پر شاہی خدمتگاروں کی مخصوص وردی نظر آ رہی تھی۔

مائیکل نے کہا۔ "اصولاً تمہیں اس وقت مہمان خانے میں ہونا چاہئے تھا۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

خدمتگار سخت گھبرا گیا۔ "جناب میری طبیعت ..... اچانک خراب....."

مائیکل بولا۔ "تم نے نگران اعلیٰ سے چھٹی لی؟"

"جی ہاں..... نہیں نہیں۔"

اسد نے دیکھا کہ گھر کے سامنے ہی ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے۔ اس نے مائیکل کی توجہ اس جانب دلائی۔ مائیکل نے خدمتگار سے کہا۔

"مہمان خانے کی یہ گھوڑا گاڑی یہاں کیسے کھڑی ہے۔"

خدمت گار جارج اور گھبرا گیا۔ بولا۔ "گاڑی بان میرا دوست ہے۔ مجھ سے ملنے آیا ہے۔"

مائیکل' اسد کے ساتھ گھوڑا گاڑی کی طرف بڑھے۔ سرد علاقوں میں استعمال ہونے

والی یہ مخصوص گھوڑا گاڑی چاروں طرف سے بند تھی' مائیکل کے حکم پر خدمتگار نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھولا۔ گاڑی خالی تھی' ہال مدھم روشنی میں مائیکل کو لکڑی کے فرش پر ایک دھبا سا نظر آیا۔ اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو یہ خون تھا۔ خدمتگار اب تھر تھر کانپ رہا تھا۔ مائیکل نے اسے گھر کے اندر چلنے کا حکم دیا۔ وہ اندر پہنچے تو ایک کمرے میں گاڑی بان بھی بیٹھا نظر آ گیا۔ مائیکل اور اسد کو دیکھ کر اس کا رنگ بھی اڑ گیا۔ مائیکل نے تلوار نیام سے نکالتے ہوئے خدمتگار سے پوچھا۔ "بتاؤ جارج' بچہ کہاں ہے؟"

"کون سا بچہ جناب!" خدمتگار خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"وہی بچہ جسے تم مہمان خانے کے باغ سے اٹھا کر لائے ہو۔"

خدمتگار نے کچھ کہنا چاہا لیکن مائیکل نے تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔ وہ خوف سے سفید پڑ گیا۔ مائیکل غرایا۔ "جھوٹ بولو گے تو انہی قدموں پر ڈھیر کر دوں گا۔"

خدمتگار نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "جناب ..... خدا گواہ ہے' میں نے بچے کو کسی بری نیت سے نہیں اٹھایا تھا..... وہ زخمی تھا اور سردی میں کھلے آسمان تلے پڑا تھا۔ نہ جانے کون اسے گھائل کر کے باغ میں پھینک گیا تھا۔ مجھ سے اس معصوم کی حالت نہ دیکھی گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اسے زخمی کرنے والے شاہی محافظ ہیں۔ اس کا مطلب تھا وہاں اس کی زندگی محفوظ نہیں تھی۔ یہ گاڑی بان میرا دوست ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ باغ میں ایک لڑکا زخمی پڑا ہے۔ میں اسے کسی طرح مہمان خانے سے نکالتا ہوں تم گاڑی پر اسے میرے گھر لے جاؤ۔ گاڑی بان مان گیا۔ میں نے لڑکے کو ایک چادر میں لپیٹ کر کندھے پر رکھا اور گاڑی میں لا ڈالا لیکن جب میں واپس آنے لگا تو میری نگاہ اپنے کپڑوں پر پڑی۔ لڑکے کے سر سے بہنے والے خون نے میرا لباس داغدار کر دیا تھا۔ اس حالت میں' میں واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے میں گاڑی بان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور اسے گھر چلنے کو کہا۔ ہم حتی الامکان تیز رفتاری سے یہاں پہنچے۔ مگر پل پار کرنے کے بعد اچانک میری نگاہ عقب میں گئی تو لڑکا گاڑی میں نظر نہیں آیا۔ دروازہ جو اندر سے بند تھا' کھلا ہوا تھا۔ ہم دونوں چکرا کر رہ گئے۔ گاڑی واپس موڑی اور پل کے اردگرد کافی دیر لڑکے کو تلاش کرتے رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔"

اسد اور مائیکل خاموشی سے خدمتگار کی بات سن رہے تھے۔ خدمتگار گلوگیر آواز میں بولا۔ "جناب! میرا قصور صرف اتنا ہے کہ بچے کی نازک حالت دیکھ کر میں اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا اور اسے نامعلوم دشمنوں سے بچانے کے لئے مہمان خانے سے باہر لے آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب خدا معلوم وہ راستے میں کہاں گم ہو گیا ہے؟ میں نے تو اپنی طرف سے کوئی غفلت نہیں کی۔"

ادھیڑ عمر خدمتگار کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بری طرح لرز رہا تھا۔ مائیکل نے ذرا نرم لہجے میں کہا۔ "دیکھو' اگر تم نے جو کچھ بتایا ہے درست ہے اور بچے کی گمشدگی میں تمہاری غفلت کا دخل نہیں تو تمہیں سزا نہیں ملے گی۔"

خدمت گار نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن اس وقت اچانک باہر سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ مائیکل نے جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کھولی۔ ایک عجیب طرح کی روشنی اسے نظر آئی۔ شاید کہیں قریب ہی آگ لگی ہوئی تھی۔ پھر چند افراد بھاگتے ہوئے گلی سے گزرے' وہ چلا رہے تھے' "منگول آ گئے ..... منگول آ گئے۔" ان کلمات نے مائیکل کا خون رگوں میں جما دیا۔ اس نے گھوم کر اسد کی طرف دیکھا۔ وہ بھی شور و غل کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں کشادہ ہو گئی تھیں۔

خدمتگار دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بولا۔ "خداوند' خیر۔" مائیکل کی تلوار پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اسد نے بھی تلوار نکالی اور دونوں بھاگتے ہوئے مکان سے باہر نکلے۔ لوگ خوفزدگی کے عالم میں چکراتے پھر رہے تھے۔ ماؤں نے بچوں کو سینے سے لگا رکھا تھا اور مرد اپنی عورتوں کو آوازیں دے رہے تھے۔ کچھ لوگ شب خوابی کے لباس میں تھے۔ اسد نے ایک نوجوان جوڑے کو دیکھا جو سخت سردی میں صرف بستر کی چادریں لپیٹے ہوئے تھا۔ ایک بوڑھی عورت اسد کے سامنے لوگوں کے پاؤں تلے کچلی گئی۔ اسد اور مائیکل گھوڑوں پر سوار ہوئے اور لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے ان مکانوں کی طرف بڑھے جو آگ کی زد میں تھے۔ یہ کوئی تین عدد مکان تھے لیکن آبادی گنجان ہونے کی وجہ سے آگ دوسرے مکانوں تک بھی پھیل رہی تھی۔ بھگدڑ اور تاریکی میں کچھ سجھائی اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی اسد تیزی سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ منگول وحشیوں کو بارہا یغار کرتے دیکھ چکا تھا۔ وہ ننگے گھوڑوں پر سوار جانوروں کی طرح چیختے چلاتے حملہ آور ہوتے تھے۔ ان کی رفتار اتنی تیز ہوتی تھی کہ لوگوں کو بھاگنے کا موقع کم ہی ملتا تھا ..... مگر یہاں صورت حال مختلف نظر آ رہی تھی۔ نہ منگول سواروں کا شور تھا اور نہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین دہل رہی تھی ..... بہت جلد اسد اور مائیکل کو اندازہ ہو گیا کہ منگول حملے کی خبر غلط ہے ..... یہ کوئی اور معاملہ تھا۔

لوگوں کے خوف و ہراس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ کچی نیند سے بیدار ہونے

والے ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر نظر آتے تھے۔ جس کا جدھر منہ اٹھتا تھا بھاگا چلا جا رہا تھا۔ دم بدم پھیلتی ہوئی آگ دہشت میں مزید اضافہ کا سبب بن رہی تھی ..... دیکھتے ہی دیکھتے گلیاں خالی ہو گئیں۔ لوگوں کا جم غفیر ان پلوں کی طرف بھاگا جو اس آبادی کا علاقہ باقی شہر سے جوڑتے تھے۔ اسد اور مائیکل گھوڑوں سے اتر کر ایک مکان میں داخل ہو گئے۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اس تین منزلہ مکان کی چھت پر پہنچے تو ان کی نظر دور دور تک دیکھنے کے قابل ہو گئی۔ منگول لشکر کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ دفعتاً اسد کو تیس چالیس گھڑسوار نظر آئے وہ عریاں تلواریں لہراتے ایک گلی سے نمودار ہوئے اور مختلف گھروں میں گھس گئے۔ جلد ہی اسد اور مائیکل جان گئے کہ یہ لٹیرے ہیں۔ وہ لوگوں کے گھروں سے قیمتی سامان نکال نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر رہے تھے۔ پھر تین گھوڑا گاڑیاں نمودار ہوئیں' ان پر بھی لٹیروں کے ساتھی سوار تھے۔ قیمتی سامان ان گاڑیوں میں منتقل کیا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ لوٹ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ نقاب پوش افراد بھاگ بھاگ کر گھروں میں داخل ہو رہے تھے اور قیمتی سامان لے کر لوٹ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھوڑا گاڑیاں پوری گنجائش تک لوٹ کے سامان سے بھر گئیں۔ اس دوران لٹیرے دو گاڑیاں اور ہنکا کر لے آئے۔ یہ بھی سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ اسد اور مائیکل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس موقع پر وہ کیا کردار ادا کر سکتے ہیں اگر ان کے ساتھ کچھ آدمی ہوتے تو وہ ان لٹیروں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے' مگر دو تلواریں ان چالیس پچاس افراد کا کیا بگاڑ سکتی تھیں۔ بستی تقریباً مکینوں سے خالی ہو چکی تھی۔ اگر چند افراد موجود بھی تھے تو وہ اپنے گھروں میں چھپے تھے ..... یا کچھ زخمی لوگ تھے جو گلیوں میں پڑے سسک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد لٹیرے سامان سے بھری گھوڑا گاڑیوں کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے ..... دفعتاً اسد کو مغربی سمت سے سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی آواز آئی۔ لٹیرے بھی یہ آواز سن چکے تھے۔ آگ کی مدھم روشنی میں اسد اور مائیکل نے دیکھا کہ لٹیروں کا سردار انہیں اِدھر اُدھر چھپنے کا حکم دے رہا تھا۔ وہ مختلف چیزوں کی آڑ لینے کے لئے بھاگے۔ ایک آدمی چند گز دور ایک درخت پر چڑھ گیا۔ یہ درخت کافی بلند تھا اور اس مکان کی چاردیواری کے ساتھ واقع تھا۔ جس کی چھت پر اسد اور مائیکل موجود تھے۔ چند ہی لمحے بعد اسد نے گھڑسواروں کو دیکھا وہ تعداد میں پندرہ کے قریب تھے اور تیزی سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ ان کے لباس سے ظاہر تھا کہ وہ مسلح فوج کے جوان ہیں ..... مگر ان میں ایک شخص کے جسم پر وردی نہیں تھی۔ وہ ان میں سب سے آگے تھا اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ میں تلوار چمک رہی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ ایک پگڑی میں چھپا رکھا تھا۔ اسد دیکھتے ہی پہچان گیا' وہ اباقہ تھا۔ اچانک لٹیروں نے اباقہ اور اس کے ساتھیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ اسد نے تین یا چار گھڑسواروں کو زخمی ہو کر گرتے دیکھا۔ اباقہ نے سر نیچے جھکا اور گھوڑے کو پھرتی سے بائیں جانب موڑا۔ اب اس کا رخ اس درخت کی طرف تھا جس پر ایک لٹیرا نیزہ سنبھالے بیٹھا تھا۔ اسد کو اباقہ اور نیزہ بردار دونوں نظر آ رہے تھے۔ پھر دیکھ کر اس کا دل دھڑکنا بھول گیا کہ نیزہ بردار نیزہ سونت چکا ہے اور اباقہ عین اس کی زد میں ہے۔ اگر اسد اپنے کندھے سے کمان اتار کر اس پر تیر چڑھانے کی کوشش کرتا تو تیر چڑھنے سے بہت پہلے اباقہ موت کی رتھ پر سوار ہو چکا ہوتا۔ یہ تو چند ساعتوں کا کھیل تھا۔ اباقہ کے سینے اور آہنی نیزے کے درمیان صرف ایک لمحہ حائل تھا اور یہ زندگی کا لمحہ تھا۔ اسد چند قدم بھاگا اور عقاب کی طرح اڑتا ہوا درخت کی طرف آیا۔ یہ ایک اندھی چھلانگ تھی۔ چھت' درخت سے کوئی چار گز بلند اور چھ گز دور تھی۔ اسد کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر وہ ہر خطرہ مول لے چکا تھا۔ اسد کا جسم ہوا میں تیرتا ہوا نیزہ بردار سے ٹکرایا۔ شاخوں کی آواز سے درخت کی کئی شاخیں ٹوٹ گئیں اور وہ دونوں قلابازی کھا کر زمین پر گرے۔ اباقہ کا گھوڑا ان کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ گرتے ساتھ ہی اسد اٹھا اور اس نے ایک طوفانی گھونسہ نیزہ بردار کے چہرے پر مارا لیکن درحقیقت اس نے ایک مردہ شخص کو مکہ رسید کیا تھا۔ درخت سے گرتے ہی نیزہ بردار ہلاک ہو چکا تھا۔ اس کا اپنا ہی نیزہ اس کی گردن سے پار ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے اباقہ کو آواز دی۔ اباقہ نے گھوم کر اسد کو دیکھا اور گھوڑا بھگا کر اس کے قریب لایا۔ اسد پہلے سے تیار تھا۔ اچھل کر اباقہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اباقہ کے ساتھی سوار جو چند لمحوں کے لئے بکھر گئے تھے اب ایک تنگ سی گلی میں جمع ہو گئے تھے۔ اباقہ نے گھوڑے کا رخ اس گلی کی طرف کیا۔ دوسری طرف مائیکل بھی چھت سے اتر کر اس تنگ گلی کی طرف بڑھا۔ تیروں سے بچتے ہوئے وہ گلی تک پہنچ گئے۔ اسد نے اباقہ کو مختصراً صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ جان کر نامعلوم افراد لوگوں کے گھر لوٹ رہے ہیں' اباقہ کا گرم خون کھول گیا۔ اس نے اسد سے پوچھا۔

"یہ کل کتنے آدمی ہیں؟"

اسد نے بتایا ابھی تک پینتیس چالیس افراد سامنے آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے مزید ساتھی بھی ہوں۔

اباقہ نے پوچھا۔ "پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ہمیں ان کو روکنا چاہئے؟"

اسد نے اباقہ کے ساتھیوں کو گنا وہ تعداد میں کل بارہ تھے۔ یعنی وہ سب ملا کر پندرہ

آدمی بنتے تھے۔ اباقہ نے اسد کو اعداد و شمار میں الجھتے دیکھا تو بولا۔ "اسد! گھبراؤ مت۔ ہم ان لٹیروں سے زیر نہیں ہوں گے۔"

اسد نے مائیکل کی طرف دیکھا۔ مائیکل نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان سب نے تلواریں نکالیں اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کا تیار رہنا بڑا سودمند ثابت ہوا کیونکہ لٹیروں نے اپنے مورچے چھوڑ کر اچانک ان پر دھاوا بول دیا۔ شاید ان کا خیال تھا کہ انہیں اسی تنگ سی گلی میں گھیر کر مار دیا جائے گا۔ مگر وہ سب چونکہ تیار تھے اس لئے جب لٹیرے ان کی طرف بڑھے تو انہوں نے بھی گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور کھلے میدان میں آ گئے۔ تعداد میں بہت فرق تھا لیکن جس دستے کے ساتھ اباقہ اور اسد جیسے جنگجو تھے اسے آسانی سے کیسے گھیرا جا سکتا تھا۔

اباقہ نے چھوٹتے ساتھ ہی لٹیروں کے سردار پر حملہ کیا۔ وہ ایک طاقتور شخص تھا اور بڑے اعتماد سے گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ اباقہ کی تلوار سردار کی تلوار سے ٹکرائی۔ چند لمحے زور دار مقابلہ ہوا پھر اچانک اباقہ' سردار پر حاوی ہو گیا اور اسے دھکیلتا ہوا کئی گز پیچھے لے گیا۔ سردار نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس دوران اچانک اس نے خود کو تلوار میں پرویا ہوا پایا۔ وہ زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ اباقہ کی تلوار اس کے سینے میں تھی۔

سردار کے ہلاک ہوتے ہی اس کے ساتھیوں میں بددلی پھیل گئی۔ اباقہ اور اسد نے ایک ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے زوردار حملہ کیا اور لٹیروں کے درمیان گھس گئے۔ اباقہ' اسد اور مائیکل کو دیکھ کر ان کے ساتھیوں کے حوصلے بھی بڑھے اور ان کی تلواریں تیزی سے چلنے لگیں۔ چند ہی لمحے میں لٹیروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پیٹھ دکھا کر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ اباقہ اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑا گاڑیوں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

اسد کو خدشہ تھا کہ لٹیرے اتنی جلدی ہار نہیں مانیں گے۔ منظم ہو کر وہ پھر دھاوا بولیں گے۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ دوسرے دھاوے میں کچھ دیر تو لگی لیکن یہ خاصا زوردار تھا۔ لٹیروں کے چند وہ ساتھی بھی جو ادھر ادھر بکھرے تھے' اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے دو مختلف اطراف سے حملہ کیا اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اباقہ' اسد اور مائیکل نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بھی بڑھا رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب "گھروں والے" اپنے گھروں کی حفاظت کو پہنچ گئے۔ اباقہ اور اسد کو گھڑسواروں کی دو تین ٹولیاں موقعے کی طرف بڑھتی دکھائی دیں۔ ان کے عقب میں اور لوگ بھی تھے۔ جلد ہی وہ سب ان کے ساتھ مقابلے میں شریک ہو گئے۔ کوئی بیس لٹیروں کو موقعے پر ہلاک کر دیا گیا۔ اتنے ہی گرفتار ہوئے اور باقی جان بچا کر بھاگ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

..... لوگ جوق در جوق واپس آ رہے تھے۔ کچھ مکانوں کی آگ بجھانے میں مصروف تھے اور کچھ اپنے گمشدہ عزیزوں کو تلاش کر رہے تھے۔ مگر ایک جم غفیر اسد اور مائیکل کے گرد جم تھا۔ وہ سب اس نقاب پوش کو دیکھنا چاہتے تھے جو ان کے لئے فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا۔ نہایت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے نہ صرف سینکڑوں لوگوں کی زندگیاں بچالی تھیں بلکہ ان کے مال و اسباب کی حفاظت بھی کی تھی ..... لیکن اباقہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار آخر شب کی تیرگی کو چیرتا تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اسے اپنا وعدہ پورا کرنا تھا۔ سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے روس کے سب سے خوفناک عقوبت خانے میں واپس پہنچنا تھا۔

☆=======☆=======☆

شہزادی نتاشا اپنے خوبصورت کمرے میں موجود تھی۔ وہ مسہری پر نیم دراز تھی اور اس کی رازداں کنیز کلثوم اس کے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہو رہی تھی وہ کل رات پیش آنے والے واقعات کے بارے میں تھی۔ کلثوم کہہ رہی تھی "..... شہزادی صاحبہ' میں تو یہ سوچ کر دہل جاتی ہوں اگر وہ نقاب پوش چند لمحے تاخیر سے پہنچتا تو کیا ہوتا۔ کھانا بالکل تیار تھا اور کئی مہمان تو نوالے بھی اٹھا چکے تھے ..... خدا کی پناہ' میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں اس وقت ضیافت گاہ کے اندرونی دروازے میں کھڑی تھی۔ شور سنائی دیا اور پھر نقاب پوش بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ چند قدم بھاگ کر اس نے ہوا میں چھلانگ لگائی اور اوندھے منہ کھانے کی میز پر پھسلتا چلا گیا۔ میرے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ میں کیا' ضیافت گاہ میں موجود ہر شخص یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا ..... مسلح محافظ اس کے پیچھے لپکے چلے آ رہے تھے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں اور وہ قریب پہنچتے ہی اسے ہلاک کر دیں گے' مگر وہ اطمینان سے کھڑا تھا۔ لگتا تھا اسے ان کی پرواہ نہیں....."

شہزادی نتاشا بولی۔ "میرا خیال ہے کہ نائب رئیس نے محافظوں کو حملہ نہ کرنے کا حکم دے کر اچھا کیا۔ ہو سکتا تھا مقابلے کی صورت میں وہ انہیں نقصان پہنچاتا ..... وہ کوئی معمولی آدمی نہیں کلثوم! پل کے سامنے لوگوں کے ایک بے قابو ہجوم کے سامنے ڈٹ جانا اور انہیں روک لینا کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا ..... اور پھر اس نے جس طرح لوٹ مار کرنے والوں کا مقابلہ کیا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔"

کلثوم بولی۔ "شہزادی صاحبہ! ایسے شخص کو تو رئیس اعظم کے ذاتی محافظوں میں شامل ہونا چاہئے۔ بخدا میں تو اس کی مردانگی کی عاشق ہو گئی ہوں ..... کیا قد ہے' کیا مضبوط شانے ہیں۔ یہ چوڑی چھاتی اور جسم تو ایسا چھریرا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ چہرہ پگڑی میں چھپا ہوا تھا لیکن آنکھیں گواہی دے رہی تھیں کہ وہ بدصورت نہیں۔ کاش میں ایک بار اسے دیکھ سکتی....."

کلثوم خیالات کے دھارے میں شہزادی کی موجودگی بھی فراموش کر چکی تھی جب اس نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا کر چپ کر گئی اور گفتگو یہیں ختم ہو گئی۔

..... کچھ ہی دیر بعد شہزادی نتاشا محافظوں کے نرغے میں زمین دوز قید خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے سرخ رنگ کا ایک جھالردار لبادہ پہن رکھا تھا۔ سر پر ایک چھوٹا سا تاج تھا اور چہرے پر رعب و جلال۔ جب وہ قید خانے کے دروازے پر پہنچی تو گرانڈیل جلاد' گیوڈا نے خود اس کا استقبال کیا۔ شہزادی کے ساتھ نیلی آنکھوں والا ایک خوبرو نوجوان بھی تھا۔ وہ دیکھنے میں کوئی شہزادہ لگتا تھا۔ شہزادی نتاشا بے تکلفی سے اس کے ساتھ باتیں کرتی چلی جا رہی تھی۔ چند سیڑھیاں اتر کر وہ وسیع تہہ خانے میں پہنچے تو مجرم زنجیروں میں جکڑا نظر آیا۔ اس کے قریب ہی ایک میز رکھی تھی جس پر ایذا رسانی کے خوفناک آلات پڑے تھے۔ شہزادی نتاشا اس خوبرو نوجوان کے ہمراہ آرام دہ کرسی پر جا بیٹھی۔ مؤدب محافظ ان کے عقب میں آن کھڑے ہوئے۔ خوفناک صورت والے گیوڈا نے ایک بار پھر جھک کر انہیں تعظیم پیش کی اور ایذا رسانی کے آلات کی طرف بڑھا۔ اس نے لوہے کا ایک نہایت وزنی طوق اباقہ کی گردن میں ڈال دیا۔ اباقہ کے پاؤں حسب سابق آہنی کڑوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ پاؤں کے نیچے پتھریلے فرش کی بجائے' لوہے کی چادر تھی۔ اس چادر کے نیچے آگ جلا کر اسے گرم کیا جا سکتا تھا۔ گیوڈا کے حکم پر اس کے نیچے آگ جلائی جانے لگی۔ اس دوران تہہ خانے کے مختلف حصوں سے چیخ و پکار کی مدھم آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ یہ تہہ خانہ دراصل کئی حصوں میں تقسیم تھا۔ سنگی دیواروں کے اندر ایسے کئی عقوبت خانے موجود تھے جہاں معتوب افراد کو اذیتیں دی جاتی تھیں۔ شہزادی نتاشا بچپن سے ان عقوبت خانوں کو دیکھ رہی تھی اور اب تڑپتے سسکتے انسانوں کو دیکھنا اس کی ضرورت بن چکا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ان تہہ خانوں کا چکر ضرور لگاتی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر وہ ہر مجرم کی "غذا گاہ" میں رکتی اور اس کی حالت کا جائزہ لیتی تھی۔ گیوڈا اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ گاہے بگاہے وہ شہزادی کو خوش کرنے کے لئے اپنی سفاکی کا کوئی نیا نمونہ بھی پیش کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت بھی وہ بڑے انہماک سے اباقہ کا جائزہ لے رہا تھا اور سوچ رہا تھا اس کو شہزادی کے سامنے چیخنے چلانے پر کتنی دیر میں مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اباقہ کے عریاں پاؤ کے نیچے آہنی چادر بتدریج گرم ہو رہی تھی۔ پھر حدت کی وجہ سے اس نے اپنی انگلی سکوڑنا شروع کر دیں۔ کبھی وہ پنجوں کے بل کھڑا ہوتا اور کبھی ایڑیوں پر بوجھ ڈال کر اٹھا دیتا۔ آخر کب تک۔ چادر تپنے لگی اور جلتے ہوئے گوشت کی بو دھیرے دھیرے خانے میں پھیلنے لگی۔ لگ رہا تھا کہیں کباب بھونے جا رہے ہیں لیکن یہ کباب نہیں یہ زندہ انسان کا گوشت تھا۔ اباقہ کا چہرہ تکلیف کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور سردی میں پسینہ دھاروں کی صورت اس کے جسم پر بہہ رہا تھا۔ آخر اذیت سے بے ہو کر اس نے بازوؤں کے زور پر اپنے پاؤں آہنی چادر سے اٹھائے۔ زنجیروں میں بس گنجائش تھی کہ پاؤں چند انگل اوپر اٹھ سکے۔ لیکن اباقہ کے گلے میں وزنی طوق تھا۔ چند لمحوں سے زیادہ خود کو ہوا میں معلق نہ رکھ سکا اور دوبارہ اس کے پاؤں چادر پر آ گئے۔

جب یہ لرزہ خیز کارروائی ہو رہی تھی' ایک محافظ دھیمے لہجے میں گگوڈا سے کچھ رہا تھا۔ شہزادی کے ساتھی خوبرو نوجوان نے انہیں سرگوشی کرتے ہوئے دیکھا اور بلند سے کہا۔

"گگوڈا! یہ سپاہی کیا کہتا ہے۔"

گگوڈا پہلے تو جھجکا پھر شہزادی نتاشا اور نوجوان کے قریب آ کر بولا۔

"جناب! یہ شخص کہتا ہے کہ اس نے مجرم کو کل رات قید خانے سے باہر ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" نتاشا تنک کر بولی۔

گگوڈا نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! اس کا کہنا ہے کہ کل رات جس نقاب پوش نے جلایا تھا وہ یہی مجرم ہے۔"

شہزادی چونک کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ "وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔"

گگوڈا بولا۔ "شہزادی حضور! اس محافظ کا کہنا ہے کہ کل رات اس نے مجرم کے پر اپنے ہاتھ سے پٹی کی تھی۔ مجرم کے بازو پر جو زخم ہے وہ اسے اچھی طرح پہچانتا اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ کل یہ زخم نہیں تھا۔" شہزادی بغور اباقہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے محافظ کو اپنے قریب بلایا اور کہا۔ "کل رات کس کی ماتحتی میں تھے۔"

محافظ نے مہمان خانے کے نگران اعلیٰ گورکی کا نام لیا۔ شہزادی نے گگوڈا کو

کر فوراً گورکی کو حاضر کیا جائے۔

شہزادی کے حکم پر اباقہ کے پاؤں کے نیچے لکڑی کا ایک تختہ رکھ کر آگ بجھا دی گئی ...... تھوڑی ہی دیر بعد گورکی دو سپاہیوں کے سہارے سیڑھیاں اترتا ہوا تہہ خانے میں آ گیا۔ اس کے ٹخنے اور کندھے پر پٹیاں بندھی تھیں۔ شہزادی نے گورکی کو حکم دیا کہ وہ مجرم کا زخم شناخت کرے۔ گورکی نے اباقہ کے زخم کو غور سے دیکھا اور پکار اٹھا۔ "یہ وہی زخم ہے ...... بالکل وہی زخم ہے۔"

گگوڈا نے اباقہ کا لباس گورکی کے سامنے لہرایا۔ گورکی نے لباس دیکھا' پھر اباقہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہیجان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لرزاں آواز میں بولا۔ "شہزادی صاحبہ! میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کل پل جلا کر لوگوں کی جانیں لینے والا شخص یہی تھا۔"

سب حیرانی سے اباقہ کو دیکھ رہے تھے۔ اس خاموشی کو آخر نتاشا کی آواز نے توڑا۔ اس نے گورکی سے کہا کہ وہ اب جا سکتا ہے۔ گورکی دو افراد کے سہارے باہر نکل گیا۔ شہزادی نتاشا کی نگاہیں اب گگوڈا پر مرکوز تھیں۔ گگوڈا ان نگاہوں کا مفہوم سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا شہزادی کیا پوچھ رہی ہے۔ اس نے تہہ خانے کے اکلوتے خادم کو بلانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد تہہ خانے کا سن رسیدہ خدمتگار کانپتا لرزتا ایک تاریک گوشے سے برآمد ہوا اور شہزادی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

گگوڈا نے خوفناک لہجے میں پوچھا۔ "عبدالعزیز! قیدی یہاں سے کیسے نکلا؟"

بوڑھا جس کا نام عبدالعزیز تھا' تھر تھر کانپ رہا تھا۔ گگوڈا نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی گردن کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ ایک زوردار جھٹکا دے کر بولا۔

"خبیث بڈھے! بتا قیدی یہاں سے کیسے نکلا اور کیسے واپس آیا۔ بتا ورنہ مار مار کر لہولہان کر دوں گا۔" بوڑھے نے گگوڈا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور نحیف آواز میں جان بخشی کی درخواست کرنے لگا۔ وہ خاص طور پر گگوڈا سے خوفزدہ نظر آتا تھا۔ گگوڈا وحشیانہ انداز میں بولا۔ "معافی بھی مل جائے گی پہلے تیری زبان تو کھل جائے۔" اس نے بوڑھے کو زوردار دھکا دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا محافظوں کے قدموں میں گرا۔ اباقہ کے حلق میں کپڑا ٹھنسا تھا اس لئے وہ بول نہیں سکتا تھا' مگر وہ بری طرح مچل رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ گگوڈا کے اشارے پر محافظ بوڑھے عبدالعزیز کو گھسیٹتے ہوئے ایک آہنی شکنجے تک لے گئے اور اس کا جسم کس دیا۔

شہزادی نتاشا قریب بیٹھے نوجوان سے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہی تھی۔ "کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کوئی واسطہ نہیں۔ تجھے میری اطاعت کرنا ہو گی اور اس کے بدلے دنیا جہان کی نعمتیں تیرے قدموں میں بچھی رہیں گی....." اباقہ خاموشی سے سر جھکائے سنتا رہا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ڈیوک کی زبان سے کسی خوفناک سازش کا انکشاف ہونے والا ہے.....

وہ دھیمے قدموں سے چلتا اباقہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس کی سانسوں سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ پُر کیف لہجے میں بولا۔

"اباقہ' تم یہاں کس لیے آئے تھے؟" اباقہ خاموش رہا۔ ڈیوک نے اپنا سوال دہرایا تو اباقہ جواب دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"ڈیوک! ہم اہل روس کی مدد کو آئے ہیں۔ رئیس اعظم کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔"

"پھر تم نے ہاتھ مضبوط کیے؟" ڈیوک کے لہجے میں تمسخر تھا۔ اباقہ خاموش رہا۔ ڈیوک نے اباقہ کا زخمی چہرہ دیکھا جھک کر اس کے جلے ہوئے پیروں کا معائنہ کیا اور منہ سے چ چ کر آواز نکالتا ہوا بولا۔ "افسوس' جو شخص رئیس اعظم کے ہاتھ مضبوط کرنے آتا ہے۔ اسے رئیس کی بیٹی پاؤں سے معذور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسے عقوبت خانے میں ڈالا جاتا ہے۔ جانوروں کی طرح مارا جاتا ہے اور نہایت سفاکی سے قتل کا حکم صادر کیا جاتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ڈیوک؟" اباقہ بولا۔

ڈیوک نے پوستین کی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور اباقہ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ ہے تمہاری موت کا پروانہ' جو شہزادی نتاشا کے دستخطوں سے جاری ہوا ہے۔ اس پروانے میں لکھا ہے' مجرم کو عبرت ناک موت سے دو چار کیا جائے۔ تم جانتے ہو شاہی عقوبت خانے میں عبرت ناک موت سے کیا مطلب ہے؟" اباقہ سر جھکائے سنتا رہا۔ ڈیوک بولا۔ "اس عقوبت خانے میں ہر موت عبرتناک ہوتی ہے لیکن جس موت کو وہاں عبرتناک کہا جاتا ہے۔ اس بدنصیب کے ہر ہر عضو اور ہر ہر ریشے کو علیحدہ علیحدہ موت سے ہمکنار کیا جاتا ہے ..... اور شہزادی نے تیرے لیے یہی موت تجویز کی تھی۔"

پروانہ اباقہ کے سامنے لہرا کر ڈیوک نے دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ "میری طرف دیکھو اباقہ۔" وہ اباقہ کی ٹھوڑی انگلی سے اٹھا کر بولا۔ "میں نے تمہیں نئی زندگی بخشی ہے۔ میں اس زندگی کی حفاظت بھی کر سکتا ہوں ..... میرے لیے

کام کرو گے؟"

اباقہ کچھ دیر گہری سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔ "میں سمجھا نہیں۔ کیا تم منگولوں کا ساتھ دینے کی بات کر رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں ..... ہرگز نہیں۔" ڈیوک دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں' تمہاری اس شہر میں موجودگی منگول دشمنی کے سبب ہے۔ پھر میں تم سے ایسی توقع کیوں رکھوں گا' میرا نہ تو منگولوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ شہزادی نتاشا اور رئیس اعظم سے' میرے کچھ اور مقاصد ہیں۔"

اباقہ بولا۔ "ڈیوک! آپ جانتے ہیں دارالحکومت پر کسی بھی وقت منگولوں کا حملہ ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف آپ اپنے مقاصد کی بات کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی کسی کارروائی سے دفاعی کوششوں کو نقصان پہنچے۔"

ڈیوک کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ چیخا۔ "کن لوگوں کی حمایت کر رہے ہو تم۔ کس حکومت کی دفاعی کوششوں کی فکر لاحق ہے تمہیں۔ اسی شہزادی نتاشا اور اس کے باپ کی حکومت کی جنہوں نے تمہیں تڑپا تڑپا کر مارنے کا حکم جاری کیا ..... سنو اباقہ' غور سے سنو' حاکم کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ قراقرم کے ہوں یا دلادی میر کے' ان کا کام خون پینا ہوتا ہے۔ وہ جنگجو بہادروں کا خون پیتے ہیں اور ماؤں کے جوان بیٹوں کی لاشوں پر اپنے تخت بچھاتے ہیں ..... ان سے تمہیں سوائے زخموں اور موت کے کچھ نہ ملے گا ..... تم نے اس مختصر وقت میں' رئیس اعظم کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ شاہی ضیافت گاہ میں بیسیوں مہمانوں اور مددیداروں کو ہلاکت سے بچایا' ندی کا پل توڑ کر سینکڑوں لوگوں کی جانیں محفوظ کیں۔ ان کا مال واسباب بچانے کے لیے کیا کیا خطرات مول لئے ان سب نیکیوں کا صلہ تمہیں کیا ملا؟..... "

ڈیوک پُر تاثیر انداز میں اباقہ کو سمجھاتا رہا اور اباقہ حسب سابق سر نیہوڑائے سنتا رہا۔ آخر اس نے ڈیوک کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"محترم ڈیوک! شہزادی نتاشا کے عقوبت خانے میں گزارے ہوئے وہ چند پہر میرے لیے اس ڈراؤنے خواب کی طرح ہیں جو زندگی بھر یاد رہتا ہے۔ میں شہزادی نتاشا کی اس یادگار میزبانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اسے بتانا چاہتا ہوں کہ ظلم کتنی جلدی ظالم کی طرف لوٹ کر آتا ہے ..... آہ! کتنے ولولے اور جوش سے میں یہاں پہنچا تھا۔ دل میں کچھ کر کے دکھانے کی آرزو تھی اور ذہن میں خیال تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ جو لوگ اتنی خواہش سے بلا رہے ہیں وہ سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ ان کی نظروں میں پیار اور دلوں میں احسان مندی ہوگی لیکن یہاں سب کچھ الٹ پایا..... آتے ساتھ ہی مجھے آڑے ہاتھوں لیا گیا۔ چھپ کر مجھ پر حملہ کیا گیا۔ میرے ساتھ ایک بچہ تھا۔ جو شدید زخمی ہوا اور اب نہ جانے کہاں ہے۔ میرے سفر کی تھکن کوڑوں سے اتاری گئی۔ میری ضیافت کے لیے منہ میں کپڑے ٹھونسے گئے اور میرے آرام کے لئے قبر کا انتخاب کیا گیا..... میرے دل میں شہزادی نتاشا کے لیے انتقام کے شعلے بھڑک رہے ہیں ڈیوک۔"

"شاباش اباقہ!" ڈیوک نے اباقہ کا کندھا تھپتھپایا۔ "ان شعلوں کو بھڑکائے رکھنا۔ یہ بڑے کام کی آگ ہے۔"

"مجھے کرنا کیا ہوگا؟" اباقہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں' تمہیں ہمارے دوست توزن باغ کے اس شاندار محل میں صرف آرام کرنا ہوگا۔ وقت آنے پر تمہیں کام بتایا جائے گا۔"

"کیا میں اپنے دوستوں سے ملاقات کر سکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں۔" ڈیوک نے کہا۔ "میں نے تمہیں ابھی بتایا ہے کہ ماضی سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں رہے گا۔ ماضی تمہاری موت ہے اور حال زندگی' اپنی زندگی کو سنبھالو۔ موت کی طرف مت دوڑو۔"

اباقہ نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔ "ڈیوک! عقوبت خانے کے بوڑھے خدمتگار سے کیا سلوک ہوگا؟"

ڈیوک بولا۔ "اسے بھی تمہاری طرح سزائے موت ہو چکی ہے لیکن اگر تم ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو تو اس کی زندگی محفوظ رہے گی۔"

اباقہ نے کہا۔ "مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

ڈیوک بولا۔ "میں اس کام کے لیے تمہیں آٹھ پہر دے سکتا ہوں"

اباقہ نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔ ڈیوک نے تالی بجائی اور دو خادمائیں اباقہ کو لے کر اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئیں۔

☆------☆------☆

توزن باغ کے محل کے ایک کمرے میں اباقہ مسہری پر نیم دراز تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی تھیں۔ ڈیوک سے آٹھ پہر کی مہلت لینے کی اسے قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ وہ بہت پہلے ڈیوک کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مہلت اس

نے صرف اس لیے طلب کی تھی کہ اس کی جلدی بازی کہیں ڈیوک کو شک میں نہ ڈال دے۔ اباقہ سمجھ چکا تھا ڈیوک درحقیقت رئیس اعظم سے غداری کر رہا ہے۔ وہ دلاوری میرکے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی موت کا سامان کر رہا تھا۔ حالانکہ ڈیوک نے اعتراف نہیں کیا تھا لیکن اباقہ جان چکا تھا کہ وہ درپردہ منگولوں کا طرفدار ہے۔ اس طرفداری میں وہ کوئی ایسی کارروائی کرنے والا تھا جو حکومت کی دفاعی تیاریوں کو تہ و بالا کر سکتی تھی۔ یہ کارروائی کیا تھی۔ اس کے متعلق ڈیوک نے کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔ ظاہر تھا وہ اتنی جلدی اباقہ پر اعتماد نہیں کرے گا۔ اباقہ کے سامنے اب دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ کسی طرح محل سے نکلے اور حکومت کے ذمے دار افراد کو ساری حقیقت سے باخبر کردے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ خود کو شاہی خاندان کا دشمن ظاہر کرکے ڈیوک کے لیے کام کرنا قبول کرے اور یوں اس نامعلوم سازش کی تہہ تک پہنچے۔ پہلے طریقے میں کامیابی کا امکان بہت کم تھا۔ ڈیوک اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ اس کی غداری آسانی سے ثابت کی جا سکتی۔ اس نے کھلے لفظوں میں اباقہ کے سامنے ملک دشمنی کا اعلان کیا تھا لیکن اباقہ کے پاس اس اعلان کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ فرض محال وہ محل سے نکل کر نائب رئیس یا شہزادی نتاشا تک پہنچ بھی جاتا کہ ڈیوک تم سے غداری کر رہا ہے تو وہ اس کی بات پر یقین کرتے؟

ڈیوک کا شاہی خاندان میں زبردست اثر و رسوخ تھا۔ اباقہ دیکھ چکا تھا کہ عقوبت خانے میں وہ کس بے تکلفی سے شہزادی کے ساتھ مصروف گفتگو تھا۔ یقیناً اس نے شاہی خاندان پر اپنی وفاداری اور قابلیت کا سکہ جما رکھا تھا۔ اباقہ اس کے خلاف شکایت کر کے اپنی سزا میں اضافے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ ڈیوک کے چہرے سے نقاب نوچنے کے لئے ثبوت درکار تھا۔ کوئی نہایت ٹھوس ثبوت ..... لیکن سوچنے کی بات تھی کیا ڈیوک آسانی سے اس کی وفاداری کا یقین کر لے گا۔ یہ خیال آتے ہی اباقہ کا ذہن ایسے الفاظ ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا جن میں وہ مؤثر طریقے سے ڈیوک کے سامنے اظہار وفاداری کر سکے..... سوچتے سوچتے اباقہ کی نگاہ کھڑکی سے باہر چلی گئی۔ وہ محل کی دوسری منزل پر قیام پذیر تھا۔ کھڑکی سے دور تک کے منظر نظر آ رہے تھے۔ شہر سے آگے ایک برف پوش کوہستانی سلسلہ حد نگاہ تک چلا گیا تھا۔ اباقہ کی سوچ پرواز کرتی ہوئی ان پہاڑوں کو پار کر کے دوسری طرف نکل گئی۔ دور بہت دور سرحد عراق کے کسی سرسبز گاؤں کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ تصور کی نگاہوں سے اس نے مارینا کا ملیح چہرہ دیکھا۔ وہ گھر کے صحن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بیٹھی دھان کوٹ رہی تھی۔ یا گندم صاف کر رہی تھی۔ شاید سلیمان کے ہونے والے بچے کے لیے ایک ننھا سا کرتا بنا رہی تھا۔ بے خیالی میں اس کے ہونٹوں پر منگول نغمہ مچل رہا تھا جو اباقہ نے پہلی بار قراقرم میں سنا تھا۔ وہی اداس اور رس بھرا نغمہ' جس میں ابدی پیاس کا ذکر تھا۔ روح کی پیاس' محبت کی پیاس اور ایک خوبصورت گھر کی پیاس وہ ایک تنہا پتھر پر بیٹھی تھی اور اس کے گیلے بالوں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا..... اباقہ کو اپنی کھردری ہتھیلی پر اس پانی کا لمس آج بھی یاد تھا ..... اباقہ کے سینے سے ایک ہوک نکلی۔ وہ سوچنے لگا کتنا اچھا ہوتا عراق چھوڑنے سے پہلے وہ مارینا سے شادی کر لیتا۔ اس کے دامن کو خوشیوں سے بھر کر اس کی پیاس کو محبت کے سمندر میں ڈبو دیتا..... لیکن یہ خیال آتے ہی سلطان جلال کی خون رنگ چادر اس کی آنکھوں کے سامنے کھل گئی..... نہیں اس نے بڑے کرب سے سوچا۔ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ سلطان کے غم کو پس پشت ڈال کر وہ اپنی خوشیوں کا سامان کر لیتا تو اس کا دل اسے کبھی معاف نہ کرتا۔ ابھی تو سلطان کے دیئے ہوئے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ابھی تو اس کے سانسوں کی مہک فضاؤں میں موجود تھی۔

"..... آہ عبداللہ مشہدی!" اباقہ دانت پیس کر زیر لب بڑبڑایا۔ "تیری موت میری زندگی پر قرض ہے۔ تیرے لہو کا گراں بار میں شب و روز کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہوں۔ جس روز تو میرے سامنے آیا وہ تیری زندگی کا آخری روز ہوگا ظالم شخص تو نے ایک وار میں مجھ سے میری دو عزیز ترین ہستیاں چھین لیں۔ میرا سلطان مجھ سے جدا کر دیا اور میری مارینا کو مجھ سے دور کر دیا۔ میں تجھے کبھی معاف نہ کروں گا۔"

اباقہ بیٹھا رہا اور سوچتا رہا' مارینا روپ بدل بدل کر اس کے خیالوں میں آتی رہی اور وہ خاموشی کی زبان میں اس سے عہد و پیماں کرتا رہا..... جس وقت اباقہ مارینا کے بارے میں سوچ رہا تھا ایک اور شخص بھی ایسا کر رہا تھا..... وہ طوطم خان تھا۔ وہ ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار دلادی میر سے باہر جانے والے راستے پر محو سفر تھا۔ اس کی دونوں جانب اونچے نیچے برف پوش ٹیلے تھے' کہیں کہیں روسی دہقان اپنے جھونپڑی نما گھروں سے برف ہٹاتے دکھائی دیتے تھے۔ طوطم خان کی آنکھیں ان مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھیں اور ذہن مارینا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا حسین سراپا' اس کی صراحی دار گردن' اس کے مسکرانے کا انداز ایک

ایک بات طوطم خان کو یاد آ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں پکار اٹھا۔ "اے نیلے آسمان سے اترنے والی حسین ترین عورت' تو میری ہے صرف میری۔ دیکھ! تیری خاطر میں بھیڑیوں کے جنگل میں گھسنے جا رہا ہوں۔ اس جنگل سے واپسی پر سب سے بڑے بھیڑیے باتو خان کا سر میرے تھیلے میں ہو گا۔ اگر یہ نہ ہوا تو پھر طوطم خان بھی نہ ہو گا۔ وہ تیری محبت پر قربان ہو چکا ہو گا۔"

طوطم خان کے اس سفر کا فیصلہ کل شام ہوا تھا۔ کل شام نائب رئیس نے شاہی مہمانوں کو ایک خاص نشست میں بلایا تھا۔ حکومت کے اہم عہدیداران اور مشیر بھی وہاں موجود تھے۔ موضوع بحث شہر کا دفاع تھا' نائب رئیس نے خاص طور پر مائیکل کے ہمراہ پہنچنے والے مہمانوں سے مشورے طلب کئے تھے۔ بحث و تمحیص کے بعد جو چند مشورے قبول کئے گئے تھے ان میں ایک مشورہ اسد کا بھی تھا۔ اسد نے کہا تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لیے ضروری ہے کہ چند جاسوس' منگول لشکر میں موجود ہوں۔ اگر منگول دلادی میر میں جاسوسی کا جال بچھا سکتے ہیں تو ہمیں بھی یہ کٹھن کام کر گزرنا چاہیے۔

منگول لشکر کی ہیبت اہل شہر پر اس طرح طاری تھی کہ ان کی صفوں میں گھسنے کا تصور بھی محال نظر آتا تھا۔ اسد کی تجویز سن کر ہی کئی مقامی عہدیداروں کے چہرے سفید پڑ گئے اس وقت طوطم خان نے اپنی نشست چھوڑی اور کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ اس ذمے داری کے لیے وہ خود کو پیش کرتا ہے۔ طوطم خان کی پیشکش کے بعد یکے بعد دیگرے تین اور منگول اٹھے اور انہوں نے نائب رئیس کے سامنے خود کو بطور رضا کار پیش کیا۔ باہم مشورے سے طے ہوا کہ چاروں افراد الگ الگ منگول لشکر کی طرف روانہ ہوں تاکہ کسی بدقسمتی کے سبب وہ ایک ساتھ ہی نہ پکڑے جائیں۔ نائب رئیس کے حکم پر ان چاروں کو منگول سپاہیوں کی مخصوص وردیاں اور ہتھیار مہیا کر دیے گئے۔ ضروری تیاری کے بعد سب سے پہلے طوطم خان دلادی میر سے روانہ ہوا تھا..... اور اب اسے سفر کرتے ہوئے ڈھائی پہر گزر چکے تھے۔ دلادی میر کے مضافات کافی پیچھے رہ گئے تھے اور برف پوش و سنسان میں اسے منگول ٹڈی دل کی تلاش تھی۔

خود کو جاسوسی کے لیے پیش کرنے میں طوطم خان کا اپنا مفاد شامل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میدان جنگ میں چنگیز کے پوتے باتو خان تک پہنچنا اور اس کا سر حاصل کرنا ایک دیوانے کا خواب ہے۔ جنگ کے دوران منگول صفوں کے پیچھے جانبازوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں گھرا ہوا باتو خان طوطم سے اتنا ہی دور رہتا۔ جتنا زمین سے نیلا آسمان تھا۔ اگر کسی طرح باتو خاں کا سر حاصل ہو سکتا تھا تو وہ جگہ میدان جنگ ہرگز نہیں تھی۔ طوطم خاں نے جب اباقہ کے سامنے باتو کے سر کی شرط رکھی تھی تو اس نہایت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس وقت بھی اسے معلوم تھا کہ میدان جنگ میں باتو کا سر حاصل کرنے کا امکان اگر اباقہ کے لیے پانچ فیصد ہے تو خود اس کے لیے ایک فیصد بھی نہیں اور شاید اباقہ نے بھی اسی لیے یہ شرط قبول کرلی تھی۔ اس نے سوچا ہو گا یہ طوطم کا پاگل پن ہے۔ باتو خاں تک وہ کہاں پہنچ پائے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں زندگی ہار جائے۔ اگر وہ اپنی موت آپ مر رہا تھا تو اباقہ کو کیا ضرورت تھی اس کے راستے میں آنے کی ..... لیکن اباقہ نہیں جانتا تھا کہ طوطم خاں کے ذہن میں ایک گہری چال ہے۔ ایک ایسی چال جو باتو خاں جیسے طاقتور اور بلند اقبال سپہ سالار کی گردن اس کے خنجر تلے لا سکتی تھی ..... طوطم خاں کو چار برس پہلے کا وہ زمانہ یاد تھا۔ جب قراقرم میں اس کی ملاقات زریں خیل سے آئے ہوئے ایک قافلے کے ساتھ ہوئی تھی۔ زریں خیل کا فرمان روا خان باتو جو روس پر یلغار کرنے والی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ چنگیز خاں کے حرامی بیٹے جوچی کی اولاد تھا۔ جوچی اپنے دوسرے بھائیوں سے الگ تھلگ روس کے زرخیز دشتی علاقے میں رہا کرتا تھا۔ حرامی ہونے کا داغ پیشانی پر لئے قراقرم جانے سے وہ ہمیشہ کتراتا رہا۔ خاقان اوغدائی نے اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے باتو کو اس علاقے کا والی مقرر کر رکھا تھا۔ طوطم خاں کی ملاقات اسی علاقے سے آئے ہوئے ایک قافلے کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس قافلے میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو باتو خاں کا ذاتی حجام تھا۔ اس کا نام مینگو تھا۔ مینگو اس قافلے کا ایک غیر اہم شخص تھا لیکن جس بات نے اسے اہم بنا دیا وہ یہ تھی کہ اس کی شکل ہو بہو طوطم خاں سے ملتی تھی۔ طوطم خاں بھی مینگو سے ملنے پہنچا تھا اور اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ چند روز ان دونوں کی زبردست مشابہت کا خوب تذکرہ رہا تھا۔ اس بات کو عرصہ گزر چکا تھا لیکن طوطم خاں کو یہ سب کچھ یاد تھا۔ اب کئی برس بعد اس حیرت انگیز اتفاق نے طوطم کو ایک ایسی کامیابی کا رستہ دکھایا تھا جو اسے اس کی حسین ترین منزل تک پہنچا سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں دیر سے جو منصوبہ پرورش پا رہا تھا اس پر عمل کرنے کا وقت آگیا تھا۔

☆------☆------☆

تاشا شاہی محل کی بالکونی میں افسردہ کھڑی تھی۔ کئی پریشانیوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ سب سے پہلے تو اس کی پیاری سہیلی زارینہ منگول سپاہیوں کی بربریت کا شکار ہوئی۔ پھر وہ دلادی میر پہنچی تو پتہ چلا کہ اس کا باپ کنیازیوری فوج جمع کرنے کے لیے شہر سے باہر ہے۔ اس دوران سازشیوں نے شہر میں آفت مچا دی۔ شاہی مہمانوں کو زہر دینے کی خوفناک سازش کی گئی۔ شہر کے ایک حصے میں حملے کی افواہ پھیلا کر نظم و نسق درہم برہم کر دیا گیا۔ بے شمار لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ یہ تمام معاملات اپنی جگہ سنگین اور غمزدہ کرنے والے تھے' لیکن اس وقت ایک اور طرح کی افسردگی شہزادی پر طاری تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے رہ رہ کر اس نوجوان کا چہرہ آرہا تھا جسے اس نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا۔ والد کی غیر موجودگی میں اس نے سینکڑوں افراد کی موت کے پروانے پر دستخط کئے تھے لیکن کبھی ایسا پچھتاوا اس کے ذہن میں نہیں سمایا۔ اس نے اس پچھتاوے کو بار بار جھٹکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ہر بار شدت سے ابھرا تھا۔ اس کی نگاہوں میں بار بار وہ منظر گھوم جاتے تھے جب وہ نوجوان کے ساتھ برف زار میں محو سفر تھی۔ اس برف زار میں وہ شہزادی نہیں صرف ایک عورت تھی کمزور اور بے بس' لیکن نوجوان نے اسے شرافت سے دلادی میر تک پہنچایا تھا۔ پھر اس نے شاہی ضیافت گاہ میں زہر دینے کی سازش ناکام بنا کر اور شہر کے مشرقی حصے میں خوفزدہ لوگوں کو حادثے سے بچا کر جو اہم کارنامے انجام دیے تھے۔ وہ اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے لیکن انعام کے بدلے اسے شدید ذہنی و جسمانی اذیت اور عبرتناک موت کے تحفے دیے گئے تھے۔ یہ سب کچھ اچانک ہی ہو گیا تھا ..... تاشا کو احساس ہو رہا تھا کہ اس نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ جب عقوبت خانے میں گورکی نے اباقہ کا زخم پچھانا تھا اور انکشاف کیا تھا کہ اسی شخص نے رات لوگوں کو ہلاکت سے بچایا تو تاشا حیران رہ گئی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہوئی تھی کہ قیدی یہ سب کچھ کرنے کے بعد دوبارہ عقوبت خانے میں واپس آگیا ہے۔ اس بدنام ترین عقوبت خانے میں رضاکارانہ طور پر واپس پہنچنا بڑے دل گردے کا کام تھا اور قیدی نے یہ قربانی' بوڑھے خدمتگار کو الزام سے بچانے کے لیے دی تھی۔

اس وقت تاشا کے ذہن میں خیال ابھرا تھا کہ اس جوانمردی کے صلے میں اباقہ کی جان بخش دی جائے۔ اس نے ڈیوک پر اپنے خیال کا اظہار بھی کیا تھا' لیکن پھر ڈیوک نے نہ جانے کیا دلیل پیش کی تھی کہ وہ پروانہ موت پر دستخط کو تیار ہو گئی تھی ..... ہاں جو کچھ ہوا وہ جلد بازی میں ہوا۔ اس میں زیادہ قصور ڈیوک کا تھا۔ اس نے اسے کچھ سوچنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

نتاشا نے سوچا کہ وہ کس طرح اس بے رحمی کا ازالہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ نوجوان شادی شدہ ہوتا تو وہ اس کے بال بچوں پر نوازش کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔ اگر اس کے بوڑھے والدین ہوتے تو وہ انہیں شاہی مراعات سے نواز سکتی تھی۔ مگر اس کا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ جانے کہاں کا رہنے والا تھا اور کہاں سے آیا تھا ..... دفعتاً شہزادی نتاشا کے ذہن میں ایک خیال برق کی طرح کوندا۔ آج سوموار تھا۔ اتوار کے روز کسی کو سزائے موت نہ دی جاتی تھی۔ اگر یگوڈا نے قیدی کو سزا نہ دی ہو تو ممکن ہے ..... ممکن ہے وہ ابھی زندہ ہو۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی نتاشا کے قدم خود بخود متحرک ہو گئے۔ وہ تیزی سے کمرے میں آئی اور تالی بجا کر اپنی رازداں کنیز کلثوم کو بلا لیا۔

"کلثوم! ہم اسی وقت قید خانے میں جائیں گے۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت شہزادی صاحبہ؟" کلثوم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں اسی وقت۔" وہ گرجی۔ "جلدی سے کسی محافظ کو بلاؤ۔"

..... تھوڑی ہی دیر بعد شہزادی نتاشا' کلثوم اور دو محافظوں کے ساتھ تیز قدموں سے عقوبت خانے کی طرف جا رہی تھی۔ محل سے ایک سرنگ سیدھی عقوبت خانے کے آہنی دروازے تک پہنچتی تھی۔ وہ دروازے پر پہنچے تو جلاد یگوڈا نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ شہزادی دھڑکتے دل کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس کے ذہن نے بے اختیار سوچا کاش قیدی آہنی زنجیروں میں موجود ہو اور اپنی زندگی کے لیے کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہو۔ کاش ابھی اس نے موت کی سرحد پار نہ کی ہو' وہ اسے رہا کرنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی ..... جونہی وہ آخری سیڑھیوں پر پہنچی اس کی نگاہ آہنی زنجیروں کی طرف اٹھ گئی ..... وہ خالی جھول رہی تھیں قیدی ان میں موجود نہیں تھا۔ نتاشا نے ایک گہری سانس لی اور اپنے رنج پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ چند لمحے بعد اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یگوڈا! قیدی کہاں ہے؟"

یگوڈا نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! اسے تو آپ کے حکم کے مطابق کل ہی ہلاک کر دیا گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" نتاشا باوقار لہجے میں بولی۔ "ہمیں یہی تصدیق کرنا تھی۔" پھر وہ الٹے قدموں واپس چل دی۔ اس کے چہرے پر سکون مگر سینے میں مدوجزر تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی جاندار کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ محل کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہی

تھی کہ بدنصیب قیدی کے وارثوں کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کرے گی۔ اگر اس کے والدین نہیں تھے تو قریبی عزیز بھائی بہن وغیرہ ضرور ہوں گے۔ ان کے متعلق جاننے کے لیے وہ اس کے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر سکتی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ رابطہ ٹھیک رہے گا یا نہیں۔ اسی ادھیڑبن میں وہ محل میں پہنچی تو معلوم ہو کہ کچھ لوگ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ شاہانہ انداز سے نشست گاہ میں داخل ہوئی اور اسد یورق وغیرہ کو دیکھ کر چونک گئی۔ اباقہ کے ساتھیوں کی حیثیت سے وہ انہیں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ انہیں دیکھ کر پہلا خیال نتاشا کے ذہن میں یہی آیا کہ اس کا اندیشہ درست تھا۔ اباقہ نے مرنے سے پہلے ساتھیوں کو اپنی گرفتاری کے متعلق بتا دیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے چہرے پر ایک گہری سنجیدگی چھا گئی اور وہ پھر سے شہزادی نتاشا نظر آنے لگی۔ رسمی کلمات کے بعد اس نے مائیکل سے پوچھا۔

"کیسے آئے ہیں آپ لوگ؟"

مائیکل نے احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے کہا۔ "محترم شہزادی صاحبہ۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ماسکو سے دلادی میر تک کے سفر میں ہمارے ساتھی اباقہ نے آپ کی شان میں کوئی گستاخی کی ہے جس کی سزا اسے قید کی شکل میں ملی ہے ..... غداخواست ہمارے کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ نے اسے قید کر کے کوئی ناانصافی کی ہے۔ آپ کا فیصلہ ہر شے سے بالاتر ہے' ہم تو صرف اپنے ساتھی کی طرف سے اظہار ندامت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ وہ ایک جنگلی شخص ہے' برسوں مہذب معاشرے سے دور رہا ہے۔ شاہی آداب سے نابلد ہے۔ اگر اس کا کوئی عمل آپ کے مزاج پر گراں گزرا ہو تو ہم معافی کے خواستگار ہیں۔"

شہزادی نتاشا تیکھے لہجے میں بولی۔ "مختصراً کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

مائیکل نے کہا۔ "معظمہ شہزادی صاحبہ! ہم ملزم کے لیے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔"

شہزادی غصے سے بولی۔ "تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ تمہارا ساتھی ہماری قید میں ہے۔"

مائیکل اور اسد کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اسد نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! آپ کے رتبے اور اس کی بڑائی نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کیا۔"

شہزادی کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی لیکن شاید اسے خیال آ گیا کہ اسد نے ماسکو کے محل میں اس کی جان بچائی تھی۔ وہ لہجے پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ اہل ریازان کے بلاوے پر یہاں آئے ہیں اور اس لیے ہمارے دل میں آپ لوگوں کا احترام ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ہمارے نظام انصاف پر شک کریں۔ خاص طور پر مجھے مائیکل ہوورتھ سے گلہ ہے ..... مائیکل تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم چوری چھپے کسی مہمان کو قید میں ڈالیں گے؟"

مائیکل سر جھکائے بیٹھا رہا۔ شہزادی نے رعب سے کہا۔ "اگر تمہیں کسی طرح سے یہ اطلاع ملی ہے کہ تمہارا ساتھ شاہی حراست میں ہے تو یہ اطلاع غلط فہمی یا بدنیتی پر مبنی ہے۔ ممکن ہے یہ سازشیوں میں سے کسی کی حرکت ہو۔"

اسد' مائیکل اور یورق کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر اجازت لی اور نشست گاہ سے باہر نکل آئے' ان تینوں کے چہروں پر سخت تشویش پائی جاتی تھی۔ معاملہ نہایت الجھا ہوا تھا۔ گفتگو کے بعد اباقہ اور اسد کے درمیان صرف ایک مختصر سا مکالمہ ہوا تھا۔ اب اسی مکالمے پر وہ مفروضے قائم کر رہے تھے۔ زہریلی ضیافت کا درہم برہم کرنے کے بعد جب اباقہ شاہی محل سے رخصت ہو رہا تھا تو اسد نے اسے پہچان کر اس کا پیچھا کیا تھا۔ اس موقعے پر اباقہ نے بتایا تھا کہ اس پر اور علی پر شہزادی نتاشا کے آدمیوں نے حملہ کیا ہے۔ اباقہ کے اس جملے سے انہوں نے فرض کیا تھا کہ وہ نتاشا کی قید میں ہے مگر شہزادی صاف انکار کر رہی تھی۔ اس کے انکار سے ایک خدشہ یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ ممکن ہے شاہی حراست میں اباقہ کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔ زیر زمین شاہی عقوبت خانے کے متعلق انہوں نے بہت سی لرزا خیز کہانیاں سنی تھیں۔ اگر اباقہ اس عقوبت خانے میں پہنچا تھا تو اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ تینوں شاہی محل کی ڈیوڑھی سے نکل اور اپنے اپنے خیالوں میں گم پیدل ہی مہمان خانے کی طرف چل دیے۔ مائیکل نے کہا۔

"علی کے ساتھ ساتھ اب ہمیں اباقہ کو بھی تلاش کرنا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اس تلاش کا آغاز ہم دلادی میر کے مرکزی قید خانے سے کریں۔ کل کسی وقت قید خانے کا چکر لگایا جائے۔ ممکن ہے کسی جرم میں اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہو۔ شہر میں ہنگامی حالت نافذ ہے اور انتظامیہ اجنبیوں سے نہایت سختی برت رہی ہے۔ اباقہ کو مہمان خانے سے نکلتے وقت احتیاط کرنی چاہیے تھی۔"

☆------☆------☆

توزان باغ کی محل نما رہائش گاہ میں تین چار روز اباقہ نے نہایت آرام سے گزارے۔ وہ سارا دن مسہری سے پاؤں لٹکائے لیٹا رہتا اور ایک کنیز وقفے وقفے سے اس

کے پاؤں کسی محلول سے دھوتی رہتی اس کے جلے ہوئے تلوے اب چلنے پھرنے کے قابل ہو چکے تھے۔ چہرے کے زخم بھی مناسب علاج سے مندمل ہو رہے تھے۔ چوتھے روز شام کے وقت توزان باغ نے اسے نشست گاہ میں طلب کیا۔ وہ نشست گاہ میں پہنچا تو ڈیوک کو بھی وہیں پایا۔ جلاد دیگوڈا ایک کونے میں مؤدب کھڑا تھا۔ ڈیوک نے کہا۔

"میرا خیال ہے اباقہ۔ تم جیسا آدمی بیکار بیٹھنے سے اکتا جاتا ہے۔"

اباقہ بولا۔ "ڈیوک! آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا ہے۔"

ڈیوک نے کہا۔ "میں نے تمہاری بے کاری ختم کرنے کا سامان کیا ہے۔" اباقہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔ ڈیوک بولا۔ "تمہیں معلوم ہو گا کہ پچھلے ہفتے شہر کے مشرقی حصے میں گڑبڑ ہوئی تھی۔ منگول حملے کی افواہ پھیلی تھی اور کچھ گھروں کو آگ لگا دی گئی تھی۔ میری اطلاعات کے مطابق تم بھی وہاں موجود تھے اور شاہی خاندان سے حق وفاداری ادا کرتے ہوئے تم نے لوٹ مار کرنے والوں سے مقابلہ کیا تھا۔"

اباقہ نے کہا۔ "آپ کی اطلاع بالکل درست ہے مجھے افسوس ہے کہ میری تلوار ظالموں کی حمایت میں اٹھتی رہی۔" اس کے لہجے میں شاہی خاندان کے لیے نفرت کا اظہار نہایت واضح تھا۔ ڈیوک خوش ہو کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم خود سے ہونے والی ناانصافیوں کا حساب لو۔ جن لوگوں نے تمہاری قدر نہیں کی انہیں بتاؤ کہ تم کیا ہو۔"

اباقہ ادب سے جھک کر بولا۔ "میں ڈیوک کے حکم کا منتظر ہوں۔"

ڈیوک نے کہا۔ "اس ہنگامے میں کچھ افراد کو قیدی بنایا گیا تھا۔ ان میں ہمارا ایک نہایت خاص آدمی "سولیونی" بھی شامل ہے۔ سولیونی کی رہائی ہمارے لیے بے حد اہم ہے۔ وہ کچھ ایسے رازوں سے آگاہ ہے جن کا افشا ہمارے مقاصد کی موت ہے۔ سولیونی نے اب تک بڑی برداشت کا ثبوت دیا ہے اور سخت اذیتوں کے باوجود زبان بند رکھی ہے' لیکن وہ تادیر ایسا نہیں کر سکے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ شاہی جلادوں کے سامنے سر ڈال دے ہمیں اسے آزاد کرانا ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق آج بعد دوپہر اسے مرکزی قید خانے کی ایک قریبی علاج گاہ میں لے جایا جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم قید خانے اور علاج گاہ کے درمیانی راستے میں سرکاری گاڑی پر حملہ کر کے اسے چھڑانے کی کوشش کرو۔"

اباقہ بولا۔ "مجھے یہ کام کر کے بہت خوشی ہو گی۔"

"شاباش۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ اب میں تمہیں وہ تفصیلات بتاتا ہوں جو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام کے لیے درکار ہوں گی..... تصدیق شدہ اطلاعات کے مطابق سولیوئی کو دوپہر سے ٹھیک چار گھڑی بعد ایک بند گاڑی میں قید خانے سے باہر لایا جائے گا۔ قید خانے کی مخصوص دھاتی گاڑی سیاہ رنگ کی ہے۔ اس کے عقب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ دونوں پہلوؤں پر چوکور روشندان ہیں جن میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ گاڑی کے اندر پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ واحد صورت یہی ہے گاڑی کو قیدی سمیت محافظوں سے چھین لیا جائے۔ محافظوں کی تعداد کے متعلق ہمیں حتمی معلومات حاصل نہیں۔ بہرحال یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد سولہ سے زیادہ نہیں ہو گی۔ چار محافظ سامنے' دو دو پہلوؤں میں اور آٹھ عقب میں ہو سکتے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ تعداد اس سے کم ہو گی۔ اگر تم قید خانے کے بیرونی دروازے سے کوئی ایک فرلانگ دور کارروائی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو کامیابی کے امکانات نہایت روشن ہیں۔ اس چھوٹے سے چوراہے سے ایک سڑک سیدھی اس عمارت کی طرف جاتی ہے جہاں ہم نے گاڑی چھپانے کا مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ تم اس عمارت میں داخل ہو گئے تو بالکل محفوظ ہو جاؤ گے۔ گاڑی گھوڑوں سمیت سیدھی ایک تہہ خانے میں چلی جائے گی اور خفیہ راستہ بند ہو جائے گا۔ قید خانے کے محافظ لاکھ سر پٹکیں مگر گاڑی کا سراغ نہ لگا سکیں گے' بالآخر وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ گاڑی عمارت کے دوسرے دروازے سے نکل گئی ہے....."

اباقہ بڑے غور سے ڈیوک کی باتیں سن رہا تھا۔ تمام معلومات ترتیب وار اس کے ذہن میں جمع ہو رہی تھیں۔ ایک طویل نشست کے بعد اباقہ وہاں سے اٹھا اور گیوڈا کے ساتھ موقع محل کا جائزہ لینے چل دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک بند گاڑی استعمال کی۔ شہزادی نتاشا کی نظروں میں اباقہ ہلاک ہو چکا تھا۔ اگر کسی جگہ کوئی اسے شناخت کر لیتا تو مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔

گیوڈا اور اباقہ موقع کا تفصیلی جائزہ لے کر دوپہر کے وقت واپس آئے۔ ڈیوک اس وقت تک دس عدد شہسواروں کا انتظام کر چکا تھا۔ ان سواروں کو اباقہ کے ساتھ مل کر کارروائی میں حصہ لینا تھا۔ وہ سب کے سب تنومند اور پوری طرح مسلح تھے۔ انہیں اباقہ کی کمان میں دے کر ڈیوک واپس چلا گیا۔ توزن باغ کے اصطبل میں اب اباقہ اور اس کے ساتھی سوار تنہا تھے۔ اباقہ نے موقع محل کی مناسبت سے انہیں ضروری ہدایات دیں اور ڈیوک کے مخبروں کی طرف سے آخری اطلاعات کا انتظار کرنے لگا۔ پُرخطر کاموں میں اباقہ کو عجیب طرح کا سرور آتا تھا۔ ایسے وقت اس کا سینہ سنسنی خیز دھڑکنوں سے لبریز ہو جاتا تھا۔ کسی ایسے درندے کی طرح جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو اس کی تمام حسیں

بیدار ہو کر جوان ہو جاتی تھیں۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سورج روبہ زوال ہوا اور سائے بڑھنے لگے۔ آخر وہ اطلاع پہنچ گئی جس کا انتظار تھا۔ ایک گھڑ سوار مخبر اصطبل میں داخل ہوا اور اس نے بتایا کہ قیدی کو طے شدہ وقت کے مطابق علاج گاہ میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ اباقہ اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار بیٹھے تھے۔ انہوں نے لگاموں کو جنبش دی اور گھوڑے متحرک ہو کر اصطبل کے دروازے کی طرف بڑھے۔

☆------☆------☆

مائیکل نے متعلقہ افسر سے اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ اسد اور یورق کو لے کر مرکزی قید خانے کی طرف جا رہا تھا۔ زیادہ امید تو نہیں تھی لیکن ممکن تھا کہ قیدیوں کے ہجوم میں انہیں اباقہ کا چہرہ بھی نظر آ جاتا۔ ابھی وہ قید خانے کے صدر دروازے سے ایک فرلانگ دور تھے کہ ایک سیاہ گھوڑا گاڑی دکھائی دی۔ وہ مسلح محافظوں کے نرغے میں چوراہے کی طرف آ رہی تھی۔ مائیکل نے اسد اور یورق کی دلچسپی دیکھ کر انہیں بتایا کہ کسی قیدی کو علاج گاہ یا عدالت میں لے جایا جا رہا ہے۔

گاڑی درمیانی رفتار سے چلتی چوراہے میں پہنچی اس وقت تک وہ تینوں بھی چوراہے میں داخل ہو چکے تھے۔ دفعتاً ایک گلی سے چند گھڑ سوار برآمد ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے محافظوں پر حملہ کر دیا۔ حملہ آوروں کے چہرے پگڑیوں میں پوشیدہ تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ تینوں کچھ سمجھتے کئی محافظ تہ تیغ ہو گئے۔ گاڑی کے آگے جانے والے چار محافظ شور سن کر پلٹے اور تلواریں سونت کر ساتھیوں کے دفاع کو لپکے۔ اس وقت اسد نے دیکھا کہ ایک حملہ آور تیزی سے گھوڑا بھگاتا آیا پھر اس نے گاڑی پر چھلانگ لگائی۔ وہ شاید کوچ بان پر حملہ کرنا چاہتا تھا' لیکن کوچ بان ہوشیار نکلا اور اس نے نقصان اٹھانے سے پہلے ہی نیچے چھلانگ لگا دی۔ حملہ آور نے کوچ بان کی جگہ سنبھال کر گھوڑوں کی راسیں تھامیں اور نہایت مہارت سے انہیں آگے بڑھا دیا..... دو محافظ گھوڑا گاڑی کی طرف لپکے لیکن راستے میں ہی تلواروں کا نشانہ بن گئے۔ گھوڑا گاڑی نے نہایت سرعت سے چکر کاٹا اور ایک سیدھی سڑک پر آ گئی یہ سب کچھ چند لمحوں کے اندر اندر وقوع پذیر ہوا۔ مائیکل چلایا۔

"میرا خیال ہے یہ شرپسندوں کا کام ہے۔"

اسد بولا۔ "ہمیں محافظوں کی مدد کرنا چاہیے۔"

مائیکل نے تلوار نیام سے باہر کر کے اسد کے خیال کی تصدیق کی۔ اسد اور یورق کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلواریں ایک ساتھ باہر آئیں وہ گھوڑا گاڑی کی طرف بڑھے۔ گھوڑا گاڑی اب سیدھی ان کی طرف آ رہی تھی۔ مائیکل چلایا۔ "رک جاؤ۔" گاڑی کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یورق گاڑی کے راستے میں آیا کوچبانی کرنے والے شخص پر تلوار سے وار کیا۔ اس شخص نے حیرت انگیز پھرتی سے وار بچایا' مگر اسد کا وار کارگر رہا۔ اس نے نیچے جھک کر نہایت ہوشیاری سے ایک گھوڑے کی ٹانگوں پر وار کیا تھا۔ گھوڑے کی اگلی ٹانگ گھٹنے سے کٹ گئی اور وہ لڑکھڑا کر اوندھے منہ گرا۔ اپنے ساتھ وہ دوسرے دو گھوڑوں اور گاڑی کو بھی لیتا چلا گیا۔ زبردست گڑگڑاہٹ سے گاڑی اور گھوڑے زمین میں گھستے چلے گئے۔ کوچبانی کرنے والا اچھلا اور گھوڑوں کے اوپر سے ہوتا ہوا سڑک پر آیا۔ اسد اس کی طرف جھپٹا۔ تلوار کا پہلا وار حملہ آور نے جھک کر بچایا۔ دوسرے وار سے پہلے وہ سنبھل چکا تھا۔ دونوں کی تلواریں پوری شدت سے ٹکرائیں۔ اسد کو مدمقابل کی بے پناہ قوت کا احساس ہوا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں برق سی کوند گئی۔ اس نے غور سے حملہ آور کی آنکھیں دیکھیں اور پہچان گیا..... اس کے سامنے اباقہ تھا' یہ اباقہ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اسد کی تلوار منجمد ہو گئی "اباقہ" اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

اباقہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ایک بھرپور وار کیا۔ تلوار اسد کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ اباقہ نے گھوڑا گھمایا اور گھوڑا گاڑی کی طرف لپکا۔ گھوڑے ابھی تک تڑپ تڑپ کر اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ان کی اس کوشش میں گاڑی ایک پہلو پر الٹ کر نیم دائرے میں گھوم رہی تھی۔ اباقہ نے قریب پہنچتے ہی دروازے کے آہنی قفل پر تلوار کے دو طوفانی وار کیے قفل ٹوٹ کر نیچے جا گرا' لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتا یورق گھوڑے کو گھما کر اباقہ کے سامنے آ گیا۔ اباقہ اور یورق کی تلواریں جھنجھنا اٹھیں۔ یورق کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ابھی تک اباقہ کو پہچاننے میں ناکام رہا تھا۔ اسد آواز دے کر اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کے مقابل اباقہ ہے' لیکن وہ کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ ممکن تھا اباقہ کسی خاص مقصد کے تحت خود کو چھپانا چاہتا ہو۔ دوسری طرف اگر وہ یورق کو نہ بتاتا تو ہو سکتا تھا اباقہ کو کوئی گزند پہنچتا..... اب محافظ بھی ان کی مدد کو پہنچ چکے تھے۔ گھوڑا گاڑی کے اطراف زبردست لڑائی ہو رہی تھی۔ اسد نے یورق کو اباقہ کے ہاتھوں زخمی ہو کر گھوڑے سے گرتے دیکھا اور حیران رہ گیا۔ یورق نے اپنی زخمی ران دونوں ہاتھوں سے دبا رکھی تھی۔ اس وقت قید خانے کے صدر دروازے سے مزید محافظ موقع کی طرف لپکتے دکھائی دیے۔ اباقہ اور اس کے ساتھی بھی شاید یہ منظر

دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے اچانک پسپائی اختیار کی اور دفاعی لڑائی لڑتے مختلف اطراف میں بھاگ نکلے۔

☆-------☆-------☆

منظر توزن باخ کی نشست گاہ تھا۔ ڈیوک اباقہ کا کندھا تھپ تھپا رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں اباقہ' کامیابی اور ناکامی ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ تم نے بہادری سے اپنی ذمے داری نبھائی ہے"

اباقہ نے کہا۔ "ڈیوک! میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس کام کے لیے ایک اور موقع فراہم کیا جائے۔"

"حوصلہ رکھو جان من۔ حوصلہ رکھو۔" ڈیوک خوشدلی سے بولا۔ "میں جلد تمہیں پھر طلب کروں گا۔ اب تم جاؤ آرام کرو۔"

اباقہ نے جھک کر سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ توزن باخ نے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور معنی خیز نظروں سے ڈیوک کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈیوک بولا۔ "میں نے دستے میں دو مخبر بھی بھیجے تھے۔ ایک تو مارا گیا دوسرے نے جو اطلاعات دی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے اباقہ نے قریباً قریباً کامیابی حاصل کر ہی لی تھی۔ وہ یورق کو چوبان کو نیچے گرا کر اس کی نشست سنبھال چکا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جونہی گاڑی چوراہے سے گھوم کر سیدھی سڑک پر آئی سامنے سے تین سوار نکل آئے۔ ان میں ایک فوجی افسر مائیکل ہوورتھ تھا۔ ان لوگوں نے گاڑی کا راستے روکا اور ایک گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دی۔ اتنے میں محافظ بھی پیچھے سے آ کر مقابلہ کرنے لگے۔ اباقہ نے پھر بھی کوشش کر کے گاڑی کے دروازے کا قفل توڑ دیا مگر اس دوران قید خانے سے بھی کمک پہنچ گئی مجبوراً ان لوگوں کو پسپا ہونا پڑا۔"

توزن باخ اپنی مہین آواز میں بولا۔ "اس کا مطلب ہے تم اس نوجوان سے مطمئن ہو؟"

ڈیوک بولا۔ "پیارے تم تو جانتے ہو کہ ایسے کاموں میں اتنی جلدی مطمئن نہیں ہوا جاتا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ جوان وفادار ثابت ہو گا۔"

توزن بولا۔ "اس سے امید کی کوئی خاص وجہ؟"

ڈیوک نے کہا۔ "ہاں اس کی ایک وجہ ہے..... تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ گھوڑا گاڑی کا راستہ روکنے والے تین افراد میں دو افراد اباقہ کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام اسد ہے۔ دوسرا کوئی منگول ہے۔ اباقہ نے نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا بلکہ ان میں سے ایک کو مقابلے کے دوران زخمی بھی کر دیا ہے۔ اس اتفاقیہ جھڑپ سے ہمیں اس بات کا کھلا ثبوت ملا ہے کہ اباقہ ہمارے احکام کی پوری طرح پابندی کر رہا ہے۔"

توزن بارخ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ عیش و عشرت کی چکا چوند نے اسے اسیر کر لیا ہے۔"

ڈیوک نے کہا۔ "مجھے تم اتفاق نہیں۔ اباقہ کو ہماری نوازشات نے متاثر ضرور کیا ہے لیکن اس کے رویے کا اصل محرک اس کے ساتھ ہونے والا ناروا سلوک ہے۔ وہ شہزادی نتاشا اور شاہی خاندان کی دشمنی میں بہت آگے نکل گیا ہے۔"

توزن بولا۔ "جذبات سے کھیلنا تمہیں خوب آتا ہے ڈیوک۔"

ڈیوک کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ بولا۔ "توزن' یہ شخص ایک ہیرا ہے ہیرا۔ ذرا صبر کرو' پھر دیکھو میں اس سے کیا کام لیتا ہوں۔" توزن بارخ نے قریب کھڑی کنیز کو اپنے پاس بلایا۔ اس کنیز کا نام روما تھا اور وہ مصری نژاد تھی۔ ناچ گانے کے علاوہ خوبصورتی میں بھی وہ لاجواب تھی۔ توزن نے کہا۔ " روما! اس جنگلی پر ایسا جادو کر کہ یہ یہیں کا ہو کر رہ جائے۔"

روما نے ادب سے کہا۔ آقا! میں آپ کی آنکھوں سے آپ کے دل کی بات جان لیتی ہوں۔ جب آپ نے مجھے اس کی خدمت پر مامور کیا تھا میں اسی وقت سمجھ گئی تھی کہ آپ کیا چاہتے ہیں......... لیکن آقا' یہ خاصا بدذوق بلکہ کسی حد تک بیوقوف شخص ہے۔ پچھلے تین روز سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ بھلا بتائیے میری موجودگی میں کسی مرد کو نیند آسکتی ہے' لیکن وہ سوتا ہے بلکہ گھوڑے بیچ کر سوتا ہے۔ مجھے تو مسہری کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتا۔"

"تو تم اپنی شکست کا اعتراف کر رہی ہو؟"

"نہیں کوشش تو میں جاری رکھوں گی' لیکن وہ کسی اور ڈھب کا آدمی لگتا ہے۔ ایک دن اس کے پاؤں دبانے لگی یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے بچھو نے کاٹ کھایا ہو۔ ناچ گانے سے اس کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی ہنسی کی بات کروں تو اس کے سر سے گزر جاتی ہے...... مجھے تو پاگل لگتا ہے۔ کسی دن ہڈی پسلی ہی ایک نہ کر دے۔"

توزن اور ڈیوک قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔ توزن بولا۔

"پیاری! اسے پاگل مت سمجھ۔ دیکھنے میں لگتا ہو گا مگر بہت گہرا شخص ہے۔"

☆--------☆--------☆

طوطم خان اپنے حلیے اور لباس سے اردوئے معلی (منگول لشکر) کا کوئی بھٹکا ہوا سوار دکھائی دیتا تھا۔ اس کے چہرے پر سفر کی تھکان تھی اور آنکھوں میں تلاش۔ وہ نگی نایا ندی کے کنارے ماسکو کے نواح میں پہنچ چکا تھا اور یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ درست سمت میں جا رہا ہے۔ علاقے کے دیہات خالی تھے۔ فصلیں اجڑی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ مسخ شدہ لاشوں پر چیل کوؤں کے جھنڈ نظر آتے تھے۔ یہی منگول پڑاؤ کی نشانیاں تھیں۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ڈیڑھ لاکھ وحشی انسانوں کا جم غفیر قرب وجوار میں کہیں موجود ہے اور اپنا نیا سفر پھر شروع کرنے سے پہلے دانت تیز کر رہا ہے۔

بالآخر چوتھے روز دوپہر کے وقت اسے منگول لشکر کے پڑاؤ کے آثار نظر آنے لگے۔ سب سے پہلے ایندھن کی تلاش میں نکلے ہوئے چند چھکڑے نظر آئے۔ کچھ آگے جا کر اس نے بلندی سے دیکھا تو حد نگاہ تک گول خیموں کا ایک جنگل دکھائی دیا' لیکن یہ صرف پڑاؤ کا ایک حصہ تھا۔ طوطم خان کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ سپہ سالار اعظم کے پڑاؤ سے زیادہ دور نہیں۔ یاک کی نو دموں والا بلند و بالا پرچم باتو خاں کے پڑاؤ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ وہ اتنی دور سے باتو خاں کا عظیم الشان زریں یورت (خیمہ) تو نہیں دیکھ سکتا تھا' لیکن پرچم کے مقام سے اندازہ ہوتا تھا کہ سپہ سالار کا یورت کوئی چار فرلانگ کے فاصلے پر ہے یہ سوچ کر طوطم خان کو اطمینان ہوا کہ پڑاؤ کے اس حصے میں اسے جاننے والا کوئی نہ ہو گا۔ ظاہر تھا باتو خاں کے خیمے کی چاروں جانب اس کے اپنے قبیلے زریں نیل کے خیمے تھے اور ان اجنبی لوگوں میں کوئی اسے کیسے جان سکتا تھا۔

وہ جانتا تھا باتو خاں کی طرح دوسرے شہزادے بھی اپنے اپنے شناختی پرچموں تلے اپنی افواج کے ساتھ خیمہ زن ہوں گے۔ اس لشکر عظیم میں چغتائی' اوغدائی اور تولوئی کے بیٹے شامل تھے۔ تسخیر روس کی اس مہم میں بہت سے منگول بچے انسانی شکار کے داؤ پیچ سیکھ رہے تھے۔ درحقیقت یہ یلغار چنگیز خان کے پوتوں کا ایک تربیتی سفر بھی تھا' جو وہ عظیم جنگجو سوبدائی بہادر کی رہنمائی میں طے کر رہے تھے۔

طوطم خان کچھ دیر بلندی پر کھڑا پڑاؤ کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نیلے جاودانی آسمان کو یاد کر کے منگول پڑاؤ کی طرف چل دیا۔ اسے سب سے پہلے شاہی حجام ینگو کو تلاش کرنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ نہ صرف ینگو اسے مل جائے بلکہ وہ بطور شاہی حجام اپنے فرائض بھی انجام دے رہا ہو۔

طوطم خان نے نصف چہرا سموری ٹوپی کی جھالر میں چھپا رکھا تھا۔ اسے احساس تھا کہ پڑاؤ کے اس حصے میں ینگو سے مشابہت کے سبب اس کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مینگو کو بتانے میں حرج بھی کوئی نہیں تھا۔ اسے اب زندہ تھوڑا ہی رہنا تھا۔ اپنے متعلق بتا کر طوطم نے مینگو سے اردوئے معلی کے حالات پوچھے۔ مینگو نے محتاط لہجے میں جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ تھا کہ منگول لشکر کو دلادی میر پر حملے میں تاخیر ہو رہی ہے۔ اس تاخیر کی ایک وجہ مغل شہزادوں کی آپس کی چپقلش بھی ہے۔ وہ کسی فیصلے تک پہنچنے میں کافی دیر لگاتے ہیں۔ مینگو نے بتایا کہ باتو خاں اپنے رشتے کے بھائیوں سے بڑی مروت اور نرمی سے پیش آتا ہے اس لیے وہ اس سے بہت بے تکلف ہو گئے ہیں اور بعض اوقات اسے دق بھی کرنے لگتے ہیں۔ ایک طرف وہ اس کی مہمان نوازی پر اسے شائیں خاں (شاندار آدمی) کا خطاب دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کی سادگی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خاص طور پر چغتائی خاں کے شریر بیٹے اس کے احکامات کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ وہ آج کل شکار میں مصروف ہیں۔ امید ہے کہ ہفتے سے پیشتر کوچ کا حکم نہیں ہو گا۔"

..... طوطم خان بغور مینگو کی باتیں سن رہا تھا۔ اس سے غلطی ہوئی کہ وہ مینگو کی طرف سے پوری طرح ہوشیار نہ رہ سکا۔ مینگو جو جان بوجھ کر باتوں کو طول دے رہا تھا کسی ایسے ہی موقعے کی تلاش میں تھا۔ زمین دوز برتن سے جام بھرنے کے بہانے وہ جھکا' لیکن پھر تیزی سے سیدھا ہوا اور گھوم کر طوطم خاں پر آیا۔

برتن پر جھکتے وقت وہ اپنا خنجر ہاتھ میں کر چکا تھا۔ اگر طوطم سے ذرا بھی چوک ہوتی تو یہ خنجر اس کی گردن میں پیوست ہو گیا ہوتا۔ پھرتی سے وار بچا کر اس نے مینگو کا جسم اپنے ہاتھوں پر روکا اور پھر ٹانگیں سکیڑ کر اس کے پیٹ سے لگا دیں۔ کمر پہلے ہی دیوار سے لگی ہوئی تھی یکدم زور سے اس نے جو ٹانگیں سیدھی کیں تو مینگو اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ شدید ٹکر سے خستہ دیوار منہدم ہو گئی اور بہت سی اینٹیں مینگو پر جا گریں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر طوطم نے چھلانگ لگائی اور مینگو پر گرا۔ خم دار خنجر ابھی تک مینگو کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے لیتے لیتے طوطم کو نشانہ بنانا چاہا مگر طوطم نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا۔ دونوں کا پلہ برابر تھا۔ زبردست کشمکش کے دوران اچانک طوطم داؤ چل گیا۔ اس نے مینگو کی کلائی اس انداز سے موڑی کہ خنجر اس کا اپنا ہی پیٹ چاک کر گیا۔

☆=====☆=====☆

اباقہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔ ڈیوک اس سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج علاج گاہ میں سولیوئی کی آخری رات ہے۔ اسے قید خانے واپس پہنچنے سے پہلے ہر صورت آزاد ہونا چاہیے۔ ڈیوک کی گفتگو سے اباقہ نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ آج رات علاج گاہ میں چھاپہ مار کارروائی کروانا چاہتا ہے۔ اس نے ڈیوک سے کہا۔

"محترم ڈیوک! میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل دوپہر تک سولیوئی آپ کے پاس ہو گا۔"

اباقہ کے اس دوٹوک لہجے پر ڈیوک حیران رہ گیا۔ اباقہ کے چہرے پر جھلکتا ہوا بے پناہ اعتماد اس کے دعوے کو معتبر بنا رہا تھا۔ ڈیوک نے تعریفی نظروں سے اباقہ کو دیکھا اور بولا۔

"ٹھیک ہے اباقہ' میں طریقہ کار کا انتخاب تم پر چھوڑتا ہوں مجھے یقین ہے اس دفعہ تم کسی خوشخبری کے ساتھ لوٹو گے۔"

اباقہ نے کہا۔ "ڈیوک! میں آپ کی توقع پر پورا اترنے کے لیے جان کی بازی لگا دوں گا۔"

"شاباش اباقہ! میں نے تم سے بڑے کام لینے ہیں۔"

اباقہ نے ڈیوک سے اجازت طلب کی اور واپس اپنی آرام گاہ میں آگیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سولیوئی کو شاہی حراست سے چھڑانے کا ایک منصوبہ اس کے ذہن میں تھا۔ اس منصوبے نے اس وقت جنم لیا تھا جب اسد کے وار سے گھوڑے کی ٹانگ کٹی تھی۔ تلوار بازی کے دوران اتفاقاً اباقہ کی نگاہ گاڑی کے پہیے کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کی عقابی نگاہوں سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی تھی کہ گاڑی کا آہنی فرش بری طرح زنگ آلود ہے۔ خاص طور پر اگلے پہیوں کے درمیان ایک مقام پر آہنی چادر بے حد متاثر تھی۔ یہاں سے گاڑی کے اندر بچھی ہوئی سیاہ دری جھانک رہی تھی۔

اس بات کا نوے فیصد امکان تھا کہ سولیوئی کو علاج گاہ سے وہی گاڑی واپس قید خانے لائے گی۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اباقہ نے پچھلے تین روز سے علاج گاہ اور قید خانے کے درمیان کئی چکر لگائے تھے۔ یہ چکر اس نے ایک بند گھوڑا گاڑی میں لگائے تھے۔ ایک دفعہ یگوڈائے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ اباقہ نے اس ڈیڑھ کوس کے راستے کا ہر نشیب و فراز ذہن نشین کر لیا تھا ..... اور اب وہ ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا ..... علاج گاہ سے کوئی چار فرلانگ دور ایک موڑ ایسا پڑتا تھا جو اباقہ کی کارروائی کے لیے موزوں ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ موڑ قریباً نوے درجے کا زاویہ بناتا تھا۔ موڑ مڑنے کے ساتھ ہی ایک ڈیڑھ گز اونچی دیوار دور تک سڑک کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔ یہ دیوار سرکاری مویشی خانے کی تھی۔ منگول حملے کے خطرے کے پیش نظر یہاں سینکڑوں کی تعداد میں مویشی جمع کیے جا رہے تھے تاکہ قلعہ بند ہونے کی صورت میں خوراک کے کام آسکیں۔ اباقہ اس نتیجے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر پہنچا تھا کہ جب قید خانے کی گھوڑا گاڑی یہ موڑ مڑے گی۔ پیچھے آنے والا محافظ دستہ کم از کم بیس گز دور ہو گا۔ ان کے موڑ مڑنے سے پہلے اگر سولیونی گاڑی سے نکل کر مویشی خانے کی دیوار پھاند جاتا ہے تو کسی کو خبر نہ ہوتی۔ جہاں تک گھوڑا گاڑی سے نکلنے کا مسئلہ تھا وہ بہت کچھ اباقہ طے کر چکا تھا..... اس رات وہ دیر تک اپنے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا پھر خادمہ روما کو "خوابگاہ بدر" کر کے سو گیا۔

اگلے روز اباقہ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ڈیوک کے مخبروں نے بتایا کہ سرکاری گھوڑا گاڑی سولیونی کو لینے کے لیے علاج گاہ پہنچ چکی ہے۔ اس اطلاع کے بعد اباقہ نے علاج گاہ پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ سیاہ رنگ کی گھوڑا گاڑی علاج گاہ کے احاطے میں ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ عقبی دروازے کے دائیں بائیں دو نشستیں تھیں جہاں تیزہ بردار محافظ چوکس بیٹھے تھے۔ تقدیر نے یہاں بھی اباقہ کا ساتھ دیا۔ گاڑی کے گرد کوئی مسلح محافظ نظر نہیں آیا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔ یا ہو سکتا تھا محافظوں کے اس جم غفیر میں شامل ہو گیا تھا ہو جو علاج گاہ کے اندر سولیونی کا پہرا دے رہے تھے۔

اباقہ نے ایک چکر لگایا اور نہایت صفائی سے گاڑی کے نیچے رینگ گیا۔ پہیوں کو باہر مربوط کرنے والے لٹھ نما حصوں کو پکڑ کر وہ گاڑی کے پیندے سے چپک گیا۔ کمر کے نیچے کوئی سہارا نہیں تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ اسے مستقل یہ حالت برقرار رکھنے کے لیے سخت کوشش کرنا پڑے گی..... وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا۔ پھر گاڑی کے اردگرد محافظوں کی چہل پہل نظر آنے لگی۔ دو محافظ باتیں کرتے ہوئے گاڑی کے بالکل قریب چلے آئے۔ وہ ترکی بول رہے تھے۔ ان کی باتوں سے اباقہ پر انکشاف ہوا کہ اس محافظ دستے کا کمان دار اسد اللہ ہے۔ اسد نے جس طرح گاڑی پر حملے کو ناکام بنایا تھا اس نے داروغہ قید خانہ کو بہت متاثر کیا تھا۔ اس نے اسد سے درخواست کی تھی کہ وہ اس خطرناک مجرم کی نقل و حرکت کے دوران اس کی محافظت کرے۔ اباقہ کے لبوں پر ایک خفیف مسکراہٹ کھیل گئی۔ حالات اسے بار بار اسد کے سامنے لا رہے تھے۔

کوئی دو گھڑی کے کٹھن انتظار کے بعد مجرم کی روانگی کے آثار نظر آئے۔ پھر اباقہ نے سولیونی کے پاؤں دیکھے۔ وہ محافظوں کے نرغے میں گاڑی پر سوار ہو رہا تھا۔ یہ بڑے پُر خطر لمحات تھے۔ کسی بھی وقت کوئی ہوشیار محافظ گاڑی کے نیچے جھانک سکتا تھا۔ ایک موقعے پر تو اباقہ بال بال بچا' گھوڑوں کی لید اٹھانے کے لیے ایک شخص نیچے جھکا۔ اگر اس کا رخ ذرا سا تبدیل ہو جاتا تو وہ اباقہ کو دیکھ لیتا بہرحال یہ مراحل عافیت سے گزر گئے۔ ایک دھچکے کے ساتھ گاڑی حرکت میں آئی اور اس کے ساتھ ہی اباقہ نے اپنا کام شروع کر

دیا۔ اس نے لباس کے اندر سے ایک آری نما آلہ نکالا اور آہستہ آہستہ لوہے کی خستہ چادر کو کاٹنے لگا۔ پہلے تو کچھ مشکل پیش آئی پھر توقع سے زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ کئی جگہ سے بھربھری چادر با آسانی کٹ گئی۔ چند بالشت چادر کاٹنے کے بعد اباقہ نے زور لگایا اور لوہے نے مڑ کر فرش میں ایک چھوٹا سا خلا کھول دیا۔ حسب توقع اباقہ کو دوسری جانب سولیونی کا حیرت زدہ چہرہ نظر آیا۔ کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ گاڑی تیزی سے مختلف سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔ اباقہ نے خلا میں ہاتھ ڈالا اور سولیونی کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی بندش کاٹ دی۔ ہاتھ آزاد ہوتے ہی سولیونی کے چہرے پر امید کی جھلک نظر آنے لگی۔ اباقہ نے اپنے لباس کے اندر سے ایک اور آہنی آری نکال کر سولیونی کو تھما دی۔ سولیونی بغیر الفاظ کے سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اباقہ کی طرح اس نے بھی جلدی جلدی ایک جانب سے چادر کو کاٹنا شروع کر دیا۔ وقت محدود تھا اور مقررہ موڑ سے پہلے اباقہ اتنا چوڑا خلا پیدا کرنا چاہتا تھا جس سے سولیونی باہر نکل سکے۔ یہ ایک مشقت طلب کام تھا۔ سخت سردی میں بھی وہ پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ مسلسل جھٹکے ان کے کام کو دشوار تر بنا رہے تھے۔ آخر ان کی دیوانہ وار محنت رنگ لائی اور چادر تین اطراف سے مناسب حد تک کٹ گئی۔ اباقہ نے زور لگا کر اسے دوہرا کیا اور سولیونی نے اپنا سر خلا میں ڈال دیا۔ باہر نکلنا ضرورت سے زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ اباقہ کے ہاتھ زخمی ہو گئے اور کٹی ہوئی چادر نے سولیونی کے جسم پر بھی چرکے لگائے۔ عقب سے دیکھے جانے کا دھڑکا بھی ہر لمحے لگا ہوا تھا۔ یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ راستے میں کوئی ابھرا ہوا پتھر ان دونوں کے مزاج پوچھ جائے۔ بالآخر سولیونی باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اباقہ تیز نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ سولیونی بھی اب اسی کی طرح گاڑی کے پیندے سے چپکا ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ سولیونی صرف روسی جانتا تھا۔ اباقہ نے روسی ملی ترکی میں اسے لائحہ عمل سمجھانے کی کوشش کی پھر ناکام ہو کر اسے یہ بتایا کہ وہ بس اس کی نقل کرتا جائے۔ سولیونی نقل کرنے والی بات سمجھ گیا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اباقہ کو اب اسی موڑ کا انتظار تھا جو کسی بھی لمحے پہنچنا چاہتا تھا..... اور پھر گاڑی کے پہیوں نے چرچرا کر موڑ کی آمد کا اعلان کیا۔ اباقہ نے کہنی مار کر سولیونی کو چوکس کیا ..... جونہی گاڑی نے موڑ مکمل کیا' اباقہ اور سولیونی نے ایک ساتھ گاڑی کا پیندا چھوڑ دیا۔ وہ پشت کے بل نیم پختہ راستے پر گرے اور تھوڑا سا پھسل کر ساکت ہو گئے۔ یکایک انہیں سر پر نیلا آسمان نظر آیا۔ گاڑی آگے گزر چکی تھی۔ "بھاگو!" اباقہ بولا اور اٹھ کر تیزی سے مویشی خانے کی دیوار کی طرف لپکا۔ سولیونی نے فوراً اباقہ کی تقلید کی اور اٹھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے پیچھے لپکا۔

دیوار پھلانگنے سے پہلے اباقہ نے دائیں طرف دیکھا اور اس کا دل اچھل کر رہ گیا۔ اس کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے تھے' یا کہہ لیجئے کہ اسد نے اس کے تمام اندازے غلط کر دیے تھے۔ عقبی محافظ دستہ گاڑی سے بہت قریب تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں دیوار پھاندتے اسد اور اس کے ساتھی موڑ پر پہنچ کر انہیں دیکھ چکے تھے۔ بہرطور اب رکنا فضول تھا۔ اباقہ اور سولیونی نے آگے پیچھے مویشی خانے میں چھلانگیں لگا دیں۔ اس حصے میں بیل بند تھے۔ سینکڑوں کی تعداد میں ہر نسل کے بیل اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ اباقہ نے چاردیواری کی دوسری جانب محافظوں کے آوازے سنے' وہ بدحواسی میں چلا رہے تھے۔ اس بات میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ ان کا فرار ظاہر ہو چکا ہے۔

اباقہ نے سولیونی کا ہاتھ پکڑا اور بیلوں کے عظیم الشان ریوڑ میں گھستا چلا گیا۔ چارے پیشاب اور گوبر کی ملی جلی بو ان کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ کئی بیل ان سے دشمنی پر آمادہ ہوئے لیکن اباقہ اور سولیونی ان کے سینگوں سے بچتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ جانوروں کے اس جم غفیر میں نکاسی کا راستہ تلاش کرلینا آسان نہیں تھا۔ جلد ہی انہیں ایسی آوازیں سنائی دیں جن سے پتہ چلا کہ محافظ تلواریں سونتے مویشی خانے میں گھس آئے ہیں اور انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ آوازوں کی سمت کا اندازہ کرکے وہ خود کو بچاتے رہے۔ وہ زیادہ تیزی بھی نہیں دکھا سکتے تھے۔ ایسا کرنے سے جانور بدکتے اور ان کی نشاندہی ہو جاتی۔ آخر ایک جگہ دو محافظوں سے ان کا سامنا ہو گیا۔ محافظوں نے انہیں دیکھتے ہی چلانے کے لیے منہ کھولا مگر اباقہ نے اتنی مہلت نہیں دی۔ اس نے دو قدم بھاگ کر چھلانگ لگائی اور ان دونوں کو لیتا ہوا زمین پر گرا۔ اس کے بازو محافظوں کی گردنوں سے اس طرح لپٹ گئے تھے کہ آواز نکالنا تو کجا انہیں سانس لینا بھی دشوار لگا ہو گا۔ ایک زبردست جھٹکے سے اباقہ نے ان دونوں کے سر ٹکرا دیے۔ اس عمل کے بعد نہایت اعتماد سے اس نے انہیں گرفت سے آزاد کر دیا۔ وہ بے جان لاشوں کی طرح زمین پر لڑھک گئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں تھیں اباقہ نے ایک تلوار اٹھائی اور سولیونی کو تھما دی۔ جونہی اباقہ سیدھا کھڑا ہوا اسے اپنے سامنے اسد نظر آیا۔ وہ دونوں محافظوں کے پیچھے ہی پیچھے یہاں پہنچا تھا۔ اباقہ آج ایک مختلف لباس میں تھا اور چہرہ حسب سابق پگڑی میں چھپا ہوا تھا' لیکن وہ جانتا تھا یہ پگڑی اسے اسد سے نہیں چھپا سکتی۔ پلک جھپکتے میں اسد اسے پہچان گیا۔ وہ تیزی سے بولا۔

"اباقہ! کیا بات ہے؟ تم کہاں غائب ہو۔"

اباقہ نے جواب دینے کی بجائے تلوار سیدھی کی اور اسد پر حملہ آور ہوا۔ اسد نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اباقہ کا وار روکا۔ اس کے چہرے پر حیرانی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اباقہ نے یورق کو زخمی کر دیا تھا۔ اس لیے وہ کچھ محتاط بھی نظر آتا تھا۔ وہ تیزی سے بولا۔

"اباقہ! کچھ تو بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو؟"

اباقہ نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اسد پر ایک اور شدید حملہ کیا۔ اسد نے ایک وار بچایا تو اباقہ کی تلوار ایک بیل کی پسلیوں میں گھس گئی۔ وہ زور سے ڈکرایا اور تڑپ کر اچھلا اسد کی نگاہ ایک لمحہ کے لیے اباقہ سے ہٹی۔ اباقہ نے دو قدم بھاگ کر اسد کو کندھے سے ایک زوردار دھکا دیا۔

وہ اچھل کر بیلوں کے درمیان جا گرا۔ اباقہ کو کئی محافظوں کے سر نظر آئے تھے۔ وہ ریوڑ میں راستہ بناتے دو اطراف سے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اباقہ اور سولیونی نے سر جھکائے اور دیکھتے ہی دیکھتے جانوروں کی بھیڑ میں گم ہو گئے۔

بیلوں کے درمیان جھک کر چلتے ہوئے انہوں نے ایک باڑہ پار کی اور ایسے حصے میں پہنچ گئے۔ جہاں جنگلی گھوڑوں کے غول گھوم رہے تھے۔ گھوڑوں کے درمیان ہی درمیان چلتے وہ بالآخر نکاسی کے راستے کے قریب پہنچ گئے جہاں دو محافظ پہرا دے رہے تھے' لیکن اس طرح کہ مزے سے اپنی نشستوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ مویشی خانے کے ایک حصے میں ہونے والی ہلچل سے وہ قطعی بے خبر دکھائی دیتے تھے۔ ان کے یہ بے خبری اباقہ اور سولیونی کے لیے نہایت قیمتی تھی۔ انہوں نے گھوڑوں کے درمیان گھومتے ہوئے دو گھوڑے منتخب کیے اور پھر ایک ساتھ اچھل کر ان پر سوار ہو گئے۔ باڑے کا چوبی دروازہ وہ پہلے ہی کھول چکے تھے۔ گھوڑوں کے ایالوں (گردن کے بال) کو راسوں کی طرح استعمال کرتے ہوئے انہوں نے ایڑ لگائی۔ محافظوں نے جب اباقہ اور سولیونی کو دیکھا وہ گھوڑوں کو بھگاتے باڑے سے باہر نکل رہے تھے..... اباقہ کی نظریں محافظوں پر جمی تھیں۔ ان میں سے صرف ایک محافظ کے کندھے پر کمان لٹک رہی تھی۔ یہ کمان ان کے لیے خطرناک ہو سکتی تھی۔ جب اباقہ اور سولیونی باڑے کے ناکے سے باہر نکلے محافظ ان سے دس گز کی دوری پر تھے اور چیخ چیخ کر انہیں رکنے کا حکم دے رہے تھے لیکن جب ان دونوں نے رکنے کا ارادہ نہیں کیا تو محافظوں کے ہاتھ اپنی تلواروں کی طرف بڑھے۔ اباقہ اور سولیونی سرپٹ گھوڑے بھگاتے مویشی خانے کے پھاٹک سے گزرے تو محافظوں کی تلواریں ابھی پوری طرح نیاموں سے باہر نہیں آئی تھیں۔ اباقہ کی تلوار چمکی اور اس نے بھاگتے گھوڑے سے محافظ کی کمان کا چلا صاف کاٹ دیا۔ یہ وار اتنی مہارت سے کیا گیا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محافظ کو بھی اپنے نقصان کا علم نہیں ہوا۔

جب اباقہ نے چند گز آگے جا کر دیکھا' محافظ بڑے جوش سے کمان اتار رہا تھا۔ دوسرا محافظ بدحواسی میں باڑے کے ناکے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سے بے قابو گھوڑے ہنہناتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ اباقہ کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ کھیل گئی.......... مویشی خانے کا طویل چکر کاٹ کر اباقہ اور سولیونی شہر کے گنجان حصے میں داخل ہو گئے اور چھوٹی چھوٹی گلیوں میں سفر کرتے تو زن باخ کے محل کی طرف بڑھنے لگے۔

سولیونی کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ آزاد فضا میں سانس لے رہا ہے۔

☆------☆------☆

طوطم خاں' مینگو کا لباس پہن کر اپنی پُر خطر مہم کے پہلے مرحلے سے بخیریت گزر چکا تھا۔ اب اسے پڑاؤ کا رخ کرنا تھا۔ جو کام وہ کرنے جا رہا تھا وہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ منگولوں کے سپہ سالار اعظم کا سر قلم کرنا اور عافیت سے نکل جانا کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا' لیکن طوطم خاں نے نہ صرف اس انہونی کا تصور کیا تھا بلکہ اس کو عملی شکل بھی دے رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ شکل کی مشابہت اس کے کام آ رہی تھی' لیکن جان ہتھیلی پر رکھے بغیر اس کام کا بیڑا نہیں اٹھایا جا سکتا تھا اور اگر طوطم نے یہ بیڑا اٹھایا تھا اس کا اصل محرک صرف اور صرف مارینا تھی۔ یہ مارینا کا تصور تھا جس نے اسے ہر اندیشے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ مارینا.......... یا کچھ نہیں۔ زندگی یا موت۔ اس کے ذہن میں یہی سمایا ہوا تھا.......... آخری بار اس نے اچھی طرح اپنے حلیے کا جائزہ لیا اور دھڑکتے دل سے پڑاؤ کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ خیموں کے جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔ جب پہلے شخص نے اسے دیکھ کر سلام کیا تو اطمینان کی ایک لہر طوطم کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کا مطلب تھا وہ دیکھنے میں شاہی حجام ہی نظر آ رہا تھا۔ تاہم اس کی مشابہت کا اصل امتحان مینگو کے خیمے میں ہونا تھا۔ یہ کام اب اسے خاصا مشکل نظر آ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اندیشہ تھا کہ مینگو کے گھر والوں سے اس کی اصلیت چھپی نہ رہ سکے گی۔ انہی سوچوں میں گم اب وہ "خادم بستی" کے نواح میں پہنچ چکا تھا۔ دفعتاً ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

"اے مینگو! منصب دار تجھے بلا رہا ہے۔" طوطم کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ اس نے سموری ٹوپی کو کچھ اور رخساروں پر جھکایا اور مڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ یہ ایک منگول سپاہی تھا اور ایک بڑے خیمے سے باہر کھڑا طوطم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ مینگو کی نوشی سے آگاہ ہو چکا تھا۔ یہ بلا نوشی طوطم کا پردہ بن سکتی تھی۔ اس نے ہاتھ شرابیوں کے انداز سے لہرایا اور لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔

"کیا بات ہے؟"

جواب میں سپاہی نے کہا۔ "منصب دار تجھے بلا رہے ہیں داڑھی صاف کروائیں گے۔ اوزار ہیں تیرے پاس؟"

طوطم خاں نے آواز کو کچھ اور نشیلا بنایا اور بولا۔ "ہاں سب کچھ ہے۔" پھر کسی مدہوش شخص کی طرح جیب ٹٹولنے لگا۔ جیسے سارے اوزار جیب میں سے برآمد کرنا چاہتا ہو۔ اس کوشش میں وہ بار بار لڑکھڑا بھی رہا تھا۔ جان کے خوف نے اسے نہایت عمدہ اداکاری سکھا دی تھی۔ اس اثنا میں خیمے کا دروازہ کھلا اور لمبا تڑنگا منصب دار داڑھی کھجاتا ہوا برآمد ہوا۔ طوطم خاں بار بار ایک ہی جیب کو کھنگالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ منصب دار نے اس کی حالت دیکھ کر ایک موٹی سی گالی نکالی اور بولا۔ "حرامی پھر شراب میں غوطہ لگا آیا ہے۔" پھر وہ چوب دار سے کچھ کہنے لگا۔ شاید کسی اور حجام کو بلانے کا کہہ رہا تھا۔ طوطم خاں نے مطلع صاف دیکھا تو وہاں سے کھسک گیا۔ لشکریوں کے ہجوم میں گھس کر اس نے کچھ گہری سانسیں لیں اور اعصاب کو پُر سکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے اندازہ ہوا کہ کسی دوسرے کا بھیس بھرنا اتنا آسان نہیں جتنا وہ خیال کیا کرتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ دن کی روشنی میں وہ مینگو کے گھر میں نہیں جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ پڑاؤ کے ایک دوسرے حصے کی طرف نکل گیا منہ چھپائے لوگوں میں گھومتا رہا اور وقت گزارتا رہا۔ آخر شام ہوئی اور رات کے سائے پھیلنے لگے۔ یخ بستہ ہوا نے پڑاؤ کی چہل پہل کو خیموں میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ طوطم نے ایک جگہ سے شراب کے دو تین جام چڑھائے اور لڑکھڑاتا ہوا مینگو.......... کے یورت (خیمے) کی طرف چل دیا۔ نشہ کم تھا اور وہ جھوم زیادہ رہا تھا۔ ایک لشکری سے جب اس نے لٹک لٹک کر پوچھا۔ "میرا خیمہ کدھر ہے؟" تو لشکری کو بالکل تعجب نہیں ہوا۔ وہ اسے بازو سے پکڑ کر مینگو کے خیمے تک چھوڑ گیا۔

یہ مرحلہ نہایت کٹھن تھا۔ طوطم نے خیمے کا پردہ ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ خیمے کے عین درمیان جلتی ہوئی انگیٹھی نے ماحول کو گرما رکھا تھا' انگیٹھی سے زیادہ گرمی اس خوبصورت عورت کی تھی جو ایک تکیے سے ٹیک لگائے انگیٹھی کے پاس ہی نیم دراز تھی۔ طوطم خاں کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھی اور سہارا دے کر آگ کے پاس لے آئی۔

"اتنی دیر کر دی۔" وہ شاکی لہجے میں بولی۔ "میں تو انتظار کر کے سونے لگی تھی۔"

"سو جاتی کم بخت۔" طوطم نے دل میں کہا اور کھانستا ہوا شرابی لہجے میں بولا۔ "میرے گلے میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ دوا لینے کے لیے طبیب کے پاس چلا گیا۔ وہاں ایک پرانا دوست مل گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہائیں۔" وہ عورت حیرت سے آنکھیں نکال کر بولی۔ "چوبالی تو ابھی تمہارا پوچھتا ہوا یہاں آیا تھا۔"

طوطم فوراً سمجھ گیا کہ یہ "چوبالی" اس حرامزادے طبیب کا نام ہے جس سے ینگو دوا لیتا ہوگا۔ بہرحال جہاں اسے عورت کی اس بات سے پریشانی ہوئی وہاں یہ اطمینان بھی ہوا کہ اس کے بدلے ہوئے لہجے کو عورت نے قابل غور نہیں جانا تھا۔ وہ کھانس کر بولا۔

"چوبالی کم بخت سے میرا جی بیزار ہو گیا ہے۔ میں تو آج .... ایک مسلمان طبیب کے پاس گیا تھا .... بڑا سیانا شخص ہے۔ کیا بھلا سا نام ہے اس کا .... کیا بھلا سا نام ہے اس کا ...." جب طوطم شرابیوں کے انداز میں طبیب کا نام یاد کر رہا تھا عورت خیمے کے دوسرے حصے کی طرف بڑھ گئی۔ طوطم سمجھ چکا تھا کہ یہ ینگو کی عورت ہے اور اب ایک فرمانبردار بیوی کی طرح اس کے لیے کھانا لانے گئی ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عورت اس کے پاس بیٹھے اور اس کی شباہت اور لہجے پر زیادہ غور کرے۔ اس نے اسے آواز دے کر واپس بلا لیا تھا اور بانہوں میں لیتا ہوا بولا۔

"پیاری کھانا تو میں کھا آیا۔"

"تو کیا اب کھانا برابر کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ شوخی سے بولی۔

"بالکل۔" طوطم نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر شمعدان بجھا دیا۔

☆------☆------☆

اباقہ کی شاندار کامیابی اور سولیونی کی رہائی پر توزن باخ نے ایک جشن کا اہتمام کیا۔ ڈیوک کے علاوہ اس تقریب میں کوئی دو درجن خاص خاص افراد شامل تھے۔ پُرتکلف کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ پھر مصری رقاصہ روما نے اپنے تھرکتے جسم سے حاضرین کا خون گرمایا۔ اس روز اباقہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈیوک اکیلا نہیں بلکہ منظم جماعت کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ توزن باخ، روما، گھوڑا، سولیونی وغیرہ اس جماعت کے اہم کل پرزے ہیں۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ منگولوں کی آمد سے پہلے دلادی میر میں ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ شہر عدم استحکام کا شکار ہو کر پکے ہوئے پھل کی طرح حملہ آوروں کی جھولی میں جا گرے۔ یہ بات تو اباقہ پر ظاہر ہو ہی چکی تھی کہ شاہی مہمانوں کو زہر دینے کی کوشش اور منگول حملے کی افواہ سازی اسی تنظیم کے کارنامے تھے۔ رقص و سرود کی محفل کے بعد تمام مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ آخر میں صرف توزن باخ اور ڈیوک رہ گئے۔ سولیونی ایک طرف گھڑا گھوڑا کے ساتھ شراب پی رہا تھا۔ وہ ابھی پوری طرح صحت مند نہیں تھا لیکن اپنی رہائی پر از حد مسرور نظر آتا تھا۔ ڈیوک نے آواز دے کر اباقہ کو قریب بلایا۔

"تم شراب نہیں پیتے؟" وہ مخمور لہجے میں بولا۔

"نہیں۔" اباقہ نے مختصر جواب دیا۔

توزن باخ چہک کر بولا۔ "اس کے باوجود شرابیوں کی طرح سوئے رہتے ہو۔ روما تو کہتی ہے۔"

ڈیوک نے گھور کر توزن کو دیکھا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ اباقہ سے اس طرح کی گفتگو کی جائے۔

"میرے لیے کوئی حکم؟" اباقہ نے ادب سے پوچھا۔

ڈیوک نے اٹھ کر اس کا کندھا تھپ تھپایا۔ "ابھی کوئی حکم نہیں اباقہ۔ تمہاری کامیابی اتنی اہم ضرور ہے کہ چند دن اس کا لطف اٹھایا جائے .... اب تم آرام کرو۔ کسی شئے کی ضرورت ہو روما سے کہنا تمہیں مل جائے گی۔ جونہی ضرورت پڑی میں تمہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طلب کرلوں گا۔"

اباقہ نے کہا "ڈیوک! میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو بولو۔" ڈیوک کی بجائے توزن بارخ بولا۔ "آج جو مانگو گے ملے گا۔"

توزن بارخ کے لہجے میں گھمنڈ تھا۔ اباقہ جانتا تھا یہ دولت کا گھمنڈ ہے۔ بعا حسین عورتوں کی ملکیت اور اپنے اثر و رسوخ کا گھمنڈ ہے لیکن اباقہ کو اس کے اثر و رسوخ سے سروکار تھا نہ دولت سے اور نہ حسین عورتوں سے۔ اس کے چہرے پر ایک ناگوار ابھر گیا۔ ڈیوک نے فوراً اس تاثر کو محسوس کیا اور ایک بار پھر گھور کر توزن کو دیکھا۔

"ہاں کہو اباقہ! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اباقہ نے کہا "ڈیوک! بے کاری میرے لیے موت ہے میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"مثلاً کیا؟"

اباقہ نے ذرا رک کر کہا۔ "میں .... شہزادی نتاشا سے اپنی توہین کا بدلہ لینا ہوں۔ اس کے احسان میرے دل کا بوجھ بنے ہوئے ہیں اور یہ بوجھ اب میری برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔"

ڈیوک کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آئے۔ وہ بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اپنی توہین کبھی نہیں بھولا کرتے۔ شہزادی نتاشا کو مزا چکھانے کی خواہش' تمہارا حق بھی اور تمہاری انا کا تقاضا بھی' لیکن اباقہ! میں نہیں چاہتا کہ تم اپنے انتقام کی آگ کو اتنا کہ اس کے شعلے تمہیں ہی لپیٹ میں لے لیں۔ اس آگ کو ایک دھیمی آنچ کی شکل دو۔ ویسی ہی دھیمی اور مسلسل آنچ جس نے عقوبت خانے میں تمہارے پاؤں جلائے لیکن تمہیں ہلاک نہیں کیا تھا۔ یہ آنچ بڑے کام کی چیز ہوتی ہے اباقہ' نہایت خاموشی خاکستر کر دیتی ہے۔ تم شہزادی نتاشا سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ میں اس کے لیے تمہیں ایسا راستہ بتاؤں گا جو پورے شاہی خاندان کو خون کے آنسو رلا دے گا۔ تھوڑا سا کرو' بس تھوڑا سا۔ میں تم سے ایک ایسا کام لینا چاہتا ہوں جو ولادی میر کی تاریخ دے۔"

اباقہ نے ڈیوک کی آنکھوں میں دیکھا۔ ایک بار پھر اسے اندازہ ہوا کہ ڈیوک سینے میں کوئی زبردست سازش پرورش پا رہی ہے۔

جس وقت توزن بارخ کے محل میں یہ باتیں ہو رہی تھیں' سردار یورق اور اسد مہمان خانے میں موجود تھے اور اباقہ کا معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مائیکل پاس ہی بیٹھا تھا۔ تینوں کے چہرے سوچ میں ڈوبے تھے۔ یورق کی داہنی ران پر ابھی

پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مائیکل نے کہا "اسد .... آخر وہ انسان ہے۔ ہو سکتا ہے کسی خوف یا لالچ نے اس کا راستہ بدل ڈالا ہو۔"

اسد فوراً نفی میں سر ہلانے لگا لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں واضح الجھن بھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"نہیں مائیکل۔ لالچ کی بات تو میں نہیں مان سکتا۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ کسی شدید خوف نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا ہو۔ پھر بھی میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس خوف کا تعلق اس کی اپنی ذات سے نہیں ہو گا۔ ممکن ہے کسی اور کی جان بچانے کے لیے وہ یہ سب کر رہا ہو۔"

مائیکل بولا۔ "تمہارا مطلب ہے' علی کی خاطر وہ یہ سب کرنے پر مجبور ہوا ہے۔"

"بہت ممکن ہے۔"

مائیکل بولا۔ "میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کسی طرح تمہیں مطلع کر سکتا تھا۔"

اسد نے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس کی کوئی مصلحت ہو۔"

مائیکل بولا۔ "یہ کیسی مصلحت ہے' جس نے اسے تم سے بیگانہ کر دیا ہے۔ سردار یورق ہی کو دیکھو۔ اس پر اتنی بیدردی سے اس نے وار کیا تھا کہ قسمت اچھی نہ ہوتی تو یہ وہیں ختم ہو گیا ہوتا۔"

یورق کو روسی سمجھ نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ لاتعلق بیٹھا تھا۔ اسد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "مائیکل' اطمینان رکھو' اباقہ کے بارے میں تمہارے ہر سوال کا جواب وقت دے گا۔" کہنے کو تو اسد یہ بات کہہ رہا تھا مگر اس کا لہجہ یقین سے محروم تھا.........

اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور مہمان خانے کے ناظم نے اندر آ کر اطلاع دی کہ شاہی محل سے اسد اور یورق کے لئے بلاوا آیا ہے۔ شہزادی نتاشا نے انہیں شرف باریابی بخشا تھا۔ اسد اور یورق نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے لیے نشستوں سے اٹھ گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہزادی کے دو ذاتی محافظوں کی معیت میں محل کا رخ کر رہے تھے۔ مختلف مراحل سے گزر کر وہ بالآخر محل کی ذی شان نشست گاہ میں پہنچے۔ انہیں نشست گاہ میں بٹھا کر محافظ واپس چلے گئے۔ صرف دروازے پر مؤدب دربان کھڑے رہ گئے۔ دو خادماؤں نے ان کے سامنے قہوے کے برتن چن دیئے۔ وہ قہوے سے شغل کرتے رہے اور اپنی طلبی کے بارے سوچتے رہے۔ کوئی ایک گھڑی بعد نشست گاہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندرونی دروازے میں حرکت پیدا ہوئی۔ ریشمی پردے سرسرائے اور شہزادی نتاشا ایک کنیز کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اسد اور یورق نے اٹھ کر تعظیم پیش کی۔ شہزادی اپنی مخصوص نشست پر جا بیٹھی۔ اس کے ساتھ آنے والی کنیز کے سوا باقی کنیزیں باہر چلی گئیں۔ شہزادی نے اسد اور یورق کو فارسی میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ خیریت سے ہیں۔ یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟"

اسد نے مناسب لفظوں میں شہزادی کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ شہزادی نے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ پچھلی ملاقات میں تم سے کچھ تلخ گفتگو ہوئی۔ ہمیں احساس ہے کہ تم لوگ منگولوں کے مقابل ہمارے دوست بن کر آئے ہو اور اب تک تم نے اپنی آمد کا مقصد بہ احسن طریقے سے پورا کیا ہے۔ جیسا کہ تم سب جانتے ہو رئیس اعظم ابھی تک دارالحکومت واپس نہیں پہنچے۔ ان کی غیر موجودگی میں یہاں کے معاملات کو درست رکھنا اور سازشیوں سے باخبر رہنا ہم سب کی ذمے داری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ سب لوگ ایک منظم دستے کی طرح کام کریں اور نائب رئیس سے مسلسل رابطہ قائم رکھیں۔"

اسد نے احترام سے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! ہمارے خدا نے چاہا تو ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔ ہم آپ کے وفادار بن کر آئے ہیں اور رہیں گے۔"

شہزادی نے ایک گہری سانس لی۔ اسد کو محسوس ہوا جیسے وہ اپنے اصل موضوع کی طرف اب آئی ہے۔ اس کی نوخیز مترنم آواز نشست گاہ میں گونجی۔ "ہمیں اس بات کا قلق ہے کہ تمہارا ایک ساتھی نامعلوم حالات کا شکار ہو کر تم سے بچھڑ گیا۔ یقیناً اس کی جدائی نے تمہیں افسردہ کیا ہو گا بہرکیف وہ ایک بہادر جنگجو اور جاں نثار شخص تھا۔ اس نے آٹھ پہر کے قلیل وقت میں شاہی خاندان کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہمیں منگولوں کا سامنا کرنے کے لیے ایسے سیماب صفت جوانوں کی ضرورت ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اس کی گمشدگی عارضی ہو اور وہ دوبارہ تم لوگوں سے آملے' لیکن ان حالات میں کوئی امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے وہ پچھلے ہفتے ہونے والے ہنگاموں میں جاں بحق ہو گیا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایسے وفادار شخص کو اس کے شایان شان نوازا جائے۔ کیا آپ اس کے لواحقین کے متعلق کچھ بتا سکتے ہیں۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟"

یورق اور اسد کو شہزادی کے لہجے پر کچھ حیرت سی ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ ایک مردہ شخص کے متعلق گفتگو کر رہی ہے۔ اگر اسد نے اباقہ کو صرف ایک روز پہلے زندہ

سلامت نہ دیکھا ہوتا تو شہزادی کا انداز انہیں ہراساں کر سکتا تھا۔

اس نے شہزادی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "محترمہ شہزادی آج سے برسوں پہلے جب چنگیز خاں نے سمرقند پر حملہ کیا تھا' ہزاروں شہیدوں کے خون میں اباقہ کی ماں کا خون بھی شامل تھا۔ اباقہ اس وقت ایک نو عمر لڑکا تھا۔ اباقہ کا اپاہج باپ اسے کندھے پر بٹھا کر سمرقند کے کھنڈروں سے نکلا اور کسی بستی میں جانے کی بجائے جنگلوں کا رخ کیا۔ اس نے ویرانوں کی بود و باش اختیار کی اور نہایت سخت موسموں میں اباقہ کو پروان چڑھایا۔ وہ اسے ایک ایسا فولادی انسان بنانا چاہتا تھا' جو ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کا اہل ہو اور جو منگول قافلوں میں گھس کر ان سے اپنی ماں کا انتقام لے سکے۔ اپنے باپ کی موت کے بعد اباقہ بلائے ناگہانی کی طرح قراقرم میں داخل ہوا۔ وہ ایک غیر معمولی انسان بن چکا تھا۔ اس نے منگول وحشیوں سے ٹکر لی اور انہیں حیرت اور خون کے سمندر میں ڈبو ڈبو دیا۔ اس کی خونریزی سے جو جنگ شروع ہوئی وہ آج تک جاری ہے اور اگر وہ زندہ رہا تو نہ جانے کب تک جاری رہے گی۔ چنگیز کے بیٹے اس کے خون کے پیاسے ہیں اور وہ ان کے لیے راتوں کا ڈراؤنا خواب بن چکا ہے۔ اس خواب سے چھٹکارا پانے کے لیے انہوں نے اسے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا لیکن وہ انہیں کہیں نہیں ملا۔ اس کا کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی کھوج۔ وہ ہوا کے ایک بے نام جھونکے کی طرح سدا گردش میں رہا ہے ..... معاف کیجئے شہزادی صاحبہ میں ذرا جذباتی ہو گیا۔ کہنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک بے ٹھکانہ شخص ہے۔ نہ اس کا کوئی گھر ہے اور نہ والی وارث ..... اگر آپ اس کی موت کی صورت میں اسے کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو آپ کو ناکامی ہو گی۔"

شہزادی خاموش رہی۔ اسد نے دیکھا اس کے مغرور چہرے پر ایک عجیب طرح کی اداسی نظر آ رہی تھی۔ ایک پچھتاوا سا اس کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے تاثرات پر قابو پایا اور پُروقار لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے' تم جا سکتے ہو۔ ہم سوچیں گے کہ اس بہادر شخص کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

اسد اور یورق کھڑے ہوئے اور تعظیم پیش کر کے نشست گاہ سے باہر نکل گئے۔ شہزادی نتاشا گم صم بیٹھی تھی۔ رازداں کنیز کلثوم گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہولے سے بولی۔

"شہزادی' لگتا ہے آپ نے اس کی موت کا بہت اثر لیا ہے۔"

"ہاں' ہمیں افسوس ہوا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلثوم بولی۔ "تو آپ نے سزا سنانے میں اتنی جلدی کیوں کی۔ ڈیوک تو آپ کو صرف مشورہ دے سکتا تھا فیصلہ تو آپ کو ہی کرنا تھا نا۔"

شہزادی غصے سے بولی۔ "یہ تمہیں کس نے کہا ہے کہ ہم نے ڈیوک کے مجبور کرنے پر فیصلہ دیا تھا۔"

کلثوم گڑ بڑائی۔ "نہیں' میرا مطلب تھا' ڈیوک بعض اوقات خواہ مخواہ داخل اندازی کی کوشش کرتا ہے۔"

شہزادی بولی۔ "اسے دخل اندازی کا حق ہے۔ یہ حق اسے فادر نے دیا ہے۔ وہ اسے پسند کرتے ہیں اور اس سے رائے بھی لیتے ہیں۔ وہ ہمیں رائے دے سکتا ہے لیکن فیصلہ ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ آئندہ تم ہمارے متعلق اس طرح کا گمان کروگی تو ہمیں دکھ ہو گا۔"

کلثوم لجاجت سے بولی۔ "بندی معافی چاہتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے منہ سے ایسی بات نکلی۔"

شہزادی نے نشست چھوڑی اور دھیمے قدموں سے نشست گاہ کے قالین پر ٹہلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار ایک چہرہ گھوم رہا تھا۔

☆------☆------☆

طوطم خاں نے یہ تین دن نہایت مشکل میں گزارے تھے۔ وہ منہ اندھیرے اپنے خیمے سے نکلتا۔ سارا دن اِدھر اُدھر چھپتا پھرتا اور رات گئے نشے میں دھت ہو کر واپس آجاتا۔ اس کی بیوی یعنی مینگو کی بیوی ان غیر معمولی معمولات پر حیران تھی۔ طوطم نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس مسلمان طبیب سے اپنا مکمل علاج کرا رہا ہے۔ علاج کے لیے ضروری ہے کہ منہ اندھیرے طبیب کے پاس پہنچ جائے۔ مینگو کی بیوی کو وقتی طور پر یقین آگیا تھا مگر ضروری نہیں تھا کہ یہ یقین تادیر برقرار رہتا۔ طوطم چاہتا تھا کہ جلد از جلد باتو خان سے اس کا سامنا ہو جائے۔ دراصل مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ باتو خاں داڑھی نہیں منڈواتا تھا۔ بال بھی وہ شاذ و نادر ہی کٹواتا تھا۔ وہاں ہر پانچویں روز مونچھیں ترشوانے کے لیے اسے حجام کی ضرورت پیش آتی تھی۔ مینگو نے موت سے صرف ایک روز قبل اس کی مونچھیں تراشی تھیں ..... یہ ساری معلومات کسی نہ کسی طرح مینگو کی بیوی سے حاصل کی تھیں۔ اب اسے پانچویں دن کا انتظار تھا۔ جب وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر باتو خاں کے یورت میں جا سکتا تھا۔

چوتھا دن بھی اس نے کسی نہ کسی طرح گھوم پھر کر کاٹ لیا۔ رات گئے وہ جب

معمول کے مطابق نشے میں دھت اپنے خیمے میں پہنچا۔ یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ مینگو کی بیوی سو رہی ہے۔ وہ صبح اسے کہہ گیا تھا کہ اسے اگر واپسی میں دیر ہو جائے تو وہ سو جایا کرے۔ اس نے شمعدان کی روشنی میں چت لیٹی عورت کو دیکھا اور زیر لب مسکرا دیا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب مارینا اسی طرح اس کے بستر پر موجود ہو گی۔ اپنی تمام حشر سامانی اور خود سپردگی کے ساتھ۔

اس نے خیمے کے کونے میں پڑا ایک چوبی ڈبہ اٹھایا اور بہ آہستگی ڈھکن کھول کر اس کے اندر کی اشیاء دیکھنے لگا۔ سرخ مخملیں کپڑے میں حجامت کا اعلیٰ درجے کا سامان پڑا تھا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں چند محلول بھی تھے۔ طوطم کو معلوم تھا کہ یہ خوشبو ہو گی' کچھ ایسی دوائیاں بھی ہوں گی جو چہرا کٹنے پر استعمال کی جاتی ہوں گی۔ بہرحال اسے ان چیزوں سے سروکار نہیں تھا۔ اس کے لیے سب سے اہم وہ ڈیڑھ بالشت لمبا تیز دھار آلہ تھا جو داڑھی یا سر مونڈھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ آلے کی ایک بالشت لمبی تیز دھار شمعدان کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ یہ دھار ایک بہت بڑا کام کرنے والی تھی۔ چند پہر کے بعد دنیا کے طاقتور ترین فوجی کمانڈر کی گردن اس دھار کی زد میں آنے والی تھی۔ یہ قتل جہاں اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش "مارینا" کی شکل میں پوری کرنے والا تھا' وہاں اس پر شان و شوکت اور بلند اقبالی کے دروازے بھی کھولنے والا تھا۔ وہ جانتا تھا باتو خاں کا کٹا ہوا سر اسے اہل روس کی نظروں میں کس مقام تک پہنچا دے گا۔ اپنے اس کارنامے سے وہ اہل روس کے لیے نجات دہندہ کا کردار ادا کر سکتا تھا .....

طوطم نے آہستگی سے آلے کی تیز دھار پر انگلی پھیری اور مطمئن ہو کر چوبی ڈبے کا ڈھکن بند کر دیا۔ پھر اس نے شمعدان کی شمعیں گل کیں اور کروٹ بدل کر بستر پر لیٹ گیا۔

..... رات نہ جانے کون سا پہر تھا جب اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے لگا کہ آنکھوں کے سامنے کوئی الاؤ جل رہا ہے۔ پھر اس کی آنکھیں پوری طرح دیکھنے کے قابل ہوئیں اور وہ جانا کہ جسے وہ الاؤ سمجھ رہا تھا' وہ شمعدان ہے جو مینگو کی بیوی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس پر جھکی ہوئی غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ طوطم خان کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی اور جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے دیکھا عورت کے چہرے پر حیرت اور خوف کے تاثرات ہیں وہ طوطم کو گھور کر لرزاں آواز میں بولی۔ "کون ہو تم؟"

عورت کا سوال کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ طوطم بولا۔ "میں مینگو' اور کون؟"

عورت بولی۔ "نہیں۔ تم مینگو نہیں ..... تم مینگو نہیں ....." پھر اس سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ شمعدان پھینکتی اور چیختی چلاتی خیمے سے باہر بھاگ جاتی۔ طوطم کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے تڑپ کر عورت کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔ اس کا دوسرا ہاتھ عورت کے منہ پر تھا۔ عورت کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں طوطم کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ایک لمحے کے لیے طوطم کے دل میں آئی کہ اس عورت کی جان نہ لے۔ وہ اس کے ساتھ کچھ اچھا وقت گزار چکا تھا لیکن پھر اپنا انجام اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ نہیں ..... وہ اس موقع پر کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے عورت کے ہونٹوں کی مضبوطی سے ڈھانپا اور گردن میں حمائل بازو کو ایک زبردست جھٹکا دیا۔ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی اور عورت کی ساری جدوجہد یکسر ختم ہو گئی۔ طوطم کچھ دیر اسی طرح اس کی گردن دبائے کھڑا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا بے جان جسم قالین پر ڈال دیا۔

خیمے کا پردہ اٹھا کر اس نے ایک نظر باہر ستاروں کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ صبح ہونے میں زیادہ دیر باقی نہیں۔ تھوڑے وقت میں اسے بہت زیادہ کام کرنا تھا۔ خیمے کے ایک حصے سے قالین ہٹا کر گڑھا کھودنا تھا۔ مردہ عورت کو اس میں دفن کرنا تھا۔ پھر نہانا دھونا تھا اور سپہ سالار اعظم کے حضور' حاضری کے لیے تیار ہونا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور جلدی جلدی اپنے کام میں جت گیا۔

☆------☆------☆

بند گھوڑا گاڑی شہر کی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی اندر آرام دہ نشستوں پر ڈیوک اور تاجر توزن باخ موجود تھے۔ ڈیوک کہہ رہا تھا۔

"..... شہبے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ شاہی مہمان خانے سے ہمارے جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ اباقہ کے ساتھی اسد' یورق وغیرہ اس کی طرف سے سخت پریشان ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ان کا قریبی ساتھی دشمنوں سے کیسے جا ملا۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ کوئی زبردستی کی جارہی ہے۔"

توزن باخ نے نسوانی آواز میں قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اس کا مطلب ہے تم مطمئن ہو اور کل کی مہم میں اباقہ کو استعمال کرو گے۔"

"ہاں۔ اباقہ اور سولیونی دونوں کو۔ سولیونی اب پوری طرح صحت مند ہے اور اس نے کافی آرام بھی کر لیا ہے۔ وہ اباقہ کا اچھا معاون ثابت ہو گا۔"

عین اس وقت اباقہ محل کی تیسری منزل پر کھڑا نیچے بازار کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ شہر کا ایک مصروف چوراہا تھا اور کاروبار زندگی عروج پر نظر آرہا تھا۔ ایک مٹیالے رنگ کی گھوڑا گاڑی محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئی اور اباقہ سمجھ گیا کہ ڈیوک اور توزن باخ

آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی گاڑی میں نہایت راز داری سے آیا جایا کرتے تھے۔ توزن باخ کا شمار حکومت کے ان مخالفین میں ہوتا تھا جو موجودہ سیاست سے نالاں تھے اور اپنی دولت کو حکومت کی مخالفت سرگرمیوں میں استعمال کر رہے تھے۔ دوسری طرف ڈیوک شاہی خاندان کا چہیتا مشیر تھا۔ وہ اگر برسر عام توزن باخ سے ملتا تو اس کی وفاداریاں مشکوک ہو سکتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اباقہ کو ڈیوک کی طرف سے بلاوا آگیا۔ وہ نشست گاہ میں توزن باخ کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اباقہ نے نشست گاہ میں ان دونوں کو یکسر تنہا پایا۔ صرف سولیونی ایک کونے میں بیٹھا شراب سے شغل کر رہا تھا۔ یہ تنہائی اس بات کا اشارہ تھی کہ کسی نہایت اہم موضوع پر گفتگو ہونے والی ہے۔ کچھ ہی دیر بعد اباقہ کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا جب رسمی گفتگو کے بعد ڈیوک اصل موضوع پر آگیا۔ اس نے کہا۔

"اباقہ! میں ایک نہایت اہم کام تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ اگر تم کامیاب ہوئے تو یقین کر وشاہی خاندان کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ پھر شہزادی نتاشا اور رئیس کنیاز جیسے فرعونوں سے انتقام لینا کوئی مشکل کام نہیں رہے گا۔"

اباقہ نے کہا۔ "ڈیوک' میں آپ کا ہر حکم بجالانے کو تیار ہوں۔"

ان دونوں کے درمیان حائل بہت سے پردے اب اٹھ چکے تھے۔ اباقہ جانتا تو پہلے سے تھا' لیکن اب یہ بات کھل چکی تھی کہ ڈیوک منگولوں کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے۔ اباقہ نے ڈیوک کو یہ تاثر دیا تھا کہ بدلے ہوئے حالات نے اسے بھی بدل ڈالا ہے اور اب اس کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد شاہی خاندان اور خاص طور پر شہزادی نتاشا سے بدلہ لینا رہ گیا ہے۔ اس کے جذبۂ انتقام کی تسکین میں اگر منگولوں کا فائدہ ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ اسے اب پرواہ نہیں۔

ڈیوک نے سرخ شراب کا جام ہونٹوں سے لگایا اور جذباتی لہجے میں بولا۔ "اباقہ! کل ٹھیک رات کے دوسرے پہر تم سولیونی کے ساتھ ایک مہم پر روانہ ہو گے۔ تمہیں قلعے کے اندر پہنچ کر ایک اہم عمارت کو تباہ کرنا ہے۔ اس عمارت میں اسلحے اور آتش گیر مادے کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اگر یہ ذخیرہ تباہ ہو گیا تو رئیس اعظم کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ شاہی فوج کی حالت اس بھیڑیے کی سی ہو جائے گی۔ جس کے دانت نکال دیے گئے ہوں....."

اباقہ ڈیوک کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا ڈیوک کتنے ہلاکت خیز منصوبے کا ذکر کر رہا ہے۔ اس سے پیشتر چینی مہم میں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کل کی صبح کس کے نصیب میں ہے۔ آؤ اس شام کو یادگار بنا دیں یہ لو ایرانی شراب کا جام۔ تم اس میں ڈوب جاؤ اور میں تم میں ڈوب جاتی ہوں۔"

اباقہ بولا۔ "شراب کا یہ جام لے کر سولیونی کے پاس چلی جاؤ اور دونوں اس میں ڈوب جاؤ۔ وہ ساتھ والے کمرے میں موجود ہے۔ اسے تمہاری ضرورت بھی ہو گی۔"

"لیکن مجھے تو تمہاری ضرورت ہے۔" وہ اباقہ کے توانا جسم کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

"میں کہتا ہوں چلی جاؤ یہاں سے ورنہ ....."

"ورنہ کیا؟" وہ دلفریب مسکراہٹ سے بولی۔ "میں تو آج نہیں جاؤں گی۔" اس نے اپنی لمبی چوٹی کو پیچھے سے گھما کر آگے کیا اور تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی وہ جانتی تھی کہ اباقہ اسے مسہری سے اٹھانے کے لیے ہاتھ نہیں لگائے گا۔ ان بیس دنوں میں اس نے ایک بار بھی اسے چھوا نہیں تھا۔

اباقہ بولا۔ "تو تم نہیں اٹھو گی یہاں سے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ آنکھوں کو نشیلا بنا کر بولی' لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ نکل گئی۔ اباقہ نے جھک کر مسہری کا ایک بازو تھاما اور جھٹکے سے اسے الٹا دیا۔ روما لڑھک کر فرش پر گری اور بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے کولہے پر شدید چوٹ آئی تھی۔ کولہا سہلاتے ہوئے چیخی۔

"تو بالکل پاگل ہے' جنگلی ہے۔ میں تیرا سر توڑ دوں گی۔"

اس نے آبنوسی تپائی سے چاندی کا ایک وزنی گلدان اٹھایا اور اباقہ پر جھپٹی۔ اباقہ نے آسانی سے جھک کر یہ وار بچایا اور اسے اپنے دائیں بازو میں جکڑ لیا۔ وہ بری طرح مچل رہی تھی ..... اسے اس وقت پتہ چلا جب اباقہ اس کی لمبی چوٹی سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ چکا تھا۔ اب وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی تو اس کے بال کھنچ جاتے تھے۔ اگر بالوں کو بچاتی تو ہاتھ نہیں چھوٹتے تھے۔ ہاتھ بندھے رہتے تو وہ اباقہ کا منہ کیسے نوچ سکتی تھی۔ اباقہ نے پلک جھپکتے میں اسے عجیب مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اباقہ اس کی حالت پر مسکرایا' وہ آگ بگولا ہو رہی تھی۔ اگر اباقہ اسے چھوڑ دیتا تو شاید وہ ٹانگیں چلا چلا کر کمرے میں ہر شے توڑ ڈالتی ..... اتنی نامور رقاصہ کی یہ درگت معمولی بات نہیں تھی۔

اباقہ نے اس کا مچلتا تڑپتا جسم بانہوں میں اٹھایا اور اطمینان کے ساتھ خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔ دروازے پر کھڑے دربان نے حیرت سے یہ منظر دیکھا۔ چند گز دور سولیونی کے کمرے کا دروازہ تھا۔ اباقہ نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔ سولیونی شراب کے نشے

میں دھت پڑا تھا۔ اباقہ نے تھوڑا سا جھک کر روما کو قالین پر پھینک دیا۔ کمر پر چوٹ لگنے سے وہ ایک بار پھر چیخی اور اباقہ کو صلواتیں سنانے لگی۔ برہمی نے اس کی ساری نزاکت چھین لی تھی۔ سولیونی نے روما کو دیکھا اور مخمور لہجے میں بولا۔

"آخاہ ..... یہ پیاری روما ہے۔ بڑے دنوں بعد ملاقات ہوئی تجھ سے۔"

روما نے اس کی شان میں بھی ایک قصیدہ پڑھ دیا۔ اباقہ زیرلب مسکرایا اور دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

☆------☆------☆

طوطم خاں اب روانگی کے لیے بالکل تیار تھا۔ مردہ عورت کی لاش خیمے کے ایک کونے میں دفن ہو چکی تھی۔ طوطم خاں نے ایک بار پھر لکڑی کے اس منقش ڈبے کا جائزہ لیا جس میں قیامت کا سامان پڑا تھا۔ ڈبے کے اوپر سرخ رنگ کا ایک نشان لگا تھا۔ یہ نشان غالباً اس امر کی نشاندہی کرتا تھا کہ یہ ڈبہ سپہ سالار اعظم کے استعمال کے لیے ہے۔ طوطم نے خیمے کی چھت سے لٹکا ہوا ایک چرمی تھیلا اتارا۔ اس تھیلے میں سیاہی مائل مٹی بھری ہوئی تھی۔ اس چرمی تھیلے کا انتظام طوطم خاں نے دو روز پیشتر ہی کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس تھیلے میں وہ باتو خان کا سر ڈال کر لائے گا۔ پھر اس نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ واپسی پر اس کے تھیلے کو کھول کر دیکھا جائے۔ یہ تھیلا پہرے داروں کی نظر میں مشکوک ٹھہر سکتا تھا۔ اس اندیشے کو دور کرنے کے لیے کل طوطم پڑاؤ کے مضافات میں گیا تھا۔ وہاں ایک جگہ سے اس نے مٹی کھود کر تھیلے میں بھری تھی۔ یہ مٹی قدرے سیاہی مائل تھی طوطم نے سوچا تھا وہ مٹی کا یہ تھیلا ساتھ لے کر باتو کے خیمے میں جائے گا۔ اگر پہریدار پوچھیں گے تو انہیں بتائے گا کہ یہ آذربائیجان کی مٹی ہے اور اسے جسم پر مل کر نہانے سے بہت سی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ (آذربائیجان اور گردونواح کے علاقوں میں واقع بعض جھیلوں کی مٹی میں معدنیات کی بہتات تھی اور حکماء ایسی مٹی کو اکسیر کا درجہ دیتے تھے) طوطم کا منصوبہ تھا کہ وہ یہ مٹی سوغات کے طور پر باتو خاں کے پاس لے جائے گا اور واپسی پر اس مٹی میں اس کا سر چھپا کر یورت سے باہر لے آئے گا۔ پہریداروں کے پوچھنے پر وہ کہہ سکتا تھا کہ سپہ سالار کو یہ سوغات پسند نہیں آئی۔ وہ کوئی بھی بہانہ بنا سکتا تھا۔

پوری تیاری کے بعد طوطم نے سامان اٹھایا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ اب اجالا پھیل چکا تھا ہلکی ہلکی دھند چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ خیموں کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں بھی اس دھند کا حصہ بن گیا تھا۔ پڑاؤ میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ طوطم خان خیمے سے نکلتے ہی تیز قدموں سے روانہ ہو گیا۔ وہ ظاہر کر رہا تھا کہ بہت جلدی میں ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر کسی نے اسے روک کر کوئی بات کرنا چاہی تو وہ ہرگز نہیں سنے گا۔ ایک ہاتھ میں مٹی کا تھیلا اور دوسرے میں چوبی صندوق لیے وہ "خادم بستی" سے باہر آیا اور سیدھا سالار اعظم باتو خاں کے خیمے کی طرف چل دیا۔ خیمے کو جانے والے راستے پر دو تین جگہ پہریدار چوکس کھڑے تھے۔ طوطم سر جھکائے ان کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ خیمے کے عین سامنے دو اور محافظ موجود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں تھیں۔ سخت سردی میں طوطم کی پیشانی پر پسینہ آنے لگا۔ اس کا ہر قدم اسے خطرات سے قریب تر کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پہریداروں کے درمیان سے بھی تیزی کے ساتھ گزر جائے لیکن یہ اس کی غلطی تھی۔ جونہی وہ دروازے میں داخل ہونے لگا۔ پہریدار بولا۔ "ٹھہرو۔" طوطم کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔ پہریدار نے کہا۔

"کیا بات ہے۔ آج بہت جلدی ہے؟"

طوطم کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ صرف نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ایک پہریدار دبیز پردہ اٹھا کر اندر گیا۔ وہاں سے اس کی مدھم آواز سنائی دی۔ وہ باتو خاں سے شاہی حجام کو بھیجنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ جواب میں باتو خاں نے جو کچھ کہا وہ اتنا مدھم تھا کہ آواز باہر نہیں آئی یا شاید اس نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دیا تھا۔ چند لمحے بعد پردوں میں جنبش ہوئی اور پہریدار باہر آیا۔

"تم جا سکتے ہو۔" اس نے طوطم کو کھڑے دیکھ کر کہا۔

طوطم ایک لمحے کے لیے جھجکا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ پہریدار نے اسے اندر جانے کو کہا ہے یا واپس جانے کو۔ اس کا اٹھایا ہوا ایک غلط قدم' اب اس کی جان لے سکتا تھا۔ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط پر پہنچ چکا تھا۔ ذہن ماؤف سا ہو گیا' مگر ایک جگہ کھڑے رہنا بھی کم خطرناک نہیں تھا۔ اس نے فوری فیصلہ کیا اور خیمے کی طرف قدم بڑھائے۔ پہریداروں نے ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ اس کے ہاتھ کے تھیلے کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ دبیز پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوا تو ایک سبز مخملی پردے نے اس کا راستہ روکا۔ یہ پردہ خیمے کی بلند چھت تک چلا گیا تھا۔ طوطم نے لرزاں ہاتھ سے پردہ ہٹایا۔ نیم گرم ہوا نے اس کا استقبال کیا۔ خیمے کے عین درمیان ایک بڑا آتشدان دہک رہا تھا۔ پیتل کی ایک دور کش (چمنی) آتشدان سے چھت تک چلی گئی تھی۔ ایک دو گز لمبے اور ڈیڑھ گز چوڑے مسہری نما خوبصورت چبوترے پر باتو خاں اوندھا پڑا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک زیر جامہ تھا۔ ریشمی پھولدار تو شک بمشکل اس کی پنڈلیاں ڈھانپ رہی تھی۔ کمخواب کے گداز گدوں کے نیچے سچے موتیوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں۔ بستر کے عین اوپر ایک فانوس

لٹک رہا تھا جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ چار خوبصورت لڑکیاں خیمے کے ایک حصے میں باتو کے نہانے کا انتظام کر رہی تھیں۔ یہ چاروں باتو خاں کی بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک بہت بڑی ناند (برتن) میں نیم گرم پانی ڈال رکھا تھا اور اب اس میں مختلف خوشبوئیں شامل کر رہی تھیں۔ پانی سے اٹھنے والی بھاپ نے پورے خیمے کو مہکا رکھا تھا۔ برتن کے پاس ہی باتو خاں کی پوشاک ایک کھونٹی سے لٹک رہی تھی۔ طوطم کو دیکھتے ہی باتو کی بیویوں نے ایک ڈوری کھینچ کر پردہ برابر کر دیا۔ اب باتو خاں کا حمام' طوطم کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ایک طرح یہ طوطم خاں کے لیے اچھا ہی ہوا تھا۔ طوطم نے مٹی سے بھرا ہوا تھیلا جلدی سے ایک پردے کی اوٹ میں رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس تھیلے کے سبب باتو خاں اس سے کوئی سوال و جواب کرے۔ وہ بار بار کھانس بھی رہا تھا تاکہ آواز کی تبدیلی کا احساس پیدا ہو سکے۔ تاہم قسمت نے یہاں بھی اس کی یاوری کی باتو خاں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔ صرف ایک بار اسے مڑ کر دیکھا اور بولا۔

"آ گیا ہے مینگو؟"

سوال اس انداز میں کیا گیا تھا کہ جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ طوطم کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ باتو خاں ابھی تک رات کے خمار میں ہے۔ اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ طوطم نے غور سے چنگیز خاں کے اس نامور پوتے کو دیکھا جو زریں خاں کے نام سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی قسمت کا مالک تھا' لیکن آج اس کی تقدیر اسے طوطم خاں کی مٹھی میں لے آئی تھی۔ باتو خاں نے کروٹ بدلتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی اور جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ طوطم جلدی سے رخ پھیر کر اپنے چوبی ڈبے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مونچھیں اور داڑھی درست کرنے کے لیے اس نے ایک چھوٹی قینچی منتخب کی اور اسے آہستہ آہستہ پتھری پر رگڑنے لگا۔ اسے باتو خاں کے معمولات کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ وہ پاؤں لٹکائے مسہری پر بیٹھا تھا۔ اب معلوم نہیں اسے یہیں براجمان رہنا تھا یا اٹھ کر کسی اور جگہ جانا تھا۔ طوطم خان کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے مینگو کو اتنی جلدی قتل کیوں کیا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو وہ طوطم کو گراں قدر معلومات فراہم کر سکتا تھا۔

"کیا کرتا ہے مینگو؟" اچانک باتو خاں کی بھاری آواز خیمے میں گونجی۔

طوطم کو معلوم ہوا کہ وہ کوئی غلطی کر رہا ہے۔ اس آواز کا ایک ہی مطلب تھا۔ باتو مسہری پر بیٹھے بیٹھے حجامت کروانا چاہتا تھی۔ طوطم نے ڈبے سے قینچی اور آئینہ نکالا۔ آئینے کو قریب پڑی نقرئی تپائی پر باتو خاں کے سامنے کھسکا دیا۔ پھر قینچی لے کر اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ وہ اس سے پہلے چنگیز کے بیٹوں تولوئی اور اوغدائی کے دربار میں حاضری دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکا تھا۔ ایک سفیر کی حیثیت سے' تنہائی میں بھی ان سے مل چکا تھا' لیکن آج باتو خاں کی قہریت اس پر جو دہشت سوار کر رہی تھی۔ وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ تھی کہ آج اس کی نیت میں فتور شامل تھا۔ اس نے تھوڑا سا جھک کر قینچی باتو خاں کی مونچھوں پر چلائی تو اپنے ہاتھوں کو لرزتا ہوا پایا..... تاہم باتو کے منہ سے شراب کی آرہی تھی' وہ ابھی تک نیم غنودگی کے عالم میں تھا' یہ امر بہت حوصلہ افزا تھا۔ طوطم خاں نے دھیرے دھیرے باتو کی مونچھیں تراشیں' پھر ان کے کونے درست کرنے کے لیے اس نے چوبی ڈبے سے وہ تیز دھار آلہ نکال لیا جو باتو خاں کی گردن دو لخت کرنے کے لیے نہایت موزوں تھا۔ دبیز پردے کے عقب سے کھنکتی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ حمام میں باتو کی نو خیز بیویاں' آب غسل تیار کرنے کے ساتھ ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں..... طوطم کے کام کے لیے یہ وقت نہایت مناسب تھا۔ اس نے تیز دھار آلے کو کھول کر باتو خاں کی مونچھوں پر رکھا۔ اس کی نگاہ باتو کی گردن پر تھی۔ گردن اور دھار میں نصف بالشت کا فاصلہ تھا۔ اب طوطم کے ہاتھ کی ایک جنبش باتو کو زندگی کی سرحد پار کرا سکتی تھی۔ اونگھتے ہوئے باتو کا منہ دبا کر اس کی گردن کاٹ دینا کچھ ایسا دشوار نہیں تھا لیکن اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ طوطم کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ اس نے تیز دھار آلے کو مضبوطی سے تھاما اور جبڑے بھینچ کر' عمل کے لیے تیار ہو گیا.....

اچانک باتو خاں نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا اور سرگوشی میں بولا۔

"کاٹ دے گردن۔ سوچتا کیا ہے؟"

یہ سرگوشی طوطم کو سر سے پیر تک پتھر کر گئی۔ وہ سکتے کے عالم میں باتو کو دیکھتا رہ گیا۔ باتو کا اعتماد دیدنی تھا..... پھر طوطم نے حیرت کے لمحے سے باہر آکر واقعی باتو کی ہدایت پر عمل کیا۔ گردن کاٹنے کے لیے اس نے آلے کو حرکت دی..... مگر دیر ہو چکی تھی۔ باتو نے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھامی اور داہنی ٹانگ اتنی زور سے اس کے پیٹ میں ماری کہ طوطم لڑکھڑاتا ہوا آتشدان کے قریب گرا۔ باتو خاں نے لپک کر اپنی تلوار خیمے کے بانس سے اتارنا چاہی اتنی دیر میں طوطم سنبھل چکا تھا۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس نے باتو پر چھلانگ لگائی اور اسے لیتا ہوا اس پردے پر گرا جو حمام کو باقی خیمے سے جدا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ چند ساعتوں کے اندر اندر ہو گیا۔ باتو خاں کی بیویاں جو چیختی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ باتو اور طوطم کی ٹکر سے دوبارہ حمام میں جا گریں۔ طوطم نے تیز دھار آلے سے باتو خاں پر وار کرنا چاہا مگر وہ ہوشیاری سے پہلو بچا گیا۔ طوطم کا زبردست وار باتو خاں کی بیوی کا پیٹ چاک کر گیا..... وہ ایک چیخ کے ساتھ اوندھے منہ غسل کے برتن میں گری۔

تڑپنے لگی' اس دوران پہرے دار اندھا دھند بھاگتے ہوئے اندر پہنچ گئے۔ انہوں نے طوطم خاں کو بازوؤں سے جکڑ لیا اور پورے زور سے گھسیٹتے خیمے کے وسط میں لے گئے۔ طوطم نے خود کو چھڑانے کے لیے سخت زور مارا۔ ایک موقع پر تو وہ قریباً چھوٹ ہی گیا تھا مگر اس وقت مزید پہریدار موقعے پر پہنچ گئے اور انہوں نے طوطم کا ایک ایک عضو جکڑ لیا۔

"اسے مارنا نہیں۔" باتو خان کی آواز خیمے میں گونجی اور پہریدار جو جوش میں دیوانے ہو رہے تھے سنبھل گئے۔ طوطم خاں کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اچانک اس کا راز کیسے کھل گیا؟

☆------☆------☆

وہ ایک تاریک رات تھی۔ اباقہ اور سولیونی' جلاد بگوڈا کے ساتھ شاہی عقوبت خانے میں موجود تھے۔ سولیونی کی طرح اباقہ کے جسم پر بھی پہریداروں کا مخصوص لباس تھا۔ وہ گہری نظروں سے عقوبت خانے کے در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس ماحول سے وابستہ اس کی پرانی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ اسے لگا جیسے اس کی چیخیں ابھی تک یہاں گونج رہی ہیں۔ وہ کانوں میں جکڑا پکار رہا تھا..... "کوئی ہے..... کوئی ہے۔ خدا کے لیے مجھے آزاد کرو۔ مجھے شہزادی نتاشا تک پہنچاؤ۔ شاہی مہمانوں کی زندگی خطرے میں ہے....." پھر اچانک اس کی نگاہوں میں گھوما جب نتاشا اسے چھڑیوں سے مار رہی تھی اور اس کے کانوں میں اس کے اپنے ہی جلے ہوئے گوشت کی بو گھس رہی تھی۔ کتنے ظالم تھے اس قلعہ کے در و دیوار..... اس وقت اس کی حیثیت ایک بدنصیب قیدی کی تھی' لیکن آج..... آج وہ اپنی مرضی سے یہاں پہنچا تھا۔ یہاں سے اسے ایک اہم مہم پر روانہ ہونا تھا۔ بگوڈا نے ان دونوں کی ملاقات ایک عمر رسیدہ شخص سے کروائی۔ اسے آروف کہا جاتا تھا۔ وہ قوت سماعت سے محروم تھا' لیکن اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ اس چمک میں طمع اور حرص نمایاں تھی۔ بگوڈا نے کہا کہ آروف تمہیں سرنگ کے راستے قلعے تک لے جائے گا۔

ضروری تیاری کے بعد وہ سرنگ میں داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں اور خنجر تھے۔ نیزے ٹیک ٹیک کر وہ آگے بڑھنے لگے۔ جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ سرنگ کافی طویل عرصے سے بند پڑی ہے بلکہ کئی جگہ سے ٹوٹ پھوٹ بھی گئی ہے اور آمد و رفت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ فرش پر بڑے بڑے گڑھے نمودار ہو چکے تھے۔ جن میں سڑا ہوا بدبو دار پانی بھرا پڑا تھا۔ مچھر اور کیڑے مکوڑے کثرت سے تھے۔ اگر ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھوں میں مشعلیں نہ ہوتیں تو شاید حشرات الارض ان کا حشر کر دیتے۔ بوڑھا آروف سب سے آگے تھا اور بڑی احتیاط سے ان کی رہبری کر رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر دفعتاً ان کی مشعلیں بجھ گئیں اور سانس سینے میں گھٹنے لگی۔ شاید اس حصے میں کوئی زہریلی گیس تھی۔ آروف کی ہدایت پر وہ بجھی مشعلوں کے ساتھ ہی تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ آخر نسبتاً بہتر ہوا ان کے سینوں میں داخل ہونے لگی۔ ایک جگہ آروف رک گیا۔ اس نے اباقہ اور سولیونی کو بھی روک لیا۔ انہوں نے مشعلیں جلائیں۔ جونہی تاریکی میں روشنی کا ہالہ سا بنا، وہ تینوں بری طرح چونک گئے۔ آروف نے اس جگہ رک کر نہایت عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ تینوں جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے سیڑھیوں کی ایک طویل قطار جاتی تھی' لیکن غضب یہ تھا کہ شروع کی پچیس تیس سیڑھیاں سرے سے غائب تھیں۔ ان کی جگہ زمین میں ایک بھیانک خلا نظر آرہا تھا۔ آروف جہاں کھڑا تھا وہاں سے اگر ایک بالشت آگے بڑھتا تو اس عمیق غار میں جا گرتا جو سیڑھیاں دھنسنے سے پیدا ہوا تھا۔ اس صورت میں یقیناً وہ موت کے منہ میں چلا جاتا۔ وہ خود بھی حیران تھا اور غیر یقینی نظروں سے اس ایک بالشت کے فاصلے کو دیکھ رہا تھا جو اس کی زندگی کا ضامن بن گیا تھا۔ وہ وہاں سے واپس پلٹے اور نصف فرلانگ پیچھے آکر ایک چھوٹی سرنگ میں داخل ہو گئے۔ اس سرنگ میں کچھ آگے جاکر انہیں بیسیوں چمگادڑوں کا سامنا کرنا پڑا' تاہم وہ آگے بڑھتے رہے اور ایک دو ذیلی سرنگوں سے گزر کر دوبارہ بڑی سرنگ میں آگئے۔ شکستہ سیڑھیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔ کوئی ایک کوس کا فاصلہ انہوں پانچ گھڑی میں طے کیا۔ آخر آروف نے بتایا کہ وہ منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ ان کے دل انجانے تجسس سے دھڑکنے لگے۔

اباقہ آروف کے پیچھے تھا۔ خطرناک گڑھوں سے بچنے کے لیے وہ نہایت احتیاط سے چل رہے تھے۔ ان کی ساری توجہ اپنے قدموں کی طرف تھی۔ اس صورت حال میں وہ چھت کی طرف سے بڑی حد تک غافل ہو گئے تھے اچانک اباقہ کی نظر چھت کی طرف اٹھی اور وہ چیخ اٹھا۔ "رک جاؤ۔" اس کی یہ آواز آروف کے لیے تھی۔ آروف سے چند گز آگے چھت کی درازوں سے دو خوفناک اژدھے نکل کر الٹے لٹک رہے تھے۔ آروف اگر چلتا رہتا تو ان سے ٹکرائے بغیر نہ گزرتا اور یہی ہوا۔ آروف! اباقہ کی آواز کے باوجود نہ رکا......... اور اس وقت اباقہ کو یاد آیا کہ وہ قوت سماعت سے محروم ہے۔ یہی خیال سولیونی کے ذہن میں بھی آیا تھا۔ وہ تیزی سے بوڑھے کی طرف لپکے لیکن ان کی کوشش بے سود تھی۔ ان کا درمیانی فاصلہ زیادہ تھا۔ ایک اژدھے نے پھنکار کر بوڑھے پر حملہ کیا اور عین پیشانی پر ڈنک مارا۔ بوڑھے کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور

اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اباقہ نے لپک کر دوسرے اژدھے پر نیزے کا وار کیا۔ انی اس کے جسم کو چھیدتی ہوئی گزر گئی۔ اس نے تکلیف سے بے تاب ہو کر کسی درندے کی طرح اپنا چھوٹا سا جبڑا کھولا۔ اباقہ نے پوری قوت سے نیزا گھمایا اور اس میں پرویا ہوا اژدھا "پناخ" سے دیوار سے ٹکرایا۔ اباقہ نے گھوم کر دیکھا.......... اس کے پاس ہی کھڑا سولیونی بوڑھے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً بوڑھے کے دونوں نتھنوں سے کوئی سیاہی مائل شے برآمد ہوئی اور دونوں رخساروں پر پھیلتی چلی گئی۔ اباقہ نے مشعل اونچی کر کے دیکھا' یہ خون تھا۔ بوڑھا گرا اور جان کنی کے عالم میں تڑپنے لگا۔ اباقہ کو اپنے چاروں طرف دھپ دھپ کی آوازیں آرہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ پکے ہوئے پھل شاخوں سے گیلی زمین پر گر رہے ہوں۔ اس نے مشعل گھما کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی اور کانپ گیا۔ سرنگ کی درازوں سے ان گنت چھوٹے بڑے سانپ نکل نکل کر نیچے گر رہے تھے۔ شاید مشعلوں کی روشنی نے انہیں متحرک کر دیا تھا۔ اباقہ کو وہ منظر یاد آگیا جب بغداد میں دجلہ کے کنارے ایک سپیرے کے سانپ آزاد ہو گئے تھے اور انہوں نے تفریح کے لیے آئے ہوئے لوگوں میں بھگدڑ مچادی تھی۔ اباقہ نے تن تنہا ان سانپوں سے ایک زبردست جنگ لڑی تھی اور خلیفہ کی ایک قرابت دار خاتون کو موت کے منہ سے نکالا تھا۔

.... سولیونی بھی اب سانپ دیکھ چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں ہراس نظر آرہا تھا۔ اباقہ نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ پھر اس نے ایک ہچکی لی اور دم توڑ دیا.......... سریع الاثر زہر نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی جان لے لی تھی۔ اب رکنا اور کچھ سوچنا فضول تھا۔ اباقہ نے سولیونی کو اشارہ کیا۔ دونوں نے مشعلیں سیدھی کیں اور سانپوں سے پاؤں بچا کر بھاگتے ہوئے سیدھے نکل گئے۔ چند گز آگے جاکر انہیں قدرے اطمینان ہوا۔ یہاں کوئی سانپ نظر نہیں آرہا تھا ....

آروف کی رہنمائی سے محروم ہونے کے باوجود انہوں نے سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ کوئی نصف فرلانگ طے کرنے کے بعد انہیں دور ایک روشن نقطہ دکھائی دینے لگا۔ اباقہ نے اندازہ لگایا کہ یہ اس سرنگ کا دہانہ ہے۔ انہوں نے مشعلیں گل کر دیں اور مزید احتیاط سے آگے بڑھنے لگے۔ دہانے کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر ان کا سامنا چمگادڑوں سے ہوا ...... بالآخر وہ دہانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک آہنی جنگلے نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ جنگلے کی دوسری جانب کوئی متنفس دکھائی نہیں دیا۔ ہاں کبھی کبھی کسی گھوڑا گاڑی کی دور افتادہ آواز سنائی دے جاتی تھی۔ انہیں اب کوئی شک نہیں تھا کہ وہ قلعے کے اندر پہنچ چکے ہیں۔ اباقہ نے آہستہ آہستہ جنگلے پر دباؤ ڈالا' وہ ایک دروازہ تھا جو سین آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں باہر کو کھل گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور باہر نکل آئے۔ حسب توقع سیدھے ہاتھ پر انہیں گھاس کا ایک قطعہ نظر آیا۔ اس قطعے میں کہیں کہیں درخت بھی تھے۔ ایک کمر آلود تاریکی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں پتھر کا مجسمہ نظر آگیا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں اطمینان ہو گیا کہ وہ بالکل ٹھیک مقام پر پہنچے ہیں۔ انہوں نے اعتماد سے قدم بڑھائے اور مجسمے کی طرف چل دیے ..... لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ دو نگران آنکھیں انہیں حیرت سے دیکھ رہی ہیں۔

☆------☆------☆

وہ نگران آنکھیں مائیکل ہوورتھ کی تھیں۔ وہ قلعے کے اس حصے میں نگران دستے کا کمانڈر تھا۔ یہ ذمے داری اسے صرف دو روز پہلے ہی سونپی گئی تھی۔ آج شام وہ قلعے کے اس حصے سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ ان سیڑھیوں کی طرف اٹھ گئی۔ سیڑھیوں پر کوئی چمکدار چیز پڑی تھی۔ مائیکل نے قریب جا کر دیکھا تو یہ ایک پیش قبض تھی۔ لگتا تھا کوئی نوجوان سپاہی بے خیالی میں یہاں گرا گیا ہے۔ مائیکل پیش قبض اٹھانے کے لیے بڑھا تو اس کی نگاہ سیڑھیوں سے پھسلتی ہوئی کوئی چار گز نیچے سرنگ کے دہانے کی طرف اٹھ گئی۔ دہانے پر ایک زنگ آلود آہنی دروازہ نصب تھا۔ چونکہ اس طرف آمدورفت بالکل نہیں تھی اس لیے دروازے کے سامنے کوڑا کرکٹ پڑا تھا۔ آوارہ کتے اور بلیاں بھی اسی خالی جگہ کو رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے رہتے تھے۔ جس چیز نے مائیکل کو چونکایا وہ یہ تھی کہ آہنی دروازے پر قفل نظر نہیں آرہا تھا۔ جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا' پرسوں اس نے معائنے کے وقت سیڑھیوں سے جھانک کر دیکھا تھا تو ایک بڑا قفل صاف دکھائی دیا تھا۔ قلعے میں جتنے بھی ایسے دروازے تھے ان پر بڑے بڑے قفل ڈال دیے گئے تھے تاکہ کوئی سپاہی غلطی سے ان بے آباد سرنگوں میں نہ چلا جائے ..... مائیکل کی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ اس نے غور سے دروازے کے اردگرد کی زمین دیکھی۔ تازہ قدموں کے نشان دکھائی دے رہے تھے۔ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پیش قبض بھی اسی شخص کی ہے جس نے دروازے کا قفل کھولا ہے۔

مائیکل کو عجیب طرح کی تشویش لاحق ہو گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس دروازے کی نگرانی کروائے گا۔ اس نے اپنے دستے کے ایک ہوشیار سپاہی کو حکم دیا کہ وہ کسی محفوظ جگہ کھڑے ہو کر سیڑھیوں پر مکمل نظر رکھے اور جونہی کسی پراسرار نقل و حرکت کا احساس ہو اسے مطلع کیا جائے۔

نصف شب سے کچھ پہلے مائیکل گشت کرتا ہوا پھر اس مقام پر پہنچا۔ اس کا مقرر کردہ

سپاہی ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا بدستور پہرا دے رہا تھا۔ مائیکل اس سے صورت حال دریافت کرنے لگا۔ سپاہی نے بتایا کہ ابھی تک نگرانی لاحاصل رہی ہے۔ مائیکل آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھا چکا تھا جب اچانک ٹھٹک گیا۔ سیڑھیوں پر ایک متحرک سایہ نظر آیا تھا۔ مائیکل بھاگ کر پھر درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ سایہ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ سے کسی کو اشارہ کیا اور ایک دوسرا سر سیڑھیوں پر دکھائی دینے لگا۔ یہ دو افراد تھے۔ چند لمحے وہ ساکت کھڑے اردگرد کا جائزہ لیتے رہے پھر محتاط قدموں سے ان کی طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور لباسوں سے وہ قلعے کے پہریدار ہی نظر آتے تھے۔ مائیکل اور سپاہی تناور درخت کے ساتھ چپک گئے۔ دونوں سائے ان کے بالکل نزدیک سے گزرے۔

"وہ رہا مجسمہ۔" ایک سائے کی سرگوشی فضا میں ابھری۔ مائیکل سکتے میں رہ گیا۔ یہ آواز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ یورق اور اسد کے ساتھی اباقہ کی آواز وہ بخوبی پہچان سکتا تھا۔ سائے آگے بڑھ گئے تو مائیکل نے سپاہی کو وہیں کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور نہایت احتیاط سے ان دونوں کے پیچھے چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اباقہ ایک چوکنا اور حاضر دماغ شخص ہے' ذرا سی غلطی اسے تعاقب سے خبردار کر سکتی تھی۔ مائیکل درختوں کی اوٹ لے کر چل رہا تھا' لیکن سائے ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھے چلے جا رہے تھے۔ شاید وہ اپنی چال و اطوار سے خود کو پہرے دار ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر وہ گھاس کے اس ہموار قطعے میں پہنچ گئے جہاں ایک گمنام شہید کا مجسمہ نصب تھا۔ انہوں نے ایک نظر دائیں بائیں دیکھا اور اطمینان سے پہرا دینے والے انداز میں کھڑے ہو گئے۔ مائیکل کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اباقہ کسی نہایت گہری سازش کے تحت یہاں آیا ہے۔ وہ چاہتا تو اسی وقت اباقہ اور اس کے ساتھی کے گرد گھیرا ڈال سکتا تھا لیکن وہ اسد' یورق وغیرہ کے سامنے کچا پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اباقہ ان دونوں کا دوست تھا اور وہ اب بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ وہ دشمنوں سے مل چکا ہے۔ مائیکل نے تیزی سے فیصلہ کیا اور واپس پلٹا۔ سپاہی ابھی تک اس درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ مائیکل نے اس کے علاوہ ایک اور سپاہی کو ساتھ لیا اور دونوں کو احتیاط سے اس جگہ پہنچا دیا جہاں سے اباقہ اور اس کے ساتھی کو مجسمے کے قریب کھڑے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو ہدایت کی اگر یہ دونوں کسی قسم کی حرکت کریں تو فوراً نائب کمانڈر کو اطلاع دو۔

یہ کام کرنے کے بعد مائیکل تیز قدموں سے اپنے گھوڑے کی طرف چل دیا۔ گھوڑا نزدیکی اصطبل میں تھا۔ مائیکل گھوڑے پر سوار ہوا اور تیز رفتاری سے قلعے کے دروازے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مائیکل شاہی مہمان خانے میں اسد اور یورق کے سامنے بیٹھا تھا۔ اسد اور یورق کو اس کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا' لیکن ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ مائیکل کہہ رہا تھا۔ "اسد! وہ قلعے کا انتہائی حساس علاقہ ہے۔ وہاں ایک عمارت میں فوجی دفاتر ہیں جہاں انتہائی اہم دستاویزات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اسلحے کا گودام بھی وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔ میں تو اب سوچ رہا ہوں مجھے اباقہ کو وہاں چھوڑ کر آنا ہی نہیں چاہیے تھا کہیں وہ کوئی حرکت ہی نہ کر جائے۔"

اسد کے چہرے پر عجیب تاثرات نظر آرہے تھے۔ وہ بولا۔ "مائیکل! گھبراؤ مت۔ میں وعدہ کرتا ہوں ہمارے ساتھی کی طرف سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

مائیکل بولا۔ "اسد! ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ وہ تمہارا نہیں میرا بھی ساتھی ہے' لیکن موجودہ حالات میں ہم اس پر بھروسا نہیں کر سکتے۔"

اسد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ مائیکل۔ میں آج اس سے بات کروں گا۔"

یورق بھی ساتھ چلنے کے لیے اٹھ گیا مگر اسد نے نرمی سے کہا۔ "سردار! مجھے ڈر ہے کہ تم اسے دیکھ کر مشتعل ہو جاؤ گے یا وہ تمہیں دیکھ کر بھڑک اٹھے گا۔ میری التجا ہے کہ مجھے تنہا اس سے بات کرنے دو۔"

مائیکل نے بھی اسد کے خیال کی تائید کی۔ یورق نے کچھ پس و پیش کے بعد ان کی بات مان لی۔ مائیکل اور اسد گھوڑوں پر سوار تیز رفتاری سے قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔

☆------☆------☆

وہ جنوری کی ایک سرد ترین رات تھی۔ دارالحکومت "دلادی میر" کے در و دیوار برف ہو رہے تھے۔ نواحی پہاڑوں سے اٹھنے والے کہرے کے دبیز بادل آہستہ آہستہ شہر کے سنسان گلی کوچوں میں خیمہ زن ہو رہے تھے۔ یہ نصف شب کا عمل تھا۔ اسد اور مائیکل کے دونوں ماتحت چوکس کھڑے پہرا دے رہے تھے۔ کہرا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ مائیکل نے اسد کو بتایا کہ گھاس کے اس قطعے کے عین درمیان ایک سنگی مجسمہ ہے۔ اباقہ اور اس کا ساتھی' پہریداروں کا لباس پہنے اسی مجسمے کے قریب موجود ہیں۔ اس نے مائیکل سے درخواست کی کہ وہ اباقہ کے پاس اکیلا جانا چاہتا ہے۔ مائیکل نے کہا۔ "میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔" اسد نے ایک گہری سانس لی اور مائیکل کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔ کہرا اب مزید گہرا ہو گیا تھا۔ چند گز آگے دیکھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ اچانک اسد کو اندازہ ہوا کہ وہ مجسمے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ کوئی دو گز بلند اس مجسمے کے قریب ہی دو پہریدار

کھڑے تھے۔ اسد کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ اسد نے ڈیل ڈول سے پہچان لیا کہ ان میں اباقہ کون سا ہے۔ وہ سیدھا اس کے پاس پہنچا۔ اباقہ کے ایک ہاتھ میں نیزا تھا۔ آج اس کے چہرے پر پگڑی نہیں تھی۔ اسد اس کے مدہم خدوخال دیکھ سکتا تھا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" اباقہ نے انتہائی سخت لہجے میں پوچھا۔

اسد نے سکون سے کہا۔ "یہ جاننے کے لیے کہ منگولوں کا ازلی دشمن اور سلطان جلال کا جاں نثار ساتھی' اباقہ یہاں کیا کر رہا ہے۔"

اباقہ نے اجنبی لہجے میں کہا۔ "تو نے یہاں آکر..... اچھا نہیں کیا اسد۔"

اسد بولا۔ "ہم بہت پریشان ہیں اباقہ۔"

اباقہ نے کہا۔ "میں تمہاری پریشانی ختم کیے دیتا ہوں۔" اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ اسد چونک کر رہ گیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ اباقہ نے اچانک نیزا سیدھا کیا اور اسد پر حملہ آور ہوا۔ اسد نے جلدی سے پہلو بچایا۔ اس وقت اباقہ کا ساتھی آگے آیا اور اس نے ایک زوردار ٹانگ اسد کے سینے پر ماری۔ اسد اس ضرب کے لیے تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑا کر شبنم آلود گھاس پر گرا۔ اباقہ نے جست کی اور اسد پر آیا۔ اسد نے پہلو بدل کر خود کو بچا لیا۔ دونوں ساتھ ساتھ زمین سے اٹھے۔ اسد کچھ کہنا چاہتا تھا' لیکن اباقہ نے موقع ہی نہیں دیا۔ دونوں کے درمیان کوئی تین گز کا فاصلہ تھا۔ اباقہ نے نیزا تول کر اسد پر پھینکا۔ اسد بروقت جھکا اور نیزا اس کے سر سے گزرتا ہوا گیا۔ اسد ابھی حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ اباقہ اڑتا ہوا آیا اور اس کی دونوں ٹانگیں اسد کے سینے پر پڑیں۔ اسد ایک توانا شخص تھا۔ معمولی ضربات کو وہ خاطر میں نہیں لاتا تھا' لیکن اباقہ کی لگائی ہوئی ضرب نے اسے چکرا کر رکھ دیا۔ وہ اچھل کر پشت کے بل گرا۔ ابھی وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اباقہ پھر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس کی ٹانگ گھومی۔ اسد نے بچنے کی بہت کوشش کی' لیکن اپنی پسلیاں نہ بچا سکا۔ تکلیف کی شدید لہر نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"اباقہ!" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

اباقہ نے ایک اور گھونسہ رسید کرنا چاہا' لیکن اب اسد مزاحمت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے تیزی سے جھک کر خود کو بچایا اور اباقہ کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر اسے احساس ہوا کہ آج اس کا مقابلہ ایک برتر شخص سے ہے۔ اباقہ نے اچھل کر نہ صرف ٹانگ بچالی بلکہ ایک ٹھوکر اسد کے سر پر ماری۔ اسد کے ذہن میں تاریکی بھرنے لگی۔ اس نے سر کو دو تین جھٹکے دیے۔ اباقہ اس کے سر پر کھڑا تھا۔ دفعتاً اسد نے گھوم کر زوردار کہنی اباقہ کے پیٹ میں ماری۔ اباقہ قدرے غافل کھڑا تھا۔ شاید اسے امید نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی کہ اسد مزید جدوجہد کرے گا۔ ضرب کے ساتھ ہی وہ دوہرا ہو گیا۔ اسد نے اٹھتے اٹھتے ایک طوفانی مکہ اس کے جبڑے پر مارا۔ اباقہ ذرا سا لڑکھڑایا۔ اسد نے پے در پے دو اور مکے جڑ دیے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی۔ اگر اباقہ کسی خطرناک ارادے سے یہاں پہنچا ہے تو وہ یہ ارادہ پورا نہیں ہونے دے گا۔ اباقہ نے منہ میں جمع ہونے والا خون تاریکی میں تھوکا اور نگاہیں اسد پر جما دیں اسد نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے دو گہرے دوست' جانی دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ دونوں چوٹی کے جنگجو اور مرد میدان تھے۔ دونوں نے پشت سے پشت ملا کر بارہا دشمنوں کے چھکے چھڑائے تھے۔ دونوں کے راستے بھی ایک تھے اور منزل بھی' لیکن ایک غلط فہمی اس ٹھٹھری ہوئی شب میں دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے لے آئی تھی' کہرا اب بہت گہرا ہو گیا تھا۔

چند قدم دور کھڑا سولیونی بھی ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔ یقینی بات تھی کہ مائیکل اور اس کے ساتھی یہاں ہونے والی جدوجہد سے بے خبر ہوں گے ..... دفعتاً اباقہ نے جھکائی دے کر اسد پر چھلانگ لگائی۔ اسد جو اب پوری طرح غضب ناک ہو چکا تھا پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ پھر بھی دونوں ٹکرانے سے نہ بچ سکے' اباقہ کا کندھا اسد کے کندھے سے ٹکرایا اور دونوں اوپر نیچے ڈھیر ہو گئے لیکن اگر اباقہ کا خیال تھا کہ وہ اسد کو دبا لے گا تو اسے کامیابی نہیں ہوئی' پشت زمین پر لگتے ہی کمال مہارت سے اسد نے اسے ٹانگوں پر اچھال دیا۔ دونوں پھر ساتھ ساتھ اٹھے۔ اباقہ نے اس دفعہ پھر اسد پر چھلانگ لگائی۔ اسد نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اسے ہاتھوں پر روکا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ اسد جانتا تھا اباقہ کی ٹکر مقابل کے لیے مہلک ثابت ہوتی ہے' اس کی پوری کوشش تھی کہ خود کو اس ٹکر سے محفوظ رکھے۔ کھینچا تانی میں دونوں زمین پر گرے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ یکایک اسد کے کان میں اباقہ کی سرگوشی سنائی دی ..... یہ سرگوشی ایک مدھر نغمے کی طرح اس کے کان میں رس گھولنے لگی۔ اسد کو لگا جیسے اس کے بدن میں بھڑکنے والا جوالا مکھی ایک ہی تھپکے سے ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ اباقہ نے اپنی سرگوشی میں صرف چار لفظ کہے تھے۔

"میں مجبور ہوں اسد۔"

یہ چار لفظ اسد کے ہر شکوے کو دور کر گئے تھے۔ ہر وسوسے کو مٹا گئے تھے .....

دفعتاً اسد نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اباقہ نے پھرتی سے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔ پھر حلق سے ایسی آواز نکالی جیسے بے پناہ قوت صرف کر رہا ہو۔ اسد سمجھ گیا کہ وہ اس کی گردن توڑنے کی اداکاری کر رہا ہے۔ اس نے اس تماشے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اچانک ہاتھ پاؤں پھینک دیے۔ اباقہ نے اسے لاپرواہی سے زمین پر پٹخ دیا۔ اسد

بے حس و حرکت پڑا تھا' لیکن اس کے جسم میں مسرت اور شادمانی کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ کوئی نہایت قیمتی شے جو گم ہو گئی تھی واپس مل گئی ہے۔

☆=====☆=====☆

ابھی اسد اور اباقہ کی لڑائی بمشکل ختم ہوئی تھی کہ ایک قریبی درخت سے کوئی دھپ سے کودا۔ اس شخص نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور تاریکی کا حصہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ تیس بتیس سال کا ایک دبلا پتلا روسی تھا۔

اباقہ اور سولیونی اس کی طرف گھوم گئے۔

"سرفروش۔" قریب پہنچ کر اس نے سرگوشی کی۔

سولیونی نے اپنا اور اباقہ کا تعارف کرایا۔ وہ بولا۔ "تعارف کی ضرورت نہیں۔ میں کافی دیر سے تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں ..... میرا خیال ہے اب ہمیں اور دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس شخص کے ساتھی کہیں قریب ہی ہوں اور اسے ڈھونڈتے ہوئے ادھر آ نکلیں۔" اس کا اشارہ اسد کی طرف تھا۔

"ہمیں کرنا کیا ہے؟" اباقہ نے بے تابی سے پوچھا۔

وہ شخص بولا۔ "وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ میں مختصراً تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں۔ میرا نام پیٹر ہے۔ میں نے نو عمری میں چین کا سفر کیا تھا اور وہاں کے اس اسلحہ سازوں سے آتشیں اسلحہ بنانے کی تربیت حاصل کی تھی۔ میں نوود گرد کا رہنے والا ہوں اور ڈیوک کو اپنا سیاسی اور روحانی پیشوا سمجھتا ہوں۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ میں کیا ہماری تنظیم "سرفروش" کا ہر رکن ڈیوک کے حکم پر جان ہتھیلی پر رکھ سکتا ہے۔ ڈیوک نے ہی مجھے ایک برس پہلے فوجی اسلحہ خانے میں ملازمت دلوائی تھی۔ ایک ماہ پیشتر اس کے حکم پر میں نے ایک مقامی رکن سے مل کر اسلحے کے گودام میں ایک اہم کارروائی کی تھی۔ گودام کے تین حصے ہیں' جن میں سے ایک آتشیں اسلحے کے لیے مخصوص ہے۔ ہم دونوں نے کسی طرح اس گودام تک رسائی حاصل کی اور اس کے اندر دھماکہ خیز مواد رکھ دیا یہ مواد ہم نے زمین میں دبایا اور اسے آگ دکھانے کے لیے ایک بارودی فیتے سے منسلک کر دیا۔ یہ فیتہ ہم گودام سے کوئی پندرہ گز دور لے گئے اور اس کا سرا نہایت احتیاط سے چھپا دیا۔ ڈیوک کا حکم تھا کہ گودام کو مغول حملے سے صرف چار روز پیشتر تباہ کیا جائے' لیکن ہوا یہ کہ اس سے پہلے ہی اعلیٰ حکام نے کارخانے اور گودام کا تمام عملہ تبدیل کر دیا۔ یہ احتیاطی تدابیر ہمارے لیے ازحد نقصان دہ ثابت ہوئی۔ ہم ایک بڑے کارنامے کو انجام تک نہ پہنچا سکے۔ پچھلے دو ہفتے سے گودام کے اوپر پہرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت سخت کر دیا گیا۔ کم از کم پندرہ عدد مسلح آرمینی محافظ ہمہ وقت چوکس رہتے ہیں۔ ان سے ٹکرائے بغیر ہم بارودی فلیتے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ ڈیوک نے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ وہ سولیونی کے ساتھ ایک ایسے شخص کو روانہ کر رہا ہے جو دس پندرہ محافظوں سے تنہا نبٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے..... اور تمہیں دیکھ کر میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس نے کچھ ایسا غلط نہیں کہا تھا۔ تم نے ابھی جس طرح اس شخص کو موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ کسی عام شخص کا کام نہیں۔ پیٹر کا اشارہ اسد کی طرف تھا۔ اباقہ یہ سوچ کر محظوظ ہوا کہ اسد بھی یہ سب کچھ سن رہا ہو گا۔

اباقہ نے پوچھا۔ "اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

پیٹر بولا۔ "میں نے کیا کرنا ہے جو کرنا ہے تم نے کرنا ہے۔ میں سپاہی نہیں' ہنرمند ہوں۔ اگر تمہاری تلواروں کے زور پر بارودی فلیتے تک پہنچ گیا تو اسے آگ لگا دوں گا۔"

"پھر؟"

"پھر کیا۔" پیٹر سفاکی سے بولا۔ "فلیتے کو آگ لگی تو یہ قلعہ جس پر رئیس اعظم اور اس کے ٹولے کو بڑا مان ہے' روئی کے گالے کی طرح فضا میں اڑتا نظر آئے گا....."

اباقہ نے پیٹر کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ شاہی خاندان کا کٹر مخالف ہے اور جوش انتقام میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اسے ان ہزاروں لاکھوں جانوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی جو اس سازش کے نتیجے میں مغلوں وحشیوں کی بھینٹ چڑھ سکتی تھیں۔ ولادی میر کے ہزاروں لاکھوں انسان اس کے ہم نسل تھے۔ اس کے اپنے ہی وطن کے رہنے والے تھے۔ اگر شہر اور خطے جدا تھے تو کیا' سرزمین تو ایک ہی تھی۔ ان کی رگوں میں ایک ہی باپ دادا کا خون رواں تھا۔

پیٹر کی ہدایت پر اباقہ اور سولیونی نے اپنی اپنی تلواریں نکال لیں۔ پیٹر بولا۔ "گودام کا صدر دروازہ یہاں سے ٹھیک ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ہے۔ دروازے پر صرف دو پہریدار ہوں گے جنہیں قتل کرنا ہمارے لیے زیادہ دشوار نہیں ہو گا۔ ہماری اصل آزمائش اس عمارت کے برآمدے میں ہو گی جہاں کم از کم چودہ محافظ موجود ہوں گے۔ اگر ہم نے ان محافظوں پر قابو پا لیا تو اس کمرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو برآمدے اور گودام کے درمیان واقع ہے۔ گودام میں کھلنے والا آہنی دروازہ اسی کمرے میں ہے۔ اس دیوہیکل دروازے کو کھولنا یا توڑنا ہمارے بس میں نہیں اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ بارودی فلیتے کا سرا اس کمرے میں موجود ہے۔ یہ کمرہ دراصل ایک دفتر ہے جہاں اسلحہ خانے کا "محافظ" اپنے عملے کے ساتھ بیٹھتا ہے اور گودام کا حساب کتاب رکھتا ہے۔"

اباقہ نے پوچھا۔ "پہلی مرتبہ تم اس گودام میں کیسے داخل ہوئے تھے۔"

پیٹر بولا۔ "اس سوال کا ہمارے موجودہ کام سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم میں بتا دیتا ہوں۔ یہ مشکل کام میرے ساتھی کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔ وہ ہماری تنظیم کا رکن تھا اور ان مزدوروں میں شامل تھا جو باربرداری کی غرض سے گودام کے اندر لے جائے جاتے تھے۔ میرا فراہم کیا ہوا دھماکہ خیز مادہ اسی نے گودام میں پہنچایا تھا' یہ ایک نہایت خطرناک کام تھا لیکن وہ محفوظ رہا..... مگر چند روز پہلے ایک معمولی سا کام کرتے ہوئے وہ پکڑا گیا۔ اسے میرا ایک پیغام ڈیوک تک پہنچانا تھا۔ قلعے سے نکلتے وقت پہریداروں نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ اسے پوچھ گچھ کے لیے لے جانا چاہتے تھے لیکن اس نے تنظیم کے دستور کے مطابق خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی۔" بات ختم کر کے پیٹر نے اردگرد دیکھا اور بولا۔ "یہ دھند ہمارے لیے بہت سودمند ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اب اور دیر نہیں کرنا چاہیے۔"

دونوں نے پیٹر کی تائید کی اور ذہنی طور پر تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دیے۔ وہ درختوں کے درمیان چلتے کوئی سو گز آگے گئے۔ اٹھنے والا ہر قدم انہیں مشکلات سے قریب تر کر رہا تھا۔ اچانک وہ ٹھٹک گئے۔ دو مسلح پہریدار ایک برجی پر کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ سولیونی کے منہ سے بے ساختہ اوہ نکل گئی۔ اباقہ کی گرفت بھی تلوار پر سخت ہو گئی۔ پیٹر اطمینان سے بولا۔

"گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ پہریدار اپنی خاموشی کی قیمت وصول کر چکے ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تم سیدھے چلتے رہو۔"

اباقہ اور سولیونی نے پیٹر کی ہدایت پر عمل کیا۔ بالآخر انہیں اسلحہ گودام کا صدر دروازہ دکھائی دینے لگا۔ پیٹر کی اطلاع کے عین مطابق وہاں دو چوکس محافظ موجود تھے۔ ان کی موٹی صدریاں گھٹنوں تک لٹک رہی تھیں۔ سردی کے سبب ان کی سانس بھاپ کی صورت نکل رہی تھی اور ٹانگوں کو منجمد ہونے سے بچانے کے لیے وہ صدر دروازے کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ایک پہریدار بائیں جانب سے آتا دوسرا دائیں جانب سے۔ ایک دوسرے کے پہلو سے گزرتے ہوئے وہ قریباً چار گز کی دوری پر چلے جاتے۔ وہاں سے وہ ایڑیوں پر گھومتے اور پھر ایک دوسرے کی طرف بڑھنے لگتے۔ صدر دروازے پر ایک بڑی قندیل لٹک رہی تھی جس کی روشنی گہری دھند میں ایک ہالہ سا بنا رہی تھی۔ اس ہالے میں اباقہ پہریداروں کی عریاں تلواریں دیکھ سکتا تھا۔ عریاں تلواروں کے پہرے سے ظاہر تھا کہ گودام کی سخت حفاظت کی جا رہی ہے۔ پیٹر سرگوشی کے لہجے میں اباقہ سے بولا۔ "ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں پہریداروں کی آواز نہیں نکلنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" اباقہ نے اعتماد سے کہا۔

ایک طرف سے سولیونی اور دوسری طرف سے اباقہ پہریداروں کی طرف بڑھے۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے دو درختوں تک پہنچے اور ان کی اوٹ میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جونہی پہریداروں نے اپنا چکر مکمل کر کے ایک دوسرے کی طرف منہ پھیرا' سولیونی اور اباقہ پھرتی سے نکلے اور بھاگتے ہوئے اپنے اپنے شکار پر جا پڑے۔ کمرے کی وجہ سے یہ حملہ اتنا اچانک ثابت ہوا کہ پہریدار اپنی تلواروں کو حرکت تک نہ دے سکے۔ اباقہ کا بازو پہریدار کی گردن میں اس طرح حمائل ہوا کہ وہ منہ کھلا ہونے کے باوجود آواز نہ نکال سکا۔ تلوار کا وزنی دستہ کھٹاک سے اس کے سر پر پڑا۔ سوری ٹوپی کے باوجود پہریدار سے یہ شدید ضرب برداشت نہیں ہوئی اور وہ کراہ کر اباقہ کے بازو میں جھول گیا۔ اس کی تلوار پتھریلی زمین پر گرنے سے پہلے اباقہ نے اپنے پاؤں پر روک لی اور آرام سے نیچے رکھ دی۔ دوسری طرف سولیونی بھی اپنے شکار سے نبٹ چکا تھا لیکن اس نے پہریدار کو ہلاک کر دیا تھا۔ پشت سے گھونپی ہوئی تلوار پہریدار کے پیٹ سے نکل آئی تھی اور سولیونی کے مضبوط ہاتھ نے مرنے والے کی آخری چیخ ہونٹوں کے اندر ہی روک دی تھی۔ اس نے بھی اباقہ کی طرح پہریدار کا جسم زمین پر ڈال دیا۔ پھر دونوں' پہریداروں کو گھسیٹتے ہوئے گہری تاریکی میں پیٹر کے پاس لے گئے۔

"بہت خوب ..... بہت خوب۔" پیٹر بے تابی سے بولا۔ "میرا خیال ہے اب تمہیں اندر جانے میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہیے ..... تمہارا کیا خیال ہے اباقہ؟"

اباقہ نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ پہلے میں تنہا اندر جا کر جائزہ لوں ممکن ہے کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ ہم تصادم سے بچ سکیں۔"

پیٹر نے کہا۔ "یہ ممکن نہیں۔ ہمیں پہریداروں سے بہرصورت نبٹنا پڑے گا۔"

اباقہ نے قدرے تحکم سے کہا۔ "جنگ میں سب کچھ ممکن ہوتا ہے پیٹر۔ میرا خیال ہے کہ ایک سپاہی کی حیثیت سے میں اس موقع پر بہتر فیصلہ کر سکتا ہوں۔"

پیٹر اب تک اباقہ سے خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ اس نے زیادہ بحث نہیں کی بولا۔ "ٹھیک ہے ہم تمہارا انتظار کرتے ہیں۔ اگر جھڑپ شروع ہو گئی تو ہمیں آواز دے لینا۔"

اباقہ نے کہا۔ "درست ہے۔ تم اپنی تلواریں نکال کر تیار رہو۔"

سولیونی اور پیٹر کو درختوں پر چھوڑ کر اباقہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ قندیل کی روشنی میں عمارت کے صحن کا کچھ حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اباقہ صحن میں پہنچا اور

دبے قدموں برآمدے کی طرف بڑھا۔ وہ پہریدار کے لباس میں تھا' سر پر خود اور پشت پر گول ڈھال تھی۔ اس کے جوتے پنڈلیوں تک پہنچ رہے تھے۔ برآمدے میں روشنی تھی۔ دو صحت مند سپاہی ایک دروازے پر پہرا دے رہے تھے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ نشستیں تھیں جن پر کوئی ایک درجن سپاہی اکڑوں بیٹھے تھے۔ وہ سب کے سب سر سے پیر تک زرہ میں ڈوبے تھے۔ ایک چھوٹا سا آتشدان کونے میں دہک رہا تھا۔ اس آتشدان کی حدت اتنی ہرگز نہیں تھی کہ پہریدار سکون پا کر اونگھ سکتے۔ ہاں اس کا اتنا فائدہ ضرور تھا کہ جنہیں بیٹھے اگر کسی سپاہی کے ہاتھ پاؤں سن ہونے لگیں تو وہ انہیں آتشدان پر جا کر تاپ سکتا تھا۔ اباقہ پہریداروں کے لباس میں تھا اس لیے وہ اندر داخل ہوا تو کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ مگر جب وہ روشنی میں آیا تو ایک ساتھ کئی سپاہی چونک گئے۔

"کون ہو تم؟" ان کے کماندار نے نہایت خطرناک لہجے میں پوچھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار نیام سے باہر کر لی تھی۔ وہ موٹی گردن والا ایک سخت گیر شخص تھا۔

اباقہ تیزی سے بولا۔ "دیکھو صاحبو! میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میرا نام اباقہ ہے۔ تم جانتے ہو اس سے پہلے میں شاہی ضیافت گاہ میں شاہی مہمانوں کی جان بچا چکا ہوں۔ شہر کے مشرقی حصے میں لکڑی کا پل بھی میں نے ہی جلایا تھا۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی مجھے شکل سے بھی پہچانتا ہو۔ میرا خیال ہے یہ دونوں واقعات مجھے وفادار ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔"

کماندار کے چہرے پر طیش آمیز سراسیمگی نظر آ رہی تھی۔ وہ بولا۔ "تم کوئی بھی ہو' یہاں تک کیسے پہنچے؟"

اباقہ بولا۔ "میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس لیے زیادہ بتا نہیں سکتا۔ تمہیں میری ذات پر اعتماد کرنا ہو گا۔ میرے ساتھ اس وقت ایک ایسا شخص ہے جس نے اسلحہ خانے میں دھماکہ خیز مواد چھپا رکھا ہے اور اس مواد سے منسلک بارودی فیتہ تمہارے ارد گرد کہیں موجود ہے۔ میں اس شخص کا معاون بن کر یہاں پہنچا ہوں۔ ہمارا منصوبہ تم سب کو تہ تیغ کرنے کا تھا لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ لہٰذا تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ تعاون کرو۔"

"کیسا تعاون؟" کماندار نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ اس کی تلوار کا رخ اب اباقہ کی طرف تھا۔

اباقہ نے کہا۔ "تم میں سے دو تین آدمی خود کو مردہ ظاہر کر کے زمین پر لیٹ جائیں۔ باقی اس ساتھ والے چھوٹے کمرے میں چلے جائیں یا کسی اور طرف نکل جائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "یہ کیا رہے ہو؟" پھر جواب کا انتظار کئے بغیر دوبارہ بیرونی دروازے کی طرف بھاگا۔ اباقہ نے چھلانگ لگائی اور دہلیز کے قریب اسے چھاپ لیا۔ پیٹر نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تلوار اپنی گردن پر پھیرنا چاہی۔ اباقہ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی کلائی گرفت میں لے لی۔ پیٹر نے جب یہ دیکھا کہ تلوار کا استعمال ممکن نہیں تو اس نے دوسرا ہاتھ اپنی پیٹی قبض کی طرف بڑھا دیا..... مگر پیش قبض وہاں ہوتی تو ملتی۔ وہ تو شام کو ہی سرنگ کے دہانے پر گر گئی تھی جب پیٹر دروازے کا قفل کھولنے گیا تھا..... اب وہ مائیکل کے قبضے میں تھی۔ پیٹر سمجھ گیا کہ وہ اپنی جان لینے کے اختیار سے محروم ہو چکا ہے۔ عین اس وقت برآمدے کی طرف سے بھاگتے قدموں کی آوازیں آئیں۔ یوں لگا جیسے بہت سے تازہ دم سپاہی گودام میں داخل ہو رہے ہیں۔

☆.....☆.....☆

رات کے آخری پہر شہزادی نتاشا کو جگا کر اس خوفناک سازش کی خبر سنائی گئی۔ شہزادی یہ سن کر لرز اٹھی کہ قلعے میں اسلحے کے گودام کو دھماکے سے اڑانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ خبر سنانے کے لیے نائب رئیس بنفس نفیس محل میں پہنچا تھا۔ قلعے کا داروغہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ داروغہ نے بتایا کہ کس طرح گودام کے محافظوں نے جان پر کھیل کر مجرموں کو عین موقع پر گرفتار کر لیا۔

نائب رئیس نے کہا۔ "شہزادی! یہ ایک بہت گہری سازش تھی۔ ان لوگوں نے پہلے سے گودام کے اندر دھماکہ خیز مواد پہنچا دیا تھا۔ یہ مواد اور اس سے منسلک فلیتہ اتنی ہوشیاری سے چھپایا گیا تھا کہ کوشش کے باوجود اس کا سراغ پانا مشکل تھا۔ اب بھی لوگ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ قلعے کے کچھ ملازمین بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے قلعے میں داخل ہونے کے لیے سرنگ استعمال کی اور مختلف مرحلوں سے گزرتے ہوئے کامیابی کے ساتھ گودام تک پہنچ گئے۔ محافظوں نے جرأت سے ان کا مقابلہ کیا اور عین اس وقت جب ملزم بارودی فلیتے کو آگ دکھا چکے تھے ان پر قابو پا لیا گیا۔"

شہزادی نے پوچھا۔ "ملزموں کی تعداد کیا تھی؟"

نائب رئیس نے کہا۔ "عملی طور پر اس کارروائی میں حصہ لینے والے افراد چار تھے۔ ان میں سے ایک سرنگ کے اندر ہی ہلاک ہوا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی لاش دہانے سے کوئی دو سو گز دور ڈھونڈ لی گئی ہے۔ خیال ہے کہ اسے زہریلے سانپوں نے ڈسا ہے۔ قلعے میں کل دو آدمی داخل ہوئے تھے۔ ایک شخص پیٹر قلعے سے ان کے ساتھ شامل

ہوا۔"

شہزادی نتاشا نے پوچھا۔ "باقی ملزموں کی شناخت ہوئی؟"

"ہاں۔ ان میں سے ایک تو سولیوئی ہے جو چند روز پہلے شاہی حراست سے فرار ہوا تھا۔ وہ گودام کے دروازے پر محافظوں سے تصادم کے دوران ہلاک ہو گیا ہے۔ دوسرا ملزم ایک ایسا شخص ہے جس کا نام سن کر میری طرح آپ بھی حیرت میں پڑ جائیں گی..... مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ شخص ابھی تک زندہ کیسے ہے؟"

شہزادی نے پوچھا۔ "کیا نام ہے اس کا؟"

نائب رئیس نے اطمینان سے کہا۔ "اباقہ۔"

"اباقہ؟" شہزادی اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ پھر حیرت سے بولی۔ "لیکن اسے تو موت کی سزا دے دی گئی تھی۔"

نائب رئیس بولا۔ "میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ اسے موت کی سزا دے دی گئی تھی۔"

شہزادی نتاشا کے سینے میں ایک ساتھ ہی خوشگوار اور ناخوشگوار دھڑکنوں نے یلغار کر دی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ خبر سن کر اسے خوشی ہوئی ہے یا دکھ۔ وہ بولی۔ "نائب رئیس! آپ نے اچھی طرح دیکھا ہے' وہ اباقہ ہی تھا؟"

نائب رئیس نے کہا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن جتنے لوگ بھی عقوبت خانے سے آئے ہیں۔ انہوں نے یہی کہا ہے کہ وہ اباقہ ہے۔"

شہزادی بولی۔ "آپ کا مطلب ہے کہ اس وقت وہ عقوبت خانے میں ہے؟"

نائب رئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "پیٹر اور وہ دونوں عقوبت خانے میں ہیں۔ انہیں محافظوں نے بارودی فلیتے سے چند گز کی دوری پر گرفتار کیا تھا۔ وہ بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرے ہی حکم پر انہیں عقوبت خانے لے جایا گیا ہے۔ اس گہری سازش کے سرغنہ کو بے نقاب کرنے کے لیے ہمارے پاس محدود وقت ہے اور یہ کام اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ملزموں کی زبان جلد سے جلد کھولی جائے۔"

شہزادی نے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ اباقہ مجرموں کے ساتھی کی حیثیت سے وہاں پہنچا تھا۔"

نائب رئیس نے کہا۔ "شہزادی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں محافظوں نے اسے گودام کے اندر سے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔"

اچانک شہزادی نتاشا کو احساس ہوا کہ وہ اباقہ کے بارے میں ضرورت سے زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تجسس کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اپنے لہجے کو محتاط کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "ہم ملزموں کو دیکھنا چاہیں گے۔"

نائب رئیس نے کہا۔ "درست ہے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔"

..... دوسری طرف توزن باخ کی محل نما رہائش گاہ میں ڈیوک اور توزن باخ بے چینی سے اپنی مہم کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں کاٹنی مشکل تھیں' اس لیے مصری رقاصہ روما سازوں کی مدھم آواز پر اپنے جسم کی نمائش میں مصروف تھی۔ ایک مصری نغمہ اس کے یاقوتی ہونٹوں سے نکل نشست گاہ کی نیم گرم فضا میں تحلیل ہو رہا تھا لیکن ڈیوک اور توزن باخ کا دھیان نہ اس نغمے کی طرف تھا اور نہ روما کے تھرکتے جسم کی طرف' ان کے کان کھڑکیوں سے باہر لگے تھے۔ جہاں یخ بستہ بادِ صبا' صبح کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ اس بادِ صبا کے دوش پر تیرتا ہوا ایک خوفناک دھماکہ ان کے کانوں تک پہنچنے والا تھا۔ کسی بھی وقت ..... کسی بھی لمحے' اباقہ سولیونی اور پیٹر اسلحہ خانے کو دھماکے سے اڑانے والے تھے۔ توزن باخ نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور پہلو بدل کر بولا۔ "کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب کچھ ہو جانا چاہیے۔" اور پھر واقعی کچھ ہو گیا۔ اچانک نشست گاہ کا دروازہ کھلا اور گیوڈا ریشمی پردہ اٹھا کر ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

"محترم ڈیوک' ہم ناکام ہو گئے۔ سولیونی مارا گیا' اباقہ اور پیٹر گرفتار ہو گئے۔"

توزن باخ اور ڈیوک ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ساز تھم گئے۔ رقاصہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ ڈیوک نے ہاتھ میں پکڑا بلوری جام گھما کر ایک کھڑکی میں دے مارا۔ قیمتی شیشہ ٹوٹ گیا اور گھبرائی ہوئی ہوا پناہ کی تلاش میں اندر گھسنے لگی۔

"تخلیہ۔" ڈیوک ہاتھ اٹھا کر گرجا۔

سازندے رقاصہ اور خادمائیں' چپ چاپ کان لپیٹ کر مختلف دروازوں سے نکل گئے۔ اب صرف گیوڈا کمرے میں کھڑا تھا۔ ڈیوک بولا۔ "گیوڈا! تم بھی باہر جاؤ۔ میں ابھی تمہیں بلاتا ہوں۔"

گیوڈا نے تعظیم میں سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔ ڈیوک نے توزن باخ سے کہا۔ "کیا خیال ہے گیوڈا کو ختم کر دیا جائے؟"

توزن باخ بولا۔ "جیسے تم مناسب سمجھو لیکن اگر ہم اسے روپوش کر دیں تو بھی مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں گیوڈا جیسے طاقت ور جاں نثار کو یونہی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

ڈیوک نے پوچھا۔ "کیا تم اسے بحفاظت چھپانے کا انتظام کر سکتے ہو؟"

توزن باخ کا جواب اثبات میں تھا۔ ڈیوک نے فوراً تالی بجائی۔ دروازے پر کھڑا گیوڈا اندر آگیا۔ ڈیوک بغیر کسی تمہید کے بولا۔ "گیوڈا' اب تم اس عمارت سے باہر نہیں نکلو گے۔ آج کسی وقت توزن باخ تمہیں کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دے گا۔ کچھ دنوں کے لیے تمہارا روپوش ہونا ضروری ہو گیا ہے۔"

گیوڈا نے کہا۔ "جو حکم ڈیوک۔"

ڈیوک نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ گیوڈا چلا گیا تو ڈیوک کے چہرے پر گہری تشویش منڈلانے لگی۔ توزن باخ کے تاثرات بھی مختلف نہیں تھے۔ وہ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ شاہی محل سے بلاوا آنے والا ہے۔" ڈیوک نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ پھر کہنے لگا۔ "توزن! تم یہاں سے ہر طرح کے ثبوت ختم کر دو۔ تنظیم سے متعلق جو دستاویز موجود ہیں انہیں کہیں منتقل کر دو۔" توزن فوراً اس مشورے پر عمل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈیوک بھی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ جانتا تھا اسے دونوں قیدیوں یعنی اباقہ اور پیٹر کو زبان کھولنے سے پہلے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنا ہے۔ گیوڈا کے بغیر عقوبت خانے میں یہ کام کر گزرنا خاصا دشوار تھا مگر ایک وفادار ساتھی کا تعاون ڈیوک کو اب بھی حاصل تھا اور یہ وفادار ساتھی تھی "دولت" تھوڑی دیر پہلے اس نے قیمتی پتھروں سے بھری ہوئی جو تھیلی توزن باخ سے حاصل کی تھی وہ سامنے تپائی پر پڑی تھی۔ تھیلی اٹھا کر اس نے لباس میں رکھی۔ پھر دو جام اوپر تلے چڑھا کر سموری ٹوپی میں منہ چھپایا اور اصطبل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا شاہی پیادے' شہزادی کا بلاوا لے کر اس کی رہائش گاہ پر پہنچنے والے ہوں گے۔

☆------☆------☆

شہزادی نتاشا کو کم عمر تھی لیکن فہم و فراست اور دانائی اسے اپنے عظیم باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس وقت وہ شاہی عقوبت خانے کے فرش پر بے قراری سے ٹہل رہی تھی خوبصورت آنکھیں غصے سے انگارا ہو رہی تھیں۔ غلام اور محافظ مشعلیں اور تلواریں تھامے مجسموں کی طرح ساکت اور دم بخود کھڑے تھے۔ نائب رئیس اور داروغہ قلعہ بھی یہیں موجود تھا لیکن شہزادی کی برہمی محسوس کرتے ہوئے وہ بھی خاموش بیٹھے تھے۔ اباقہ آج پھر انہی زنجیروں میں جکڑا تھا جہاں چند روز پہلے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا لیکن اس دفعہ وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ دوسرے شکنجے میں پیٹر بھی موجود تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑی دیر بعد سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی اور ڈیوک محافظوں کے ساتھ تہہ خانے میں اتر آیا۔ شہزادی نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت ڈیوک کی نگاہ اباقہ پر پڑی اور اس نے ششدر رہ جانے کی شاندار اداکاری کی۔ حیرتناک لہجے میں بولا۔

"شہزادی! یہ ..... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ یہ شخص ابھی زندہ ہے؟"

شہزادی نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "یہی سوال پوچھنے کے لیے ہم نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔"

ڈیوک بولا۔ "شہزادی! لیکن اسے ..... اسے تو بگوڑا نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

شہزادی بولی۔ "ہم نے اسے بگوڑا کے نہیں' تمہارے سپرد کیا تھا۔"

ڈیوک بولا۔ "بجا کہتی ہو شہزادی! لیکن میں نے اس کی سزا پر عملدرآمد کا حکم بگوڑا کو دیا تھا۔"

شہزادی بولی۔ "تمہارا مطلب ہے کہ اس غلط بیانی کا ذمے دار بگوڑا ہے۔"

ڈیوک بولا۔ "شہزادی! ان حالات میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

شہزادی محافظوں سے مخاطب ہو کر گرجی۔ "بگوڑا کہاں ہے۔ ابھی تک حاضر کیوں نہیں ہوا؟"

دستے کے کمانڈر نے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "شہزادی حضور! سردار بگوڑا کو ہر ممکن تلاش کیا گیا ہے مگر ابھی تک اس کا پتہ نہیں چلا۔"

نائب رئیس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پُر سوچ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے ڈیوک درست کہہ رہا ہے۔ بگوڑا غدار ٹولے سے مل چکا ہے۔ ورنہ عین اس وقت جب اس پر ایک سنگین الزام لگایا جا رہا ہے' وہ موقعے پر موجود کیوں نہیں؟"

شہزادی کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہوا۔ وہ ڈیوک سے بولی۔ "ڈیوک! ہمیں افسوس ہے کہ تم نے اپنی صوابدید پر مجرم کو ایک غیر ذمے دار شخص کے سپرد کیا اور ہمیں بلا تصدیق اس کی سزا پر عملدرآمد کی اطلاع دی۔"

ڈیوک نے کہا۔ "شہزادی! میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بگوڑا جیسا شخص اس طرح کی بے وفائی کر سکتا ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس نے مجرم کی سزا معاف کر کے اسے تخریب کاری کے لیے استعمال کیا ہے۔"

شہزادی نے کہا۔ "ابھی سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔" اس نے عقوبت خانے کے جلادوں کو حکم دیا کہ مجرموں کے منہ میں ٹھونسے گئے کپڑے نکالے جائیں۔ حکم پر عمل

ہوا۔ شہزادی نے اباقہ سے پوچھا۔ "تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

اباقہ نے ڈیوک کی طرف انگلی اٹھائی اور بولا۔ "شہزادی! تیرا مجرم تیرے پہلو میں کھڑا ہے۔ یہی شخص ہے جو منگولوں کا دست و بازو بن کر ان کی آمد کے لیے اس شہر کے راستے صاف کر رہا ہے۔ شہر میں جو کچھ ہو رہا ہے' سب اسی غدار کا کیا دھرا ہے۔"

اباقہ کے ان جملوں نے تہ خانے میں سناٹا طاری کر دیا۔ شہزادی کچھ دیر گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "اے شخص! ہم تجھ سے کسی کے بارے رائے طلب نہیں کر رہے جو خود مجرم ہے' کسی دوسرے کو مجرم کیسے ٹھہرا سکتا ہے۔ اگر کچھ کہنا چاہتے ہو تو اپنی صفائی میں کہو۔"

اباقہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں اپنی صفائی میں یہی کہوں گا کہ میں بے گناہ ہوں۔ اگر مجھ سے کچھ جرم سرزد ہوئے ہیں تو وہ ضرورت کے تحت ہوئے ہیں۔ اگر میں وہ معمولی جرائم نہ کرتا تو آج دلاوی میر کا قلعہ اپنی بنیادوں پر موجود نہ ہوتا۔"

"کیا مطلب؟" شہزادی نے پوچھا۔

اباقہ نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میں نے وہ جرم غداروں میں شامل ہونے کے لیے کیے تھے تاکہ ان کا شریک کار بن کر منصوبے سے آگاہ ہو سکوں اور خدا کا شکر ہے میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔"

نائب رئیس نے کہا۔ "تو کس کامیابی کا ذکر کر رہا ہے۔ تجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا ہے اور تو ایک ایسا کام کرنے والا تھا جو شہر کے دفاع کو مسمار کر کے رکھ دیتا۔ تیری سزا عبرتناک موت ہے۔"

اباقہ نے اطمینان سے کہا۔ "مجھے تم لوگوں سے ایسے ہی سلوک کی توقع تھی لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اسلحہ خانہ تباہ کرنے کے لیے نہیں اسے بچانے کے لئے گیا تھا۔"

نائب رئیس چیخا۔ "بکواس کرتا ہے تو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کسی کی شہ رگ پر تلوار رکھے بیٹھا ہو اور کہے کہ میں اس کی جان بچا رہا تھا۔ تم نے بارودی فیتے کو آگ لگائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسلحہ خانہ کے محافظوں نے جان پر کھیل کر سلگتا ہوا فیتہ بجھایا اور تم دونوں کو گرفتار کیا۔"

اباقہ بولا۔ "شہزادی صاحبہ! یہ سب جھوٹ ہے۔ بارودی فیتہ محافظوں نے نہیں میں نے بجھایا تھا۔ آپ محافظ دستے کے کمانڈر سے پوچھ سکتی ہیں۔ بلکہ آپ کسی بھی زندہ محافظ سے پوچھ سکتی ہیں۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ گودام میں کارروائی ہونے والی ہے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجرموں کا ساتھی بن کر یہاں آیا ہوں اور ان کی سازش ناکام بنانا چاہتا ہوں۔"

شہزادی داروغہ کی طرف گھومی۔ "داروغہ! اسلحہ خانے کے محافظ دستے کے کمانڈار کو حاضر کیا جائے۔"

داروغہ نے سپاہیوں کو ہدایت کی۔ چند ہی لمحے بعد کمانڈار سیڑھیوں سے اترتا نظر آیا۔ لڑائی کے دوران اباقہ نے اس کے سر پر تلوار کا زوردار وار کیا تھا۔ قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گیا۔ اب اس کا پورا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اور ایک ٹوٹا ہوا بازو گلے میں لٹک رہا تھا۔ وہ شہزادی نتاشا اور نائب رئیس کے سامنے ادب سے جھکا اور سپاہیوں کے انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شہزادی نتاشا بھی اب نشست پر براجمان ہو چکی تھی۔ اس نے کمانڈار کو حکم دیا کہ وہ واقعے کی تفصیل بتائے۔ کمانڈار نے کہا۔ "معظمہ شہزادی صاحبہ نصف شب کے بعد کا عمل تھا جب یہ شخص گودام میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے وہ دروازے پر کھڑے ایک سپاہی کو قتل کر چکا تھا۔ اس نے اباقہ کے نام سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ایک شخص گودام میں دھماکا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کا ساتھی بن کر آیا ہے تاکہ دھماکے کی سازش کو ناکام بنا سکے۔ میں نے پوچھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں' یہ بولا کہ ہم میں سے دو تین سپاہی یہاں مردہ بن کر لیٹ جائیں اور باقی ادھر ادھر ہو جائیں تاکہ اس کا ساتھی کارروائی کے لیے اندر داخل ہو سکے۔ اس نے کہا کہ جونہی اس شخص نے بارودی فیتے کی نشاندہی کر دی وہ اسے گرفتار کر لے گا۔ میں نے اس کی احمقانہ باتوں پر یقین نہیں کیا۔ اچانک اس نے تلوار سے حملہ کر کے دو سپاہیوں کو شدید زخمی کر دیا۔ اس دوران اس کے دونوں ساتھی بھی اندر آ گئے۔ لڑائی کے دوران اتفاقاً قندیل ٹوٹ گئی اور برآمدے میں تاریکی پھیل گئی۔ تاریکی کے سبب ہمارے تین سپاہی اپنی ہی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ اس دوران میں نے ان دونوں مجرموں کو دیکھا' یہ برآمدے سے گودام کے دفتر میں داخل ہو رہے تھے۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود میں رینگتا ہوا دفتر میں پہنچا۔ مجرم پیٹر نے ایک سوراخ کے اندر سے بارودی فیتہ نکالا۔ مجرم اباقہ نے دیا سلائی سے آگ دکھائی اور دونوں مڑ کر بھاگے' میں نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ مجرم فرار ہو رہے ہیں۔ خود میں بارودی فیتے کی طرف لپکا اور اس سے پہلے کہ فیتے کی آگ گودام کے اندر پہنچ جاتی میں نے اسے بجھا دیا۔ دونوں مجرموں کو دروازے کے قریب دوسرے دستے کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا۔"

کمانڈار کے جھوٹ پر اباقہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے جبڑے اتنے زور سے بھینچ رکھے تھے کہ ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ شہزادی' اباقہ سے مخاطب ہو کر بولی۔ "تم

اپنی صفائی میں کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟" اباقہ پتھر کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ نہ اس نے زبان سے کچھ کہا اور نہ ہی سر کو جنبش دی۔ شہزادی نے پیٹر سے پوچھا۔ "تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟"

پیٹر نے کہا۔ "میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں۔"

شہزادی بولی۔ "تمہیں اس جرم پر کس نے آمادہ کیا؟"

پیٹر نے ایک نظر ڈیوک کی طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولا۔ "میں اور اباقہ یگوڈا کے لیے کام کرتے تھے۔ اسی نے ہمیں اس مہم پر روانہ کیا تھا۔"

نائب رئیس نے کہا۔ "لیکن تمہارا ساتھی سارا الزام ڈیوک پر دھر رہا ہے۔"

پیٹر نے کہا۔ "یہ اس کا اپنا فعل ہے لیکن میں یگوڈا کا وفادار ہونے کے باوجود محترم ڈیوک پر الزام تراشی کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

شہزادی کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ خود کو بہت مشکل میں محسوس کر رہی تھی۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس سے ایک غلط فیصلہ ہو چکا تھا۔ اب پھر حالات اسے ایسے ہی فیصلے کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس نے نائب رئیس سے سرگوشی کی۔

"نائب رئیس! کیوں نہ اس معاملے کو عدالت کے سپرد کر دیا جائے۔"

نائب رئیس نے ڈیوک کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اب شہزادی اور نائب رئیس کے ساتھ نشست سنبھال چکا تھا۔ کچھ دیر ڈیوک کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد نائب رئیس نے کہا۔ "شہزادی! ان ہنگامی حالات کا تقاضا ہے کہ اس نوعیت کے فیصلے فوری طور پر ہوں تاکہ مجرموں کو قرار واقعی سزا مل سکے۔ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ منگول لشکر اب کسی بھی وقت ماسکو سے دلادی میر کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔ اگر ہم عدالتی چکر میں پڑے تو خدانخواستہ نہ جانے کتنے اور ایسے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا ڈالے گا۔ اگر ہمیں منگول حملے سے پہلے ہی شہر بدر نہیں ہونا تو فوری فیصلے کر کے مجرموں کو عبرتناک سزائیں دینا ہوں گی۔"

شہزادی نے مشورہ طلب نظروں سے ڈیوک کی طرف دیکھا۔ ڈیوک کی آنکھوں میں نائب رئیس کی تائید نظر آ رہی تھی ..... نہ جانے کیوں شہزادی کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایک بار پھر اس کی زبان سے اباقہ کے متعلق غلط فیصلہ صادر ہو جائے گا۔ وہ بے چینی میں بار بار اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ اتنے میں عقوبت خانے کے قائم مقام نگران نے جو یگوڈا کی جگہ کام کر رہا تھا' شہزادی نتاشا کے سامنے حاضر ہو کر کہا۔ "شہزادی حضور! ملزم اباقہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دو ساتھ کافی دیر سے باہر موجود ہیں اور اصرار کر رہے ہیں کہ انہیں آپ کی قدم بوسی کی اجازت دی جائے۔ ایک مقامی افسر بھی ان کے ساتھ ہے۔"

شہزادی کے بولنے سے پہلے ہی نائب رئیس نے گرجدار آواز میں نگران کو منع کر دیا۔ نگران نے گھبرا کر واپس جانا چاہا لیکن شہزادی کی آواز نے اسے روک لیا۔ "ٹھہرو۔ ہم ان لوگوں کو اندر لانے کی خصوصی اجازت دیتے ہیں۔"

نگران نے پھر ادب سے سر جھکایا اور واپس چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد مائیکل' اسد اور یورق سیڑھیوں پر نظر آئے۔ مائیکل نے آگے بڑھ کر فوجی انداز میں سلام کیا۔ اسد اور یورق نے تعظیم پیش کی۔ شہزادی نتاشا نرمی سے بولی۔ "کیا تم مجرم کی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

مائیکل نے احترام سے کہا۔ "شہزادی صاحب! اگر مجرم سے آپ کی مراد اباقہ ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کو درست اطلاعات نہیں مل رہیں۔ اباقہ مجرم نہیں' محسن ہے۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر اسلحہ خانے کو تباہ ہونے سے بچایا ہے۔"

نائب رئیس نے کہا۔ "نوجوان! ہم یہ سب کچھ پہلے بھی سن چکے ہیں۔ اگر تمہارے پاس اپنے دعوے کے حق میں کوئی ثبوت ہے تو پیش کرو۔"

مائیکل نے کہا۔ "جناب رئیس! بحیثیت ایک نگران میں اس وقت سے اباقہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھا جب وہ سولیونی کے ساتھ سرنگ سے نکل کر قلعے میں داخل ہوا تھا۔ وہاں اباقہ کا یہ قریبی ساتھی اسد اللہ اس سے ملا۔ اباقہ نے اسد اللہ سے وہی سب کچھ کہا جو آپ سب سن چکے ہیں۔ اس نے کہا کہ دشمن بہت ہوشیار ہے۔ انہیں دھوکے میں رکھنے کے لیے مجبوراً وہ ان کا ساتھ دے رہا ہے ..... جناب رئیس اور محترمہ شہزادی صاحبہ! رئیس اعظم کے وفادار خادم کی حیثیت سے میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اباقہ بے گناہ ہے۔"

ڈیوک نے مائیکل سے پوچھا۔ "کیا اباقہ کی یہ باتیں تم نے اپنے کانوں سے سنی تھیں۔"

مائیکل نے کہا۔ "نہیں ڈیوک! میں اس وقت کچھ فاصلے پر تھا۔ یہ سب کچھ اس نے اسد سے کہا تھا۔"

ڈیوک بولا۔ "اباقہ کے دیرینہ ساتھی کی گواہی کس طرح معتبر ہو سکتی ہے اور اگر فرض محال یہ درست بھی ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ جو اس کی زبان پر تھا وہی دل میں بھی تھا۔ اپنی اس چال کا ذکر تو اس نے اسلحہ خانے کے محافظوں سے بھی کیا تھا' لیکن پھر خود ہی بارودی فیتے کو آگ بھی دکھائی۔"

اسد نے پوچھا۔ "کون کہتا ہے کہ اباقہ نے خود بارودی فیتے کو آگ دکھائی تھی۔"

ڈیوک نے کہا۔ "وہاں موجود ہر محافظ نے یہ بیان دیا ہے اور محافظوں کا کمانڈر یہ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔"

اسد نے بلند آواز میں اباقہ سے کہا۔ "اباقہ تم بولتے کیوں نہیں۔ کہتے کیوں نہیں یہ جھوٹ ہے۔"

اباقہ بے حرکت کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اور ہونٹوں پر خاموشی جیسے جم کر رہ گئی تھی۔

ڈیوک بولا۔ "تم لوگ کس کس کو جھٹلاؤ گے۔ تمہیں ماننا پڑے گا کہ تمہارا یہ ساتھی بے شک بہادر ہے' اب اپنی بہادری فروخت کر چکا ہے۔ اس نے سازشیوں کا آلہ کار بن کر دلاوی میر کے لاکھوں انسانوں کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہماری سر زمین پر ہمارا ہمدرد بن کر ضرور آیا تھا لیکن اب وہ آستین کا سانپ بن چکا ہے۔"

..... یورق یہ سب کچھ خاموشی سے سن رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی روز سے خاموش تھا۔ اس اجنبی شہر اور اجنبی لوگوں میں آکر وہ کچھ کم گو ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اسے روسی زبان نہیں آتی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں تو سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اس کا ذہن بھی سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ اباقہ کی مشکلات پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ ایک لاوا سا اس کے اندر پک رہا تھا اور یہ لاوا آج پھٹ پڑنے کو تیار ہو گیا تھا۔ جب ڈیوک نے اباقہ کو آستین کا سانپ کہا تو یورق کے چہرے پر اچانک زلزلے کے آثار نظر آئے ..... پھر اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے جست کی اور اڑتا ہوا کمانڈر پر آیا۔ کمانڈر سر پر پٹیاں باندھے شہزادی کے سامنے کھڑا تھا۔ یورق کا دھکا لگا تو وہ فرش پر گرا اور دور تک پھسلتا چلا گیا۔ یورق پھرتی سے اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اپنا وزنی خنجر اس کی شہ رگ پر رکھ دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ جب تک وہ حیرت کے شدید جھٹکے سے سنبھلتے یورق کمانڈر کو پوری طرح بے بس کر چکا تھا۔

"خبردار!" اس کی وحشیانہ آواز تہہ خانے میں گونجی۔ "اگر کسی نے حرکت کی تو اس مردود کی گردن کاٹ دوں گا۔"

چند سپاہی اپنی اپنی جگہ سے ہلے مگر شہزادی نتاشا نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ وہ گرجی۔ "اے شخص! تو جانتا ہے اس گستاخی کی تجھے کیا سزا مل سکتی ہے؟"

سردار یورق جواباً گرجا۔ "مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر اس شخص نے سچ نہ بولا تو میں اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہزادی نے کہا۔ "کیا اس قتل کے بعد ہم تجھے معاف کر دیں گے؟"

یورق نے برجستہ کہا۔ "کوئی بیوقوف ہی تم جیسے ظالموں سے یہ توقع رکھ سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے اس عقوبت خانے میں مجھے اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا' لیکن یہ اس وقت ہو گا جب میں زندہ تمہارے ہاتھ آؤں گا۔"

یورق کے وحشیانہ لہجے نے حاضرین کو مبہوت کر دیا۔ وہ ذہنی طور پر تسلیم کر چکے تھے کہ یہ شخص وہی کرے گا جیسا کہہ رہا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اس کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ کمانڈار کی شہ رگ کاٹنے کے بعد خنجر اپنے سینے میں اتار سکتا تھا۔

داروغہ کے اشارے پر سپاہیوں نے ایک بار پھر یورق کی طرف کھسکنا چاہا مگر اس دفعہ نائب رئیس نے انہیں منع کر دیا۔ منگول سردار کی آنکھیں بجلی کی تیزی سے چاروں طرف حرکت رہی تھیں۔ سپاہیوں کو متحرک دیکھ کر اس نے کمانڈار کی متاور گردن پر خنجر کا دباؤ بڑھا دیا تھا۔ آج وہ یورق نہیں' صحرائے گوبی کا سفاک درندہ نظر آ رہا تھا۔ وہ درندہ جو گھاس کی چند پتیوں یا گوشت کے ایک ٹکڑے کے لیے جان لے بھی لیتا ہے اور دے بھی دیتا ہے۔ اکیلا اکیلا تہہ خانے میں موجود ہر فرد خود کو اس کے سامنے بے بس محسوس کرنے لگا۔ وہ سمجھ گئے کہ کمانڈار کی قربانی دیے بغیر وہ اس وحشی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

یورق ترکی زبان میں چنگھاڑ کر بولا۔ "بتا اے خبیث شخص' تو نے اباقہ کو اپنی آنکھوں سے فیتہ سلگاتے دیکھا تھا؟"

کمانڈار کا چہرہ برف کی مانند سفید تھا۔ اس کے سر کے زخم سے خون رس رس کر اس کی داڑھی کو داغدار کر رہا تھا۔ وہ ایک بار ہکلا کر چپ ہو گیا۔ یورق نے اس کی گردن پر خنجر کا دباؤ بڑھایا تو یکبارگی وہ چلا اٹھا۔ "نہیں ..... نہیں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔"

یورق نے پوچھا۔ "کیا فیتے کی آگ تو نے خود بجھائی تھی؟"

کمانڈار بولا۔ "نہیں ..... میں نے نہیں بجھائی تھی۔"

"تو پھر کس نے بجھائی تھی؟"

"ان دونوں میں سے کسی نے بجھائی تھی ..... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں۔"

یورق بولا۔ "تو نے جو آنکھوں سے دیکھا ہے وہ بتا۔"

کمانڈار بولا۔ "جب ہم اندر داخل ہوئے تو ..... تو اباقہ کا ساتھی بھاگنے کی کوشش میں تھا اور اباقہ نے اسے عقب سے دبوچ رکھا تھا....."

یورق اس کے سینے پر بیٹھا بیٹھا شہزادی کی طرف گھوما۔ "شہزادی سن رہی ہو۔ فیتے کی آگ اباقہ نے بجھائی تھی اور مجرم کو فرار ہونے سے بھی اسی نے روکا تھا ..... اگر اب بھی تجھے بھروسا نہیں تو یہ دیکھ میں تجھے ثبوت فراہم کرتا ہوں۔" یورق نے کمانڈار کو چھوڑا اور تیزی سے اباقہ کے قریب پہنچا۔ اس کا زنجیر میں جکڑا ہوا ایک ہاتھ یورق نے روشنی کی طرف کر دیا۔ وہاں ہتھیلی پر ایک سرخ نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ سلگتے فیتے کا نشان تھا۔ یورق بولا۔ "سب دیکھ لو! یہ ہے وہ ہاتھ جس نے تم سے وفاداری کی ہے۔ تمہاری طرف بڑھنے والی موت کو روکا ہے۔ تم لوگ ناشکرے ہو کہ اپنے محسن کو نہیں پہچان سکے۔ اس شخص کو نہیں پہچان سکے جو جان پر کھیل کر تمہارے خلاف سازشیں ناکام بناتا رہا ہے۔ جس نے ہر بدنامی مول لے کر تمہارے مجرموں کے چہرے بے نقاب کیے ہیں ..... سنا تھا شہروں میں رہنے والے مہذب لوگ بڑے احسان شناس اور قدر دان ہوتے ہیں لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ احسان شناسی تم لوگوں کو چھو کر نہیں گزری۔ تم لوگ پتھر کے تراشے ہوئے ہو' جن کی آنکھیں دیکھتی ہیں اور نہ کان سنتے ہیں۔ دیکھو اسے ..... یہ اکیلا' تن تنہا تمہارے دشمنوں سے بھی لڑ رہا ہے اور تمہارے ظلم بھی سہہ رہا ہے۔ اس کے بدلے اس نے تم سے کوئی منصب نہیں مانگا' تم سے کوئی انعام نہیں چاہا' حتیٰ کہ شہرت کی طلب بھی نہیں کی' لیکن ذرا خود ہی سوچو' اپنے دلوں کو ٹٹولو کیا وہ اس سلوک کا مستحق تھا جو تم اس کے ساتھ کر رہے ہو۔ کیا ایک اذیت ناک موت ہی اس کی کوششوں کا صلہ ہے۔ اگر یہی صلہ ہے تو ٹھیک ہے۔ مارو اسے' اور ساتھ مجھے بھی مارو' کیونکہ میں اس بیوقوف کا دوست بھی ہوں اور اس کا باپ بھی ..... ہاں مارو ہم دونوں کو ہم اس کے مستحق ہیں۔"

شہزادی تشاشا بے قرار ہو کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ "ایسا مت کہو سردار ہم کسی سے ناانصافی نہیں کریں گے۔" پھر اس نے گھوم کر ڈیوک کی طرف دیکھا اور جذباتی لہجے میں بولی۔ "ڈیوک! ان حالات میں ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تمہیں گرفتار کر لیں۔"

تہہ خانے میں موجود ہر چہرا اس سنسنی خیز فیصلے پر دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ڈیوک سکون سے اپنی جگہ بیٹھا رہا' لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کے واضح آثار تھے۔ شہزادی کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی مسلح محافظوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ شہزادی نے دوسرا حکم جاری کرتے ہوئے کہا۔ "انتہائی تشویشناک بات ہے کہ مجرموں نے کامیابی سے قلعے کے حساس ترین حصے تک رسائی حاصل کی اور وہاں دھماکا خیز مواد چھپایا' فرائض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے غفلت برتنے کی بنا پر ہم داروغہ قلعہ اور محافظ دستے کے کمانڈر کو اسی وقت معطل کرتے ہیں۔ ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ہو گی۔" یہ حکم سنتے ہی داروغہ اور کمانڈر کے چہرے اتر گئے مسلح افراد نے انہیں بھی حراست میں لے لیا۔

شہزادی نے اباقہ کی رہائی کا تحریری حکم نامہ جاری کیا اور اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا ہی دیر بعد وہ مشعل بردار غلاموں کے جلو میں سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ درمیانی سرنگ سے گزر کر وہ شاہی محل میں آگئی۔ وہ سیدھی اپنی خوابگاہ میں پہنچی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی اس کا شاہانہ انداز رخصت ہو گیا۔ وہ مسہری پر لیٹ کر چھت کے پھول بوٹوں کو گھورنے لگی۔ نہ جانے کیوں اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ بار بار اباقہ کا چہرا اس کی نگاہوں میں گھوم جاتا تھا۔ وہ اپنے اس تصور سے خود ہی گھبرا رہی تھی۔ آخر سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے اس نوجوان سے ہمدردی ہے۔ اس ہمدردی کی وجہ وہ زیادتیاں ہیں جو وہ اس پر کرتی رہی ہے۔ اس نے سوچا وہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی دلجوئی کے لیے انہیں محل میں طلب کرے اور انعام و اکرام سے نوازے تاکہ اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے اپنے ذاتی محافظ کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ شاہی مہمان خانے میں اباقہ اور اس کے تین ساتھیوں تک یہ اطلاع پہنچا دے کہ کل شام شہزادی شاہی محل میں ان سے ملاقات کرے گی۔ ذاتی محافظ شہزادی کا حکم لے کر رخصت ہو گیا ..... اس کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی اس نے شہزادی کو بتایا کہ وہ اطلاع تو دے آیا ہے لیکن اباقہ اور اس کے ساتھی شہر چھوڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ خاص طور پر بوڑھا منگول سردار بہت برہم دکھائی دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہم اس مہربانی کے لائق نہیں ہیں۔ شہزادی نتاشا کو لگا جیسے اس کے اندر کوئی چیز چھناکے سے ٹوٹ گئی ہے۔

نتاشا اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کا حسین چہرہ رعب و جلال میں کچھ اور حسین ہو گیا تھا۔ وہ بلند آواز میں بولی۔ "انہیں یہ ہمت کیسے ہوئی کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں سے واپس جائیں۔"

محافظ بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ خاموش کھڑا رہا۔ نتاشا نے کہا۔ "دستہ سالار کو بلاؤ۔ ہم ابھی اباقہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرائیں گے۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازے سے نکلتا' شہزادی نے اسے رکنے کا حکم دیا۔ اس کے چہرے پر زبردست کشمکش پائی جاتی تھی۔ لگتا تھا کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی کہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ انہیں اس گستاخی پر سزا دینا چاہیے یا

درگزر کرنا چاہیے۔ آخر اس نے محافظ کو دیا ہوا حکم واپس لے لیا اور بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

شام تک پیچ و تاب کھانے کے بعد شہزادی نے خود مہمان خانے کا رخ کیا۔ چند محافظ اور کنیزیں اس کے ساتھ تھیں۔ جب وہ مہمان خانے پہنچی' سردار یورق' اسعد اور اباقہ رخت سفر باندھ رہے تھے۔ شہزادی کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ دم بخود رہ گئے۔ شہزادی نے یورق سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یورق نے کہا۔

"شہزادی صاحبہ! اب ہمارا یہاں رہنا بہت مشکل ہے۔ ڈیوک اور اس کے ساتھیوں کو آپ کی حکومت میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان کی دشمنی مول لے کر ہم نے اچھا نہیں کیا۔"

شہزادی نے کہا۔ "یورق! تمہیں اس انداز میں سوچنے پر کس بات نے مجبور کیا؟"

یورق بولا۔ "شہزادی صاحبہ! بہت سی باتیں ہیں۔ ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں۔ آپ اچھی طرح جان چکی ہیں کہ تاجر توزن باغ' ڈیوک کا قریبی ساتھی ہے۔ اس کے باوجود آپ نے اسے گرفتار نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیوک کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہے۔"

شہزادی نے کہا۔ "سردار یورق! تم ہم پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہیں ہمارے انصاف پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ تم دیکھو گے کہ ڈیوک اور اس کے ساتھیوں کو قرار واقعی سزا ملے گی۔ جہاں تک توزن باغ کا سوال ہے اس کی گرفتاری کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ اگر وہ زنداں میں نہیں پہنچا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ڈیوک کی گرفتاری کا سن کر روپوش ہو گیا ہے۔ اس کی تلاش سرگرمی سے جاری ہے۔ خیال ہے کہ اس نے خود کو شہر کے اندر ہی کسی خفیہ مقام پر چھپا رکھا ہے۔ ہم تمہیں واضح الفاظ میں یقین دلاتے ہیں کہ اسے معاف کیا جائے گا اور نہ اس کے کسی اہلکار کو۔ ہم تمہیں اس بات کی بھی ضمانت دیتے ہیں کہ تم سے جو زیادتیاں ہوئیں۔ ان کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اس کے باوجود اگر تم دلادی میر چھوڑ کر جاؤ گے تو ہمیں تمہاری انسان دوستی پر شک ہو گا۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ عین اس وقت جب منگول حملہ آور ہماری طرف بڑھ رہے ہیں ہماری خیر خواہی کا دم بھرنے والے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

یورق بولا۔ "شہزادی صاحبہ! آپ جانتی ہیں کہ ہمارے جانے کی وجہ منگولوں کا خوف نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ادھر کا رخ ہی نہ کرتے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شنزادی بولی۔ "پھر کیا وجہ ہے کہ ایسے نازک وقت تم اس شہر کو الوداع کہہ رہے ہو۔ میں مانتی ہوں کہ بدانتظامی کے سبب' تمہارے ساتھی اباقہ کے ساتھ نارو اسلوک ہوا ہے لیکن ان پُر آشوب حالات میں ان باتوں کو دوہرانے سے فائدہ نہیں....."

شنزادی کافی دیر یورق' اسد اور اباقہ کو سمجھاتی رہی۔ آخر انہیں شنزادی کو یقین دلانا پڑا کہ وہ فی الحال دادی میر سے نہیں جائیں گے۔ شنزادی نے انہیں بہ نفس نفیس شاہی محل میں ضیافت کی دعوت دی اور واپس چلی گئی۔

☆------☆------☆

شام کا وقت تھا۔ شنزادی نتاشا نے ریشمی لباس پہن کر اپنے نوخیز جسم کے نشیب و فراز کو دلچسپی سے دیکھا اور ایک بڑے آئینے کے سامنے بیٹھ کر سنگھار کرنے لگی۔ اچانک اس نے آئینے میں دیکھا کہ کلثوم عقب میں کھڑی مسکرا رہی ہے۔ نتاشا جلدی سے گھومی کلثوم کی آنکھوں میں اسے عجیب طرح کی شرارت نظر آئی۔ نہ جانے کیوں نتاشا کے مرمریں رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔ کلثوم بولی۔

"آج یہ برق کس پر گرے گی؟"

شنزادی نے لہجے کو خشک بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کلثوم! ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔" اس کا خیال تھا کہ سخت لہجے کی وجہ سے کلثوم کو مزید بات کرنے کی ہمت نہیں ہو گی مگر کلثوم بدستور ڈٹی رہی۔

"شنزادی صاحبہ گستاخی معاف آج تو آپ جسے دیکھیں گی بھسم کر دیں گی۔"

کوشش کے باوجود شنزادی اسے جھڑک نہ سکی۔ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

"نعمت خانے میں سب ٹھیک ہے؟"

کلثوم نے کہا۔ "جی شنزادی حضور! میں بڑے باورچی سے خود مل کر آئی ہوں۔ خوب تیاری کی ہے اس نے۔ بطخ کا گوشت ہے۔ بھنا ہوا اور سادا بھی۔ تین چار طرح کی مچھلی ہے۔ سبزیوں اور گوشت کے عرق میں پکائے ہوئے چاول ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی علاقے کے باشندوں کی مرغوب خوراک گوشت کے ابلے ہوئے پارچے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہیں۔ آپ کی ہدایت پر تین چار طرح کی شیرنی بھی تیار کرائی گئی ہے۔"

شنزادی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ضیافت گاہ کی آرائش ہو گئی؟"

کلثوم بولی۔ "جی شنزادی عالیہ! نئے پردے لگا دیے گئے ہیں۔ قالین بھی بدل دیا گیا ہے۔"

شنزادی نے کہا۔ "اور وہ فانوس جو میں نے بدلنے کو کہا تھا؟"

کلثوم نے ذرا سا اچھل کر دانتوں میں انگلی دبائی۔ "اوہ! وہ تو میں بھول ہی گئی۔" پھر وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ شنزادی نے ایک نظر آئینے پر ڈالی۔ بے خیالی میں اس نے کچھ زیادہ ہی سنگھار کر لیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ جب اس کی مادر محترم زندہ تھیں۔ اسے ہلکے سنگھار کی ترغیب دیا کرتی تھیں۔ اس نے رومال پکڑا اور ہونٹوں کی سرخی اور رخساروں کے غازے کو معقول حد تک کم کر دیا۔ اس ہلکے پھلکے سنگھار نے اسے کچھ اور بھی نکھار دیا۔ وہ مسہری پر نیم دراز ہو کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ کلثوم کی شریر آنکھیں اس کے ذہن میں آسمائیں وہ ان آنکھوں کا مطلب سمجھتی تھی۔ کلثوم کا خیال تھا کہ شنزادی اباقہ میں دلچسپی لے رہی ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ اس جنگلی سے اسے کچھ ہمدردی ضرور تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کے دل میں بس گیا ہے۔ مزید اطمینان کے لیے شنزادی نے یہی سوال اپنے آپ سے پوچھا اور اس کا جواب اسے یہی ملا کہ کلثوم کا اندازہ غلط ہے۔

چراغ جلنے کے دو گھڑی بعد مہمان نشست گاہ میں پہنچ گئے مہمانوں کی آمد کی اطلاع شنزادی کو اس کے ذاتی محافظوں نے دی تھی ..... شنزادی نشست گاہ میں پہنچی تو یہ دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا کہ اباقہ ان میں موجود نہیں۔ ایک مایوسی سی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ تاہم اس نے خود پر قابو پایا اور خوشدلی سے یورق' اسد اور مائیکل کا استقبال کیا۔ نائب رئیس بھی اس موقع پر موجود تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد شنزادی نے اباقہ کے بارے پوچھا۔ یورق نے بتایا کہ اسے دوپہر سے کچھ بخار ہے۔ اس اطلاع کے بعد شنزادی کی الجھن تو دور ہو گئی مگر وہ ضیافت کے اختتام تک کچھ بجھی بجھی سی رہی۔ جب یورق' اسد اور مائیکل روانہ ہونے لگے تو شنزادی نے انہیں خصوصی عنایت کا مستحق ٹھہراتے ہوئے گراں قدر تحائف دیئے۔ اس موقع پر اس نے نائب رئیس کو ہدایت کی کہ شہر کے دفاع کے متعلق ہر مشورے میں اباقہ اور اس کے ساتھیوں کو شریک کیا جائے۔

مہمانوں کی روانگی کے کچھ دیر بعد نتاشا محل کی بالکونی میں آ گئی۔ مطلع صاف تھا اور نکھرے ہوئے آسمان پر چاند تاروں کی محفل سجی تھی۔ خنک ہوا نتاشا کے ریشمی بالوں سے کھیلنے لگی۔ اسے رہ رہ کر اباقہ پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر اسے تھوڑا بہت بخار تھا بھی تو اسے شاہی ضیافت پر آنا چاہیے تھا۔ پھر وہ خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے لگی۔ ممکن ہے اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو۔ یا طبیب نے اسے خواب آور دوا دے رکھی ہو۔ ابھی وہ بالکونی میں تھی جب کلثوم اس کے پہلو میں پہنچی۔ اس کے ساتھ دو شاہی جاسوس بھی تھے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اباقہ نے شہر کے مغربی حصے میں مہاجروں کی بستی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تین آدمیوں کو بری طرح پیٹا ہے۔ شہزادی اس اطلاع پر حیران رہ گئی۔ ابھی تو اس کے ساتھی کہہ رہے تھے وہ بستر پر ہے اور اب اس کے بارے لڑائی بھڑائی کی اطلاع مل رہی ہے۔ شہزادی نے جاسوسوں سے تفصیل پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ غروب آفتاب کے فوراً بعد اباقہ کو مہاجروں کی بستی میں دیکھا گیا۔ اس کی موجودگی مشکوک تھی اس لیے اس کا تعاقب کیا گیا۔ وہ فیروز نامی ایک پارسی کے گھر پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر فیروز باہر آیا تو اباقہ نے اس سے علی نامی کسی لڑکے کا مطالبہ کیا۔ اباقہ کو شک تھا کہ یہ نو عمر لڑکا فیروز کے پاس ہے۔ فیروز نے اس الزام کو ماننے سے انکار کیا۔ اباقہ طیش میں آکر فیروز کو پیٹنے لگا۔ اس دوران فیروز کے دو بھائی بھی آگئے۔ انہوں نے اباقہ پر لاٹھیوں سے حملہ کیا مگر اباقہ نے انہیں بھی بری طرح مارا۔ پھر وہ فیروز کو گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ اندر جا کر بھی وہ اس سے علی کے بارے پوچھتا رہا۔ مکان کے اندر درحقیقت کیا بات چیت ہوئی اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر فیروز کا یہی کہنا ہے کہ اباقہ نے اس سے لڑکے کے بارے پوچھا۔ جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

شہزادی کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ اباقہ نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ صحت مند ہونے کے باوجود ضیافت پر نہیں آیا تھا۔ اس نے اسی وقت دستہ سالار کو طلب کیا اور اسے ہدایت کی کہ مہمان خانے سے اباقہ کو فوراً شاہی محل میں لایا جائے۔ اسے کہا جائے کہ یہ شہزادی کا حکم ہے۔ اگر وہ تعمیل میں حیل و حجت کرے تو اس کے ساتھی اسد کو حاضر کیا جائے۔

دستہ سالار شہزادی کے حکم پر ادب سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ کوئی نصف گھڑی بعد وہ واپس آیا اور اس نے نشست گاہ میں داخل ہو کر شہزادی سے اباقہ کو پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر وہ اباقہ کو اندر لے آیا۔ شہزادی نے تخلیے کا حکم دیا۔ اب اباقہ اور نتاشا تنہا تھے۔ ان کے درمیان ایک آبنوسی تپائی تھی جس پر ایک طلائی طشت میں تر و تازہ میوے پڑے تھے۔ تپائی کے عین اوپر ایک بیش قیمت فانوس جگمگا رہا تھا۔ اس کی روشنی میں نتاشا نے بغور اباقہ کو دیکھا۔ وہ میلی پوستین میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ خاموش کھڑا تھا۔ شہزادی نے پوچھا۔

"اباقہ! تم کھانے پر نہیں آئے؟"

اباقہ نے کہا۔ "شہزادی عالیہ! میرے ساتھیوں نے آپ کو بتا دیا ہو گا۔"

شہزادی نے طنز سے کہا۔ "ہاں انہوں نے بتا دیا تھا کہ تم بیمار ہو۔ ہمیں معلوم ہوتا کہ تمہیں طبیب ڈھونڈنے کے لیے مہاجر بستی جانا پڑے گا تو ہم اپنا طبیب بھیج دیتے۔"

اباقہ کے چہرے پر رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ سنبھل کر بولا۔ "ٹھیک ہے شہزادی عالیہ اگر آپ کو معلوم ہو گیا ہے تو میں بھی چھپاؤں گا نہیں۔"

شہزادی نتاشا اس کے کڑوے سچ پر تلملا گئی غصے سے بولی۔ "اباقہ! تم مسلسل ہماری توہین کر رہے ہو۔ اس کی سزا جانتے ہو؟"

شہزادی کے تحکمانہ لہجے پر اباقہ بھڑک اٹھا۔ اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

"شہزادی! مجھے سزاؤں سے مت ڈرا۔ اس وقت سے ڈر جب تُو اور تیری قوم سزاؤں کے نرغے میں ہو گی۔ تیرے ایک ایک ظلم کے بدلے تجھ پر دس گنا ظلم ہو گا۔"

شہزادی نے کہا۔ "کون سے ظلم کئے ہیں میں نے۔"

اباقہ اسی لہجے میں بولا۔ "تُو رئیس کی بیٹی ہے اس لیے بھول گئی ہے مگر میں ابھی نہیں بھولا۔ مجھے یاد ہے تُو نے ایک کم سن بچے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھنے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ اس کے جسم پر میلے کپڑے تھے۔ تُو نے اسے اپنی توہین سمجھا تھا اور اسی توہین کا بدلہ چکانے کے لیے مجھے عقوبت خانے کے جہنم میں جھونک دیا تھا۔ شہزادی میرا دل تیرے لگائے ہوئے زخموں سے داغ داغ ہے۔ میں کیوں تیری دعوت قبول کرتا' کیوں نہ اس معصوم کو تلاش کرتا جو تیری عداوت کے سبب مجھ سے بچھڑ گیا....."

شہزادی اپنے جلال کو قابو میں رکھ کر بولی۔ "علی کے گم ہونے میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

اباقہ نے کہا۔ "اور کس کا قصور ہے۔ تیرے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا تو ساتھ اس معصوم کو بھی نشانہ بنایا تھا۔ وہ مہمان خانے کے باغ میں بے ہوش ہو کر گرا تھا۔ وہاں سے اسے مہمان خانے کا ایک خدا ترس خدمتگار اپنے گھر لے جا رہا تھا کہ وہ راستے میں گھوڑا گاڑی سے غائب ہو گیا۔ اس پر آنے والی مصیبت کی ذمہ دار تم اور صرف تم ہو۔"

اباقہ کے دل میں پلنے والا غصہ بے باک فقروں کی صورت اس کے ہونٹوں پر آگیا تھا۔ اچانک شہزادی کو احساس ہوا کہ اباقہ نے اس کی دعوت قبول نہ کر کے خود داری کا ثبوت دیا ہے۔ واقعی اس سے بہت ناانصافی ہوئی تھی۔ اس ناانصافی کا ازالہ ایک دعوت طعام یا چند تحائف نہیں تھے۔ شہزادی نے اپنے شاہی غصے پر قابو پایا اور اباقہ کے تند و تیز حملوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "اباقہ! ہمیں افسوس ہے کہ انتظامیہ ابھی تک تمہارے نو عمر ساتھی کو برآمد نہیں کر سکی۔ ہمیں افسوس اس بات کا بھی ہے کہ....."

یکایک احساس ندامت سے شہزادی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار وہ کسی سے اظہار معذرت کر رہی تھی۔ اس نے حوصلہ جمع کرتے ہوئے کہا۔ "اباقہ افسوس ہے کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگلے روز شام کے بعد شاہی محل کے عقبی دروازے سے ایک گھڑ سوار نکلا اور مشرق کی طرف چل دیا۔ کچھ آگے جا کر ایک دوسرا گھڑ سوار اس کے ساتھ مل گیا۔ دونوں کا رخ مغربی شہر کی طرف تھا۔ ایک نسبتاً کم آباد علاقے میں پہنچ کر شاہی محل سے برآمد ہوئے والے گھڑ سوار نے وہ چادر اتار کر درختوں میں پھینک دی' جس نے اس کا چہرہ اور جسم چھپا رکھا تھا یہ شہزادی نتاشا تھی اس وقت وہ لباس اور حلیے سے ایک غریب دہقان دوشیزہ نظر آ رہی تھی۔ اس کا ساتھی اباقہ تھا۔ دونوں خاموشی سے مختلف راستوں پر سفر کرتے ہوئے ایک مضافاتی بستی میں پہنچ گئے۔ اسے "مہاجر بستی" کہا جاتا تھا۔ جب سے روسی علاقے پر منگولوں کے حملے شروع ہوئے تھے۔ سرحدی بستیوں کے لوگ خود کو غیر محفوظ محسوس کرتے ہوئے دارالحکومت ولادی میر کی طرف کوچ کرنے لگے تھے۔ ان میں دور دراز علاقوں کے لوگ بھی تھے اور تو برباد شدہ شہروں سلاذل' ماسکو وغیرہ کے مہاجرین بھی۔ جو لوگ اول اول پہنچے تھے انہیں شہر کی فصیل کے اندر جگہ مل گئی تھی' مگر اب آنے والوں کو فصیل سے باہر ڈیرے ڈالنے پڑ رہے تھے۔ فصیل کے اندر مہاجرین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ ان میں قدرے متمول لوگوں نے آبادی کے کچے پکے مکان خرید لیے تھے' باقیوں نے خیموں میں بسیرا کر رکھا تھا۔ ان میں کچھ بلغاری اور تپ چاق باشندے بھی تھے۔ کئی ماہ پہلے منگولوں کا خوف انہیں ہانکتا ہوا ولادی میر تک لے آیا تھا۔ یہ سب لٹے پٹے بے خانماں لوگ اس وقت نہایت تنگی کے دن گزار رہے تھے۔ اگر کچھ کے پاس معمولی اثاثہ تھا بھی تو روزگار نہ ہونے کی وجہ سے رزق ختم ہو چکا تھا۔ حکومت چونکہ خود سازشوں میں گھری ہوئی تھی لہٰذا وہ ان لوگوں کی بہبود کی طرف مطلق توجہ نہ دے سکی تھی۔

.... اباقہ اور شہزادی نتاشا گھوڑے چلاتے ہوئے بستی میں داخل ہوئے تو تنگ اور غلیظ گلیوں میں بھوک اور ننگ کا راج دیکھا۔ جھونپڑی نما بے چراغ گھروں میں معصوم بچے سو رہے تھے۔ ناکافی لباس پہنے کچھ مدقوق افراد سخت سردی میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ انہوں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو ایک کمزور بکری کا دودھ دوہنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ایک بچہ کوڑے کے ڈھیرے کھانے کی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا .... ہر طرف رقت آمیز مناظر بکھرے تھے۔

اباقہ' شہزادی نتاشا کو لے کر ایک مکان کے سامنے پہنچا اور لکڑی کے خستہ دروازے پر دستک دی۔ شہزادی نے پوچھا یہ کس کا گھر ہے۔ اباقہ نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ لوگ بھی اپنا بچہ فروخت کر رہے ہیں۔ مجھے کل معلوم ہوا تھا۔" اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک

درمیانی عمر کے شخص نے پوچھا۔ "کون ہے؟" اباقہ نے ترکی میں کہا۔

"بھائی! ہم مسافر ہیں۔ ہمارے پاس روٹی ہے۔ اگر تھوڑا سا سالن اور پانی مل جائے تو مہربانی ہوگی۔"

اس شخص کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔ وہ انہیں انکار کرنا چاہتا تھا مگر پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ وہ انہیں اندر لے آیا۔ تنگ صحن میں پھٹے پرانے بوریے پر ایک عورت اپنے چار بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مدھم چراغ کی روشنی ان کے چہروں پر چھائی اداسی کی ہم رنگ ہو گئی تھی۔ اباقہ نے ایک نظر میں محسوس کیا کہ عورت رو رہی ہے۔ میزبان انہیں برآمدے میں لے گیا اور بیٹھنے کے لیے لکڑی کی چوکیاں دیں۔ پھر وہ اندر سے ایک پیالی لایا اس میں سبزی کا تھوڑا سا سالن اور اچار تھا۔ پانی کا کٹورا ان کے پاس رکھ کر وہ باہر چلا گیا۔ اباقہ نے رومال میں لپٹی ہوئی گندم کی روٹی نکالی اور آدھی توڑ کر شہزادی نتاشا کے ہاتھ میں تھما دی۔ شہزادی نتاشا حیران نظروں سے کبھی اس سیاہ روٹی کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی پیالی کے خشک سالن کی طرف۔ اباقہ بولا۔ "کھاؤ شہزادی۔ ورنہ انہیں شک ہو گا۔" شہزادی نے ایک لقمہ توڑا کر منہ میں رکھا اور ہولے ہولے دانتوں سے کچلنے لگی۔ اب صحن کی طرف سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اباقہ نے دیکھا کہ عورت اپنے ایک بچے کو بڑے پیار سے بنا سنوار رہی ہے۔ وہ اسے دھلے ہوئے کپڑے پہنا چکی تھی۔ مرد جو عورت کا شوہر تھا اس کے قریب کھڑا دھیمی آواز میں اسے تسلیاں دے رہا تھا۔ مرد کی یہ تسلیاں جلتی پر تیل کا کام دے رہی تھیں۔ اچانک عورت کا ضبط جواب دے گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

مرد چیخا۔ "بدبخت اور گلا پھاڑ .... اور گلا پھاڑ' ساری بستی کو سنا۔"

عورت روتی ہوئی بولی۔ "ہاں! میں سناؤں گی سب کو۔ میں نہیں بیچوں گی اپنا بچہ۔ بیچنا ہے تو مجھے بیچ دو۔ میں نہیں بیچوں گی اپنا بچہ .... نہیں بیچوں گی۔"

مرد خاموش کھڑا رہا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ یہ وقتی ابال ہے۔ رولے گی تو جی ہلکا ہو جائے گا۔ عورت روتی رہی۔ بچے سسکیاں لیتے رہے اور مرد سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ جلد ہی عورت کی ہچکیاں' سسکیوں میں بدل گئیں۔ پھر اس کے آنسو تھم گئے اور وہ دوبارہ بچے کو تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔

مرد ستے ہوئے قدموں سے برآمدے میں آ گیا۔ وہ ان دونوں سے آنکھیں چرا رہا تھا "کھانا کھا لیا" اس نے پوچھا۔ اباقہ نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ برتن اٹھانے کو جھکا تو شہزادی نتاشا نے کہا۔ "بھائی یہ ظلم کیوں کر رہے ہو؟ کیوں بیچ رہے ہو اپنا بچہ؟" اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برتن اٹھا کر ایک تختے پر رکھے اور آنسو پونچھ کر بولا۔ "بہن! میں کوئی انوکھا کام نہیں کر رہا۔ اس بستی کے ہر دوسرے تیسرے گھر میں یہی کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے۔"

نتاشا بولی۔ "اتنے مجبور کیوں ہو گئے ہو تم؟"

میزبان نے صحن میں بیٹھے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان معصوموں کو دیکھ رہی ہو۔ تین روز سے ان کے منہ میں خوراک کا ایک ریزہ نہیں گیا۔ ایک کی قربانی نہیں دیں گے تو ان سب کو سسک سسک کر مرنا ہو گا۔"

شہزادی نے کہا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بچے کے خریدار کون ہیں اور وہ اس سے کیا سلوک کریں گے؟"

میزبان نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔ "بہن! جب ہم نے بیچ دیا تو پھر ہمیں کیا' جیئے یا مرے۔ جو اس کے نصیب میں ہو گا مل جائے گا۔"

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ میزبان نے جا کر دروازہ کھولا۔ باہر کسی شخص سے تھوڑی دیر گفتگو کرتا رہا' پھر دروازہ بند کر کے واپس بیوی کے پاس آ گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ "آ جایئے! میرے پاس آ جا' تیرے مالک آ گئے ہیں۔"

اچانک عورت نے کھینچ کر بچے کو سینے سے لگا لیا اور دلدوز آواز میں رونے لگی۔ وہ بار بار اس کے رخسار اور پیشانی چوم رہی تھی۔ "نہیں میرے بیٹے ..... نہیں میرے بیٹے۔" بچے نے بھی بانہیں ماں کی گردن میں ڈال دیں۔ اس کی عمر پانچ چھ سال رہی ہو گی۔ مرد بچے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ وہ ماں سے لپٹ لپٹ جا رہا تھا۔ ابدی جدائی کا یہ منظر رقت آمیز تھا۔ آخر مرد نے بچے کو ماں سے جدا کیا اور کندھے سے لگا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ عورت غش کھا کر گر پڑی۔ باقی بچے اس سے چمٹ کر آہ و بکا کرنے لگے۔ مرد روتے ہوئے بچے کو لے کر باہر نکل گیا۔

نتاشا اباقہ کے کندھے سے لگی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اباقہ کا چہرہ پتھر کی طرح سخت اور بے جان نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے نتاشا کو ساتھ لیا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ دہلیز سے باہر بچے کا باپ ہاتھ میں ایک چھوٹی سے تھیلی لیے کھڑا تھا۔ غالباً اس تھیلی میں اس کے بچے کا معاوضہ تھا۔ اس نے یہ معاوضہ قیمتی اثاثے کی طرح دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور رو رہا تھا۔ بستی کے دو تین مرد اسے تسلی دینے میں مصروف تھے۔ گلی میں کچھ آگے ایک بند گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے ساتھ دو لحیم شحیم گھڑ سوار تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قریبی گلی سے ایک اور گھڑ سوار برآمد ہوا۔ اس نے ایک نومولود بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا۔ یہ بچہ بھی کسی بدنصیب والدین کا فروخت کردہ تھا۔ وہ اتنا کم عمر تھا کہ خود پر

گزرنے والے حادثے سے قطعی بے خبر خاموشی سے چلا آ رہا تھا۔ گھڑ سوار نے اسے بھی بند گاڑی میں ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تینوں گھڑ سوار گھوڑا گاڑی کے ہمراہ بستی سے روانہ ہو گئے۔ اباقہ نتاشا کو لے کر تیزی سے اپنے گھوڑوں تک پہنچا اور دونوں نے گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا۔

☆------☆------☆

گاڑی شہر کی ایک متمول آبادی میں پہنچی اور سرخ رنگ کی ایک قدیم عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ اس عمارت کی ساخت بتاتی تھی کہ اسے دسویں یا گیارہویں صدی میں تعمیر کیا گیا ہے۔ بیرونی دروازہ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ اباقہ اور نتاشا گھوڑوں سے اتر آئے۔ اباقہ نے دونوں گھوڑوں کی پشت پر دھپ جمائی اور وہ اندھیرے گم ہو گئے۔ نتاشا اور اباقہ عمارت کی چار دیواری تک پہنچے۔ اندرونی دروازے پر ایک قندیل روشن تھی اور گھوڑا گاڑی کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ گاڑی سے کوئی پانچ عدد بچے اتارے گئے اور گھڑ سوار انہیں لے کر دروازے میں گم ہو گئے گاڑی بھی ایک طرف چلی گئی۔ اباقہ نے اچھی طرح گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر نتاشا کا ہاتھ تھام کر اندر داخل ہو گیا۔ دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے اندرونی عمارت تک پہنچے اور ایک تاریک کونے میں دبک گئے۔ سانسیں درست کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوئے۔ اباقہ کی حرکات و سکنات میں کسی درندے کی چستی اور دلیری تھی۔ دفعتاً ایک جانب سے تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ ایک سیدھی راہداری میں تھے نتاشا نے بڑی پریشانی سے اباقہ کی طرف دیکھا۔ اباقہ نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی پھر نتاشا کو لے کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ آنے والے تین افراد تھے۔ وہ باتیں کرتے سیدھے ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کی نظروں سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ اباقہ اور نتاشا مکمل طور پر ستون کی آڑ میں رہیں۔ وہ ایک دوسرے سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ اباقہ کا ایک ہاتھ تلوار کے دستے پر تھا۔ نتاشا کی تیز سانسوں کا زیر و بم وہ صاف محسوس کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی دھڑکن کی گونج بھی اسے سنائی دے رہی تھی۔ وہ اس کا گداز جسم تھامے خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر خطرہ ٹل گیا۔ قدموں کی چاپ ان کے پہلو سے ہو کر آگے نکل گئی۔ نتاشا نے پلکیں اٹھا کر اباقہ کو دیکھا پھر جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اباقہ نے لاپرواہی سے اس کا ہاتھ تھاما اور ان تینوں افراد کے عقب میں چل دیا۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اچانک انہیں ایک کھڑکی میں روشنی نظر آئی۔ اندر سے گفتگو کی آواز آ رہی تھی۔ آگے جانے والے تینوں افراد بھی اوجھل ہو چکے تھے۔ شاید وہ بھی اسی کمرے میں گئے تھے۔ اباقہ نے کھڑکی سے آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگائیں۔ اتفاقاً اندر مخملی پردے میں ایک جھری موجود تھی۔ اس جھری نے کمرے کا تین چوتھائی منظر اس کے سامنے کھول دیا۔

بستی میں پہنچنے والے تینوں گھڑسوار آرام دہ نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں سنہری داڑھی اور لمبی سنہری مونچھوں والا ایک قد آور شخص نمایاں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سرغنہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور چار سے آٹھ سال کی عمر کے بچے سہمے ہوئے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ایک نومولود بچہ کمبل میں لپٹا فرش پر رکھا تھا' شاید اسے خواب آور دوا دے دی گئی تھی۔ سرغنہ ایک آدمی سے کہہ رہا تھا۔ "صبح ایک تگڑی آسامی آرہی ہے۔ بڑا دولتمند زرگر ہے اپنے تین بھائیوں کے لیے بھی مال خریدے گا ان مردودوں کو بنا سنوار کر تیار رکھنا۔ منہ مانگی قیمت ملے گی۔"

اباقہ غور سے یہ سنسنی خیز گفتگو سن رہا تھا۔ اچانک اس کے حساس کانوں نے آہٹ محسوس کی۔ اس نے جلدی سے گھوم کر دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔ عقب میں کم از کم آٹھ مسلح افراد کھڑے تھے۔ نتاشا ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس کے بازو سے لگ گئی۔ اباقہ کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر گیا مگر پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ ایک تلوار بردار نے آگے بڑھ کر نتاشا کو اس سے جدا کیا اور دونوں کو غیر مسلح کر دیا۔ پھر وہ انہیں دھکیلتے ہوئے کمرے میں لے گئے۔ سرغنہ نے انہیں دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا اور اپنے آدمیوں سے بولا۔ "ان چوہوں کو پکڑتے پکڑتے اتنی دیر لگا دی۔"

مخاطب بولا۔ "مالک! یہ کافی دیر باہر کھڑے رہے۔ ہم نے سوچا خود ہی اندر آجائیں تو بہتر ہے۔"

سرغنہ نے رعونت سے کہا۔ "ہاں میاں! اب ذرا جلدی جلدی بتا دو کہ کون ہو اور کس چکر میں ہمارے پیچھے آئے ہو؟"

اباقہ نے کہا۔ "تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی ہم تو مسافر ہیں سرچھپانے کو ٹھکانا ڈھونڈ رہے ہیں۔"

سرغنہ نے نتاشا کی پرواہ کیے بغیر اباقہ کو ایک غلیظ گالی دی اور اپنے آدمیوں سے بولا۔ "ان دونوں کو سرچھپانے کے لیے جگہ دو۔ ان کا ٹیڑھا پن میں صبح ٹھیک کروں گا۔"

مسلح آدمی انہیں دھکیلتے ہوئے بالائی منزل پر لے آئے۔ انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس کمرے میں دیواریں برائے نام تھیں۔ چاروں طرف لوہے کی سلاخوں والی بڑی بڑی کھڑکیاں لگی تھیں۔ ان کھڑکیوں سے برفانی ہوا فراٹے بھرتی اندر داخل ہو رہی تھی۔ واقعی یہ سرچھپانے کی جگہ تھی۔ تن چھپانے کی جگہ نہیں تھی۔ فرش پر کوڑا کرکٹ

بکھرا تھا۔ مسلح آدمی انہیں بند کر کے جانے لگے تو شہزادی غصے سے بولی۔

"کیا ہم یہاں رات گزاریں گے؟"

ایک شخص بدتمیزی سے بولا۔ "تو اور کیا.......... تو شہزادی نتاشا ہے کہ تیرے لیے پھولوں کا بستر آئے گا۔ شکر کر کہ تجھے عزت سے رات گزارنے کا موقع مل رہا ہے۔ ہمارے ساتھ سونا پڑتا تو.........."

"خبردار۔" اباقہ نے گرج کر اس کی بات کاٹی۔ "ایک لفظ منہ سے نکالا تو گردن توڑ دوں گا۔"

مسلح افراد نے ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا دھمکی دینے والا بولا۔ "تیرا ٹیڑھا پن بھی صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور وہ واقعی ٹھیک کہہ گیا تھا۔ آتشدان اور کسی بھی گرم کپڑے کے بغیر اس ہوادار کمرے میں شب گزارنا عذاب سے کم نہیں تھا۔ جوں جوں رات بھیگتی گئی ان کے جسم بلا خیز سردی کی گرفت میں آتے چلے گئے۔ اباقہ نے شہزادی سے پوچھا۔

"شہزادی صاحبہ! محل سے آپ کی رات بھر کی غیر حاضری ہنگامہ بپا نہ کر دے۔"

شہزادی نے کہا۔ "نہیں اباقہ! میں اپنی کنیز خاص کلثوم کو سب بتا آئی ہوں۔ وہ صبح تک صورت حال سنبھالے رکھے گی' بلکہ دوپہر تک کوئی خطرہ نہیں۔ ہاں دوپہر کو نائب رئیس مجھ سے ملنے آرہا ہے۔ اس وقت کام بگڑ جائے گا۔"

اباقہ نے کہا۔ "گھبرائیں نہیں شہزادی صاحبہ! اللہ نے چاہا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہم ان سفاک لوگوں سے نبٹ کر صحیح سلامت واپس لوٹیں گے۔"

شہزادی نے خود کو اپنے ہی بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "یہ سب تو اس وقت ہو گا جب یہ سرد رات ہم کو زندہ چھوڑے گی۔"

اباقہ کو محسوس ہوا کہ نازک اندام شہزادی کی قوت برداشت جواب دینے لگی ہے۔ اس نے اپنی بوسیدہ صدری اتار کر اس کے شانوں پر ڈال دی۔ شہزادی نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔

"اباقہ! یہ معاملہ بڑا پُراسرار لگتا ہے۔ آخر یہ لوگ معصوم بچوں کا کیا کر رہے ہیں' اور کون لوگ ہیں جو یہاں سے انہیں خریدنے آتے ہیں۔"

اباقہ بولا۔ "شہزادی! خود کو پریشان نہ کریں۔ صبح تک سب سامنے آجائے گا.......... ہو سکے تو سونے کی کوشش کریں۔"

اباقہ نے دیکھا کہ شہزادی کپکپا رہی ہے اور اس کے یاقوتی ہونٹوں پر برف سی جمتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جارہی ہے۔ وہ سخت سردی محسوس کر رہی تھی۔ درحقیقت وہ ایک غریب دہقان لڑکی کے لباس میں آئی تھی اور یہ لباس اس بے رحم سردی کے لیے قطعی ناکافی تھا۔ اباقہ نے اپنی سموری ٹوپی اتار کر شہزادی کے سر پر پہنا دی۔ پھر بھی اس کی سردی کم نہیں ہوئی تو اس نے اپنی اونی قمیض اتار کر پھاڑی اور ایک چادر کی طرح اس کے گرد لپیٹ دی' وہ اباقہ کو اس عمل سے منع ہی کرتی رہ گئی۔ اباقہ کے بالائی جسم پر اب کچھ نہیں تھا۔ وہ شہزادی سے بولا۔ "آپ فکر مند نہ ہوں۔ میری پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ میں اس سردی میں کوئی تکلیف اٹھائے بغیر رات گزار سکتا ہوں۔"

شہزادی نے اس کی بات سنی لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہیں اباقہ کے بازوؤں پر مرکوز تھیں۔ وہاں عقوبت خانے میں ہونے والے تشدد کے نشانات ابھی تک موجود تھے۔ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اباقہ! ہمیں معاف کردو۔"

اباقہ نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! میں آپ کو معافی دینے والا کون ہوتا ہوں۔ بس خدا سے دعا کریں کہ یہاں سے علی ہمیں زندہ سلامت مل جائے۔ پھر مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہ رہے گا۔"

شہزادی نے اُداسی سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اگر علی نہ ملا تو تمہارا دل ہماری طرف سے صاف نہ ہوگا۔"

اباقہ بولا۔ "نہیں شہزادی! ایسی بات زبان پر نہ لائیں۔ مجھے یقین ہے علی ہمیں یہاں سے ملے گا۔"

☆.....☆.....☆

طوطم خاں منگولوں کی حراست میں تھا۔ اسے زنجیریں ڈال کر ایک خیمے میں پھینک دیا گیا تھا۔ خیمے کے باہر مسلح پہریدار تھے۔ وہ جانتا تھا کہ باتو خاں کے ہاتھوں اذیت ناک موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس نے پوچھ گچھ کرنے والوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جب سے یہاں قید تھا ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔ اس کا راز کیسے کھلا؟ وہ شاہی حجام کے بھیس میں نہایت کامیابی سے باتو خاں تک پہنچ گیا تھا۔ اسے کامل یقین تھا کہ آخر وقت تک باتو اس کی اصلیت سے بے خبر تھا۔ مگر عین اس وقت جب وہ اس کا سر اتارنے کی تیاری کر رہا تھا باتو کو جیسے الہام ہو گیا تھا۔ اس کی کامرانی ایک لمحے کے فاصلے سے اپنا رخ بدل گئی تھی۔ کہاں وہ اباقہ کو نیچا دکھانے اور مارینا کے ساتھ داد عیش دینے کے خواب دیکھ رہا تھا اور کہاں پابہ زنجیر اس سرد خیمے میں پڑا تھا۔ کل رات اس کے خیمے میں چغتائی خاں کے بیٹے بائیدار اور پوتا بوری آئے تھے۔ اپنے دادا چنگیز خاں کی طرح ان کی

عیار آنکھوں سے بھی خون کی پیاس جھلک رہی تھی۔ طوطم خاں جانتا تھا جن بدنصیبوں کو دیکھ کر چنگیز زادوں کی آنکھوں میں ایسی پیاس نظر آتی ہے وہ عبرتناک موت کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ پیاس طوطم کو بتا رہی تھی کہ وہ بائیدار اور پوتا بوری کے نزدیک ناقابل معافی مجرم ہے۔

وہ دونوں اس سے اپنے باپ کی بیوی مارینا کے متعلق پوچھتے رہے تھے۔ طوطم نے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے کہا تھا مجھے مارینا کے متعلق کچھ معلوم نہیں اگر ہوتا تو بھی نہ بتاتا۔ اس کا خیال تھا کہ اس دو ٹوک جواب کے بعد اس پر تشدد کی انتہا کر دی جائے گی یا فوراً قتل کر دیا جائے گا۔ مگر یہ دونوں باتیں نہیں ہوئیں۔ دراصل نوجوان شہزادوں کی شکار سے واپسی کے بعد منگول لشکر کوچ کی تیاری میں تھا۔ سپہ سالار باتو خان اور سوبدائی بہادر جلد از جلد دلادی میر پہنچنا چاہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ طوطم خاں کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ اس طرح طوطم خاں کی زندگی کچھ دن اور بڑھ گئی تھی' لیکن وہ اس سے بالکل خوش نہیں تھا۔

اچانک وہ اپنے خیالوں سے چونک پڑا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک تاتار عورت کھانا لے کر اندر آگئی۔ چہرے پر چیچک کے داغوں والی یہ ایک مکروہ صورت بڑھیا تھی۔ جب وہ بات کرنے کے لئے منہ کھولتی تو اس کے ٹیڑھے دانت شکل کو کچھ اور ہیبت ناک بنا دیتے۔ طوطم کی آدھی بھوک تو اسے دیکھ کر ہی اڑ جاتی تھی۔ شاید اس عورت کی "دید" بھی اس کی سزا کا ایک حصہ تھی۔ ورنہ وہ جانتا تھا منگولوں کے پاس خدمت گاری کے لیے ایسی ایسی عورتیں ہیں کہ جو کھانا لے کر آئیں تو کھانا چھوڑ کر انہیں کھانے کو دل چاہے۔

اندر داخل ہو کر عورت نے کچھ فاصلے سے کھانے کا طبق طوطم کی طرف بڑھایا۔ بڑھیا نے کہا۔

"طوطم خاں! جس روز تُو باتو خاں کی گردن کاٹنے لگا تھا اس روز بھی اس ہاتھ سے کام لیتا تو کبھی نہ پکڑا جاتا۔"

"مطلب؟" طوطم خاں نے حیرانی سے پوچھا۔

بڑھیا بولی۔ "شاید تجھے معلوم نہیں کہ مینگو ہر کام بائیں ہاتھ سے کرتا تھا۔ تُو نے جب دائیں ہاتھ سے باتو کی حجامت بنانا شروع کی تو اسے معلوم ہو گیا کہ تُو مینگو نہیں ہے۔"

طوطم خان سناٹے میں رہ گیا۔ بے خبری میں وہ کتنی بڑی غلطی کر گیا تھا۔ باتو خاں تو ایک عیار اور ہوشیار سپہ سالار تھا معمولی عقل والا آدمی بھی طوطم خان کی یہ غلطی فوراً پکڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیتا۔ کئی دنوں کی کشمکش کے بعد آخر آج اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ اس کی مخبری کسی اور نے نہیں خود اس کے اپنے ہاتھ نے کی تھی۔

☆ ☆ ☆

مشرق سے سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی اس کمرے میں بھی پہنچ رہی تھی جہاں اباقہ اور شہزادی نتاشا قید تھے۔ اچانک زیریں منزل سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ بچے رو رہے ہوں اور کوئی شخص انہیں دھمکیوں سے چپ کرانے کی کوشش میں مصروف ہو۔ پھر ایک چیختی ہوئی آواز آئی۔ اباقہ نے پہچان لیا' یہ سنہری مونچھوں اور گھنی سنہری داڑھی والے سرغنہ کی آواز تھی۔ وہ بچوں کو بتا رہا تھا کہ ان کے نئے مالک پہنچ چکے ہیں۔ اگر کسی نے ان کے سامنے منہ بسورنے کی کوشش کی تو کھال اُدھیڑ دی جائے گی۔

شہزادی نتاشا نے اباقہ سے کہا۔ "اباق' کیا ہم اس چوہے دان سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

اباقہ نے کہا۔ "نکل سکتے ہیں۔"

"کس طرح؟" شہزادی حیرانی سے بولی۔

اباقہ نے کہا۔ "اس سامنے والی آہنی کھڑکی کو اکھاڑ کر۔"

نتاشا حیرت سے بولی۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟"

اباقہ نے کہا۔ "ہر قید خانہ' آپ کے عقوبت خانے کی طرح مضبوط نہیں ہوتا۔" پھر وہ مطمئن انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہنی کھڑکی کی سلاخیں تھام کر زور آزمائی کرنے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کے گلے کی رگیں پھول گئیں اور بازوؤں کے مسل نمایاں تر ہو گئے۔ پھر اس نے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ کڑاکے کی آواز آئی اور دیوار سے چند اینٹیں اکھڑ کر فرش پر آگریں۔ اس کے ساتھ ہی نتاشا نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ آہنی کھڑکی اباقہ کے ہاتھوں میں تھی۔ کھڑکی ٹوٹنے کی آواز سن کر چند مسلح افراد بھاگتے ہوئے موقعے پر پہنچے۔ یہ وہی افراد تھے جنہوں نے رات نتاشا کو مذاق کا نشانہ بنایا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی کھڑکی دیکھ کر وہ ایک لمحے کو حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر ان کے ہاتھ نیاموں تک پہنچے اور خمدار تلواریں باہر آگئیں۔ اباقہ نے دو قدم بھاگ کر وزنی کھڑکی حملہ آوروں پر پھینک دی۔ وہ چیختے ہوئے اس کے نیچے ڈھیر ہو گئے۔ اباقہ نے نتاشا کا بازو پکڑا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ایک تلوار باز نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر اباقہ کی خوفناک ٹکر نے اسے سیڑھیوں سے لڑھکا کر فرش پر پہنچا دیا۔ اس کی تلوار درمیان کی سیڑھیوں پر پڑی رہ گئی تھی۔ اباقہ نے جھپٹ کر وہ تلوار اٹھائی اور چھلانگ لگا کر حملہ آور کے سینے میں گھونپ

دی۔ اس خوفناک منظر نے نتاشا کو لرزا کر رکھ دیا۔ اباقہ اسے ساتھ لیے رات والے کمرے میں آیا۔ کمرے کا منظر وہی تھا۔ بچے بھی موجود تھے' لیکن آج یہاں ایک نیا چہرہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ یہ ایک باریش شخص تھا جس کے گلے میں سونے کی بڑی سی صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کا سر بالوں سے صاف تھا۔ دیکھنے میں وہ کوئی پادری یا راسخ العقیدہ عیسائی نظر آتا تھا۔ اباقہ کو دیکھتے ہی وہ ایک کونے میں دبک گیا۔ سرغنہ اور اس کے دونوں ساتھی تلواریں سونت کر اباقہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا وہ کس مہلک جنگجو کے سامنے آئے تھے۔ اباقہ نے پلک جھپکتے میں ان میں سے ایک کی گردن اڑا دی۔ کٹا ہوا سر لڑھک کر بچوں کے قدموں میں گرا اور وہ چیخ اٹھے۔ نتاشا نے لپک کر انہیں بازوؤں میں سمیٹا اور دوسرے کونے میں لے گئی۔ اتنے میں اباقہ کی تلوار نے دوسرے شخص کا سینہ چاک کر دیا۔ وہ منہ کے بل اباقہ کے پاؤں میں گرا۔ سرغنہ خوفزدہ ہو کر مدافعت پر اتر آیا۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ موقع ملے تو بھاگ نکلے۔ یکایک وہ جھکائی دے کر دروازے کی طرف لپکا مگر اباقہ ہوشیار تھا۔ اس نے پوری قوت سے گھٹنا اس کے منہ پر رسید کیا۔ اس ضرب نے اس کے کئی دانت توڑ دیے اور وہ ڈکراتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔

اچانک شہزادی چیخی۔ "اباق!"

اباقہ نے مڑ کر دیکھا ایک حملہ آور دروازے میں کھڑا اس پر نیزا پھینک رہا تھا۔ وہ تیزی سے جھکا۔ نیزا ایک دیوار میں لگا اور پُر شور آواز سے چٹخ کر فرش پر لڑھک گیا۔ حملہ آور بھاگ چکا تھا۔ اباقہ نے تلوار کی نوک ہانپتے کانپتے سرغنہ کی گردن پر رکھ دی اور بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم میرا ٹیڑھا پن درست کرنے کے لائق نہیں رہے۔ اب تمہیں اس ٹیڑھے پن سے گزارا کرنا پڑے گا۔"

سرغنہ ہکلایا۔ "کک.......... کون ہو۔ کیا چاہتے ہو؟"

اباقہ نے کہا "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ یہ ذات شریف کون ہے؟" اباقہ کا اشارا کونے میں کھڑے باریش شخص کی طرف تھا۔ وہ طلائی صلیب ہاتھوں میں تھامے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ چند قدم کے فاصلے پر کٹا ہوا انسانی سر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ نتاشا بچوں کو سمیٹ کر کمرے سے باہر لے جا چکی تھی..

جگہ کھڑی تھی جہاں اباقہ اسے دیکھ سکتا تھا۔

اباقہ کو جواب دینے سے پہلے سرغنہ نے تھوک نگلا اور

معروف زرگر اور سونے کے تاجر ڈیوڈ جان ہیں.."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ سونے کا تاجر یہاں کس لیے آیا تھا؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" یکایک اباقہ پر درندگی سوار ہو گئی۔ اس نے ٹھوکروں اور گھونسوں سے سرغنہ کو اس طرح پیٹا کہ اس کے جسم کا چپا چپا خون اگلنے لگا۔ وہ اسے پکڑ پکڑ کر کمرے کی دیواروں سے ٹکراتا رہا۔ نتاشا جانتی تھی اباقہ اس قدر غصے ناک کیوں ہے۔ ماؤں کی گود یں اجاڑنے والا اس سے بہتر سلوک کا مستحق بھی نہیں تھا۔ آخر لحیم شحیم شخص چاروں شانے چت فرش پر جا گرا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اباقہ کی وحشت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ کونے میں دبکے زرگر کی طرف بڑھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ اس کا سفید بے داغ چغہ ناف تک پھٹتا چلا گیا تھا۔ وہ کانپتا لرزتا کمرے کے وسط میں آن گرا۔ اباقہ نے تلوار اس کے سینے پر رکھ کر کہا۔

"تو بتا۔ کس لیے یہاں آیا تھا؟"

زرگر اس سے پہلے تین آدمیوں کا عبرتناک انجام دیکھ چکا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے بولنا شروع کر دیا۔ اباقہ جو کچھ پوچھتا گیا' وہ بتاتا گیا۔ زرگر کی باتوں سے کئی حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ اباقہ اور نتاشا کو پتہ چلا کہ دارالحکومت کے طول و عرض میں کیا کیا کچھ ہو رہا ہے۔ درحقیقت شہر میں تاتاریوں کا خوف اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ لوگ اپنی زندگیوں سے قریباً ناامید ہو چکے تھے۔ اس خوف اور ناامیدی کے عالم میں ان سے عجیب و غریب حرکات سرزد ہو رہی تھیں۔ جس روز ماسکو کی تباہی کی خبر دلادی میر پہنچی اور لوگوں نے عبادات کے لیے جوق در جوق گرجاؤں کا رخ کیا حضرت مریم ..... کے کلیسے سے باہر ایک یتیم دیوانے شخص نے بھرے مجمعے میں اعلان کیا کہ عنقریب دلادی میر کے کھنڈروں پر گدھ منڈلائیں گے اور کتے انسانی لاشیں نوچیں گے۔ خوفزدہ لوگ گھیرا ڈال کر اس شخص کی باتیں سننے لگے۔ اس نے کہا کہ وحشی تاتاری خدا کا قہر ہیں اور اس قہر سے کوئی شخص محفوظ نہیں رہے گا۔ کچھ لوگ پوچھنے لگے کہ بابا اس قہر سے بچنے کا کوئی راستہ ہے؟ بوڑھے نے کہا۔ "نہیں کوئی راستہ نہیں۔ یہ ہونی ہے اور ہو کر رہے گی۔" پھر اچانک بوڑھے نے آسمان کی طرف دیکھا اور لوگوں کو قریب قریب بلا کر سرگوشی میں بولا۔

"ہاں ایک رستہ ہے صرف ایک راستہ۔"

لوگوں نے پوچھا۔ "کیا؟" وہ بولا۔ "جو شخص اپنے گھر کی دہلیز پر ایک غلام بچے کا سر کاٹ کر دبائے گا وہ تاتاریوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔" اس کے بعد بوڑھا توریت پڑھتا ہوا اور جھومتا ہوا ایک طرف چل دیا۔

بوڑھے کی یہ بات کچھ خوشحال گھرانوں تک پہنچی تو انہوں نے غلام بچے خرید کر ان

کی قربانی دی۔ دیکھا دیکھی کچھ اور صاحب ثروت لوگوں نے بھی یہ قبیح فعل انجام دیا۔ جان کے خوف نے لوگوں کو عقل و شعور سے بیگانہ کر رکھا تھا۔ وہ کوشش کر کے غلام بچے حاصل کرنے لگے آخر مزید بچوں کا حصول مشکل ہو گیا..... زرگر نے بتایا کہ اسے بڑی مشکلوں سے اس ٹھکانے کا پتہ چلا تھا۔ بتانے والے نے بتایا تھا کہ یہاں سے مطلوبہ عمر کے بچے مل سکتے ہیں۔ وہ اپنے اور اپنے تین بھائیوں کے لیے چار بچے خریدنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پردہ فروشوں نے ان چار بچوں کی ہوش ربا قیمت وصول کی تھی۔

زرگر کی باتیں اباقہ اور نتاشا کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھیں۔ اتنے میں دروازے پر آہٹ ہوئی اور شاہی فوج کے کچھ مسلح سپاہی دندناتے ہوئے اندر آ گئے۔ شاید کسی طرح انہیں عمارت میں ہونے والے ہنگامے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ اباقہ کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی اور فرش پر دو لاشیں تھیں۔ سپاہی اسے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر شہزادی نتاشا ان کے راستے میں حائل ہو گئی۔ اس نے مختصر لفظوں میں اپنا تعارف کرایا تو سپاہی حیرت سے گنگ ہو گئے۔ اباقہ کے کہنے پر شہزادی نے دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بے ہوش سرغنہ کے پاس چوکس کھڑے رہیں۔ باقی سپاہیوں کے ساتھ اباقہ اور نتاشا عمارت کے تہہ خانے کی طرف بڑھے۔ بچوں نے بتایا تھا کہ ان کے چند اور ساتھی وہاں ایک کوٹھڑی میں قید ہیں۔ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے وہ اس کوٹھڑی کے سامنے پہنچے۔ آہنی دروازے پر ایک بڑا قفل نظر آ رہا تھا۔ اباقہ نے سپاہیوں کو قفل توڑنے کی ہدایت کی۔ شہزادی نتاشا کی موجودگی نے سپاہیوں کو پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔ انہوں نے چند ہی لمحوں میں قفل توڑ کر فرش پر ڈال دیا۔ اباقہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ایک چٹائی پر دو بچے لحاف اوڑھے سو رہے تھے۔ دو بچے سہمے ہوئے دیوار سے لگے بیٹھے تھے۔ ان میں ایک علی تھا۔ اباقہ نے علی کو اور علی نے اسے دیکھتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھا اور بازو پھیلا کر اباقہ کی طرف بھاگا۔ اباقہ نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ علی کی زبان قینچی کی طرح چلنا شروع ہو گئی۔ وہ اباقہ کو اب تک پیش آنے والے تمام واقعات ایک ہی سانس میں سنانا چاہتا تھا۔ شہزادی نتاشا اس کی بے تابی پر مسکرا اٹھی۔ اباقہ نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "حوصلہ رکھو علی! میں تم سے ساری بات سنوں گا' لیکن ذرا ٹھہر جاؤ۔"

بچوں کو کوٹھڑی سے رہائی دلانے کے بعد اباقہ اور نتاشا دوبارہ اس ..... کمرے میں پہنچے۔ سپاہیوں نے اب لاشیں وہاں سے ہٹا دی تھیں اور زرگر کی ہتھکڑیاں کس کر ایک طرف بٹھا دیا تھا۔ مجرموں کا سرغنہ ہوش میں آ چکا تھا اور ایک سپاہی اس کے سینے پر تلوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے کے اس کے ساتھیوں کا پتہ دریافت کر رہا تھا۔ اباقہ نے سپاہی سے مخاطب ہو کر کہا۔
"اس سے ساتھیوں کا پتہ کیا پوچھتے ہو۔ یہ تو خود ساتھی ہے۔"
شہزادی نے کہا۔ "کیا مطلب؟"
اباقہ نے ادب سے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! جہاں تک میرا اندازہ ہے اصل سرغنہ کوئی اور ہے۔"
شہزادی نے کہا۔ "اباقہ! تم نے ہمارے شبہے کی تصدیق کی ہے۔ ہمارا اپنا خیال یہی ہے۔ رات اس کے آدمی اسے "چھوٹے آقا" کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔"
اباقہ بولا۔ "جب کہ یہ اونٹ کا اونٹ چھوٹا کسی طرف سے نہیں۔"
شہزادی بولی۔ "اس کا مطلب ہے' یہ رتبے میں چھوٹا ہے۔" شہزادی کے اشارے پر سپاہی نے تلوار کی نوک کا دباؤ بڑھایا تو سنہری مونچھوں والا کراہ اٹھا۔ شہزادی نے کہا۔ "اے شخص اگر عذاب کی موت مرنا نہیں چاہتا تو اپنے مالک کا پتہ بتا؟"
وہ زمین پر پڑا پڑا جھنجلا کر چیخا۔ "مجھے کچھ پتہ نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا' کچھ نہیں بتاؤں گا۔"
اس وقت علی نے چلا کر کہا۔ "حرامی! تو کچھ نہ بتا۔ تو کچھ نہ بتا۔" پھر وہ اباقہ سے مخاطب ہوا۔ "بھائی جان! اس سے کیا پوچھتے ہو۔ میرے ساتھ آیئے' میں آپ کو بتاتا ہوں اس کا آقا کہاں ہے۔ وہ ہر وقت کسی چوہے کی طرح ایک تہہ خانے میں گھسا رہتا ہے۔ باہر نکلتا بھی ہے تو منہ چھپائے ہوئے۔ آیئے میں آپ کو چوہے کے بل تک لے جاؤں۔"
سب حیرت سے علی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ انہیں ساتھ لے کر مڑا اور چلی ٹانگوں سے بھاگتا مختلف راہداریوں سے گزر گیا۔ وہ سب اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ آخر سنگ سرخ کی چند سیڑھیوں کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہ سیڑھیاں نشیب میں ایک آہنی دروازے تک پہنچتی تھیں۔ دروازے پر نقش و نگار تھے اور پیتل کا ایک کڑا دستی کے طور پر منسلک تھا۔ علی نے گھوم کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا اور کڑے کے ذریعے ایک مخصوص دستک دی۔ دوسری یا تیسری دستک پر اندر آہٹ ہوئی اور دروازہ کھل گیا۔ جھری میں اباقہ کو مصری رقاصہ روما کی شکل دکھائی دی۔ وہ علی کو دیکھ کر بھنائی۔ "کیا ہے لڑکے۔ تو یہاں کیسے آیا..........."
علی نے شوخی سے کہا۔ "اپنی ٹانگوں پر چل کر آیا۔"
تب روما کی نگاہ علی کے پیچھے کھڑے اباقہ' نتاشا وغیرہ پر پڑی۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کرنا چاہا مگر علی نے پھرتی سے روما کی لمبی چوٹی پکڑ کر کھینچ لی۔ چوٹی آہنی تختوں کے درمیان آگئی اور روما کوشش کے باوجود دروازہ بند نہ کر سکی۔ اباقہ نے آگے بڑھ کر زور سے دھکا دیا اور روما ایک چیخ کے ساتھ اندر لڑھک گئی۔ وہ نامکمل لباس میں تھی۔ ایک چادر جو اس نے جسم سے لپیٹ رکھی تھی کھل گئی اور وہ اپنا آپ ڈھانپنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کی حالت نے شہزادی کو منہ پھیرنے پر مجبور کر دیا اباقہ کے پیچھے پیچھے سپاہی بھی دندناتے ہوئے اندر گھس گئے۔ روما کی یہاں موجودگی نے اباقہ کو حیران کر دیا تھا۔ اسے بڑی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ بردہ فروشی کے اس مذموم کاروبار کا کرتا دھرتا کون ہے .... اس نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی' لیکن روما کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کمرے میں دکھائی نہیں دیا۔ دفعتاً علی نے چیخ کر ایک پردے کی طرف اشارہ کیا۔ پردے کا ابھار بتاتا تھا کہ کسی نے اس کے عقب میں چھپنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اباقہ کے اشارے پر سپاہیوں نے پردے کو گھیر لیا۔

اباقہ بلند آواز سے بولا۔ "باہر آجاؤ۔ توزن باخ! اب چھپنا فضول ہے۔"
پردے میں حرکت ہوئی اور توزن باخ سر جھکائے ہوئے نکل آیا۔ اس کی شفاف چندیا فانوس کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ شہزادی نتاشا توزن باخ کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی۔
"بہت خوب توزن باخ! ہم گمان بھی نہ کر سکتے تھے کہ تم شہد بیچتے بیچتے' زہر بیچنے لگو گے۔ ماؤں کی گودیں اجاڑنے کا کاروبار' اچھا شروع کیا تم نے۔"
توزن باخ کی نظریں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔ شہزادی گرج کر سپاہیوں سے مخاطب ہوئی۔ "اس موذی کو گرفتار کرو اور قید تنہائی میں ڈال دو۔ ہم بہت جلد اس کا فیصلہ کریں گے۔"
حکم ملتے ہی سپاہیوں نے توزن باخ کو زمین پر گرا کر مشکیں کس دیں۔ شہزادی کا غضب دیکھ کر توزن باخ کی چندیا پسینے سے تر ہو گئی۔ وہ باریک آواز میں منمنایا۔
"شہزادی حضور! یہ ناچیز آپ سے رحم کی درخواست نہیں کرے گا' لیکن کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ابا حضور سے مشورہ ضرور کر لیجئے گا۔"
شہزادی دانت پیس کر بولی۔ "زہریلے سانپ کو مارنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہوتی۔"
توزن باخ کی گرفتاری کے بعد وہ تہہ خانے سے برآمد ہوئے تو مسلح سپاہی اس عمارت میں موجود دیگر مجرموں کو گرفتار کر چکے تھے۔ ان میں وہ شخص بھی تھا جس نے رات شہزادی کو ظالمانہ سلوک کی دھمکی دی تھی۔ یہ جان کر یہ دہقان لڑکی شہزادی نتاشا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اس کی سٹی گم ہوئی جارہی تھی۔ وہ رحم طلب نظروں سے شہزادی اور ابلق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے برآمد ہونے والے بچوں میں وہ بچہ بھی تھا جسے انہوں نے کل رات اپنی ماں سے جدا ہوتے دیکھا تھا۔ اگر آج مجرم گرفتار نہ ہوتے تو شاید یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا۔ زرگر کو فروخت کیے جانے والے بچوں میں وہ بھی شامل تھا۔ شہزادی نے اس بچے کے متعلق سپاہیوں کو خاص طور پر ہدایت کی اور کہا کہ اسے فی الفور اس کی ماں کے پاس پہنچایا جائے۔

☆------☆------☆

محل میں واپس پہنچتے ہی شہزادی نتاشا نے سب سے پہلے اپنے والد اور بھائیوں کے متعلق دریافت کیا' لیکن ان میں سے کوئی بھی دارالحکومت واپس نہیں آیا تھا۔ اپنے دو بہادر بھائیوں اور تجربہ کار والد کے بغیر وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی اور یہ کیفیت اکیلی اسی کی نہیں تھی۔ دارالحکومت کا ہر فرد اسی بے یقینی کا شکار تھا۔ اس نازک وقت میں رئیس اعظم کی دارالحکومت میں موجودگی اشد ضروری تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں شہر کے دفاع کی تمام تر ذمے داری نتاشا کے کندھوں پر آگئی تھی اور اسی لئے وہ سب سے زیادہ پریشان بھی تھی۔ اس پریشانی کو اگر کوئی احساس کم کرتا تھا تو وہ ابلق اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا احساس تھا۔ شاید ان پرخطر لمحات میں اسے یہ لوگ نہ ملتے تو وہ حوصلہ ہار بیٹھتی۔ ابلق کے ساتھ اس نے بہت کم وقت گزارا تھا' لیکن آن کی آن میں وہ اس پر بے پناہ اعتماد کرنے لگی تھی۔ ایک طرح اس نے دفاع کے سلسلے میں اسے اپنا مشیر خاص بنالیا تھا۔

اس رات محل کی وسیع نشست گاہ میں شہر کے دفاع کے سلسلے میں ایک اہم مذاکرہ ہوا۔ شہزادی نے اپنے خیالات بیان کرتے ہوئے کہا۔ "ساتھیو! اب ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔ رئیس اعظم کے بغیر ہی اب ہمیں مورچے سنبھالنے ہوں گے۔ اطلاعات کے مطابق منگول لشکر اپنا پڑاؤ اٹھا کر دلادی میر کی طرف کوچ شروع کر چکا ہے۔ اب ہمیں ہر کام ہنگامی بنیادوں پر کرنا ہو گا۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم آخری تلوار اور آخری بازو تک دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ پیش قدمی کرنے والوں کو کیسے روکا جاتا ہے اور بڑھے ہوئے حوصلوں کو چکنا چور کرنے والے بازو کیسے ہوتے ہیں۔"

ایک سردار کھڑے ہو کر پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ہاں ہم لڑیں گے' آخری بازو اور آخری تلوار تک لڑیں گے۔"

حاضرین نے ہم آہنگ ہو کر اس پُرجوش سردار کی تائید کی۔ شہزادی نے کہا۔ "اب

آپ لوگ دفاع کو مضبوط تر بنانے کے لیے اپنے مشورے دیں۔"

مصاحبین' عمائدین و عسکری مشیروں نے اپنی اپنی آراء شہزادی تک پہنچائیں۔ یہ سلسلہ کافی دیر جاری رہا۔ آخر میں شہزادی نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم نے آپ سب کی باتیں نہایت غور سے سنی ہیں اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ آخر میں ہم اپنی رائے پیش کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ آپ کی اکثریت اسے پسند کرے گی۔"

شرکاء ہمہ تن گوش ہو گئے۔ شہزادی نے کہا۔ "ہمارا خیال ہے کہ دستیاب فوج کا زیادہ تر حصہ مغربی فصیل پر متعین کیا جائے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں مشرقی جانب عمیق پہاڑی نالا شہر کو قدرتی تحفظ فراہم کر رہا ہے۔ اگر ہم اس پہاڑی نالے کو اپنا دوسرا دفاعی حصار سمجھتے ہوئے اس جانب کی فصیل پر معمولی فوج لگا دیں تو مغربی فصیل کے لیے ہمیں زبردست عسکری قوت میسر ہو سکتی ہے۔"

شہزادی کی تجویز نے حاضرین کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے چہروں پر دلچسپی کے آثار تھے۔ شہزادی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "مشرق کی طرف سے بھرپور حملے کی توقع بہت کم ہے۔ اگر ہم مشرقی فصیل پر جو کئی کوس طویل ہے کہیں کہیں تیر انداز دستے کھڑے کر دیں اور اپنی پوری توجہ مغربی فصیل پر رکھیں تو دشمن کے دانت کھٹے کیے جا سکتے ہیں۔ رہا مشرقی حصے کا سوال تو وہاں کی مختصر آبادی کو پہاڑی نالے کے اس پار منتقل کیا جا سکتا ہے۔ فرض محال اگر تاتاری اس جانب سے شہر میں داخل ہو جائیں تو ہمارے دستے پسپائی اختیار کر کے نالے کے اس پار چلے آئیں گے اور لکڑی کے وہ دو تین پل توڑ دیے جائیں گے جو آمدورفت کا واحد ذریعہ ہیں۔ ہمارے مشیروں نے بتایا ہے کہ یہ وحشی قوم پانی کو مقدس سمجھتی ہے اور اس سے خوف بھی کھاتی ہے ان کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ بہتے پانی میں نہ اتریں۔ قوی امید ہے کہ تاتاری پہاڑی نالا پار کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا بھی تو یہ کام ان کے لیے فصیل توڑنے سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہو گا۔"

شرکاء چہ میگوئیوں میں مصروف ہو گئے۔ اس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا اور حاضرین کی اکثریت اس نتیجے پر پہنچی کہ اس قدرتی خندق کو اپنے دفاع کے لیے استعمال نہ کرنا بے وقوفی ہو گی ..... شہزادی نے اسی وقت حکم دیا کہ مشرقی فصیل پر تعینات پچیس ہزار سپاہیوں کو فوری طور پر مغربی فصیل پر منتقل کر دیا جائے اور مشرقی حصے کی آبادی کو وہاں سے نکال لیا جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس انقلابی فیصلے نے شہر میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ عوام کو اندازہ ہوا کہ حکومت سنجیدگی سے دفاعی تیاریوں میں مصروف ہے اور انہیں حملہ آوروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جائے گا۔ فوج میں بھی اس فیصلے کو سراہا گیا۔ جب پچیس ہزار کی فوج مغربی فصیل پر پہنچی تو شہر کا دفاع ناقابل تسخیر نظر آنے لگا۔ عسکریوں کے حوصلے دو گنے ہو گئے۔

یہ تجویز شہزادی کی اپنی نہیں تھی۔ اس منصوبے کی پیچھے جن مشیروں کا دماغ کام کر رہا تھا ان میں اباقہ اور اسد کے نام نمایاں تھے۔ سب سے پہلے اباقہ اور اسد نے ہی پہاڑی نالے کا ذکر کیا تھا۔ پھر کچھ دوسرے منگول اور بلخاری سرداروں نے بھی اس رائے کو سراہا تھا۔ پوری تفصیلات طے کرنے کے بعد ہی شہزادی نے یہ تجویز عمائدین کے سامنے پیش کی تھی۔

گزرنے والا ہر لمحہ قیامت کی گھڑیوں کو قریب تر لا رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ ..... جنگی نعرے' تلواروں کی جھنکار' زخمیوں کی آہ و بکا۔ ابھی یہ صدائیں کہیں سنائی نہیں دے رہی تھیں لیکن اہل دلادی میر ان صداؤں کو محسوس کر رہے تھے۔ وہ تصور کے کانوں سے سن رہے تھے اور تصور کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہر دل ایک ہی انداز میں دھڑک رہا تھا اور ہر ذہن کی سوچ ایک تھی۔ کیا ہو گا۔ آنے والی گھڑیوں میں کیا ہو گا؟

رات دوسرے پہر بے خواب شہزادی نے اباقہ کو محل میں بلایا اور اس کے ساتھ چپکے سے مغربی فصیل کا جائزہ لینے کے لیے چل دی۔ اباقہ کی موجودگی میں اسے عجیب طرح کا سکون ملتا تھا۔ اسے دیکھ کر شہزادی کو لگتا تھا' اس شخص کے اعصاب فولاد کے ہیں۔ ان نازک حالات میں جب بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو رہے تھے۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا منگولوں کی بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب طرح کا تمسخر آجاتا تھا۔ شہزادی نے جب بھی اس تمسخر کو دیکھا اسے اپنے اندر ایک تازہ ولولے اور اعتماد کا احساس ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اباقہ سے منگولوں کا زیادہ سے زیادہ ذکر سننا چاہتی تھی۔

چاندنی رات تھی۔ دونوں گھوڑوں پر سوار مغربی فصیل پر پہنچے۔ چوکس دستے لوہے کی پوستینیں پہنے کیل کانٹے سے لیس اپنے مورچوں میں ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ فصیل گو لکڑی کی تھی مگر بے حد مضبوط تھی۔ دلادی میر کا قلعہ روس کے مضبوط ترین قلعوں میں سے تھا۔ قلعے کا معائنہ کرنے کے بعد اباقہ اور نتاشا فصیل کے اوپر ہی اوپر گھوڑے دوڑاتے مشرقی کی طرف نکل گئے۔ راستے میں جگہ جگہ سپاہیوں نے شہزادی کو پہچان کر پرجوش نعرے لگائے' حسب ہدایت فصیل کے مشرقی نیم دائرے میں کہیں کہیں تیر انداز دستے

متعین تھے۔ فصیل کے اوپر سے اباقہ اور نتاشا نے دیکھا۔ چاندنی میں دور پہاڑی نالے کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس حصے کی تمام آبادی اب نالے کے پار پہنچ چکی تھی۔ ایک برجی کے پاس پہنچ کر اباقہ اور نتاشا گھوڑوں سے اتر آئے۔ یخ بستہ ہوا فراٹے بھر رہی تھی۔ مگر ان کے جسموں پر سردی کے بچاؤ کے لیے معقول لباس تھا۔ شہزادی کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اباقہ یہ چاند دیکھ رہے ہو۔"

اباقہ نے کہا۔ "ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

شہزادی بولی۔ "یہ چاند اگلے ماہ آج کے دن' اس وقت' اسی جگہ چمکے گا مگر ہم تم اس فصیل پر اس جگہ نہیں ہوں گے۔ خدا معلوم یہ شہر بھی ہو گا یا نہیں۔"

اباقہ نے کہا۔ "شہزادی۔ یہ چاند تو صدیوں سے نکل رہا ہے اور نہ جانے کب تک نکلتا رہے گا۔ اسے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ بستی پر چمکتا ہے یا قبرستان پر۔ یہ تو زمین والوں کے سوچنے کی بات ہے کہ وہ اس کی چاندنی کو کب اور کہاں پانا چاہتے ہیں۔"

نتاشا نے کہا۔ "اباقہ تم بڑے مضبوط ارادوں کے مالک ہو۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تمہیں کھو نہ دوں۔"

اباقہ نے کہا۔ "شہزادی کوئی کسی کو نہیں کھوتا ..... ہم چاند کھوتے ہیں تو سورج لیتے ہیں۔ پانی کھوتے ہیں تو ہری بھری کھیتی پالیتے ہیں۔ ایندھن کھوتے ہیں تو آگ پالیتے ہیں۔"

شہزادی نے کہا۔ "اباقہ! کیا واقعی تم جنگلوں میں پروان چڑھے ہو؟"

اباقہ نے کہا۔ "بے شک۔"

شہزادی بولی۔ "پھر تو لوگوں کو چاہیے کہ علم کی باتیں سکھانے کے لیے بچوں کو جنگلوں میں چھوڑ آئیں۔"

اباقہ ہنس دیا' شہزادی بھی ہنس دی۔ خوف کے اس سمندر میں ان ہنسی ایک چھوٹے جزیرے کی طرح تھی۔ جو آسمانی بجلی کی طرح ایک لمحے کے لیے روشن ہو کر پھر تیرگی میں گم ہو گیا تھا۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور واپس چل دیے۔

..... جونہی شہزادی محل میں پہنچی' اسے یہ اہم خبر ملی کہ اس کے دونوں بھائی واپس آگئے ہیں۔ اباقہ کے ساتھ وہ تیزی سے محل کے اندرونی حصے میں پہنچی۔ نشست گاہ میں رئیس اعظم کے دونوں بیٹے شہزادہ اول' شہزادہ دوم موجود تھے۔ (اتفاقاً ان دونوں بھائیوں کے درست نام' تاریخ کی دستیاب کتب میں کہیں نہیں ملتے لہٰذا غلطی سے بچنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی اشد ضرورت ہے۔"

شہزادی نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے اور تیزی سے گھوم کر باہر نکل گئی۔

☆------☆------☆

صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ شہزادی نتاشا سفید رنگ کا ہلکا پھلکا گون پہنے مسہری پر نیم دراز تھی۔ آتشدان میں دہکتی ہوئی آگ نے خوابگاہ کو سکون بخش حدت سے بھر رکھا تھا۔ شہزادی خود کو اپنے گون ہی کی طرح ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ رات' بھائیوں نے اس کے کندھوں سے ایک بڑا بوجھ اُتار دیا تھا۔ اب وہ اپنے فیصلوں کے خود ذمے دار تھے۔ شہزادی کو معلوم تھا کہ رات رات میں وہ فوجی دستے واپس مشرقی فصیل پر پہنچ چکے ہیں جو آٹھ پہر پہلے اس نے مغربی فصیل پر منتقل کیے تھے۔ وہ بھائیوں سے خفا ضرور تھی مگر ان کی کامیابی کے لیے دعاگو بھی تھی۔ اب ان کی کامیابی ہی دارالحکومت کے لاکھوں باشندوں کی زندگی کی ضامن تھی۔ اسے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے پیش کی گئی ایک بہترین تجویز پر عمل نہیں کروا سکی۔ یقیناً ان سب کی دل شکنی ہوئی تھی۔

پھر اس کا خیال اباقہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے کانوں میں اپنے بھائی کے الفاظ گونجے۔ "آپ جانتی ہیں کہ لوگ آپ کے متعلق کیا باتیں کر رہے ہیں۔" شرم سے اس کے کانوں کی لوئیں سرخ ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگی کہ لوگ کیا باتیں کرتے ہوں گے۔ شاید یہ کہتے ہوں کہ شہزادی اس نوجوان سے محبت کرنے لگی ہے۔ کس قدر بے ہودہ بات تھی اور کس قدر جھوٹی بھی .... اسے اباقہ سے ہمدردی ضرور تھی' لیکن اسے محبت تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایک انس تھا جو کسی بھی ایسے فرد سے پیدا ہو سکتا ہے جو دل کو اچھا لگتا ہو اور جس کے خیالات اپنے خیالات سے ملتے ہوں۔

وہ اس موضوع پر سوچ رہی تھی' جب دروازے پر کلثوم نے دستک دی۔ دستک پہچان کر شہزادی نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے آداب کیا اور مؤدب کھڑی ہو گئی۔ شہزادی نے پوچھا کہ اس کی ہدایت کے مطابق نقد رقوم مہاجر بستی میں پہنچا دی گئی ہیں۔ کلثوم نے اثبات میں جواب دیا۔ شہزادی کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا۔ اس نے کل رات ہی کلثوم کو ہدایت کی تھی کہ مہاجر بستی کے مکینوں کی مالی امداد کی جائے۔ خاص طور پر ان گھروں کی جو اپنے بچے فروخت کرنے پر مجبور ہوئے۔ شہزادی ایک دھند میں تحلیل ہو رہی تھی اور اس دھند کے اندر سے ایک رحم دل اور حساس لڑکی کا ہیولا ابھر رہا تھا۔

کلثوم نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ۔ شہر میں زبردست ہراس پایا جاتا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ منگول شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ چکے ہیں۔"

شہزادی نے آنکھیں بند کر کے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ پھر اعصاب کو پُرسکون کرتے ہوئے بولی۔ "کلثوم' جو ہونا ہے ہو کر رہے گا اور اگر جلد ہو جائے تو اچھا ہے۔"

کلثوم نے جھرجھری لے کر کہا۔ "شہزادی صاحبہ۔ محل کی تمام خواتین عبادت کے لیے گرجا جا رہی ہیں۔ آپ چلیں گی ....؟"

نتاشا نے کہا۔ "نہیں کلثوم' ہماری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

کلثوم نے کہا۔ "شہزادی! اباقہ کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟"

نتاشا بولی۔ "نہیں تو۔"

کلثوم نے کہا۔ "رات آپ کے محترم بھائیوں نے اس کے ساتھ بے رخی کا سلوک کیا۔ وہ نشست گاہ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ سے مل کر جب آپ کے بھائی واپس آئے تو انہوں نے اسے کہا کہ اب ہمیں ایک ضروری گفتگو کرنا ہے تم جاؤ۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

کلثوم نے کہا۔ "معلوم ہوا ہے کہ آج صبح شہزادہ اول خود مہمان خانے میں پہنچے تھے۔ انہوں نے تمام مہمانوں کو مختلف فوجی دستوں میں شامل کر دیا تاکہ وہ شہر کے دفاع میں حصہ لے سکیں۔ اباقہ اور اسد کو بھی ایک یک صدی سالار کی کمان میں دے کر فصیل پر بھیج دیا گیا ہے۔"

نتاشا کو حیرانی ہوئی کہ اباقہ اور اسد جیسے بہادروں کو یک صدی سالار کی کمان میں دیا گیا ہے۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب کچھ عناد کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ یکایک اسے اباقہ سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس کا دل چاہا کہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے اور اس کی دلجوئی کرے۔ اس نے کلثوم سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے اباقہ اور اسد کس حصے میں ہیں؟"

کلثوم نے کہا۔ "پیاری شہزادی۔ مجھے معلوم تھا آپ بہت سے سوال پوچھیں گی اس لیے بندی تمام معلومات حاصل کر کے آئی ہے۔ اباقہ اور اسد کا دستہ شہر کے چوتھے دروازے پر جنوبی برجی میں ہے۔ محل کی چھت سے آپ ان کا علم دیکھ سکتی ہیں۔"

شہزادی نے کہا۔ "کلثوم! ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دوسری خواتین کے ساتھ گرجے جائیں۔"

کلثوم نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔ "میرا خیال ہے آپ اباقہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملنا چاہتی ہیں۔"

نتاشا نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم ٹھیک سمجھی ہو کلثوم۔"

.... کچھ ہی دیر بعد محل کی خواتین ایک شاندار گھوڑا گاڑی میں گرجے کی طرف روانہ ہوئیں۔ گاڑی کی دونوں اطراف خوبصورت وردیوں والے چاق و چوبند گھڑ سوار محافظ تھے مختلف پرہجوم راستوں سے گزر کر گھوڑا گاڑی حضرت مریم کے گرجے میں پہنچی۔ جب شاہی بیگمات گرجے اندر پہنچ گئیں تو نتاشا اور کلثوم باہر نکلیں اور ایک عام گاڑی میں آ بیٹھیں۔ نتاشا کی ہدایت پر گاڑی بان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کا رخ شہر کے چوتھے دروازے کی طرف تھا۔

بارش اب تھم چکی تھی مگر گلی کوچوں میں پانی کھڑا تھا پریشان چہروں کے ساتھ اہل ولادی میر مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ گھوڑا گاڑی چند درختوں کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ کلثوم اندر سے برآمد ہوئی اور اباقہ کو بلانے چل دی شہزادی نے اسے ایک فرمان دے دیا تھا۔ اس فرمان کی موجودگی میں وہ آسانی سے اباقہ تک پہنچ سکتی تھی۔

کوئی نصف گھڑی بعد اباقہ ایک گھوڑے پر سوار گھوڑا گاڑی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ نتاشا کی ہدایت پر گاڑی بان نے اسے گاڑی کے اندر بلا لیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے دروازہ کھولا اور گاڑی میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ افسردگی تھی۔

شہزادی نے کہا۔ "اباقہ! ہم صرف یہ کہنے کے لیے آئے ہیں کہ جو کچھ ہوا اس میں ہماری مرضی کو دخل نہ تھا۔"

اباقہ نے کہا "شہزادی! جو کچھ ہوا اسے بھول جائیں جو کچھ ہونے والا ہے اس کی فکر کریں .... یہ شہر تاتاریوں کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہنے والا ہے۔ مجھے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ کاش جو فیصلہ ہو چکا تھا برقرار رہتا۔" اباقہ کی زبان سے ادا ہونے والے ان الفاظ نے شہزادی کو خوف کے اتھاہ سمندر میں ڈبو دیا۔ اس نے جس شخص کے ہونٹوں سے اب تک مایوسی کا ایک لفظ نہیں سنا تھا آج وہ بھی ناامیدی کی بات کر رہا تھا۔

شہزادی نے کہا۔ "اباقہ! ہم کیا کر سکتے ہیں' بتاؤ کیا کیا جا سکتا ہے؟"

اباقہ بولا۔ "کچھ نہیں۔ اب منصوبہ بندی کا وقت گزر چکا ہے۔ کچھ ہی دیر میں آپ کو تاتاریوں کے ہراول دستے دکھائی دینے لگیں گے۔ اب تو تلواریں ہیں اور بازو ہیں۔ زندگی اور موت کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔"

.... یکایک فصیل کے اوپر اور فصیل کے نیچے نقارے بجنے لگے۔ نقاروں کی آواز کے ساتھ ہی ہر طرف سنسنی پھیل گئی۔ اباقہ نے کہا۔ "شہزادی! میرا خیال ہے اب آپ کو

چلنا چاہیے۔"

اچانک شہزادی کی خوبصورت آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ نقارے تاتاریوں کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں اس نے ہاتھ بڑھا کر اباقہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ پھر رندھی آواز میں بولی۔ "اباقہ! ہم تم سے محبت کرتے ہیں .... جس گھڑی تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس گھڑی سے محبت کرتے ہیں۔" شرم سے شہزادی کا چہرا سرخ ہو رہا تھا۔ اباقہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔ نتاشا نے اباقہ کے ہاتھ چھوڑے اور منہ پھیر کر بولی۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

اباقہ نے پریشانی سے نتاشا کی طرف دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس موقعے پر کیا کہے۔ اس وقت نقاروں کی دھا دھم اور تیز ہو گئی۔ فصیل پر دور دور تک نقارے بجنے لگے تھے۔ اباقہ جیسے چونک گیا۔ اس نے شہزادی کو خدا حافظ کہا اور جلدی سے نیچے اتر آیا۔

☆ ☆ ☆

.... وہ فوج تھی یا ایک تند و تیز سیلاب تھا' لشکر تھا یا پگھلا ہوا لاوا تھا جو نشیب و فراز کو ایک کرتا فصیل کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ہزاروں گھوڑے تھے جو اپنے وحشی سواروں کو لیے آندھی کی رفتار سے قلعے کی طرف اڑے آ رہے تھے۔ سب سے آگے یاک کی نو دموں والا عسکری پرچم تھا اور اس کے پیچھے دنیا کی تیز رفتار ترین اور منظم ترین فوج تھی۔ اس فوج کا بیشتر حصہ منگولوں پر مشتمل تھا لیکن ان میں کچھ ترک بھی تھے' جو مدتوں سے مغربی ایشیا کے جنگلوں کے کنارے آباد چلے آتے تھے۔ کرغیز اور ایغوز بھی تھے اور خانہ بدوش ترکمان بھی' لیکن سب کے سب ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ ایک جسم کی طرح حرکت کرنے والے۔ سروں پر آہنی خود۔ جسموں پر چرمی زرہیں' ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے' جن کی برچھیوں کے نیچے گھوڑے کی دم کے بال لگائے گئے تھے۔ آنکھوں میں خون کی پیاس اور ہونٹوں پر وحشیانہ نعرے۔ وہ آج سب کچھ مٹا دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ ہراول سواروں اور ان کے گھوڑوں کے آہنی خود دوپہر کی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ دس دس کی اکائیوں پر مشتمل تھے۔ ہر اکائی ایک چھوٹی سی قیامت تھی اور ایسی لاتعداد قیامتیں ولادی میر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

اباقہ اسد کے ساتھ فصیل پر کھڑا تھا۔ اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ آنکھیں دور افق پر منگولوں کی آمد کا نظارہ کر رہی تھیں۔ غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ اپنی صدری کی جیب تک پہنچا .... اس جیب میں ریشمی زلفوں کی ایک لٹ تھی۔ اباقہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ لٹ نکالی اور غور سے دیکھنے لگا۔ اس لٹ سے اسے مارینا کی خوشبو آرہی تھی۔ مارینا جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ مارینا وہ عورت تھی جسے ہوش سنبھالنے کے بعد اباقہ نے پہلی بار چھوا تھا۔ اس کے ہاتھ پر مارینا کے رخسار کی گرمی امر ہو چکی تھی ..... ایک انمٹ مہر کی صورت ثبت ہو چکی تھی۔ اس نے کن انکھیوں سے اسد کو دیکھا۔ وہ اپنی کمان کا چلہ کس رہا تھا۔ بے اختیار اباقہ کا ہاتھ متحرک ہوا اور اس نے ان بالوں کو چوم لیا ایک خاموش صدا اس کے دل سے نکلی۔ "مارینا! اگر زندہ رہا تو تمہارا ہوں' اگر زندہ نہ رہا مجھے معاف کرنا۔"

لٹ دوبارہ جیب میں ڈال کر اس نے اسد کو دیکھا۔ منگولوں کے ہراول دستے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اباقہ نے کہا۔ "اسد! اگر ہم مارے گئے تو شہید کہلائیں گے یا نہیں۔"

اسد نے کہا۔ "اباقہ! ہم شہید کہلائیں گے۔ کیونکہ ہم رئیس اعظم کی خاطر منگولوں سے نہیں لڑ رہے۔ ہم انہیں مارنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یاد ہے سلطان جلال الدین نے کہا تھا اگر ہم سو کوس چل کر ایک منگول کو بھی ماریں گے تو ہمارا سفر رائیگاں نہیں ہوگا۔ زمین سے ایک مردود کا بوجھ کم کرنا بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اباقہ نے تلوار کا دستہ مضبوطی سے تھاما اور بولا ..... "خدا کی قسم آج میں اپنی تلوار کو منگولوں کے خون سے سیراب کروں گا۔"

اسد نے کہا۔ "آج تو میرا بھی دل چاہتا ہے کہ سب کچھ بھول کر منگولوں کی صفوں میں گھس جاؤں اگر سلطان کی جان لینے والے ملعون عبداللہ مشہدی کو ڈھونڈنے اور اس سے انتقام لینے کا خیال دل میں نہ ہوتا تو آج میں اپنے لیے شہادت کی موت طلب کرتا۔"

دونوں اپنے مورچے میں کھڑے منگول لشکر کو نزدیک تر آتے دیکھتے رہے۔ قلعے کی فصیل سے کوئی سو گز دور منگولوں کے ہراول دستے رک گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہراول دستوں کے پیچھے لشکریوں کے ٹھٹ لگ گئے۔ وہ ایک لاکھ سے زائد گھڑ سواروں کا لشکر جرار تھا۔ انہوں نے پوری مغربی فصیل کے ساتھ ساتھ صفیں باندھ لیں۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ تھوڑی ہی دیر میں زبردست ہلہ بول دیں گے۔ دوسری طرف فصیل پر موجود رودی آخری وقت بھی خود کو تسلیاں دے رہے تھے۔ اباقہ اور اسد کا "یک صدی" کماندار بار بار کہہ رہا تھا۔ "میرا خیال ہے منگول فوری حملہ نہیں کریں گے۔ وہ محاصرے کا ارادہ کر رہے ہیں۔" جب وہ یہ تجزیہ پیش کر رہا تھا اس کی آواز کپکپا رہی تھی اور چہرا سرسوں کی طرح زرد تھا۔ کماندار کا یہ حال تھا تو سپاہیوں کی کیفیت نامعلوم کیسی ہو گی۔ وہ

ایسے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح تھے جو شاخوں سے جھڑنے کے لیے ہوا کے ایک جھونکے کے منتظر ہوں۔

..... اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ منگول لشکر کے عقب میں موجود دیو ہیکل منجنیقوں نے اچانک قلعے پر گولہ باری شروع کر دی۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ فصیل کے اوپر اور شہر کے اندر ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ منوں وزنی گولے اور آتشیں مرتبان سنسناتے ہوئے آئے اور لرزہ خیز دھماکوں سے فصیل اور شہر پر گرنے لگے۔ یکایک جیسے کسی نے زلزلوں کو بے لگام چھوڑ دیا تھا۔ رودی فوج نے فصیل کے اوپر سے منگولوں کی ہلاکت آفریں منجنیقوں کو نشانہ بنانا چاہا مگر بدحواسی نے ان کی قوت ضرب سلب کر لی تھی۔ منگولوں کی جوابی گولا باری نے ان گنت رودی منجنیقوں کو آگ کا لباس پہنا دیا۔ فصیل پر ہر طرف آہ و بکا بلند ہونے لگی۔ اس دوران یہ خبر پھیل گئی کہ رئیس اعظم کا بڑا بیٹا گولا باری میں ہلاک ہو گیا ہے لشکریوں کے حوصلے اور پست ہو گئے۔ یہی وقت تھا جب منگولوں نے دوسری اور شدید ترین گولا باری کا آغاز کیا۔ ایسا لگا کہ آسمان سے یکایک آتش و سنگ کی بارش ہونے لگی ہے۔ فصیل پر جگہ جگہ آگ بھڑکنے لگی۔ ہر طرف گہرا سیاہ دھواں پھیل گیا۔ اس دھوئیں کی آڑ میں منگول لشکر نے پیش قدمی شروع کی۔ جونہی وہ تیروں کی زد میں آئے فصیل سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی' لیکن ان تیروں سے ہلاک ہونے والے منگول نہیں' رودیوں کے اپنے ہی ہم وطن تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں مفتوح علاقوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اب وہ منگول فوج کے آگے آگے چلتے ہوئے ان کے لیے سپر (ڈھال) کا کام دے رہے تھے (یہ منگولوں کا وطیرہ تھا کہ وہ مفتوح آبادیوں میں زبردست قتل عام کرتے تھے۔ صرف جوان عورتوں اور مردوں کو زندہ رکھا جاتا جو ان کے لیے افرادی قوت مہیا کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کو ہنکا کر لشکر کے ساتھ شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح مفتوح علاقوں میں کوئی متنفس باقی ہی نہیں بچتا تھا جو ان کی مزاحمت کر سکے یا بغاوت کا سوچ سکے۔ معمولی خوراک دے کر ان قیدیوں سے سخت ترین کام لیے جاتے تھے۔ پھر جب کسی دوسرے قلعے پر حملہ کیا جاتا تھا تو ان قیدیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ رودی فوج کے تیروں نے ان کے اپنے عزیزوں کے سینے ہی چھلنی کیے۔ ان کے تیروں نے اپنے ہموطنوں کا خون ہی اچھالا۔ منگول پیش قدمی کر کے فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ ان کے پُرجوش نعروں اور وحشیانہ چنگھاڑوں سے اہل شہر کے دل دہلے جا رہے تھے۔ گلیوں میں' چھتوں پر اور بازاروں میں دوزانو ہو کر سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ سانسوں کی گھنٹیاں پورے شہر میں گونج رہی تھیں۔ یکایک سینکڑوں کمندیں اچھل اچھل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فصیل پر گرنے لگیں۔ روسیوں نے نیچے جھانکا تو صحرائے گوبی کے وحشی زندگی اور موت سے بے پرواہ اوپر چڑھے آرہے تھے۔ کہیں نزدیک سے کوئی روسی سالار چیخا۔

"سپاہیو! انہیں روکو۔ اگر اب انہیں نہ روکا تو کچھ باقی نہ رہے گا۔ شاباش بہادرو جانیں لڑا دو۔ قوم کی مائیں اور بیٹیاں تمہاری جاں نثاری کے سہارے پر ہیں۔"

روسیوں نے منگولوں کو روکنے کے لیے واقعی جانیں لڑا دیں۔ سخت گولا باری اور تیر اندازی سے بے پرواہ ہو کر فصیل پر کھڑے ہو گئے اور اوپر چڑھتے ہوئے منگولوں کو نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگے ..... لیکن اوپر چڑھنے والے انسان کہاں تھے۔ وہ تو خونخوار چھپکلیاں تھیں یا زہریلے سانپ تھے جو پھنکار رہے تھے اور رینگتے آرہے تھے اور وہ ایک دو بھی نہیں تھے۔ سینکڑوں تھے لاتعداد تھے۔ عین اس وقت پر بڑے دروازے پر شہزادہ دوم نے چلا کر حکم دیا۔ مشرقی فصیل کے کمانڈر سے کمک طلب کرو۔ برق رفتار گھوڑے مشرقی حصے کی طرف بڑھے' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ قضا اہل شہر کو مہلت دینے کو تیار نہیں تھی۔ خونخوار شکلوں والے منگول' سینگوں والی آہنی خودیں پہنے اوپر چڑھ آئے۔ ان کے جسموں پر چرمی زرہیں تھیں اور ہاتھوں میں تیل میں ڈوبی ہوئی تلواریں یہ تلواریں نہیں تھیں۔ فرشتہ اجل کی آنکھیں تھیں جو بد حواس روسی سپاہیوں کو چن چن کر مار رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے منگولوں نے فصیل کے ایک حصے پر قدم جما لیے اور روسیوں کے سرپھرے ہوئے پھلوں کی طرح فصیل کے دونوں اطراف گرنے لگے۔

اباقہ اس وقت فصیل کے چوتھے دروازے پر برسرپیکار تھا۔ اس کی تلوار منگولوں کے درمیان بجلی کی طرح کوند رہی تھی۔ اس نے ڈھال پھینک دی تھی اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہا تھا۔ وہ وحشیوں سے وحشیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ ہر منگول اس کے لیے سردار بوغائی' اوغدائی یا چغتائی خاں تھا۔ وہ دیوانہ وار ان کا خون اچھال رہا تھا۔ اچانک اسے تلواروں کی ساعت شکن جھنکار کے درمیان اسد کی آواز آئی۔ وہ اسے مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ ایک منگول کا سر اڑا کر وہ تیزی سے اسد کی طرف لپکا۔ اسد ایک کمند کو فصیل سے نیچے پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کم از کم پانچ منگول اس کمند سے لٹکے ہوئے تھے۔ اباقہ اور اسد نے زور لگا کر کمند فصیل سے چھڑا دی۔ پانچوں منگول بلندی سے پتھریلی زمین پر گرے اور ہلاک ہو گئے۔ اس دوران اباقہ کی نظر ایک اور کمند پر پڑی وہ اسد کے ساتھ اس دوسری کمند کی طرف لپکا اور چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ یکایک ایک قیامت خیز شور نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انہوں نے گھوم کر دیکھا اور سکتے میں رہ گئے۔ جنوب کی طرف فصیل کے دو دروازے کھل گئے تھے اور منگول سیلاب کے سرکش ریلوں کی طرح

اندر گھس رہے تھے۔ پھر جنوب کی طرف بھی ایسے ہی آثار نظر آئے کہ منگول مڈی دل شہر میں داخل ہو گیا ہے۔ اباقہ اور اسد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور سمجھ گئے کہ اب "دلادی میر" میں بربریت اور سفاکی کی انتہا ہونے والی ہے۔ گلی چوں میں شیطان ننگا ہو کر ناچنے والا ہے ..... جو گناہ گار ہیں وہ بھی اور جو بے گناہ ہیں وہ بھی' سب ایک ہی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ وہ بھاگتے ہوئے فصیل کے زینوں تک پہنچے اور چھلانگیں لگاتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔

..... وہ جتنی رفتار سے بھاگ سکتے تھے بھاگے۔ ان کا رخ اپنے گھوڑوں کی طرف تھا۔ چند ہی لمحوں میں ان کے گھوڑے شہر کی لرزاں و خونچکاں گلیوں میں اڑے چلے جا رہے تھے۔ ان کا رخ شاہی محل کی طرف تھا۔ اچانک اباقہ نے مڑ کر دیکھا ان کے عقب میں ایک گھڑ سوار سرپٹ چلا آرہا تھا۔ اباقہ نے پہچان لیا یہ یورق تھا۔

منگول اب شہر کے گلی کوچوں میں دندنا رہے تھے۔ ان کے جتھے گھوڑوں سمیت حویلیوں میں داخل ہو جاتے اور پھر اندر سے چیخ و پکار اور آہ و فغاں کی آوازیں آنے لگتیں۔ اباقہ کے سامنے ایک حویلی کی بالائی منزل کا دریچہ کھلا اور اس میں سے ایک نوجوان عورت نے پہلے اپنے شیر خوار بچے کو پختہ زمین پر پھینکا پھر خود بھی چھلانگ لگا دی۔ اب دونوں ماں بیٹا جان کنی کے عالم میں تڑپ رہے تھے۔ دریچے سے منگول وحشیوں کے قہقہے بار بار جھانک رہے تھے۔ ایک اور مکان کی چھت پر ظالم و مظلوم میں زبردست جدوجہد ہو رہی تھی۔ ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا ایک نوجوان دوشیزہ سے چمٹا ہوا تھا جو شاید اس کی بہن تھی۔ دو منگول اسے بہن سے جدا کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی طور تیار نہیں تھا۔ آخر ایک منگول کی تلوار اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس نے پھر بھی نوجوان بہن کو درندوں کے حوالے نہیں کیا۔ جھلا کر ایک منگول نے بہن بھائی کو چھت سے نیچے دھکا دے دیا۔ دارالحکومت کی بد قسمت گھڑیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور منگول سورما بھوکے عقابوں کی طرح مال غنیمت پر جھپٹ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں حرص کے شعلے تھے اور ہاتھوں میں قاتل شمشیریں۔ ان کے چہروں پر لکھا تھا کہ جو ان کے اور مال غنیمت کے درمیان آئے گا وہ اس کے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ وہ قیمتی سامان اور نوجوان عورتوں کو کھینچ کھینچ کر گھروں سے نکال رہے تھے اور گھوڑوں پر ڈال کر یوں بھاگ رہے تھے جیسے آج اپنے خیموں کو اسباب شہر سے بھر دینا چاہتے ہوں۔ ایک قیامت وہ تھی جو فلک سے آتش و سنگ کی صورت برس رہی تھی اور ایک قیامت منگول گھوڑوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ جس طرف کا رخ کرتے وہاں لرزہ خیز چیخوں اور آگ کے شعلوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوا کچھ نہ بچا تھا۔ معصوم بچے گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔ لاچار بوڑھے تلوار کی دھار پر تھے اور بے سہارا عورتیں اور نہتے مرد جان و عزت بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ کوئی منت سماجت قابل قبول نہیں تھی۔ کوئی نالہ رسا نہیں تھا۔ بعین ماسکو کا تھا۔ وہی منظر دوہرایا جا رہا تھا لیکن اس دفعہ مظلوموں کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں تھی۔

اباقہ اسد اور یورق اندھا دھند گھوڑے بھگاتے چلے گئے۔ کہیں منگولوں سے کتراتے کہیں ان سے تلوار لڑاتے بالآخر وہ حضرت مریم کے گرجے تک جا پہنچے۔ منگولوں کا سیل بے اماں یہاں تک نہیں پہنچا تھا لیکن شہر میں اٹھتے ہوئے شعلے اور پتے کی طرح لرزاں زمین آنے والی خونی ساعتوں کا سارا احوال سنا رہی تھی۔ کلیسا کے بڑے دروازے پر جہاں حضرت مسیح کا ایک بہت بڑا مجسمہ صلیب پر نظر آ رہا تھا' اباقہ اسد گھوڑوں سے اترے اور بھاگتے ہوئے اندرونی حصے میں داخل ہو گئے۔ کلیسا کے در و دیوار جان لیوا دہشت سے کانپ رہے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں افراد ہاتھ پھیلائے گڑگڑا کر سلامتی کی دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔ ایک پُرگونج پکار تھی جو چار سُو پھیلی تھی۔ اباقہ اسد اور یورق روتے بلکتے لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے کلیسا کی عقبی جانب نکل آئے۔ یہاں انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ سینکڑوں افراد قطاروں میں بیٹھے اپنے سر منڈوا رہے تھے موت سر پر دیکھ کر وہ سب کچھ تیاگ دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ راہبانیت اختیار کرنا چاہتے تھے کہ شاید خدا اسی کے صدقے ان سے اپنا عذاب ٹال دے۔ ایک طرف شاہی خاندان کے افراد بھی نظر آ رہے تھے۔ سجیلی صورتوں والے خوبرو شہزادے جنہیں اپنے بانکپن پر ناز تھا اور وہ حسین نو خیز شہزادیاں جن کی زلفوں پر ریشم و کمخواب رشک کرتے تھے اور ضعیف بیگمات جو سادگی اور وقار کا مجسمہ تھیں' سب کے سب حجاموں کے روبرو گردنیں جھکائے سر منڈوا رہے تھے۔ سر مونڈنے والوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور منڈوانے والوں کی گردنیں لرزاں تھیں۔ ہر کوئی اس جلدی میں تھا کہ اس کا سر پہلے مونڈا جائے تاکہ وہ پہلے متقی اور پرہیزگار بن سکے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ توبہ کی مہلت ختم ہو چکی ہے عذاب کے دروازے کھل چکے ہیں اور قہر و غضب کے ہرکارے ملائکہ اجل کی اعانت کے لیے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

"نتاشا!" اباقہ حلق کی پوری قوت سے چیخا۔

"نتاشا!" اسد نے بھی پورے زور سے آواز دی۔

"میں یہاں ہوں۔" لوگوں کی چیخ و پکار سے ایک تیز نسوانی آواز ابھرتی ہوئی محسوس

ہوئی۔ یورق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ نتاشا ایک جگہ عورتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ اس کے ریشمی بال ایک حجام کے ہاتھوں میں تھے اور وہ اس پر طبع آزمائی کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ اباقہ بھاگتا ہوا نتاشا کے پاس پہنچا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے آیا۔

نفسا نفسی کے عالم میں کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ وہ تینوں نتاشا کو لئے ہوئے گرجے کے عقبی دروازے سے باہر نکل آئے ابھی بمشکل وہ چند گز دور گئے تھے کہ ایک خوفناک کڑاکا سنائی دیا۔ اسد نے کہا۔

"میرا خیال ہے منگول پہنچ گئے ہیں۔"

اباقہ بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو یہ صدر دروازے کے ٹوٹنے کی آواز تھی۔"

اس کے ساتھ ہی گرجے کے اندر سے ہولناک چیخیں سنائی دینے لگیں۔ اب وہاں رکنا فضول تھا۔ مظلومین کی قسمت پر آنسو بہاتے وہ تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئے۔ گھوڑے وہ گرجے کے صدر دروازے پر چھوڑ آئے تھے لہٰذا اب انھیں پیدل چلنا تھا۔ اباقہ اسد اور یورق کے ہاتھ میں عریاں تلواریں تھی۔ نتاشا خالی ہاتھ تھی اور ان کے درمیان چل رہی تھی۔ تاتاریوں کی غارت گر ٹولیوں سے پہلو بچاتے وہ اس عمیق پہاڑی نالے کی طرف نکل آئے جو دو مقامات پر شہر کی فصیل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ وہ نالے کی نزلی ڈھلوان پر پہنچے تو ایک پتھر کی اوٹ سے ٹھگنا سا سایہ نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ علی تھا۔ وہ کافی خوفزدہ نظر آتا تھا۔

اباقہ سے کہنے لگا۔

"بھائی جان! کیا شہر میں آگ لگ گئی ہے؟ کیا تاتاری اندر آ گئے ہیں؟"

اباقہ نے کہا۔ "تم یہ بتاؤ سب ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل" علی سر ہلا کر بولا۔ پھر کندھے پر لٹکی کمان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "اس کے ہوتے ہوئے آپ کو فکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میرا نشانہ بہت پکا ہے۔"

وہ چاروں آگے پیچھے چلتے ایک چٹان کی اوٹ میں پہنچے۔ یہاں ایک چھوٹی سی کشتی تیار کھڑی تھی۔ اس کشتی کا انتظام اباقہ اور اسد نے کل ہی کر لیا تھا۔ فصیل پر جانے سے پہلے وہ علی کو کشتی کی نگرانی کے لیے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ کشتی میں مویشیوں کا چارہ بڑے گٹھوں کی صورت میں پڑا تھا۔

نتاشا نے کہا۔ "کیا ہم اس کشتی میں سفر کریں گے؟"

اباقہ نے کہا۔ "ہاں.......... لیکن ابھی نہیں۔ اندھیرا ذرا گہرا ہو لے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ چاروں مل کر بہ آہستگی کشتی کو پانی تک لے آئے۔ کشتی میں دو بڑے بڑے تھیلے بھی تھے جن میں خشک راشن بھرا ہوا تھا۔ اس دوران ایک جانب گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ سب پتھر کی اوٹ میں ہو گئے۔ علی والا تیر کمان اب اباقہ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک پتھر کے عقب میں اوندھا لیٹا تھا اور اس کی عقابی نظریں بلندی پر مرکوز تھیں۔ گھوڑے اب بالکل کنارے پر پہنچ چکے تھے پھر انھیں ملگجے اندھیرے میں دو انسانی ہیولے نظر آئے۔ یہ ایک لڑکی اور لڑکا تھے۔ دونوں سخت گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے شاید انھیں خدشہ تھا کہ تاتاری ان کے تعاقب میں یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ اسد بلا وغیرہ پتھروں کی اوٹ سے نکل آئے اور آواز دے کر ان دونوں کو قریب بلا لیا۔ ان دونوں کے سروں سے محروم تھے اور گلے میں صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ نوجوان کے لباس پر خون کے چھینٹے تھے اور لڑکی کا رخسار زخمی تھی۔ زخمی رخسار اور سنڈھے ہوئے سر کے باوجود وہ قبول صورت نظر آرہی تھی۔ اس کا مطلب تھا وہ واقعی قبول صورت رہی ہوگی۔ ان دونوں کے چہرے ہلدی کے مانند زرد تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ گرجے میں موجود تھے جب تاتاریوں نے وہاں ہلہ بولا۔ انھوں نے تلوار کی زد میں آنے والے ہر شخص کو بے دریغ کاٹ کر رکھ دیا۔ کلیسا کے فرش متقولین کے خون سے سرخ ہو گئے اور تاتاریوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔

انھوں نے شاہی خاندان کے تمام افراد کو ایک جگہ جمع کیا اور بڑے بڑے کلہاڑوں سے ان کی گردنیں مار دیں۔

بلا فرق حسب ونسب اور رنگ ونسل عورتوں کی بے حرمتی کی گئی اور معصوم بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔

کلیسا میں موجود انسانوں کے جم غفیر میں سے جو چند خوش قسمت بچ کر نکل سکے ان میں یہ لڑکی لڑکا بھی شامل تھے۔ پہلے تو وہ کلیسا کے عقبی دروازے کے پاس خود کو مردہ ظاہر کر کے لاشوں میں پڑے رہے۔ پھر جب عورتوں اور بچوں کی ایک ٹولی بھرا مار کر دروازے سے نکلی تو وہ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ نوجوان کا لباس خون سے تر تھا۔ لڑکی کے رخسار پر ایسا نشان تھا جیسے کسی کتے نے کاٹ کھایا ہو۔ یہ نشان ایک لڑکی کے رخسار پر نہیں تھا بلکہ مہذب انسانیت کے رخسار پر تھا جو منگولوں کی حیوانیت کا شکار تھی۔ یہ جابر کی مہر مجبور کے چہرے پر تھی' یہ وحشت کی مشق تہذیب کے بدن پر تھی۔ ہاں یہ ایک زخم بے نہیں تھا' ایک خونی عہد تھا' ایک رقم داستان تھی' ایک تاریخی حادثہ تھا۔

..... اندھیر گہرا ہونے تک وہ انہی پتھروں میں چھپے رہے پھر کشتی پر سوار ہو گئے

بہاؤ کے رخ بہنے لگے۔ چپو سردار یورق نے سنبھال رکھے تھے۔ اباقہ اور اسد کشتی کے درمیان کھڑے دور مشرق کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کوئی ایک کوس آگے پہاڑی نالہ ایک تنگ درے کی صورت میں فصیل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اس مقام پر فصیل بڑے بڑے تنگی ستونوں پر ایستادہ تھی۔ تیرگی میں یہ مقام نظروں سے اوجھل تھا۔ مگر فصیل پر روشن مشعلیں نظر آرہی تھیں۔ دوپہر تک جاری رہنے والی بارش کے سبب نالے میں پانی کا بہاؤ خاصا تیز تھا۔ ابھرے ہوئے پتھروں سے کشتی کو بچانے کے لیے یورق کو جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی..... بالآخر وہ فصیل کے قریب پہنچ گئے۔ اس مرحلے سے گزرنا خاصا دشوار تھا۔ ان کے دل شدت سے دھڑک رہے تھے۔ اباقہ نے سب کو لیٹنے کی ہدایت کی اور خود بھی لیٹ گیا۔ یورق نے گٹھے کھول کر چادر ان کے اوپر اس طرح پھیلا دیا کہ وہ مکمل طور پر چھپ گئے جب وہ فصیل کے نیچے سے گزرنے لگے تو وہاں موجود محافظ تاتاریوں نے انھیں روک لیا۔

"کون ہے؟" ایک تاتاری نے فصیل کے اوپر سے اجڈ آواز میں پوچھا۔

یورق نے تلوار لہرا کر منگولی میں جواب دیا۔ "میں باتو کے توبان کا یک صدی سردار ہوں۔ اصطبل کے لیے چارا لایا ہوں۔"

کنارے پر کھڑے محافظوں نے مشعلوں کی روشنی کشتی پر ڈالی۔ یورق کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ لہٰذا محافظوں نے سمجھا کہ یہ منگول لشکری ہے اور اس نے وردی اتار رکھی ہے مطمئن ہو کر انھوں نے اسے آگے جانے کی اجازت دے دی۔ فصیل سے آگے وہ کوئی ایک کوس تک پہاڑی نالے میں سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی کشتی ابھرے ہوئے پتھروں میں اٹکنے لگی۔ انہوں نے کشتی چھوڑی اور گھٹنے گھٹنے پانی میں چلتے ہوئے نالے سے باہر آ گئے۔ وہ خطرے کی حدود سے آگے آچکے تھے۔ تباہ حال ولادی میر کی فصیل دور رہ گئی تھی۔ ابھی تک شہر میں کہیں کہیں شعلے اٹھ رہے تھے۔ فصیل کے اندر اور باہر منگول فتح کا جشن منانے میں مصروف تھے۔ اتنی دور سے بھی انہیں منگولوں کی ناچتی ہوئی مشعلیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس علاقے میں منگولوں سے مڈبھیڑ کا قوی امکان تھا لہٰذا انہوں نے اونچے اونچے برف پوش ٹیلوں میں نہایت احتیاط سے سفر شروع کیا۔ سب خاموش تھے۔ ان کے دل بچھڑنے والوں کی یاد میں آنسو بہا رہے تھے۔ ناتاشا کا حال زیادہ پتلا تھا۔ ماسکو میں اس نے اپنے چچا اور اپنی عزیز سہیلی کی قربانی دی تھی۔ یہاں اس کا پورا خاندان منگولوں نے گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا تھا۔ کٹنے والوں میں اس کے دونوں بھائی شہزادہ اول و دوم بھی شامل تھے۔ کچھ بھی تھا وہ آخر ان کی بہن تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا کلیجہ ان کے غم میں پھٹا جارہا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو یاد کرتے آنسو بہا رہی تھی۔ اب دنیا میں اس کا واحد سہارا اس کا باپ تھا...........''

.... رئیس اعظم کنیازیوری۔ جو دارالحکومت پر گزرنے والی قیامت سے بے خبر کسی جگہ منگولوں کے خلاف ہتھیار اور فوج جمع کرنے میں مصروف تھا.......... ''آہ میرے پیارے باپ۔'' نتاشا نے بڑے درد سے سوچا۔ ''آپ کہاں ہیں آپ کا گلشن اجڑ گیا پھول نوچ لیے گئے۔ کونپلیں پاؤں تلے روند دی گئیں۔ پودے جڑوں سے اکھاڑ لیے گئے۔ اے باغباں تو کہاں رہ گیا؟''

نوجوان لڑکا اور لڑکی بھی خاموش تھے۔ وہ دونوں بہن بھائی تھے۔ لڑکی بڑی تھی اور لڑکا چھوٹا۔ ان کا پورا گھرانہ اس یلغار میں کٹ گیا تھا۔ اس حادثے کا المناک پہلو یہ تھا کہ لڑکی اور لڑکے کا باپ جو ایک فوجی افسر تھا کئی برس کی گمشدگی کے بعد صرف دو ہفتے پہلے گھر واپس آیا تھا۔ وہ منگولوں کی پہلی یلغار میں گم ہو گیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ منگولوں کی دوسری یلغار تھی اس سے پہلے 1223ء میں بھی انہوں نے روس پر چڑھائی کی تھی لیکن زیادہ نقصان پہنچائے بغیر سرحدی علاقوں سے واپس چلے گئے تھے) ابھی وہ جی بھر کر اپنے بچھڑے باپ کی صورت بھی نہ دیکھ سکے تھے کہ اسے موت کے پردے نے ہمیشہ کے لیے چھپا لیا تھا۔ لڑکی کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اس کا نام ٹیزری کولت اور اس کے بھائی کا نام رائنل تھا۔

سخت سرد موسم میں انہوں نے شب و روز اپنا سفر جاری رکھا۔ کھانے کا سامان کافی نہیں تھا لیکن راستے میں اباقہ اور اسد نے شکار کا سلسلہ جاری رکھا جس سے انہیں خوراک کی کمی نہیں آئی۔ رات کو وہ بسیرے کے لیے کوئی نہ کوئی غار یا کھوہ تلاش کر لیتے۔ دن چڑھتے ہی اپنے پاؤں پر ''سوار'' ہو کر آگے بڑھنے لگتے۔ علی کی معصومانہ حرکتوں اور باتوں نے ان کے دلوں کا بوجھ بہت حد تک ہلکا کر دیا تھا۔ وہ ہر پل کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ اس کی زبان اور ہاتھ پاؤں اسی وقت ساکت ہوتے تھے جب وہ سو جاتا تھا بلکہ کبھی کبھار سوتے میں بھی کوئی تماشا کر جاتا تھا۔ ایک روز نصف شب کو وہ اٹھا اور نیند کے عالم میں تاتاریوں سے لڑائی شروع کر دی۔ ہوا میں خیالی تلوار چلاتا ہوا وہ نتاشا پر جا پڑا اور دست بدست لڑائی شروع کر دی۔ نتاشا چیختی ہوئی بیدار ہو گئی۔ اباقہ نے جھپٹ کر علی کو قابو کیا۔ اس کے گالوں پر چپت لگائے تاکہ وہ ہوش میں آسکے۔ ہوش میں آکر اس نے حیرت سے ارد گرد دیکھا اور اطمینان سے بستر پر پڑ کر سو گیا۔ صبح جب اباقہ نے اسے بتایا کہ رات اس نے کیا گل کھلایا ہے تو سخت پریشان ہوا اور جا کر نتاشا سے معافی مانگنے لگا۔ نتاشا نے مصنوعی خفگی

سے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا کان دکھایا جو لوکی طرف سے چر کر زخمی ہو گیا تھا۔ رات دست بدست ''لڑائی'' میں علی کی انگلی نتاشا کے بندے میں چلی گئی تھی جس کے سبب کان سے خون نکل آیا تھا۔

زخمی کان دیکھ کر علی کی سٹی گم ہو گئی۔ وہ چپ چاپ اباقہ کے پاس چلا آیا۔ اس روز سارا دن اس نے کوئی شرارت نہیں کی۔ اگلے روز بھی گم صم رہا۔ اباقہ کو شک گزرا شاید وہ بیمار ہے۔ اس نے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ اب وہ کوئی شرارت نہیں کرے گا۔ اس نے اپنی بے وقوفی سے شہزادی نتاشا کو تکلیف پہنچائی ہے۔ اباقہ نے یہ بات نتاشا کو بتائی تو وہ دلکشی سے مسکرا دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ علی کو اپنے پاس بٹھائے اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی۔ شہزادی کی مہربانی پر علی کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ ایک بار پھر چہکنے لگا۔ نتاشا نے اسے گود میں بھر کر سینے سے لگایا اور اس کا منہ چوم لیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ کن اکھیوں سے اباقہ کو دیکھ رہی تھی۔ اباقہ نے بھی یہ منظر دیکھا اور جلدی سے منہ پھیر لیا۔ اسے یاد تھا کہ اسی نتاشا نے ایک روز علی کے قریب بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر آج وہ اس کا منہ چوم رہی تھی شاید اس لیے کہ اباقہ علی سے پیار کرتا تھا اور وہ اباقہ کو پسند کرنے لگی تھی۔ اباقہ کے کان وہ الفاظ بھولے نہیں تھے جو منگول حملے سے قبل نتاشا نے گھوڑا گاڑی میں اس سے کہے تھے۔ ''اباقہ! ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔'' شاید انہی الفاظ کی باز گشت تھی جو نتاشا کی پلکوں کو ہر وقت جھکائے رکھتی تھی۔ جونہی اباقہ سے اس کی نگاہ ملتی تھی ایک شفق اس کے لب و رخسار کو ہم رنگ کر دیتی تھی۔

اباقہ نے علی کو آواز دی۔ ''علی ادھر آؤ۔'' وہ نتاشا کی گود سے نکلا اور زمین پر لیٹے سردار یورق کو پھلانگتا ہوا اباقہ کے پاس چلا آیا۔ اباقہ نے پوچھا۔ ''کیا باتیں ہو رہی تھیں۔''

وہ کہنے لگا۔ ''بھائی جان! شہزادی پوچھ رہی تھیں کہ ولادی میر میں جب توزن باغ نے سارے بچے بیچ دیے تھے تو تم اتنے روز بکنے سے کیسے بچ رہے؟''

علی بولا۔ ''میں نے کہا ایک تو میرا سر پھٹا ہوا تھا دوسرے جب بھی کوئی مجھے دیکھنے کے لیے آتا تھا' میں اپنا منہ یوں بنا لیتا تھا۔'' اس کے بعد علی نے اپنا منہ ٹیڑھا کر کے اس طرح اباقہ کو دکھایا کہ اسے ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ علی نے کہا۔

''بھائی جان! میں آج سے شہزادی نتاشا کے پاس سویا کروں گا۔''

اباقہ نے پوچھا۔ ''وہ کیوں؟''

علی بولا۔ ''اس لیے کہ انہیں رات کو ڈر لگتا ہے۔ آپ میرا تیر کمان مجھے دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیں۔ میں رات جاگ کر دونوں لڑکیوں کا پہرہ دیا کروں گا۔"

"دونوں لڑکیاں کون؟" اسد نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"یہی شہزادی نتاشا اور شیزی۔"

قریب سے یورق نے کہا۔ "کم بخت یہ لڑکیاں ہیں۔ تجھ سے تو تین گنا عمریں ہیں ا کی۔"

علی نے اکڑ کر کہا۔ "کچھ بھی ہے۔ ہیں تو عورتیں' مرد پھر مرد ہوتا ہے۔"

یورق نے کہا۔ "ٹھیک ہے "مرد" صاحب۔ تم لڑکیوں کا پہرہ دیا کرو' ہم سویا کریں گے۔"

..... اس رات جب انہوں نے ایک برباد شدہ فوجی چوکی کے کھنڈر میں بسیرا کیا علی واقعی پہریداری پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے اپنا بچھونا نتاشا اور شیزی کے قریب بچھا لیا او تیر کمان گود میں رکھ کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ کہنے لگا آپ سب سو جائیں۔ میں آج ساری رات جاگوں گا۔ پلک تک نہیں جھپکوں گا اور پہرہ دوں گا۔"

نتاشا اور شیزی اس کی باتیں سن سن کر مسکرا رہی تھیں۔ شیزی کولت نے مزاحیہ انداز میں کہا۔ "علی بھائی جان! اگر آپ کو نیند آ گئی تو؟"

یورق نے قریب سے لقمہ دیا۔ "اتنی حسین عورتوں کے پاس لیٹے ہوئے "مرد" کو نیند آ ہی نہیں سکتی۔"

شیزی تو یورق کی فارسی نہیں سمجھی لیکن نتاشا کے عارض گل رنگ ہو گئے۔ اس نے جھینپ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ علی کچھ دیر تو طمطراق سے بیٹھا رہا مگر پھر ابھی وہ سب جاگ ہی رہے تھے کہ اسے نیند نے آ لیا۔ اس کی پشت دیوار سے جا ٹکی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ نتاشا نے اسے سیدھا کر کے لٹایا ..... وہ صبح تک بلکہ دن چڑھے تک پاؤں پھیلائے سویا رہا۔ یہاں تک کہ ابلق کو اسے جھنجوڑ کر جگانا پڑا۔

☆------☆------☆

ان کا سفر برف زار میں بھٹکے ہوئے آہو کا سفر تھا۔ ایسا آہو جس کے عقب میں خونخوار بھیڑیے ہوں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کدھر جانا ہے۔ عقب میں منگول تھے اور سامنے برفانی وسعتیں۔ نتاشا کا قیاس تھا کہ رئیس اعظم سٹ کے شہر میں موجود ہیں۔ اس قیاس تھا کے سہارے وہ اندازے سے سٹ کی سمت رواں تھے' مگر پانچویں روز انہیں اندازہ ہوا کہ وہ راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ یہ حقیقت نہایت حوصلہ شکن تھی کہ ایک نیم دائرے میں سفر کرتے ہوئے وہ پھر دلادی میر کی سمت جا رہے تھے۔ اس روز انہوں نے

دوپہر کے وقت ہی سفر کا سلسلہ منقطع کر دیا اور ایک کشادہ غار میں ڈیرے ڈال دیے۔ خوراک تقریباً ختم ہو چکی تھی اور برفانی طوفان کے آثار بھی تھے۔ رائیل اور علی کو نتاشا اور شیزی کولت کے پاس چھوڑ کر ابلق اسد اور یورق شکار کی تلاش میں نکلے' ان کی واپسی شام سے ذرا پہلے ہوئی۔ دونوں شکار ڈھونڈنے میں ناکام رہے تھے۔ ان کے خالی ہاتھ دیکھ کر سب کے چہرے پر مایوسی دوڑ گئی۔ مگر ابھی ایک امید باقی تھی۔ ابلق واپس نہیں آیا تھا۔ ممکن تھا اسے کہیں شکار مل جاتا۔ موسم اب بے حد خراب ہو چکا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے برف باری بھی شروع ہو گئی۔ سب ابلق کے بارے پریشان ہونے لگے۔ خاص طور پر نتاشا کی آنکھوں سے سخت بے قراری جھانک رہی تھی۔ اس کی نظریں بار بار غار کے دہانے پر رکھے پتھر کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ پژمردہ چہرے کی دھوپ پر اضطراب کی چھاؤں نے عجیب رنگ بکھیر دیے تھے۔ اس کے سفید موتیوں جیسے دانت بے خیالی میں بار بار احمریں لبوں کو کاٹ رہے تھے۔ انجانے اندیشے سبھی کے ذہنوں میں اُگ آئے تھے۔ کہیں اس کی مڈبھیڑ تاتاریوں سے نہ ہو گئی ہو ..... کہیں اسے بھیڑیوں نے نہ گھیر لیا ہو۔ اس برف زار میں گام گام پر ایسے اندھے کنویں بھی موجود تھے کہ جن کے دہانوں کو برف کی پتلی تہہ نے ڈھانپ رکھا تھا۔ قدم پڑتے ہی انسان غار قضا میں جا گرتا تھا۔

غار سے باہر طوفانی ہوائیں چنگھاڑنے لگی تھیں۔ آخر اسد بے قرار ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا اور دہانے کی طرف چل دیا لیکن ابھی وہ دہانے سے دور ہی تھا کہ باہر سے انسانی آواز سنائی دی۔ طوفان کے شور میں لپٹی ہوئی یہ آواز ان کے لیے مژدہ جاں فزا تھی۔ اسد اور یورق نے آگے بڑھ کر دہانے پر رکھا ہوا وزنی پتھر ایک جانب کھسکا دیا۔ شام کے جھٹ پٹے میں ابلق دہانے پر کھڑا تھا مگر وہ بھی خالی ہاتھ تھا۔ اس کے کندھے پر شکار کا بوجھ نہیں تھا۔ انہیں قدرے مایوسی ہوئی مگر اس مایوسی کی حیثیت اس طمانیت کے ساتھ کچھ نہ تھی جو انہیں ابلق کو صحیح سلامت دیکھ کر حاصل ہوئی تھی۔

"اندر آ جاؤ ابلق!" یورق نے کہا۔

مگر ابلق اپنی جگہ کھڑا رہا۔ تب یورق نے ہاتھ کی مشعل ذرا بلند کی اور نتاشا شیزی کے حلق سے ایک ساتھ چیخ نکل گئی۔ ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ اندر آنے والا شخص ابلق کی بجائے ایک خونخوار منگول ہو گا۔ مشعل کی روشنی میں اس کی آنکھیں زہریلے ناگ کی طرح چمک رہی تھیں۔ پھر اس سے پہلے کہ یورق یا اسد میں سے کوئی اس پر جھپٹتا وہ واپس مڑا اور چلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسد نے پوری رفتار سے اس کا تعاقب کیا۔ منگول نے بھاگتے بھاگتے اپنی کمان پر تیر چڑھایا اور ہوا میں چھوڑ دیا۔ یہ چھدے ہوئے منہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا مخصوص تیر تھا۔ ایسے تیروں سے سیٹی کی تیز آواز برآمد ہو کر منگولوں کو خطرے سے آگاہ کرتی تھی۔ اسد نے بھاگتے بھاگتے اپنا نیزا منگول کی پشت میں گھونپ دیا۔ وہ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ اوندھے منہ برف پر گرا اور جان کنی میں تڑپنے لگا۔ تاہم مرتے مرتے وہ اپنا کام کر گیا تھا۔ اسد نے دیکھا کہ نشیب میں کم از کم چالیس گھڑ سوار برف کی چادر پر سیاہ عفریتوں کی طرح غار کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اسد نے اندازہ لگایا کہ یہ شکاری ہیں جو منگول لشکر سے علیحدہ ہو کر تفریح طبع کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔ وہ مڑا اور پوری قوت سے بھاگتا ہوا غار میں پہنچا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے یورق اور رانیل کے ساتھ مل کر پتھر غار کے دہانے پر برابر کرنے کی کوشش کی۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ منگول حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ان کی وحشت ناک چیخیں غار میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ہر لحہ قریب آرہے تھے ابھی انہوں نے پتھر ٹھیک طرح برابر نہیں کیا تھا کہ منگول سواروں نے ہلّہ بول دیا۔ غار میں داخل ہونے کے لیے وہ پتھر کو اندر کی طرف دھکیلنے لگے۔ اسد' یورق اور رانیل اندر سے زور لگا رہے تھے۔ پتھر کا اپنا وزن بھی ان کے پلڑے میں تھا۔ مگر کثرت تعداد نے پلڑا منگولوں کی طرف جھکا دیا۔ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ وزنی پتھر غار میں لڑھک آیا۔ اس کے ساتھ ہی نتاشا اور شیزی کی چیخیں غار میں گونجیں۔ اسد نے اللہ اکبر کا نعرہ مستانہ بلند کیا اور ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ یورق اور رانیل نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ منگول جو انہیں روند کر اندر آجانا چاہتے تھے' دہانے سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس وقت اسد نے دیکھا کہ شہزادی نتاشا بھی تلوار سونت کر دشمن کے مقابلے میں آگئی ہے۔ ان لمحوں میں وہ واقعی کسی ملک کی پُرجلال ملکہ دکھائی دے رہی تھی۔ ایک منگول نے اس کا تند وار ڈھال پر روک کر اس کی تلوار والی کلائی تھام لی۔ مگر اس لمحے عقب سے علی برآمد ہوا اور نہایت بے خوفی سے اس نے ایک تیر منگول کی پشت میں داخل کر دیا۔ ایک گز کے فاصلے سے چلایا ہوا تیر منگول کو راہی عدم کر گیا۔ مگر اس دوران اور منگول تلواریں سونت کر اندر گھس آئے اور لڑائی کا پانسا ان کے حق میں پلٹ گیا۔ ایک منگول نے علی پر تلوار کا وار کیا اور وہ اپنی کمان سمیت اچھل کر آگ کے قریب گرا۔ ایک دوسرے منگول نے نہایت درندگی سے شیزی کے بھائی رانیل کا سر تن سے جدا کر دیا۔ چار صحت مند منگولوں نے بوڑھے سردار یورق کو گھیر لیا ..... یہی وہ وقت تھا جب اباقہ ایک پہاڑی بکرا کندھے پر لادے غار کی طرف واپس آرہا تھا۔ اس نے نشیب سے دیکھا کہ گھڑ سوار تاتاریوں نے دہانے کو گھیر رکھا ہے اور پُرآشوب برفانی ہوا پر تلواروں کی جھنکار تیر رہی ہے۔ اس نے شکار برف پر پھینکا اور تلوار نکال کر غار

کی طرف لپکا۔ چند گز آگے اسے ایک خالی گھوڑا نظر آیا۔ گھوڑا اسی سوار کا تھا جسے اسد نے نیزا مار کر ہلاک کیا تھا۔ اباقہ زقند لگا کر گھوڑے پر بیٹھا اور تند بگولے کی طرح ڈھلوان پر چڑھتا چلا گیا۔ بلندی پر پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ غنیم تعداد میں کافی زیادہ ہے اور اس نے اسد' یورق وغیرہ کو گھیرا ہوا ہے۔ تب اس کی نگاہ ایک قریب اندام منگول پر پڑی اور وہ پہچان گیا۔ یہ بودی تھا' چغتائی خاں کا سگا اور ماریٹا کا سوتیلا بیٹا۔ نہایت سفاک اور خونخوار کسی عام آدمی کے لیے اس کی دید ہی موت تھی' مگر اباقہ کے لیے اس کی دہشت خباثت اور طاقت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے چلا کر بودی کو آواز دی۔ یہ آواز زور پکڑتے طوفان کی ہم نوا ہو کر برف پوش ٹیلوں میں گونجتی چلی گئی۔

"بودی! میں یہاں ہوں۔ پہچان مجھے۔ میں اباقہ ہوں۔ تیرے باپ کی عزت کا قاتل۔"

"تیرے باپ کی عزت کا قاتل۔" یہ الفاظ بازگشت بن کر ٹیلوں میں گونجے۔ تاتار بودی نے گھوم کر اباقہ کی طرف دیکھا۔ اس کی تلوار خود بخود نیام سے باہر آگئی۔ یقینی بات تھی کہ وہ اباقہ کی آواز پہچان گیا ہے۔ اباقہ نے نے مزید یقین دہانی کے لیے اپنی ٹوپی سر سے اتار کر ہاتھ میں لے لی۔ اس کے دراز گیسو برفانی ہوا میں لہرائے اور نیم تاریکی میں اس کا ہیولا صاف پہچانا جانے لگا۔ بودی کی مضطرب آواز طوفان کا شور چیرتی چلی گئی۔

"پکڑو اس بدبخت کو۔ خبردار' جانے نہ پائے۔"

اباقہ نے گھوڑا موڑا اور ٹیلے سے اتر کر مخالف سمت میں بھاگا۔ منگولوں نے مخصوص جنگی نعرے کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ اباقہ نے گھوم کر دیکھا غار کا دہانہ اب خالی تھا وہ حملہ آوروں کی نصف سے زائد تعداد کو اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب رہا تھا۔ قدرے مطمئن ہو کر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی' اور برفانی بھول بھلیوں میں داخل ہو گیا۔ برف پوش زمین پر گھوڑوں کی ٹاپیں کسی شادیانے کی دھما دھم پیدا کر رہی تھیں ..... یہ موت کا شادیانہ تھا ایک ٹھٹھری ہوئی یخ بستہ موت کا تعاقب ایک ٹھٹھری ہوئی یخ بستہ موت کر رہی تھی۔ اباقہ کے پیچھے بیس گھڑ سوار سیل بلاخیز کی طرح لپکے چلے آرہے تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ صحراؤں اور برف زاروں کا ہمراز ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔

وہ انہیں پہلے سیدھا بھگاتا چلا گیا۔ پھر ایک موڑ پر اس نے دفعتاً گھوڑا روک لیا۔ منگول شکاری کتوں کی طرح اس کے پیچھے آرہے تھے۔ پھر ٹاپوں کی دھما دھم یکایک تبدیل ہو گئی۔ آہنگ کی یہ تبدیلی ایک زبردست حادثے کی خبر دے رہی تھی۔ گھوڑوں کے سموں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نیچے اب ٹھوس برف نہیں عمیق اور جان لیوا خلا تھا۔ مگر گھڑ سوار جوش تعاقب میں اس تبدیلی کو خاطر میں نہیں لائے۔ یکایک ایک گونج کے ساتھ پانچ گھڑ سوار نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کی آخری چیخیں اور ان کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ طوفان کے شور میں اسی طرح دب گئی جس طرح وہ خود برف کی گہرائیوں میں دفن ہوئے۔ باقی گھڑ سواروں نے فوراً گھوڑے روکے اور غضبناک ہو کر اباقہ پر ٹوٹ پڑے۔ اباقہ جو قدرے بلندی پر تھا کوہ ہی ندی کی طرح پھنکار کر ان پر جھپٹا اور پہلے حملے میں دو منگولوں کو برف پر لمبا لٹا گیا۔ ان کے گھوڑے اچھلتے ہوئے بھاگے اور بدقسمتی سے وہ بھی اسی برفانی غار میں جا گرے۔ چغتائی کے بیٹے بودی نے ایک ساتھی کے ساتھ عقب سے اباقہ پر حملہ کیا۔ یہ ایک شدید حملہ تھا۔ اگر اباقہ عقب سے ہوشیار نہ ہوتا تو بودی کا وزنی کلہاڑا اس کا سر توڑ چکا تھا مگر اباقہ نے نہ صرف اپنا سر بچایا بلکہ سنبھال سے بودی کے گھوڑے کی کنپٹی پر ایسی خوفناک ضرب لگائی کہ وہ اپنی زبان میں اللاں پکارتا اسی برف کی طرف بھاگا جس کے نیچے عمیق گڑھا پانچ انسانوں اور سات گھوڑوں کو نگل چکا تھا۔ بودی نے جب یہ دیکھا کہ گھوڑا اسی گڑھے کی طرف لپکا جا رہا ہے اور روکنے کے باوجود نہیں رکتا تو اس نے نہایت بدحواسی میں نیچے چھلانگ لگا دی۔ یہ گھوڑا بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ اس دوران اباقہ نے نہایت برق روی سے حملہ کر کے دو منگولوں کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ پھر کمال شجاعت اور بے خوفی سے اس نے منگول شہسواروں کا گھیرا توڑا اور بلا کی تندی سے ایک جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ بودی نے ساتھیوں کو للکار کر اس کے تعاقب کا حکم دیا۔ یخ بستہ اندھیرے میں مہلک برف پر ایک بار پھر موت نے موت کا تعاقب شروع کر دیا۔ اباقہ اوندھا ہو کر اپنے گھوڑے کی گردن سے چپکا ہوا تھا۔ گاہے گاہے سنسناتے تیر اس کے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ پھر جونہی اس نے ایک موڑ پر اپنا رخ تبدیل کیا۔ گھوڑا کربناک انداز میں ہنہنایا اور اچھل کر رہ گیا۔ ایک تیر اس کی گردن میں پیوست ہو چکا تھا۔ مگر وفادار جانور نے ایک نازک موقعے پر اپنے سوار کو مشکل میں نہیں ڈالا۔ گھائل ہونے کے باوجود اباقہ کے اشارے پر وہ بھاگتا چلا گیا..... اب وہ دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ برفانی طوفان شدت اختیار کر چکا تھا۔ اچانک اباقہ کی نگاہ دائیں جانب بلندی کی طرف اٹھ گئی' ایک دیوہیکل برفانی تودہ گونج دار آواز میں پھسلتا ہوا نیچے آ رہا تھا' ان ڈھلوانوں پر ایسے تودے ہمہ وقت پھسلتے رہتے تھے لیکن یہ ایک بہت بڑا تودہ تھا۔ اباقہ کا جسم سنسنا گیا۔ وہ جس درے سے گزر رہا تھا۔ تودے کو وہیں آ کر گرنا تھا۔ ایک ساعت کے اندر اندر اباقہ کو فیصلہ کرنا تھا کہ وہ رکے یا نکل جائے۔ پھر اس کی سیماب طبعی نے اسے آگے بڑھنے پر اکسایا۔

وہ بغیر رکے دندناتا ہوا درے میں لپکتا چلا گیا۔ ڈھلوان پر پھسلتا ہوا تودہ مہیب گڑگڑاہٹ سے نشیب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گھوڑا بھی جیسے ان ساعتوں کی قدر و قیمت جان چکا تھا۔ وہ جسم و جان کی پوری طاقت سے اڑا چلا جا رہا تھا۔ بالآخر وہ درے سے صاف نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پر ہول گڑگڑاہٹ سے ڈھیروں برف نے درے میں گر کر اسے مسدود کر دیا۔ اباقہ جانتا تھا بودی اور اس کے ساتھی تودہ گرتے دیکھ کر پیچھے ہی رک گئے تھے ..... مگر جب اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک گھڑ سوار چند قدم کے فاصلے پر نظر آیا اس کا گھوڑا بھی اباقہ کے گھوڑے کی مانند بری طرح ہانپ رہا تھا۔ یہ ایک دراز قد منگول تھا جو جوش تعاقب میں اباقہ کے ساتھ ہی اس طرف نکل آیا تھا۔ اب وہ اپنے عقب میں دیکھ دیکھ کر بدحواس ہو رہا تھا۔ اس کے عقب میں سوائے برف کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اسے تنہا جنگجو شخص کا مقابلہ کرنا ہو گا۔

اباقہ نے گھوڑا گھمایا اور تلوار سونت کر اس کے مقابل آ گیا۔ اس طوفانی شام کے جھٹ پٹے میں وہ گہری نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ اچانک منگول نے شکستہ آواز میں کہا۔ "اباقہ! میں نے تمہارے بارے بہت کچھ سنا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم جیسے شجاع سے معرکہ آرائی کروں۔ بلکہ میں اس قابل ہی نہیں کہ تم سے لڑ سکوں۔"

اباقہ سمجھ گیا کہ مدمقابل اس سے جان بخشی کی درخواست کر رہا ہے مگر وہ کسی صورت اسے معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے نہایت سفاکی سے کہا۔ "تلوار سنبھال منگول زادے تیری جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ تو مجھے مار ڈالے۔"

منگول کو جان کے خوف نے گھگیانے پر مجبور کر دیا۔ وہ بولا۔ "اباقہ مجھے مار کر تجھے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر تو چاہتا ہے تو میں یہ گھوڑا خود تجھے دے دیتا ہوں۔"

اباقہ غرایا۔ "ذلیل انسان! تیری کوئی پیشکش میرا ارادہ نہیں بدل سکتی۔ میں زمین سے ایک مردود کا بوجھ ضرور کم کروں گا۔"

وہ تیر کی طرح منگول کی طرف لپکا اور حملہ آور ہو گیا۔ منگول نے آخری کوشش کے طور پر دیوانہ وار تلوار چلائی لیکن وہی ہوا جو وہ پہلے سے جانتا تھا۔ دفعتاً اباقہ کی شمشیر بے اماں برق کی مانند اس کے بائیں پہلو پر گری اور اسے پیٹ تک کاٹ گئی۔ وہ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ برف پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

اباقہ نے منگول کی طرف سے فارغ ہو کر اپنے گھوڑے کا جائزہ لیا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ اباقہ کو اس کی مدد کا صرف ایک ہی راستہ سجھائی دیا۔ اس نے بڑے پیار سے اس کی گردن تھپتھپائی پھر دل کڑا کر کے وزنی تلوار کا ایک بھرپور وار اس کی گردن پر کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرکات کر رکھ دیا۔ بے زبان جانور برف زار میں سسک سسک کر مرنے کی اذیت سے بچ گیا تھا۔

درہ بند ہو چکا تھا اور متعاقب دستے کی طرف سے اب کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اباقہ نے اطمینان سے دونوں گھوڑوں کی خرجینیں (چمڑی تھیلے) دیکھیں۔ ایک خرجین سے چند تیروں اور ایک بوسیدہ کمبل کے سوا کچھ نہ ملا لیکن دوسری خرجین میں خشک گوشت کا ایک ٹکڑا ایک رکابی اور مشعل موجود تھی۔ یہ گوشت کمبل اور مشعل اس یخ سردی میں بڑے کام کی اشیاء تھیں۔ اباقہ نے یہ چیزیں مقتول منگول کے گھوڑے پر رکھ لیں اور آگے روانہ ہو گیا۔

ضروری تھا کہ وہ جلد سے جلد کسی سائے میں پہنچے ورنہ یہ بے مہر سردی اس کا خون رگوں میں منجمد کر سکتی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ ساتھیوں سے کئی کوس آگے نکل آیا ہے۔ اس موسم اور تیرگی میں ان کا کھوج لگانا کار دارد تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ کہیں ٹھہر کر سویرے کا انتظار کرے۔ پُر ہول ویرانے میں گھوڑے کو آہستہ آہستہ ہانکتا وہ مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ برف باری اب اتنی شدید ہو گئی تھی کہ اسے بار بار اپنے کندھے جھاڑنے پڑ رہے تھے۔ بھوک کسی نوکیلے خنجر کی طرح اس کے پیٹ میں اتری ہوئی تھی۔ اس نے خرجین میں ہاتھ ڈالا تاکہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ایک دو نوالے کھا سکے' لیکن پھر اچانک اسے اندازہ ہوا کہ کچھ بلندی پر ایک چٹانی سائبان موجود ہے۔ اس موسم میں یہ سائبان نعمت غیر مترقبہ تھا۔ اباقہ نے خرجین بند کر دی اور گھوڑے کو بلندی کی طرف موڑ دیا۔ وہ نظروں نظروں میں سائبان کی موزونیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ یکایک ایک آواز سن کر چونک گیا۔ اگر اس کی سماعت نے اسے بدترین دھوکا نہیں دیا تھا تو یہ انسانی آواز تھی۔ اس ہولناک اور جان لیوا ویرانے میں کسی انسان کی موجودگی نہایت سنسنی خیز تھی۔ اباقہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے کان آواز کی سمت متعین کر رہے تھے کہ دوبارہ وہی آواز سنائی دی۔ کوئی پُر درد لہجے میں کراہا تھا۔ اباقہ گھوڑے کو موڑ کر آواز کی سمت آیا۔ تاریکی میں برف کی سفید چادر پر اسے ایک سیاہ دھبہ دکھائی دیا۔ وہ جست لگا کر گھوڑے سے اترا۔ ایک انسان بے حس و حرکت پڑا دھیرے دھیرے برف کی قبر میں دفن ہو رہا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر چند گز دور اس سائبان تک ہی پہنچ جائے۔ شاید وہ اسی سائبان تک پہنچنے کے لیے اس طرف آیا تھا مگر نصف بلندی پر پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اباقہ نے خرجین سے مشعل نکال کر جلائی اور اس کی روشنی میں نیم مردہ شخص کا چہرہ دیکھا۔ یکایک اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا

کہ اس برفستان میں اس شخص سے ملاقات ہو سکتی ہے ..... اس کے سامنے طوطم خاں تھا۔ طوطم خاں جو نہ صرف منگول ہونے کی حیثیت سے اس کا دشمن تھا بلکہ رقیب ہونے کی بنا پر بھی واجب القتل تھا۔ اباقہ عالم استعجاب میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ طوطم اپنے گردو پیش سے مکمل طور پر بے خبر تھا۔ ہاں کبھی کبھی غنودگی یا بے ہوشی کے عالم میں اس کے ہونٹوں سے ایک دردناک کراہ نکل جاتی تھی۔

اباقہ چند لمحے سوچتا رہا' پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کا دشمن جاں اور رقیب روسیاہ بے بسی کے عالم میں موت سے دو چار تھا۔ اسے مارنے کے لیے اباقہ کو کسی تردد کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاتھ تک ہلانے کی حاجت نہیں تھی۔ وہ صرف اپنے راستے پر آگے بڑھ جاتا' یہی عمل طوطم کی موت تھا ..... مگر کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ یہ سوال ایک گونج بن کر اس کے پورے جسم میں پھیل گیا۔ وہ کچھ دیر بے حرکت کھڑا سوچتا رہا۔ اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا۔ جب عراق چھوڑنے سے پیشتر ایک رات مارینا اور اباقہ چاندنی رات میں راز و نیاز کر رہے تھے اور طوطم وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے تلوار مارینا کے سامنے پھینک کر کہا تھا' مارینا مجھے قتل کر دو ورنہ میں تم دونوں کو چین سے نہیں رہنے دوں گا۔ مارینا نے اس وقت نگاہیں جھکا لی تھیں۔ اباقہ جانتا تھا مارینا نے ایسا کیوں کیا۔ ایک طرح اس نے طوطم کی شیطانیت میں ایک کرن کی طرح چمکنے والی انسانیت کا اعتراف کیا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ طوطم نے اپنے تمام تر ظلم و ستم کے باوجود مارینا سے شرافت کا سلوک کیا تھا۔ لاتعداد شب و روز ایسے گزرے تھے جن میں مارینا مکمل طور پر اس کے بس میں تھی۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی حیوانیت کی تسکین کر سکتا تھا۔ مگر اس نے مارینا کو اس کی رضامندی سے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی یہی ایک خوبی اس کی تمام برائیوں کو پس منظر میں دھکیل دیتی تھی۔

..... اباقہ جھکا اور اس نے اپنے جان بلب دشمن کو کندھے پر ڈال لیا۔ ایسا کرتے ہوئے طوطم کے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ بری طرح کراہنے لگا۔ تب اباقہ کو اندازہ ہوا کہ وہ شدید زخمی ہے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں بھی جھنجھنا رہی تھیں۔ اباقہ نے اسے کندھے پر ڈال کر دوسرے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام تھامی اور برفانی ہوا کے تھپیڑے سہتا سائبان کی طرف بڑھنے لگا۔

☆------☆------☆

رات کا پچھلا پہر تھا۔ ایک تواتر سے گرتی ہوئی برف سنسان تاریکی کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ یہ برف نظر نہیں آتی تھی لیکن اس کی سرسراہٹ محسوس کی جا سکتی تھی۔ جیسے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نازنین ریشمی اندھیرے میں بستر پر کروٹ بدلے یا جیسے تاریک آسمان پر کوئی پرندہ اپنے پروں کو جنبش دیتا گزر جائے..... یہ سائبان جہاں اباقہ نے پناہ لے رکھی تھی کسی غار کی طرح محفوظ و کشادہ تھا۔ ایک پتھر کی آڑ میں اباقہ نے مشعل فروزاں کر دی تھی' پھر طوطم کو مقتول منگول کا کمبل اچھی طرح لپیٹ دیا تھا۔ رات کے تیسرے پہر طوطم نے آنکھیں کھولیں تو اباقہ نے گوشت کے چھوٹے ٹکڑے کر کے اسے کھلائے۔ اپنے قریب جلتی مشعل کو دیکھ کر وہ حیران ہوا' پھر اس کی نظر اباقہ پر پڑی اور وہ ششدر رہ گیا۔ اباقہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہراس کا نظر آنا حسب حال تھا..... لیکن اب جب کہ رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا' طوطم کا خوف کافی حد تک دور ہو گیا تھا۔ اباقہ نے اسے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح وہ اسے برف میں پڑا ملا۔ جواباً طوطم خاں نے نحیف آواز میں اپنی کہانی سناتے ہوئے کہا۔

"میں منگول لشکر کے سالار اعظم باتو خاں کو قتل کرنے پہنچا تھا لیکن گرفتار ہوا۔ جب منگول دارالحکومت پر حملہ آور ہوئے تو میں ایک قیدی کی حیثیت سے عقبی خیموں میں تھا۔ لڑائی کے دوران اتفاقاً ایک آتشیں گولا اس چھکڑے پر گرا جس کے نیچے میں' میں موجود تھا۔ چھکڑا بان سمیت تین محافظ ہلاک ہو گئے۔ میرا ایک بازو بھی آتشیں دھماکے سے اڑ گیا۔ افراتفری کا فائدہ اٹھا کر میں نے منگول لشکر سے بھاگنے کی کوشش کی اور کامیاب رہا۔ بیڑیوں سمیت میں ایک گھوڑے کی پشت پر اوندھا لیٹ گیا اور لشکر سے باہر نکل آیا مگر اس سے پہلے کہ میں محفوظ فاصلے پر پہنچتا کچھ سپاہیوں نے مجھے دیکھ لیا اور رزم گاہ چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئے۔ میرا مشکی گھوڑا مجھے بلا کی رفتار سے اڑا کر لشکر سے دور لے آیا۔ منگول سپاہیوں سے بچنے کے لیے میں پورے آٹھ پہر گھوڑے کو برف میں بھگاتا رہا۔ بالآخر وہ بے دم ہو کر گرا اور دوبارہ اٹھ نہ سکا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور بازو شدید زخمی تھا لیکن میں باتو خاں کے سپاہیوں کے ہاتھوں ذلت ناک موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں خود کو گھسیٹتا ہوا آگے بڑھتا رہا....." طوطم خاں نے رک کر گہری سانس لی اور بولا۔ "..... اب میں دو روز سے بھوکا پیاسا اس ویرانے میں بھٹک رہا ہوں۔ منگول سپاہی موت کی طرح میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد بیس کے قریب ہے اور وہ دو ٹولیوں میں بٹے ہوئے اس پہاڑ کے دامن میں موجود ہیں۔ کل شام' طوفان شروع ہونے سے پہلے وہ میرے بہت قریب پہنچ گئے تھے مگر پھر شدید برف باری نے مجھے ان کی نظروں سے بچا لیا۔ میں بھوک سے نیم جان تھا۔ برف باری سے بچنے کے لیے اس سائبان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ چکرا کر گر گیا۔

طوطم خاں کی پوری کہانی سننے کے بعد اباقہ نے احتیاط سے اس کے زخموں کا معائنہ کیا۔ اس کا بازو کہنی کے اوپر سے غائب تھا۔ طوطم خاں نے زخم پر مٹی تھوپ رکھی تھی۔ سخت سردی کے سبب خون خود بخود رک گیا تھا۔ طوطم کی دونوں ٹانگیں بھی شدید زخمی تھیں۔ یہ زخم آہنی بیڑیوں کے تھے۔ تیز چلنے کی وجہ سے لوہے نے پنڈلیوں سے رگڑ کھا کھا کر گہرے گھاؤ ڈال دیے تھے۔ ان گہرے زخموں کے باوجود طوطم خاں چلتا رہا تھا۔

وہ رات انہوں نے جیسے تیسے کاٹی۔ علی الصبح برف باری تھمنے سے پہلے اباقہ نے طوطم خان کو اپنے ساتھ لیا اور مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ امکان تھا کہ تعاقب کرنے والے منگول برف باری رکنے کے منتظر ہوں گے۔ اباقہ نے اپنا گھوڑا بھی وہیں چھوڑ دیا تھا۔ درحقیقت اس نے سفر کے لیے جو پُرخطر راستہ منتخب کیا تھا وہاں گھوڑا اسے کام نہ دے سکتا تھا۔ یوں بھی گھوڑا اب بھوک سے نڈھال ہو چکا تھا اور کسی وقت ساتھ چھوڑ سکتا تھا۔ اباقہ نے بھاری بھرکم طوطم کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ دوسرے کندھے سے دونوں خرجینیں لٹک رہی تھیں۔ وہ نہایت احتیاط سے خطرناک ڈھلوانوں پر آگے بڑھنے لگا۔

سہ پہر کے وقت انہوں نے ایک جگہ قیام کیا۔ برف باری اب رک چکی تھی مگر نوکیلی ہوا جسموں سے آپار ہو رہی تھی۔ طوطم خاں نے اباقہ سے کہا۔ "اباقہ! مجھ جیسے بدترین دشمن کے لیے اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈال منگول سپاہی میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تو کب تک مجھے کندھے پر ڈالے اس طرح سفر کرتا رہے گا۔"

اباقہ نے اطمینان سے کہا۔ "جب تک ہم کسی بستی میں نہیں پہنچ جاتے۔"

طوطم عجیب نظروں سے اباقہ کو دیکھنے لگا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کا واسطہ کس قسم کے انسان سے پڑا ہے۔ تھوڑے آرام کے بعد انہوں نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اس امر کے واضح آثار تھے کہ منگول بدستور ان کے تعاقب میں ہیں۔ ایک ٹیلے سے اباقہ کو دو تین کوس پیچھے سیاہ دھبے نظر آئے تھے جو یقیناً متعاقب سواروں کے تھے۔ جب رات گہری ہو گئی تو اباقہ نے بلندی پر واقع ایک تنگ کھوہ میں بسیرا کر لیا۔ اس رات پھر شدید برف باری شروع ہو گئی۔ طوطم کے زخم اب مزید تکلیف دہ ہو گئے تھے۔ وہ پتھریلی زمین پر نیم دراز تھا۔ اباقہ نے اس کے سر کے نیچے اپنی پوستین ایک گدے کی صورت رکھی دی تھی۔ مشعل کی روشنی میں طوطم کی نظریں مسلسل کھوہ کی چھت کو گھور رہی تھیں۔ وہ خوابیدہ لہجے میں بولا۔

"اباقہ! میری موت اب یقینی ہے اور مجھے اب زندگی کی حسرت بھی نہیں۔ تم دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے ہو میرا بازو اڑ چکا ہے اور گندھک نے چہرے کا ایک حصہ بھی جلا ڈالا ہے میں ایسی شکل کے ساتھ زندہ بچا بھی تو کیا فائدہ۔ میں اب کبھی مارینا کا سامنا نہ کر سکوں گا۔ مجھے اب کامل یقین ہو گیا ہے کہ مارینا کو تم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ نیلے آسمان کی لازوال طاقت نے تمہیں ایک کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "طوطم' حوصلے سے کام لے۔ تو زندہ رہے گا۔"

طوطم کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ ابھری۔ "اباقہ' تو بہت بہادر ہے۔ ناممکن کو ممکن کر لیتا ہے' لیکن کسی کی موت نہیں ٹال سکتا۔"

اباقہ جانتا تھا طوطم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ اب ایک آدھ دن کا مہمان تھا۔ اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "طوطم' کچھ کھائے گا۔"

طوطم نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اباقہ جی چاہتا ہے بہت سا گوشت ہو۔ بھنا ہوا اور گرم گرم۔ اس میں سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی ہو۔ میں کھاتا جاؤں اور کھاتا جاؤں۔ یہاں تک کہ سیر ہو جاؤں اور جب میں سیر ہو جاؤں تو مر جاؤں۔"

اباقہ زیر لب مسکرایا پھر اٹھ کر کھوہ کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔ کوئی دو گھڑی بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک رکابی تھی جس میں بھیڑ کے گرم گرم گوشت کے پارچے رکھے تھے۔ اباقہ نے یہ رکابی طوطم کے سامنے رکھ دی۔ گوشت کی خوشبو نے طوطم کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ رکابی دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ وہ کچھ دیر تک حیرت سے اباقہ کو تکتا رہا پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے منہ پھیر لیا اور کہا۔ "نہیں اباقہ! میں یہ گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اگر میں نے یہ کھا لیا تو تو اس برف زار میں بھوک کے ہاتھوں ایڑیاں رگڑ کر مر جائے گا۔"

اباقہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "طوطم تیری معلومات ادھوری ہیں۔ شاید تجھے معلوم نہیں کہ دوسری خرجین میں بھی کچھ گوشت موجود ہے۔ یہ میرے راستے کے لیے کافی ہو گا۔"

اباقہ نے دوسری خرجین کی طرف اشارہ کیا جو مشعل کے پاس پڑی تھی۔ اس کا ابھار بتا رہا تھا کہ اس میں واقعی گوشت موجود ہے۔ یہ اور بات تھی کہ اباقہ نے طوطم کو مطمئن کرنے کے لیے اس میں ایک پتھر رکھ چھوڑا تھا۔ بہرحال وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور طوطم مطمئن ہو کر وہ گوشت کھانے لگا جو اباقہ نے مشعل پر گرم کیا تھا اور چھوٹے چھوٹے پارچوں میں تقسیم کر دیا تھا کہ طوطم خان کو نگلنے میں آسانی رہے۔ طوطم نے تمام گوشت رغبت سے کھایا اور مطمئن سا ہو کر دوبارہ لیٹ گیا لیکن جلد ہی اسے متلی ہونے

لگی اور اس نے سب ..... کھایا ہوا الٹ دیا۔ تاہم اس عمل سے اسے کچھ زیادہ کوفت نہیں ہوئی۔ وہ اپنی زندگی کی آخری لذت حاصل کر چکا تھا۔ جلد ہی اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ اباقہ بھی اس کے قریب ہی نیم دراز ہو گیا۔

سردی میں گہری نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یکایک اباقہ اٹھ بیٹھا۔ اس کی چھٹی حس خطرے سے آگاہ کر رہی۔ اس نے دیکھا طوطم خان بھی اس کی طرح جاگ گیا ہے۔ اباقہ نے کھوہ سے جھانک کر باہر دیکھا۔ برف کے گالوں نے اس کے سر اور کندھوں پر گر کر موسم کی کیفیت بتائی۔ کچھ فاصلے پر برف پوش اندھیرے میں مشعلیں چمک رہی تھیں۔ وہ ایک دم چوکنا ہو گیا۔ متعاقب گھڑ سوار ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر کھوہ کی طرف آ رہے تھے۔ ان کی تعداد کسی طرح بھی تیس سے کم نہ تھی۔ شاید راستے میں ملنے والا کوئی اور دستہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ وہ نیم دائرے میں کھوہ کی طرف گامزن تھے۔ اباقہ نے جھپٹ کر مشعل بجھائی پھر خرجینیں اٹھائیں اور طوطم کو کندھے پر ڈال کر کھوہ سے باہر نکل آیا۔ طوطم بار بار انکار میں سر ہلا رہا تھا اور اباقہ نے اسے کندھے پر مضبوطی سے سنبھال رکھا تھا ورنہ شاید وہ جان بوجھ کر نیچے لڑھک جاتا۔ گھٹنے گھٹنے برف میں اباقہ حتی الامکان تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ یہ نقاہت' تاریکی سردی اور بے یقینی کا سفر تھا' ناقابل گمان حد تک دشوار اور مہلک۔ مگر وہ اباقہ تھا۔ ارادے کا مضبوط اور ہٹ کا پکا۔ وہ جیتے جی طوطم کی مدد سے پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ حتی الامکان تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ منگول سپاہی جو اب انہی کی طرح پاپیادہ تھے بتدریج ..... قریب پہنچ رہے تھے۔ طوطم بار بار کہہ رہا تھا۔ "اباقہ مجھے چھوڑ دو ..... مجھے اتار دو۔" پھر اچانک اباقہ کو عجیب طرح کی خرخراہٹ سنائی دی۔ یہ خرخراہٹ طوطم کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ اباقہ نے طوطم کو جلدی سے برف پر لٹایا پھر تاریکی میں اس کے ہاتھوں نے طوطم کا گلا ٹٹولا۔ اس کی شاہ رگ کٹی ہوئی تھی اور گرم خون سے چہرا لتھڑا ہوا تھا۔ اباقہ نے ٹٹولا تو طوطم کے ہاتھ میں خنجر دبا تھا۔ یہ اباقہ ہی کا خنجر تھا جو اس نے اباقہ کی کمر سے نکال کر گلے پر پھیر لیا تھا۔ وہ شاید کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کے آخری الفاظ تھے۔ اباقہ نے جھک کر کان اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ الفاظ ٹکڑوں کی صورت اس کے ہونٹوں سے برآمد ہو رہے تھے۔ "اباقہ ..... تو بڑا ..... اچھا ..... دشمن ..... ہے ..... مارینا ..... سے کہنا ..... طو ..... طم ..... کو ..... معاف ....." پھر آواز اتنی مدھم ہو گئی کہ اسے اباقہ نہ سن سکا۔ طوطم زندگی کی سرحد پار کر چکا تھا۔ اس کا جسم تاریک' سنسان اور بے نام برف کی آغوش میں تھا۔ اس کے پاؤں میں باتوخاں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنائی ہوئی بیڑیاں تھیں مگر اس کی روح آزاد ہو کر جاودانی آسمان کی طرف پرواز کر گئی تھی۔ اباقہ نے بوسیدہ کمبل طوطم کی لاش پر ڈال دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے دل پر اب کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اس نے طوطم خان کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔ اب اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ واپس پلٹے اور شکاری کتوں کی مانند پیچھا کرنے والے منگولوں سے ٹکرا جائے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے راستے پر تیزی سے آگے بڑھے اور منگولوں کی پہنچ سے دور نکل جائے۔ چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد اس نے دوسرا راستہ منتخب کیا۔ ان بیس تیس منگولوں سے ٹکرا کر وہ کچھ حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اس کی تلوار کی دھار میں صحراؤں کی پیاس اتری ہوئی تھی۔ یہ پیاس بجھانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسے خون کے سمندروں میں ڈبوئے۔ اس نے طوطم کے لاشے کو الوداع کہا اور تاریکی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

☆--------☆--------☆

.... نتاشا جھروکے میں گم صم کھڑی تھی۔ اس کے گلابی عارض زرد تھے اور شفاف جھیل جیسی آنکھوں میں اندوہ کے گرداب پڑ رہے تھے' وہ بے خیالی میں اپنا ہونٹ دانتوں سے کچل رہی تھی اور یہ اس بات کی نشانی تھی کہ وہ حد سے زیادہ رنجیدہ ہے۔ پچھلے چند روز میں حالات اس قدر تیزی سے بدلے تھے کہ وہ دم بخود رہ گئی تھی .... ان دنوں کی ایک ایک گھڑی تلاطم خیز حوادث کی امین تھی۔ اباقہ کو اس نے آخری بار برفانی غار میں دیکھا تھا' جب وہ اسد اور یورق کے ساتھ شکار کی تلاش میں تھا۔ پھر اسد اور یورق واپس آ گئے تھے اور کچھ ہی دیر بعد منگول سپاہیوں نے غار پر ہلہ بول دیا تھا۔

غار کے دہانے پر زبردست لڑائی ہو رہی تھی جب دور سے اباقہ کی آواز سنائی دی اور نصف سے زائد حملہ آور اباقہ کی طرف متوجہ ہو کر دہانے سے ہٹ گئے تھے۔ اس وقت اسد اور یورق نے ایک طوفانی حملہ کیا تھا اور بچے کھچے منگولوں کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ نتاشا نے پہلی بار کسی کو اتنی بے جگری اور تندی سے لڑتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سات آٹھ منگول یورق اور اسد کی تلواروں کا نشانہ بنے اور باقی حواس باختہ ہو کر بھاگ نکلے۔ اس لڑائی میں نتاشا نے بھی حتی المقدور حصہ لیا تھا اور اس کی تلوار نے ایک منگول کو جہنم واصل کیا تھا۔ جبکہ ایک منگول علی کے تیر سے ہلاک ہوا تھا۔

اس معرکہ آرائی کے بعد انہوں نے اباقہ کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ اس مقام پر زیادہ دیر ٹھہرنا بھی خطرناک تھا لہٰذا انہوں نے رانیل کی لاش سپرد برف

کرنے کے بعد غار چھوڑ دیا۔

دوسرے روز انہیں ولادی میر کے مہاجروں کا ایک چھوٹا سا قافلہ مل گیا اور ان میں شامل ہو کر وہ "ست" کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو روز کے دشوار گزار سفر کے بعد وہ "ست" پہنچے تو یہ جان کر انہیں ازحد اطمینان ہوا کہ رئیس اعظم کنیاز یوری ست ہی میں موجود ہیں۔ شہزادی نتاشا باپ سے ملی اور گلے لگ کر خوب روئی۔ ولادی میر کی داستان خونچکاں زبان زد عام تھی۔ حضرت مریم کے کلیسا میں تاتاریوں کے ہاتھوں شاہی خاندان کی دردناک موت نے ہر شخص کو ماتم کناں کر رکھا تھا۔ جس روز نتاشا علی' اسد اور یورق ست پہنچے۔ اسی روز شام کو ڈیوک بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس خبیث کی آمد نے یکایک حالات کو ایک نیا رخ دے دیا۔ رئیس اعظم اس پر اندھا اعتماد رکھتے تھے۔ وہ رئیس اعظم سے ملا اور شہزادی نتاشا کے خلاف ان کے کان بھرے۔ اس نے کہا کہ شہزادی نتاشا آپ کی عزت سے کھیل رہی ہیں۔ رئیس اعظم کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ شہزادی نتاشا کا نام ایک نوجوان اباقہ کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ منگولوں کے حملے سے صرف ایک روز قبل آدھی رات کو شہزادی اس نوجوان کے ساتھ محل سے باہر گئی اور آخری پہر واپس آئی۔ محل سے اس کی غیر موجودگی کی خبر پھیل گئی اور لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ اس دوران شہزادہ اول و دوم بھی محل میں پہنچ گئے۔ وہ شہزادی کے طرز عمل سے سخت نالاں تھے۔ شہزادی کی واپسی پر انہوں نے اسے سرزنش بھی کی۔

ڈیوک کی باتیں سن کر رئیس اعظم بے حد حیران ہوئے انہوں نے نتاشا کو بیٹوں کی طرح پالا تھا اور اس پر بے پناہ بھروسہ بھی رکھتے تھے۔ رئیس اعظم اور شہزادوں کی غیر موجودگی میں تمام امور مملکت وہ انجام دیتی تھی اور اس میں بے پناہ صلاحیتیں بھی تھیں۔ رئیس اعظم کے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ ان کی ذہین و لائق بیٹی ایک عام سے بے حسدہ و بے مایہ نوجوان کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے مگر جب شہر میں پھیلنے والی افواہوں کا غبار ان کے مصاحبین و عمائدین کے چہروں پر بھی نظر آیا تو عرق ندامت ان کی پیشانی پر پھیلنے لگا۔ وہ نتاشا سے اور نتاشا ان سے نظریں چرانے لگی .... اور اب دو روز سے یہ کیفیت تھی کہ رئیس اعظم نے نتاشا سے کوئی بات نہ کی تھی۔ نہ کچھ کھایا پیا تھا اور نہ رات کو سوئے تھے۔ دوسری طرف نتاشا بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ پیارے باپ کی عزت اس کے لیے متاع کل تھی اور یہ متاع اس کے ہاتھوں برباد ہو رہی تھی۔ وہ بے گناہ تھی' اس کا دامن شبنم کی طرح پاک اور کرنوں کی طرح غیر آلود تھا مگر کیچڑ اچھالنے والی بے رحم زبانیں مسلسل حرکت میں تھیں اور بات کانوں کان سفر کرتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھی۔

..... نتاشا جھروکے میں کھڑی اپنے خیالوں میں محو تھی جب اچانک اس کے عقب میں آہٹ ہوئی۔ اس نے مڑکر دیکھا ذاتی خادمہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی اسے دیکھتے ہی نتاشا کو کلثوم یاد آگئی۔ وہ اس کی خادمہ ہی نہیں سہیلی بھی تھی۔ وہ بھی شاہی خاندان کے دوسرے افراد کی طرح کلیسا میں رہ گئی تھی۔ نتاشا جانتی تھی اب وہ اسے کبھی نہ دیکھ سکے گی۔ وہ کسی منگول سپاہی کی داشتہ بن چکی ہو گی یا اس کی بچی کھچی لاش دلادی میرے کسی کوچے میں پڑی سڑ رہی ہو گی۔ اس نے ایک دکھ بھری سانس بھر کر خادمہ سے کہا۔ "کیا بات ہے؟"

خادمہ نے رعشہ زدہ آواز میں کہا۔ "شہزادی حضور آپ کو رئیس اعظم نے یاد فرمایا ہے۔"

شہزادی کے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ اچانک اسے لگا کہ اس کے پاؤں پتھر کے ہو گئے ہیں اور وہ کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے گی۔ اس نے بمشکل خادمہ سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم جاؤ ہم کچھ دیر بعد آتے ہیں۔"

خادمہ کے جاتے ہی وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور بے قراری سے ٹہلنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ باپ کا سامنا کس طرح کرے۔ بڑے بڑے فیصلے نہایت اعتماد سے کر جانے والی نتاشا مکتب میں پڑھنے والی کسی بچی کی طرح متذبذب اور ہراساں تھی۔ سخت بے چینی کے عالم میں وہ شاہی قیام گاہ سے باہر نکلی اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بغیر کسی محافظ کے مضافاتی علاقے کی طرف چل دی۔ وہ کسی کھلی جگہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنے اگلے اقدام کے بارے سوچنا چاہتی تھی۔ وہ ایک باہمت لڑکی تھی۔ کم حوصلہ ہوتی تو شاید اسی وقت جھروکے سے چھلانگ لگا کر اپنی حیات کا خاتمہ کر دیتی جب باپ کا بلاوا آیا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی اس کی خودکشی مسئلے کا حل نہیں۔ وہ اپنی جان دے کر باپ کی ناموس کو اور بھی داغدار کر دے گی۔

وہ یونہی بے مقصد اونچے نیچے ٹیلوں میں گھوڑا بھگاتی رہی۔ اچانک اس کی نظر مشرق کی طرف اٹھی اور وہ ٹھٹک گئی۔ ایک گھڑ سوار تیزی سے بڑھا چلا آرہا تھا۔ تن و توش سے وہ مرد دکھائی دیتا تھا' لیکن اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ نتاشا کے دل نے پکار کر کہا۔ "یہ اباقہ ہے" ..... گھڑ سوار بتدریج اس کے نزدیک آرہا تھا۔ نتاشا کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ پھر اس نے پہچان لیا' وہ اباقہ ہی تھا۔ اباقہ نے بھی غور سے اسے دیکھا اور اس کا ہنستا اور ہانپتا ہوا گھوڑا عین اس کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔

دونوں تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ نتاشا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو امڈ آئے اور وہ اپنا رخ پھیر کر انہیں چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اباقہ جست لگا کر گھوڑے سے اترا۔ پھر اس کی مردانہ اور بارعب آواز نتاشا کے کانوں سے ٹکرائی۔

"شہزادی آپ یہاں؟ اور اس قدر پریشان؟"

شہزادی نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ وہ بہ آہستگی گھوڑے سے اتری اور اباقہ کے ساتھ ایک پتھر پر آ بیٹھی۔ دونوں ایک دوسرے کو اپنے اپنے حالات سے آگاہ کرنے لگے ..... اباقہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ڈیوک زندہ سلامت یہاں بھی پہنچ گیا ہے اور اس نے اپنی عداوت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے شہزادی کو ایک بدترین ہستان کا نشانہ بنایا ہے تو وہ کھول اٹھا۔ ایکا ایکی اس کے اندر کا وحشی انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔ وہ پھنکارا۔

"شہزادی نتاشا! میں اس شیطان کی ٹانگیں چیر کر کتوں کے آگے پھینک دوں گا ..... آیئے میرے ساتھ۔ یہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔"

شہزادی نے منہ پھیر کر کہا۔ "نہیں اباقہ' ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ کسی کا سامنا کر سکیں۔ ہمیں ابا حضور نے طلب کیا تھا۔ ہم ان کے روبرو نہیں ہو سکے تو کسی اور کی نگاہوں کی تاب کہاں لائیں گے۔"

اباقہ نے مضبوط و توانا لہجے میں کہا۔ "آپ کو تاب لانا ہو گی شہزادی صاحبہ۔ آپ بے گناہ ہیں۔ آپ کو منہ چھپا کر اور نگاہیں چرا کر لوگوں کی زبانیں دراز کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آیئے میرے ساتھ' میں جواب دوں گا ہر سوال کا میں بتاؤں گا رئیس اعظم کو کہ ان کی بیٹی کیا ہے اور وہ اسے کیا سمجھ رہے ہیں۔"

نہایت بے خوفی اور جرأت سے اباقہ نے نتاشا کا بازو کندھے کے نیچے سے تھام لیا۔ اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت نے شہزادی کے رگ و پے میں ایک نئی روح پھونک ڈالی اسے اپنے اندر بے پناہ اعتماد کا احساس ہونے لگا۔ یکایک اسے لگا کہ وہ ایک رئیس اعظم کی بیٹی شہزادی نتاشا نہیں ایک عام سی دہقان لڑکی ہے اور اباقہ ایک پُرجلال و باسطوت حکمران ہے اور وہ اس کے سائے میں کھڑی ہے۔ اس کا دل اس کی پناہ میں رہنا چاہتا ہے۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور اباقہ کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ اباقہ اسے ساتھ لے کر بے خوفی سے شہر کی طرف بڑھا۔ دونوں ساتھ ساتھ گھوڑے دوڑاتے فصیل کے اندر پہنچے اور پھر سیدھے شاہی مستقر کی طرف چل دیے۔ رئیس اعظم قلعے کے اندر ہی ایک رہائشی عمارت میں مقیم تھے۔ قلعے میں داخل ہو کر وہ اس عمارت کی طرف بڑھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔

راستے میں کچھ لوگوں نے انہیں دیکھا اور اباقہ کو پہچان کر چہ میگوئیاں کیں۔ گردو پیش سے لاتعلق وہ گھوڑے ہانکتے ہوئے شاہی قیام گاہ میں پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رئیس اعظم کے روبرو حاضر ہونے کے لیے ایک دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ فرش پر بیش قیمت قالین بچھے تھے۔ دیواروں پر غالیچے آویزاں تھے اور ہتھیار لٹک رہے تھے۔ بلندوبالا اور مضبوط جسم کا مالک رئیس اعظم کنیازیوری ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر سونے کے بٹنوں والا سرخ کوٹ تھا۔ سنہری بال اس کے سرخ و سپید چہرے پر کسی تاج کی مانند نظر آ رہے تھے۔ اس کی بڑی بڑی اور گہری آنکھیں اباقہ و نتاشا پر مرکوز تھیں۔ اباقہ اور نتاشا نے تعظیم پیش کی۔ رئیس اعظم کی بارعب و پرہیبت آواز کمرے میں گونجی۔ "نتاشا" تمہارے ساتھ یہ شخص کون ہے۔"

نتاشا کی بجائے اباقہ نے جواب دیا۔ "رئیس اعظم۔ میرا نام اباقہ ہے۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

رئیس اعظم کی آنکھوں میں بجلی سی چمکی' لیکن پھر وہ خود پر قابو پا کر بولا۔ "تم نتاشا کے ساتھ کیوں آئے ہو؟"

اباقہ نے کہا۔ "اس لیے حضور کہ میرے دل میں آپ کا احترام تو ہے مگر خوف نہیں اور عالی جاہ! خوف اس لیے نہیں کہ میں بے گناہ ہوں۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ کی بیٹی بے گناہ اور معصوم ہے۔"

شہزادی نتاشا کو جرأت ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر باپ کے ہاتھوں کو بوسے دیئے اور روتے ہوئے بولی۔ "پدر محترم! ہمیں آپ کی عزت دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں تو خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیجئے اسی جگہ اور اسی وقت۔"

شہزادی گھٹنوں کے بل باپ کے سامنے جھک گئی اور اپنا سرنگوں کر دیا۔ اس نے چہرا اپنے مرمریں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا اور اس کی دل پذیر سسکیاں کسی مقدس گھنٹی کی طرح کمرے میں گونج رہی تھیں۔ رئیس اعظم کتنی ہی دیر بھیگی آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھتے رہے پھر انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا اور کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ شہزادی بلند آواز میں رونے لگی۔ رئیس اعظم کا ہاتھ اس کے ریشمی بالوں کو سہلانے لگا۔ پھر رئیس اعظم کی ملائم اور گلوگیر آواز سنائی دی۔

"بیٹی! ہم جانتے ہیں۔ تو پہاڑوں کی طرح سرفراز' باد صبا کی طرح صاف اور سمندروں کی طرح اعلیٰ ظرف ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ شبنم کی پاکیزگی' پھولوں کی معصومیت اور فرشتوں کی نیک خوئی پر شک کیا جا سکتا ہے مگر تجھ پر نہیں۔ تیری بے گناہی کا ہمیں یقین ہے جان پدر! لیکن ہم ان کالی زبانوں کا کیا کریں جو زہریلے سانپوں کی طرح بل کھا کھا کر ہماری ناموس کو چاٹنا چاہتی ہیں۔ ان آنکھوں کا کیا کریں جن کی بے مروتی ہماری شرافت اور نیک نامی کے اجالے کو گہنا رہی ہے۔ ہم جانتے ہیں ہم نے جو کچھ سنا وہ جھوٹ اور جو محسوس کیا وہ بے حقیقت ہے' مگر لوگوں کے افکار پر ہماری حکومت نہیں اور اس شیطان پر ہمارا بس نہیں جو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور زبانوں کو آتش بار کر دیتا ہے۔"

اباقہ نے دیکھا کہ رئیس اعظم جس کی چہار دانگ عالم دھوم تھی اور جس کی جاہ و حشمت اور عظمت کا اعتراف روس کے طول و عرض میں کیا جاتا تھا۔ ایک مجبور و بے بس شخص کی مانند آزردہ ہے۔ وہ کچھ دیر گہری اور فہیم نگاہوں سے اباقہ اور نتاشا کی طرف دیکھتا رہا۔ اچانک اس کے چہرے پر عجیب طرح کی روشنی نظر آئی' جیسے وہ کسی نہایت اہم فیصلے پر پہنچ گیا ہے۔ مضبوط قدموں سے چلتا وہ اباقہ کے سامنے پہنچا اور بولا۔

"اباقہ! ہم تیرے بارے بہت کچھ جان چکے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے اور جو کچھ ہو چکا ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے' ہم تمہیں اپنا داماد بنا لیں ...." اس فقرے کی گونج اباقہ کو مجسم حیرت کر گئی۔ وہ ساکت و جامد کھڑا رئیس اعظم کی طرف دیکھتا رہا۔ رئیس اعظم نے نتاشا کو کمرے سے باہر جانے کی ہدایت کی۔ وہ دروازے سے نکل گئی تو رئیس اعظم نے اباقہ کو اپنے برابر نشست دی اور ایک لاچار شخص کی عاجزی سے بولے۔

"بیٹے! اب ہماری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ حالات کے پھیر نے تجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وسطی روس کا سب سے بااختیار حکمران تیرا سوالی بن گیا ہے۔ ہم تیری ضرورت کی حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تو ہماری فرزندی میں آ جائے۔"

اباقہ سے کوئی جواب بن نہیں پڑ رہا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا ایسے موقع پر کیا کہا جاتا ہے۔ رئیس اعظم نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے کہا۔ "بیٹے! ہماری بیٹی کے بارے قیافہ گوئی اور افواہ سازی اتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ اگر ہم نے جلد ہی اس کے بارے کوئی وضاحت نہ کی تو صورت حال ابتر ہو جائے گی۔ پرسوں صبح عمائدین اور مصاحبین کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہماری ایک اہم ملاقات ہے جس میں ہمیں بہرحال ..... اس معاملے کی وضاحت کرنی ہے اور انہیں اعتماد میں لینا ہے۔ شاید خداوند نے ہماری دعائیں سن لی ہیں جو اس ملاقات سے قبل تم یہاں پہنچ گئے ہو۔ اب ہم اس صورت سرخرو ہو سکتے ہیں کہ کل سب کے سامنے تمہارے اور شہزادی کے رشتے کا اعلان کریں اور انہیں باور کرائیں کہ تمہارا میل ملاپ اس رشتے کے پس منظر میں تھا اور یہ رشتہ کچھ عرصہ پہلے ہم نے خود طے کیا تھا۔"

یکایک اباقہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ "رئیس اعظم! گستاخی معاف! میں آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں کسی کو قول دے چکا ہوں۔ ایک بے سہارا لڑکی ملک عراق میں میری راہ دیکھ رہی ہے۔"

اباقہ نہیں جانتا تھا اس موقعے پر اس نے کیسی غلط بات کہہ دی ہے۔ ایکا ایکی رئیس اعظم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ وہ قہرناک لہجے میں بولے۔ "اگر تو نے کسی لڑکی کو قول دیا تھا تو ہماری بیٹی کو کیوں دھوکا دیا تو نے۔ کیوں اس سے راہ و رسم پیدا کر کے اسے بدنام کیا۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے' تو بدکردار' بدنیت اور بدخواہ ہے۔ ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے تیری گستاخ زبان کو گدی سے کھینچ کر تیرے مغرور سر کے ٹکڑے کر دیں گے۔"

پھر رئیس اعظم کنیازیوری نے شاہانہ جلال سے تلوار کھینچی اور اباقہ کی طرف بڑھے' یہی وہ وقت تھا جب بغلی دروازے پر پڑا دبیز ریشمی پردا متحرک ہوا اور ایک شخص نمودار ہو کر رئیس اعظم کی طرف لپکا۔ وہ رئیس اعظم کا ہم عمر تھا۔ اس کے بالوں میں سفیدی تھی اور لمبی داڑھی اس کے سینے پر لہرا رہی تھی۔ وہ اباقہ اور رئیس کے درمیان کھڑا ہو گیا اور احترام سے بولا۔

"رئیس اعظم! خدارا تحمل سے کام لیجئے۔ اس وقت جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔"

رئیس اعظم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ بے وقعت شخص اس کی اتنی بڑی پیش کش کو یوں ٹھکرا دے گا۔ اس نے داڑھی والے شخص کو دھکا دے کر اپنے راستے سے ہٹایا اور تلوار اٹھا کر آگے بڑھا۔ مگر داڑھی والا پھر اباقہ کے سامنے آیا اور بازو پھیلا کر بولا۔

"رئیس اعظم! یسوع کی قسم میں آپ کو ایسا نہ کرنے دوں گا خواہ میری جان چلی جائے اس نوجوان کو مارنے سے ہمارے مصائب دوگنا ہو جائیں گے ..... خدا کے لیے

حوصلے سے کام لیجئے۔"

بالآخر بوڑھا شخص' رئیس اعظم کو اباقہ کے قتل سے باز رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس نے اباقہ کو ساتھ لیا اور شاہی قیام گاہ کے ایک دوسرے آراستہ و پیراستہ کمرے میں آ گیا۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کیا اور ملائم لہجے میں اباقہ کو ایک کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اباقہ اکھڑپن سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے شخص نے کہا۔ "بیٹے کیا پیو گے؟"

"کچھ نہیں۔" اباقہ نے مختصر جواب دیا۔

بوڑھے نے تالی بجائی اور ایک بغلی دروازے سے حسین خادمہ چاندی کے طشت میں قہوے کے برتن سجائے اندر داخل ہوئی۔ بوڑھے کے اصرار پر اباقہ نے ایک پیالی اٹھائی۔ خادمہ رخصت ہو گئی تو بوڑھا بولا۔

"بیٹے میرا نام فیرایونت ہے' فیرایونت۔ میں رئیس اعظم کے بچپن کا ہمجولی ہوں اور اس وقت تم اور ہم کٹھن بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے منگول ہمارے شہروں کو پیوند زمین کرتے آگے بڑھے چلے آ رہے ہیں اس وقت ہمیں جس قوت اور یکجہتی کی ضرورت ہے وہ اسی صورت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر تمام گروہ اور قبیلے رئیس اعظم کو رہبر و راہنما جان کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں' لیکن موجودہ حالات میں رئیس اعظم کی کردار کشی کی جو صورت نکل رہی ہے وہ بہت مایوس کن اور خطرناک ہے ..... تم ایک سمجھدار نوجوان دکھائی دیتے ہو اور ایک خدا کو ماننے والے بھی ہو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ رئیس اعظم کو اگر اپنے بیسیوں محافظ بھی قتل کرانے پڑے تو تمہیں اس قیام گاہ سے زندہ باہر نہیں نکلنے دے گا۔ میں رئیس اعظم کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ بہت اعلیٰ ظرف انسان ہے لیکن غضب کے عالم میں اسے خود پر اختیار نہیں رہتا' اور تو نے اپنے انکار سے اسے انتہائی حد تک غضبناک کر دیا ہے۔ میں نہایت ہمدردی و دردمندی سے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا انکار تمہارے ان ساتھیوں کے لیے بھی مصیبت بن سکتا ہے جو اس وقت رئیس اعظم کی تحویل میں ہیں۔"

اباقہ نے چونک کر پوچھا۔ "کون سے ساتھی؟"

فیرایونت نے جواب دیا۔ "وہی جو شہزادی صاحبہ کے ہمراہ یہاں پہنچے ہیں۔"

اباقہ سمجھ گیا کہ بوڑھا' اسد' یورق اور علی کی بات کر رہا ہے۔ بوڑھا کافی دیر مختلف انداز سے اباقہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس پر ایک ناقابل فہم اور نامہربان خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ رات کے پچھلے پہر بوڑھا مایوس و نامراد واپس چلا گیا۔ اباقہ اس کمرے میں بظاہر آزاد تھا' لیکن وہ جانتا تھا اسے سخت نگرانی میں رکھا گیا ہے' بوڑھے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہماری ایک اہم ملاقات ہے جس میں ہمیں بہرحال ..... اس معاملے کی وضاحت کرنی ہے اور انہیں اعتماد میں لینا ہے۔ شاید خداوند نے ہماری دعائیں سن لی ہیں جو اس ملاقات سے قبل تم یہاں پہنچ گئے ہو۔ اب ہم اس صورت سرخرو ہو سکتے ہیں کہ کل سب کے سامنے تمہارے اور شہزادی کے رشتے کا اعلان کریں اور انہیں باور کرائیں کہ تمہارا میل ملاپ اس رشتے کے پس منظر میں تھا اور یہ رشتہ کچھ عرصہ پہلے ہم نے خود طے کیا تھا۔"

یکایک اباقہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ "رئیس اعظم! گستاخی معاف! میں آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں کسی کو قول دے چکا ہوں۔ ایک بے سہارا لڑکی ملک عراق میں میری راہ دیکھ رہی ہے۔"

اباقہ نہیں جانتا تھا اس موقعے پر اس نے کیسی غلط بات کہہ دی ہے۔ ایکا ایکی رئیس اعظم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ وہ قہرناک لہجے میں بولے۔ "اگر تُو نے کسی لڑکی کو قول دیا تھا تو ہماری بیٹی کو کیوں دھوکا دیا تُو نے۔ کیوں اس سے راہ و رسم پیدا کر کے اسے بدنام کیا۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے 'تُو بدکردار' بدنیت اور بدخواہ ہے۔ ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے تیری گستاخ زبان کو گدی سے کھینچ کر تیرے مغرور سر کے ٹکڑے کر دیں گے۔"

پھر رئیس اعظم کنیازیوری نے شاہانہ جلال سے تلوار کھینچی اور اباقہ کی طرف بڑھے' یہی وہ وقت تھا جب بغلی دروازے پر پڑا دبیز ریشمی پردا متحرک ہوا اور ایک شخص نمودار ہو کر رئیس اعظم کی طرف لپکا۔ وہ رئیس اعظم کا ہم عمر تھا۔ اس کے بالوں میں سفیدی تھی اور لمبی داڑھی اس کے سینے پر لہرا رہی تھی۔ وہ اباقہ اور رئیس کے درمیان کھڑا ہو گیا اور احترام سے بولا۔

"رئیس اعظم! خدارا تحمل سے کام لیجئے۔ اس وقت جوش کی نہیں ہوش کی ضرورت ہے۔"

رئیس اعظم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ بے وقعت شخص اس کی اتنی بڑی پیش کش کو یوں ٹھکرا دے گا۔ اس نے داڑھی والے شخص کو دھکا دے کر اپنے راستے سے ہٹایا اور تلوار اٹھا کر آگے بڑھا۔ مگر داڑھی والا پھر اباقہ کے سامنے آ گیا اور بازو پھیلا کر بولا۔

"رئیس اعظم! یسوع کی قسم میں آپ کو ایسا نہ کرنے دوں گا خواہ میری جان چلی جائے اس نوجوان کو مارنے سے ہمارے مصائب دوگنا ہو جائیں گے ..... خدا کے لیے

حوصلے سے کام لیجئے۔"

بالآخر بوڑھا شخص' رئیس اعظم کو اباقہ کے قتل سے باز رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس نے اباقہ کو ساتھ لیا اور شاہی قیام گاہ کے ایک دوسرے آراستہ و پیراستہ کمرے میں آ گیا۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کیا اور ملائم لہجے میں اباقہ کو ایک کرسی پر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اباقہ اکھڑپن سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے شخص نے کہا۔ "بیٹے کیا پیو گے؟"

"کچھ نہیں۔" اباقہ نے مختصر جواب دیا۔

بوڑھے نے تالی بجائی اور ایک بغلی دروازے سے حسین خادمہ چاندی کے طشت میں قہوے کے برتن سجائے اندر داخل ہوئی۔ بوڑھے کے اصرار پر اباقہ نے ایک پیالی اٹھائی۔ خادمہ رخصت ہو گئی تو بوڑھا بولا۔

"بیٹے میرا نام فیرایونت ہے' فیرایونت۔ میں رئیس اعظم کے بچپن کا' ہمجولی ہوں اور اس وقت تم اور ہم کتنی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے منگول ہمارے شہروں کو پیوند زمین کرتے آگے بڑھے چلے آ رہے ہیں اس وقت ہمیں جس قوت اور یکجہتی کی ضرورت ہے وہ اسی صورت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر تمام گروہ اور قبیلے رئیس اعظم کو رہبر و راہنما جان کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں' لیکن موجودہ حالات میں رئیس اعظم کی کردار کشی کی جو صورت نکل رہی ہے وہ بہت مایوس کن اور خطرناک ہے ..... تم ایک سمجھدار نوجوان دکھائی دیتے ہو اور ایک خدا کو ماننے والے بھی ہو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ رئیس اعظم کو اگر اپنے بیسیوں محافظ بھی قتل کرانے پڑے تو تمہیں اس قیام گاہ سے زندہ باہر نہیں نکلنے دے گا۔ میں رئیس اعظم کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ بہت اعلیٰ ظرف انسان ہے لیکن غضب کے عالم میں اسے خود پر اختیار نہیں رہتا' اور تُو نے اپنے انکار سے اسے انتہائی حد تک غضبناک کر دیا ہے۔ میں نہایت ہمدردی و دردمندی سے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا انکار تمہارے ان ساتھیوں کے لیے بھی مصیبت بن سکتا ہے جو اس وقت رئیس اعظم کی تحویل میں ہیں۔"

اباقہ نے چونک کر پوچھا۔ "کون سے ساتھی؟"

فیرایونت نے جواب دیا۔ "وہی جو شہزادی صاحب کے ہمراہ یہاں پہنچے ہیں۔"

اباقہ سمجھ گیا کہ بوڑھا' اسد' یونق اور علی کی بات کر رہا ہے۔ بوڑھا کافی دیر مختلف انداز سے اباقہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس پر ایک ناقابل فہم اور نامہربان خاموشی طاری ہو چکی تھی۔ رات کے پچھلے پہر بوڑھا مایوس و نامراد واپس چلا گیا۔ اباقہ اس کمرے میں بظاہر آزاد تھا' لیکن وہ جانتا تھا اسے سخت نگرانی میں رکھا گیا ہے' بوڑھے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخصتی کے بعد خادمائیں طلائی اور نقرئی برتنوں میں اس کے لیے عمدہ کھانے لے کر آئیں۔ وہ جب کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں ٹہل رہا تھا' دروازہ کھلا اور اسے اسد کا چہرا نظر آیا۔ دونوں نے بھاگ کر ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ اسد نے کہا۔

"تمہیں زندہ سلامت پا کر مجھے ناقابل بیان خوشی ہو رہی ہے۔"

دونوں ایک دوسرے کو اپنے اپنے حالات سے آگاہ کرنے لگے۔ اسد نے اباقہ کو یورق اور علی کی خیریت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ غار میں ہونے والی جھڑپ میں رائیل بلاک ہو گیا تھا۔ اس کی بہن اب ان کے ساتھ ہے۔ جلد ہی ان کی گفتگو کا رخ موجودہ مسئلے کی طرف مڑ گیا۔ اسد نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"اباقہ! حالات نے ہمیں ایک نہایت اہم موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رئیس اعظم کنیاز یوری کو اس طرح تمہیں شہزادی نتاشا کے رشتے کی پیش کش کرنا پڑے گی۔ کوئی اور شخص ہوتا تو اسے اپنے لیے نادر اعزاز سمجھتا' مگر میں جانتا ہوں تمہیں اس حیران کن پیش کش پر کوئی مسرت نہیں ہوئی اور تم نے پیش کش کو ٹھکرا دیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں اس کی وجہ کیا ہے' تم مارینا سے بے وفائی نہیں کر سکتے..... مگر اباقہ! وقت ہم سے قربانی مانگ رہا ہے۔ ایک عظیم انسان اس وقت آزمائش کے بھنور میں ہے۔ اس کی مدد کر کے تم خود کو عظیم ثابت کر سکتے ہو۔"

اباقہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسد! تم بھی یہی کہہ رہے ہو۔"

اسد نے کہا۔ "اباقہ! میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں' لیکن احوال یہ ہے کہ رئیس اعظم ہی نہیں ہم خود بھی اس وقت ایک سخت امتحان سے دوچار ہیں' اور ہم ہی نہیں بے گناہ شہزادی نتاشا کی زندگی موت بھی اسی سوال کے جواب سے وابستہ ہے۔ تمہیں نہایت سوچ سمجھ کر تحمل ایثار اور فراخدلی سے فیصلہ کرنا ہے۔" اس آراستہ کمرے کی نیم گرم فضا میں اباقہ اور اسد تا دیر مصروف گفتگو رہے۔ اباقہ بخوبی محسوس کر رہا تھا کہ اسد خود بھی نہیں چاہتا کہ اباقہ مارینا سے بے وفائی کرے لیکن حالات و اسباب ان کا ہانکا کر رہے تھے۔ اباقہ کا انکار اس کے ساتھیوں کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف بے قصور نتاشا کی بربادی کا اندیشہ بھی اسے کچوکے لگا رہا تھا۔

وہ دو روز اباقہ کے لیے نہایت عذاب ناک تھے۔ وہ فیصلے کی سولی پر تھا اور اندیشوں کے تیر اسے موت کی طرف دھکیل رہے تھے' یہ اس کے جسم کی نہیں اس کے عہد و پیمان کی موت تھی۔ دوسری رات پچھلے پہر تک اسد' یورق اور فیرایونت نے علیحدہ علیحدہ اور اکٹھے کئی بار اس سے ملاقات کی۔ وہ ہر طرح اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے

لیکن اباقہ نے گھمبیر خاموشی کا پردہ چاک نہیں کیا۔ آخر وہ چلا اٹھا۔ "مجھے تنہا چھوڑ دو۔ خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس وقت اس کے پاس بوڑھا فیرنت بیٹھا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اباقہ نے مسہری پر نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ تنہائی پاتے ہی اس کا تھکا ماندہ ذہن غیر محسوس طور پر نیند کی وادی میں اتر گیا۔ اس نے ایک خواب دیکھا۔ وادی میرکائز شکوہ حکمران رئیس اعظم کنیاز یوری اپنا دامن پھیلائے اس کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اباقہ کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔ "بیٹے! مجھے اپنی رعایا کے سامنے خوار ہونے سے بچا لو۔ دیکھو صبح ہونے والی ہے۔ یہ صبح میری ناموس کے آفتاب کو ہمیشہ کے لیے غروب کر دے گی۔"

اباقہ کہتا ہے۔ "نہیں رئیس اعظم' یہ ناممکن ہے۔"

دفعتاً رئیس اعظم کا چہرا تپے ہوئے لوہے کی مانند سرخ ہو جاتا ہے۔ وہ چنگھاڑتا ہے اور مسلح محافظ کسی کو دھکیلتے ہوئے اس کے سامنے لے آتے ہیں۔ اباقہ دیکھتا ہے وہ معصوم علی ہے۔ اس کا جسم عریاں ہے اور وہ سردی میں کسی کمزور مینمنے کی طرح کانپ رہا ہے۔ رئیس اعظم ایک کوڑا اٹھاتا ہے اور بے دردی سے علی کو پیٹنے لگتا ہے۔ اس کی کھال ادھڑ رہی ہے۔ وہ چلا رہا ہے۔ "بھائی جان ..... بھائی جان۔ مجھے بچا لو' میں مر جاؤں گا۔" رئیس اعظم اپنا کوڑا علی کی دبلی گردن میں لپیٹتا ہے اور اسے بل دینے لگتا ہے۔ علی کا دم گھٹ جاتا ہے ..... اور وہ مر جاتا ہے۔

اچانک اباقہ ایک کراہ کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ دروازہ کھلا اور دو خادم بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ شاید نیند میں اباقہ زور سے چلایا تھا۔ اس نے حواس درست کیے اور خادموں سے کہا کہ فیرایونت سے کہہ کر اس کے دوست اسد اللہ کو بلایا جائے۔ خادم واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد اسد کمرے میں داخل ہوا۔ غالباً وہ ابھی اسی رہائش گاہ میں تھا۔ اباقہ نے اسد سے کہا۔

"اسد! تم نے کل کہا تھا کہ نتاشا سے شادی کرنے کے باوجود میں مارینا کو بیوی بنا سکتا ہوں' کیا واقعی یوں ہو سکتا ہے؟"

اسد نے کہا۔ "یقیناً ہو سکتا ہے۔ عورت کی رضامندی اور مرد کی اطمینان بخش مالی حالت کی شرط کے ساتھ ہمارا مذہب مرد کو یہ اجازت دیتا ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "..... لیکن اسد! میں اس دور دراز خطے میں مارینا سے سینکڑوں کوس دور اس کی رضامندی کیونکر حاصل کر سکتا ہوں۔"

اسد نے کہا۔ "ہاں اس وقت یہ ممکن نہیں مگر اباقہ میں تم سے اس بات کا عہد کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں کہ مارینا کے دل میں پیدا ہونے والی ہر بدگمانی کو میں دور کروں گا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم نے یہ شادی کیسے اور کن حالات میں کی۔ مجھے قوی امید ہے وہ میری معروضات قبول کرے گی۔"

اباقہ نے دریچے سے باہر دیکھا۔ برف گزیدہ سورج کی ٹھٹھری ہوئی تمازت کرنیں شہر کے باسیوں کو ایک مضطرب صبح کی خبر دے رہی تھیں۔ دور کہیں کسی کلیسا کی سہمی ہوئی گھنٹیاں برباد بستیوں اور بے کراں گورستانوں کا نوحہ سنا رہی تھیں۔ اباقہ نے بجھی ہوئی لیکن مضبوط آواز میں کہا۔ "اسد' میرے دوست' میرے بھائی! بوڑھے فیرایونت سے جا کر کہہ دو مجھے یہ شادی منظور ہے۔" اسد نے آگے بڑھ کر اباقہ کو گلے سے لگالیا۔

☆======☆======☆

ماتمی فضا کے باوجود رئیس اعظم کی بیٹی کی شادی کا جشن منایا گیا۔ خوف و ہراس کی جس میں یہ شادی شادمانی کا ایک جھونکا تھی۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ بدترین حالات میں بھی جینا سیکھ لیتا ہے۔ روسی بھی آگ اور خون کے درمیان جی رہے تھے۔ شہزادی نتاشا سفید عروسی لبادی میں سہیلیوں کے درمیان بیٹھی آسمانی حور لگ رہی تھی۔ حیا کے بوجھ نے اس کی پلکوں کو یوں جھکایا تھا کہ آنکھوں کے آبگینے مستقل اوجھل ہو کر رہ گئے تھے۔ باریک جالی دار نقاب کے پیچھے اس کا چہرہ چلمن کے عقب میں جلنے والی شمع کی طرح روشن تھا۔ اس کے کنوارے جسم سے مخمور کن خوشبو کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ علی کہیں سے بھاگتا ہوا آیا اور نتاشا کی گود میں جا بیٹھا۔ زرق برق لباس میں وہ ایک چھوٹا سا شہزادہ لگ رہا تھا۔ نتاشا نے اس کا رخسار چوم لیا۔ جواب میں علی نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان نے دیکھ لیا تو ناراض ہو جائیں گے۔"

"شیطان۔" نتاشا نے آہستہ سے کہا اور اسے چٹکی کاٹنے کی کوشش کی' لیکن وہ مچھلی کی طرح پھسل کر گرفت سے نکلا اور عورتوں میں گم ہو گیا۔

یہ ایک مسلمان مرد اور عیسائی عورت کی شادی تھی اور اس کی مخصوص رسومات تھیں۔

شادی کے ہنگامے میں دوسرے مہمانوں کے علاوہ ڈیوک بھی موجود تھا۔ وہ سخت افسردہ و ملول دکھائی دیتا تھا۔ اس کا سارا کھیل بگڑ گیا تھا۔ اسے تو توقع تھی کہ نتاشا اور اباقہ کے تعلق کے بارے جان کے رئیس اعظم کا غضب اپنی آخری حدوں کو چھو جائے گا اور اباقہ اس کے ساتھی اور نتاشا سب اس غضب کی آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ مگر رئیس اعظم نے اس نازک موقع پر تحمل کا ثبوت دیا تھا۔ رہی سہی کسر فیرایونت نے پوری

کر دی تھی اور یہ معاملہ ایسی خوش اسلوبی سے طے ہو رہا تھا کہ ڈیوک کے تن بدن سے چنگاریاں پھوٹنے لگی تھیں ..... اس نے کبھی نتاشا سے محبت نہیں کی تھی۔ وہ اپنے دشمن کی بیٹی سے محبت کر ہی نہیں سکتا تھا۔

بہر حال لوگ اسے نتاشا کا منگیتر سمجھتے تھے اور آج وہی نتاشا اس جنگلی کے پہلو میں بیٹھی تھی جس نے اپنی عیاری سے اسے اور اس کی تنظیم کو زبردست نقصان پہنچایا تھا اور ہر قدم پر اس کی مزاحمت کی تھی۔ ڈیوک کا خون کھولنا ایک فطری امر تھا۔ وہ اپنے جسم کے اندر زخمی ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا اور وہ اس وقت تک بل کھاتا رہا جب تک شادی کی تقریبات اختتام پذیر نہیں ہو گئیں۔

..... رات اپنے بال کھولے کسی خمار آلود حسینہ کی طرح دبے پاؤں زمین پر اتر آئی تھی۔ چاند نے اس کے استقبال کے لیے گلی کوچوں میں اپنی روشنی کے پھول بکھیر دیے تھے۔ سناٹا خاموشی کی دھن پر سکوت کا ایک ایسا نغمہ بکھیر رہا تھا جسے صرف محبت کرنے والوں کے کان سن سکتے تھے۔ منظر شاہی قیام گاہ کی ایک سجی سجائی خوابگاہ کا تھا۔ پھولوں سے معمور اور نقرئی جھالروں اور پٹیوں سے مزین خوبصورت بستر پر شہزادی نتاشا کسی شاعر کے حسین ترین خوابوں کی تعبیر بنی بیٹھی تھی۔ اباقہ اپنے عروسی لباس میں اس سے دو قدم کے فاصلے پر موجود تھا۔ وہ نتاشا سے محبت نہیں کرتا تھا۔ مگر اب وہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی قربت اباقہ کے رگ و پے میں ایک عجب طرح کی سنسنی بھر رہی تھی۔ وہ آہستگی سے قدم اٹھا کر مسہری پر آبیٹھا۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ رزم گاہوں میں دشمن کے چھکے چھڑا دینے والا اور قضائے ناگہانی کی طرح غنیم کی صفوں میں گھس جانے والا نڈر اباقہ اپنی زندگی کے سفر نو کے آغاز پر حواس باختہ تھا۔ نتاشا کے کانچ جیسے نازک اور بلور جیسے رنگیں جسم سے قربت کا احساس اسے سوچنے کی صلاحیت سے عاری کر رہا تھا۔ تنگ اور چست عروسی لباس اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھونے لگا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا جیسے یہ لباس آگ کا بن گیا ہے۔ اسے اپنی وہی پرانی صدری اور خستہ زیر جامہ یاد آیا جو ہر موسم اور ہر جگہ اس کے ساتھ رہتا تھا اور جس میں رزم گاہوں کی گرد اور مسافتوں کا پسینہ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ لباس کا حصہ بن گیا تھا۔ وہ کمرے کے ایک گوشے میں رکھے اس صندوق کی طرف بڑھا جس میں اس کی ذاتی اشیاء رکھ کر تالا لگا دیا گیا تھا۔ اس نے صندوق کا قفل کھولا اور اندر سے اپنا ڈھیلا ڈھالا لباس نکال لیا۔ لباس کے ساتھ ہی ایک اور چیز بھی صندوق سے نکل کر قالین پر آگری۔ یہ ایک بوسیدہ کاغذ تھا۔ اباقہ نے چونک کر اس کاغذ کی طرف دیکھا اور اس کی تہہ کھول کر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کا چہرہ اتھا۔۔۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرب میں ڈوب گیا۔ یہ ماریتا کا خط تھا۔ اس کا پہلا اور آخری خط' عراق سے روانگی کے وقت یہ خط اس نے اباقہ کے بستر میں رکھ دیا تھا۔ اباقہ نے بے چینی سے تحریر پر نظریں دوڑائیں۔ الفاظ سنسناتے تیروں کی مانند اس کی آنکھوں کی طرف لپکنے لگے۔ ایک سطر پر آکر اس کی نگاہ جامد ہو گئی۔ وہ پڑھنا نہیں جانتا تھا لیکن اس سطر کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس سطر میں ماریتا نے لکھا تھا۔

"اباقہ! میں ایک کمزور عورت ہوں۔ تمہیں مجھ سے کوئی بھی چھین سکتا ہے' لیکن میں ایک مضبوط عورت بھی ہوں مجھے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" اباقہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ یہ اس آتشدان کی گرمی نہیں تھی جو خوابگاہ کے ایک گوشے میں جل رہا تھا۔ یہ نتاشا کے حسن بلاخیز کی حدت بھی نہیں تھی۔ یہ تپش اور جلن اس پیمان کی تھی جو اباقہ نے کبھی قراقرم کی بے سہارا شہزادی سے باندھا تھا۔ وہ بے قرار ہو کر حجلہ عروسی سے باہر نکل آیا اور زینے طے کر کے محل کی چھت پر چلا آیا۔ پہلے عشرے کی چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ جنوب سے آنے والی یخ بستہ ہوا جسم سے آرپار ہو رہی تھی۔ دور دیس سے آنے والی یہ ہوا اس کے اندر کی آگ کو اور بھڑکا گئی۔ اسے اس ہوا کے دوش پر ماریتا کی سسکیاں سنائی دیں۔ وہ موسم کی خنکی سے بے پرواہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خاموش کھڑا رہا۔ خاموش اور آزردہ خاطر۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ دفعتاً وہ چونک کر رہ گیا۔ گھڑ سواروں کا ایک دستہ سرپٹ گھوڑے بھگاتا شاہی قیام گاہ کی طرف آرہا تھا۔ ان کا انداز کسی خطرے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ جب وہ قیام گاہ کے عین سامنے پہنچا تو اباقہ کو معلوم ہوا کہ وہ شاہی فوج کے سپاہی ہیں' لیکن جس منظر نے اباقہ کو زیادہ حیران کیا وہ یہ تھا کہ سپاہیوں کے ہمراہ ایک عورت بھی تھی۔ اس کے جسم میں میلا کچیلا لباس تھا اور گندے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ وہ نوجوان تھی اور شکل کے اعتبار سے اسے قبول صورت کہا جا سکتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور اسے ایک قیدی کی حیثیت سے لایا جارہا تھا۔ معاملہ خاصا اہم دکھائی دیتا تھا۔ اباقہ زینے اتر کر نیچے آیا تو مسلح سپاہی عورت کو رئیس اعظم کے حضور پیش کرنے کے لیے اندر لا چکے تھے۔ وہ مسلسل چیخ رہی تھی اور سپاہیوں سے زور آزمائی میں مصروف تھی۔ اباقہ کے پوچھنے پر دستہ سالار نے جو ایک یک ہزاری سردار تھا' بتایا کہ اس عورت کو ایک مرد کے ساتھ شہر کے مضافات سے گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ دونوں بھیک منگوں کے بھیس میں شہر کی طرف آرہے تھے۔ سپاہیوں نے انہیں للکارا تو دونوں مقابلے پر اتر آئے۔ مرد تو موقعے پر ہلاک ہو گیا' لیکن اس عورت کو کافی جدوجہد کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ شبہ کیا جارہا تھا کہ یہ منگول فوج کے جاسوس

.... ا

اس گفتگو کے دوران رئیس اعظم بھی شب خوابی کے لباس میں موقعے پر پہنچ گئے۔ ی افسر اس معاملے کو بہت اہمیت دے رہے تھے ورنہ اس وقت رئیس اعظم کو بے ام نہ کیا جاتا۔ رئیس اعظم کی موجودگی میں منگول عورت سے پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ ہر سوال کے جواب میں چیختی رہی یا ہذیانی قہقہے لگاتی رہی۔ ایک سپاہی نے اسے تھپڑ ۔ تو اس نے بے خوفی سے اس کے منہ پر تھوک دیا اور چلا کر بولی۔

"سفید چمڑی والے بدبخت جانورو' تمہارے ذبح ہونے کا وقت آگیا ہے۔ عنقریب تم ی گردنوں کو منگولوں کی تلواروں کے نیچے پاؤ گے۔ تمہاری عورتیں' صحرائے گوبی کے ں سے عزت اور رحم کی بھیک مانگ رہی ہوں گی۔"

موقعے پر موجود کسی کو عورت کی منگول زبان سمجھ نہیں آئی' لیکن اباقہ نہ صرف ھا بلکہ جان بھی گیا کہ یہ عورت کسی عظیم خطرے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اس کے ۔ بھنچ گئے اور چہرا زلزلوں کی آماجگاہ بن گیا۔ غصے سے بے قابو ہو کر وہ آگے بڑھا اور ں کا زناٹے دار تھپڑ عورت کے رخسار پر پڑا۔ یہ ایک وحشی کا تھپڑ تھا اور اس میں ارت' نفرت انتقام اور غضب بے پناہ طاقت کی صورت میں یکجا ہو گئے تھے۔ عورت جو ی مرد کی طرح لمبی تڑنگی اور مضبوط تھی۔ اس ضرب کو نہ سہہ سکی اور اچھل کر رئیس لم کے قدموں میں گری۔ اس کا گال پھٹ گیا تھا اور خون چہرے کو رنگین کر رہا تھا۔ ۔ سے کو وہ بھونچکی رہ گئی۔ پھر ایک بلند ہذیانی قہقہہ لگا کر بولی۔

"قسم لازوال آسمان کی باتو خاں میرے اس خون کے بدلے تمہارے شہر میں خون کی ں بہا دے گا۔"

اباقہ نے اس کی دھمکی نظر انداز کرتے ہوئے' رئیس اعظم کو مخاطب کیا اور ترکی بولا۔ "رئیس اعظم! فوج کو تیار کیجئے' منگول کسی بھی لمحے شہر کے دروازوں پر دستک نے والے ہیں۔"

رئیس اعظم اور سپاہیوں کے چہروں پر بے پناہ حیرت نظر آئی۔ رئیس اعظم نے کہا۔ ٹے! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق آج صبح شہر سے سو کوس دور تک ل لشکر کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔"

اباقہ نے کہا۔ "گستاخی معاف رئیس اعظم' اہل روس کے تخمینوں کی یہی غلطی ۔ ہزیمت سے دوچار کر رہی ہے۔ آپ منگولوں کی پیش قدمی کا اندازہ اپنی سپاہ کی ۔ حرکت سے کیوں لگاتے ہیں۔ آپ کے سپاہی انسان ہیں لیکن آپ کے مدمقابل وحشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ وہ گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر سفر کرتے ہیں اور بھاگتے گھوڑوں پر اپنی نیند پوری کر سکتے ہیں۔ انہیں کھانا پکانے اور کھانے کا وقت بھی درکار نہیں ہوتا۔ وہ محو سفر جانوروں کی پیٹھ میں خنجر گھونپتے ہیں اور منہ لگا کر خون پی جاتے ہیں......... اگر یہ منحوس عورت موجود ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ منگول لشکر کا ہراول آپ کی چوکیوں کو پیہم ... کرتا شہر کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

رئیس اعظم سمیت ہر شخص کا چہرہ خوف سے برف کی مانند سپید ہو گیا۔ رئیس ... نے کہا۔ "پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

اس سے پہلے کہ اباقہ رئیس اعظم کے اس بے معنی سوال کا کوئی جواب ... راہداری میں دندناتے قدموں کی آوازیں آئیں اور ہراساں چہروں کا ایک ہجوم اباقہ ... سامنے آگیا۔ ان میں سب سے آگے رئیس اعظم کا ایک معتمد سالار اور دست ... دورد ژ تھا۔ اس نے تعظیمی تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"رئیس اعظم! غضب ہو گیا۔ منگول ہمارے شہر پر اچانک ہلہ بولنے کے لیے ... بڑھے رہے ہیں۔ ان کے کچھ ہراول دستوں نے ہماری نواحی چوکیوں کو تاراج کر ... ہے۔" دورد ژ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور عسکری مشیر اور سردار ... تھے۔ ڈیوک ان میں سب سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔

رئیس اعظم کی نگاہ انتخاب سب سے پہلے اس پر پڑی۔ انہوں نے کہا۔ "ڈیوک ... اس صورت حال میں تمہاری کیا رائے ہے' ہمیں قلعہ بند رہنا چاہیے یا باہر نکل کر د... کو دعوت مبارزت دینی چاہیے۔"

اس سے پہلے کہ ڈیوک اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کوئی رائے دیتا۔ اباقہ کی ... کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ وہ چیخ کر بولا۔ "نہیں رئیس اعظم یہ شخص مشورے کے ... نہیں۔ میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ خدا کے لیے اعتبار کیجئے۔ یہ شخص .... شخص غدار ہے۔ دلاور میر کے لاکھوں انسانوں کے خون میں اس ملعون کا ہاتھ بھی ہے۔"

اباقہ نے ڈیوک کے لیے نہایت سخت الفاظ استعمال کر دیے تھے۔ کمرے میں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں ہراس نظر آنے لگا۔ رئیس اعظم کے چہرے پر سخت ناگواری کے آثار ابھرے لیکن پھر انہوں نے کمال قدرت سے ان پر قابو پایا اور معتدل لہجے میں بولے۔

"اباقہ! تم اور ڈیوک دونوں ہمارے بیٹے ہو۔ ہم ایک بیٹے کی زبان سے دوسرے کے متعلق ایسے الفاظ سننا پسند نہیں کریں گے۔ ڈیوک کے متعلق تمہارا رویہ یقیناً غلط ...

... ہے۔" اباقہ تلملا کر رہ گیا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔ ڈیوک کی گہری اور نیلی آنکھوں ... گہرا سکون تھا' لیکن اس سکون کے پیچھے تباہی اور بربادی کا طوفان امڈا چلا آ رہا ...

....

... وہ اطمینان سے بولا۔ "چچا جان! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ہماری زیادہ تر فوج ... فصیل سے باہر دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ پھر یہ فصیل بھی کوئی ایسی مضبوط ... ہیں لہٰذا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہم کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں یا فصیل ... اندر رہیں۔"

اور واقعی ڈیوک ٹھیک کہہ رہا تھا اس موقع پر شہر میں رہنا یا شہر سے نکلنا ایک برابر ... یہ مختصر سی شکستہ فصیل نہ تو لشکر کو اپنے اندر سمو سکتی تھی اور نہ تحفظ دے سکتی تھی۔ ... صاف ظاہر تھا کوئی معجزہ رونما نہ ہوتا تو دشمن یہاں بھی انہیں آڑے ہاتھوں لینے والا ...

اباقہ نے کہا۔ "رئیس اعظم! دشمن کو الجھانے کے لیے ہراول دستوں کو فوراً دریا ... کے کنارے کنارے آگے بڑھا دینا چاہیے۔ اس دوران باقی لشکر بھی تیار ہو کر میدان میں ... آ جائے گا۔"

سردار یورق نے اباقہ کی تائید کی۔ دوسرے سرداروں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ رئیس اعظم نے دورد ژ سے کہا۔ "ہراول کے تین ہزار سپاہیوں کے ہمراہ تم فوراً کوچ کرو ... اور منگول ہراول کو روکنے کی کوشش کرو۔" پھر وہ میسرہ اور میمنہ کے سالاروں سے مخاطب ہو کر بولے۔ "تم دونوں فوراً سپاہیوں کو ہتھیار بند ہوا اور دریا کے ساتھ جنوب ... کے رخ پر صفیں ترتیب دو۔" دونوں سالار سر جھکا کر تیز قدموں سے دورد ژ کے عقب ... میں روانہ ہو گئے۔

رئیس اعظم نے اباقہ سے کہا۔ "آج تمہاری شب عروسی ہے لہٰذا تم جنگ میں حصہ نہیں لو گے۔ اگر تمہارے ساتھی چاہیں تو وہ شریک ہو سکتے ہیں۔"

اباقہ نے ٹھوس اور فیصلہ کن لہجے میں کہا......... "نہیں رئیس اعظم! ایک سپاہی کے لیے میدان میں گزرنے والی رات ہی شب عروسی ہوتی ہے۔ آپ مجھے اپنی کمان میں لڑنے کی سعادت سے محروم نہ کیجئے۔"

رئیس اعظم اباقہ کو اجازت دینے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ کچھ دوسرے سرداروں کا بھی یہی خیال تھا۔ مگر اباقہ کے اصرار پر انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ کچھ سوچ بچار کے بعد رئیس اعظم نے اباقہ سے کہا......... "اباقہ' تم اور تمہارے ساتھی لشکر کے قلب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے ساتھ رہیں گے۔ تم میں سے ہر ایک کی کمان میں یک ہزاری دستہ ہو گا۔"

ان تینوں نے تعظیماً سر خم کیے۔ پھر رئیس اعظم جنگی لباس پہننے کے لیے اپنی خیمہ کی طرف لپکا۔ اباقہ یورق اور اسد بھی دوڑتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ دریائے سیت کے کنارے اپنے اپنے دستوں کو منظم کر رہے تھے۔ سیت کا برفیلا پانی ایک دھیمی سرسراہٹ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ یوں لگتا تھا وہ اس قیامت سے قطعی بے خبر ہے جو اس کے کنارے برپا ہونے والی ہے۔ یا پھر وہ سب کچھ جانتا تھا ..... اور نہایت خاموشی کے ساتھ اس خونی مقام سے آگے نکل جانا چاہتا تھا۔ خشکی پر ہُو کا عالم مچی ہوئی تھی۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ ہتھیار چمک رہے تھے۔ سردار اپنے اپنے سپاہیوں کو آوازیں دے رہے تھے۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ چہرے پر سراسیمگی اور عجلت نقش ہو گئی تھی ..... عین اس وقت جب رئیس اعظم اپنی سپاہ کی صف بندی کر رہے تھے۔ سرپٹ دوڑتے گھوڑے خیمہ گاہ کی طرف بڑھے قریب پہنچے تو معلوم ہوا یہ دوردژ اور اس کے سپاہی ہیں۔ دوردژ چلتے گھوڑے سے جست کر کے اترا اور رئیس اعظم کے سامنے پہنچ گیا اس کے چہرے پر خون کے چھینٹے تھے اور آہنی خود کا ایک حصہ پچکا ہوا تھا۔ کمر جھکا کر وہ ہراساں لہجے میں بولا۔

رئیس اعظم' آپ پر جان قربان۔ ہمیں منگولوں نے گھیرے میں لے لیا ہے۔"

رئیس اعظم نے پوچھا۔ "وہ کتنی دور ہیں؟"

دوردژ نے جواب دینا چاہا لیکن پھر خاموش ہو کر جنوب کی سمت دیکھنے لگا۔ اب جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں تھی۔ روشن نقطوں کا ایک سیلاب نشیب سے برآمد ہو کر پڑاؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خونی افق سے خونی لشکر نمودار ہو رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر تیرتی ان کی ہزار ہا چیخیں ایک زہریلی گنگناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے شب گزیدہ میں دور کہیں جنگل میں بھیڑیوں کا غول چیخ رہا ہو۔ ہاں وہ بھیڑیے ہی تھے جو گوبی کے صحرا سے سیر کے لیے نکلے تھے اور انسانی آبادیوں کے خون نے انہیں آدم خور بنا دیا تھا .....

ایک پُر ہول دہشت رئیس اعظم کنیازیوری کی سپاہ پر طاری ہو رہی تھی۔ انہوں نے وحشی منگولوں کے متعلق جتنی کہانیاں سنی تھیں۔ وہ ان کے ذہنوں سے نکل کر ان کے رگ و پے میں سرایت کر رہی تھیں۔ جسموں میں دوڑتا خون دھیرے دھیرے اپنی حدت کھو رہا تھا۔ فوج کے سالار چیخ چیخ کر صف بندی کا حکم دے رہے تھے مگر کچھ تاریکی اور کچھ ہواسی میں یہ کام مشکل تر ہو گیا تھا ..... اور پھر وقت ختم ہو گیا۔ طبل جنگ بج اٹھا

منگولوں کے ہراول دستے سر پر پہنچ گئے۔ جو تھوڑی بہت صف بندی ہوئی تھی وہ بھی ناپید ہو گئی اور روسی فوج ایک ہجوم کی طرح منگول دستوں سے بھڑنے پر مجبور ہو گئی۔ منگول اتنی رفتار اور تنظیم سے پہنچے تھے کہ پہلے ہی ریلے میں دور تک روسی فوج میں گھس گئے۔ پھر وہ دو حصوں میں تقسیم ہوئے اور دائیں بائیں پہلو سے روسیوں کا صفایا کرنے لگے۔

یورق اور اسد بھی باقی سپاہ کی طرح اپنے دستوں کو منظم کرنے میں ناکام رہے تھے۔ ہاں البتہ اباقہ نے ڈھائی تین سو سپاہیوں کو اپنی کمان میں لے لیا تھا اور اب وہ اس کے اشارے پر حرکت کر رہے تھے۔ رئیس اعظم نے شاید جان بوجھ کر اباقہ کو پچھلی صفوں میں رکھا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے لیے کم از کم خطرہ پیدا کرنا چاہتے تھے ..... مگر وہ تو خطروں کا شیدائی تھا' اس کی آرزو رہتی تھی کہ مخالف فوج کی طرف سے اٹھنے والی پہلی تلوار اس کی تلوار سے ٹکرائے۔ وہ پچھلی صفوں میں بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ایک بار اس کے اندر مچل کر اسے منگول سورماؤں کے روبرو جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

..... لشکر کی ترتیب تو بگڑ ہی چکی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور دل ہی دل میں منگولوں کو للکارتا ہوا دریا کی جانب بڑھا۔ یہاں منگول حملہ آوروں کا زور تھا اور روسی سپاہی کٹ کٹ کر پانی میں گر رہے تھے۔ وہ پست حوصلہ روسی سپاہیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا عین منگولوں کے سامنے جا پہنچا۔ نعرہ تکبیر کی پُرجوش صدا کے ساتھ اس نے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ منگول ٹھٹک کر رہ گئے۔ یہ منگول دستہ جو مبارزت میں مار دھاڑ کرتا کافی آگے نکل آیا تھا۔ اباقہ نے ایسی چال چلی کہ پلک جھپکتے میں اسے باقی لشکر سے کاٹ کر رکھ دیا۔ منگولوں نے واپسی کا راستہ مسدود پایا تو حواس باختہ ہو گئے۔ کہاں وہ جارحیت کی انتہا کو چھو رہے تھے اور کہاں اب اپنی جان بچانے کا سوچ رہے تھے۔ شوق شکار میں وہ خود نشانے پر آ گئے تھے۔ اب ان کے پیچھے دریا تھا اور تین اطراف اباقہ کے سپاہی۔ ان کے پنج صدی سردار نے ایک زوردار جنگی نعرے کے ساتھ اباقہ کا گھیرا توڑنا چاہا مگر ناکام رہا۔ اباقہ اس کے مقابل آیا دونوں میں زبردست جدوجہد ہوئی۔ آخر سردار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ خود کو اباقہ کے تابڑ توڑ حملوں سے بچاتا بچاتا گھوڑے سمیت دریا میں جا گرا۔ ایک سپاہی نے لپک کر اپنا نیزہ اس کے سینے میں ترازو کر دیا۔ اس دوران دریا کے اس حصے پر منگولوں کا دباؤ ایک دم بڑھ گیا۔ شاید وہ اپنے محصور دستے کو بچانا چاہتے تھے۔ مگر محصورین میں سے بیشتر اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ اباقہ نے جب دشمن کو زور پکڑتے دیکھا تو اپنے سپاہیوں کو حفاظت سے پیچھے ہٹاتا لشکر سے آملا۔ اس مختصر سے معرکے میں کم و بیش دو سو منگول جہنم واصل ہوئے جبکہ اباقہ کے دستے کے صرف آٹھ سپاہی مارے گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بد نظمی کے سبب قلب کے ہراول کو منگول حملے سے زبردست نقصان پہنچا تھا۔ روسی فوج کے اس بہترین حصے کو منگولوں نے آٹھ دس جتھوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر جتھا انفرادی طور پر اپنی بقاء کی جنگ میں مصروف تھا۔ ان جتھوں میں روس کے نامور بہادر اور جنگجو شامل تھے۔ ہتھیار ڈالنا یا کٹ مرنا ان کے لیے ایک برابر تھا۔ اس لیے وہ ہتھیار نہیں ڈال رہے تھے۔ لڑ کر مر رہے تھے وہ بار بار جنگی نعرے بلند کرتے اور ٹولیوں کی صورت میں دشمن پر جا پڑتے۔ اندھا دھند تلوار چلاتے رہتے یہاں تک کہ منگول ان کے جسموں کو کاٹ کر ان کے سر نیزوں پر بلند کر دیتے۔ کیسے کیسے سجیلے جوان' کیسے کیسے خوبرو بیٹے اور محبوب شوہر اپنی مٹی کی حرمت پر قربان ہو رہے تھے۔ رئیس اعظم خود بھی جسم و جان کی پوری قوت سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلوار برق آسمانی کی مانند منگولوں کے سروں پر گر رہی تھی۔ بالآخر وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ منگول سپاہیوں کا گھیرا توڑنے میں کامیاب ہو گئے اب ان کے سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا۔ اس ٹیلے کا چکر کاٹ کر وہ اپنے لشکر کے میسرہ کے ساتھ مل سکتے تھے۔ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہوئے ٹیلے کی طرف لپکے۔ یکایک ان کے پہلو سے ایک نیزہ آیا اور زرہ توڑتا ہوا پسلیوں میں گھس گیا۔ رئیس اعظم کے ہونٹوں سے ایک آہ نکلی۔ انہوں نے خود کو گھوڑے پر سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور برف پر گر پڑے۔ ان کے ساتھی تاریکی اور افراتفری کے سبب اس حادثے سے بے خبر رہے تھے۔ رئیس اعظم کی اذیت دوگنا ہو گئی کہ وہ ان کی فوج کا ہی کوئی سالار تھا۔ نیم تاریکی میں اس کی وردی چیخ چیخ کر اس کریہہ حقیقت کا اعلان کر رہی تھی کہ رئیس اعظم اپنوں کے ہاتھوں جان گنوا رہے ہیں۔ حملہ آور ان کے سر پر پہنچا اور ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر بیٹھ گیا اس کا چہرہ آہنی خود میں پوشیدہ تھا۔ رئیس اعظم اکھڑتی ہوئی سانسوں میں بولے۔

"اے بدبخت! کون ہے تو؟"

حملہ آور نے ایک لمحہ توقف کیا۔ پھر اپنا خود چہرے سے ہٹا دیا۔ رئیس اعظم نے دھندلائی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کیں اور سکتے میں رہ گئے۔ وہ ڈیوک تھا۔ وہی ڈیوک جسے وہ اپنے سگے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ جس کے مشوروں کو وہ آنکھیں بند کر کے تسلیم کرتے تھے اور جس کی وفاداری پر ان کا ایمان تھا۔

"تت ..... تم؟" وہ دنیا جہاں کی حیرت لہجے میں سمیٹ کر بولے۔

"ہاں میں۔" ڈیوک نے پر خباثت سرگوشی کی۔ اس کی نیلی آنکھیں اندرونی غضب سے روشن تھیں۔ باریک ہونٹوں سے بے رحم مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔ وہ اپنا خنجر نکالتا

ہوا پُراسرار لہجے میں بولا۔

"تجھے یاد ہے کنیاز یوری! آج سے پندرہ برس قبل "کیف" کے سب سے بڑے بازار میں ایک مظاہرہ ہوا تھا۔ مظاہرین اپنا وہی پرانا مطالبہ دوہرا رہے تھے کہ دارالحکومت "ولادی میر" نہیں "کیف" ہونا چاہئے۔ یہ ایک عام سا مظاہرہ تھا لیکن..... تو نے اسے اپنی غیر معمولی سفاکی سے خاص بنا دیا۔ لوگ اس مظاہرے کو مدت تک نہ بھول سکے۔ تو نے نہتے مظاہرین پر وحشیانہ تشدد کیا اور ان میں سے تین کو موقعہ پر ہلاک کر دیا..... ان تینوں مقتولین میں سے ایک میرا بڑا بھائی تھا۔ میری ماں کو اس سے بہت پیار تھا۔ وہ اس کی موت کی خبر سن کر ہی مر گئی تھی۔ میری عمر اس وقت صرف بارہ برس تھی۔ میں نے بھائی اور ماں کی لاش پر کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی کہ ایک روز ان کے قاتل سے انتقام ضرور لوں گا۔ رئیس اعظم! یہ انتقام میرے ساتھ ساتھ جوان ہوا ہے۔ میں نے اس انتقام کو دن کے چین اور راتوں کی نیند سے سینچا ہے۔ اب یہ طاقتور ہو گیا ہے۔ اتنا طاقتور کہ تیرے پورے خاندان کی لاشیں گرا کر بھی اس کی تسکین نہیں ہوئی۔ اب یہ تجھے مارے گا..... اور پھر تیری بیٹی نتاشا کو..... اور اگر پھر بھی تیرے نام کو آگے چلانے والا کوئی فرد زندہ بچا تو وہ اسے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔"

رئیس اعظم سناٹے کے عالم یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ ان کا ڈوبتا ہوا ذہن کی ماضی کے گردابوں میں چلا گیا تھا۔ ڈیوک نے انہیں جو کچھ یاد دلایا تھا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا تھا۔ پندرہ برس پہلے کیف کے اس بازار میں انہوں نے تین آدمیوں کو قتل کیا تھا لیکن ان کا قصور صرف یہ نہیں تھا کہ وہ مظاہرے کر رہے تھے۔ وہ ایک بے کس انسان کو اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ مظاہرے کے دوران انہوں نے اپنے مخالف کو پکڑ لیا تھا جس پر انہیں شبہ تھا کہ وہ جاسوسی کرتا ہے اس شبہ کی بنیاد پر انہوں نے اسے چوراہے میں گرا لیا تھا اور نوکیلی سلاخوں سے اس کا جسم چھید رہے تھے۔ وہ چیخ رہا تھا اور مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اس وقت کنیاز یوری نے جو ایک دستے کا سالار تھا' مردانہ وار آگے بڑھ کر مظاہرین کو منتشر کیا تھا اور جاں بلب شخص کو درندہ صفت افراد کے چنگل سے نکالا تھا۔ اس کارروائی میں دو تین افراد ہلاک ہوئے تھے.....

خیالوں کے گرداب سے نکل کر کنیاز یوری نے ایک بار پھر غور سے ڈیوک کا چہرہ دیکھا جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کیا ان کا قاتل یہی آستین کا سانپ ہے۔ ڈیوک کے چہرے پر مسکراہٹ بدستور قائم تھی..... بتدریج یہ مسکراہٹ رئیس اعظم کی نظروں میں دھندلانے لگی۔ شاید تاریکی ایک دم بڑھ گئی تھی یا شاید ان کی آنکھوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ ہی گیا۔ خشکی پر آکر اس نے شیزی کا بے حرکت جسم کندھے پر لادا اور ٹیلوں کی طرف بڑھنے لگا۔

جان بچا کر دریا پار کر آنے والے خوش قسمت فوجی ان ٹیلوں میں جابجا نظر آرہے تھے۔ کچھ شدید زخمی حالت میں پڑے کراہ رہے تھے۔ یورق جانتا تھا ابھی کچھ ہی دیر میں منگول دستے بھی کشتیوں میں دریا پار کر آئیں گے اور روسی سپاہیوں کی تلاش شروع کر دی جائے گی۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ کوئی دو فرلانگ تک وہ اسی طرح بھاگتا چلا گیا پھر ایک جگہ اس نے شیزی کو اوندھا لٹا کر اس کے شکم سے پانی نکالا۔ اس کا تنفس معمول پر آگیا مگر بے ہوشی میں افاقہ نہیں ہوا۔ وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔ دریا سے قریباً دو کوس آگے یورق کو پناہ کے لئے ایک نہایت محفوظ جگہ نظر آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدرت نے خاص طور پر ان کی مدد کی ہے۔ یورق کو اس جگہ کا پتہ اتفاقاً ہی چلا۔ ذرا دم لینے کے لیے وہ کوئی مناسب جگہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ برف میں نظر آنے والے ایک سیاہ دھبے پر پڑی۔ اس نے دھبے کو ہاتھ سے چھوا تو وہ لکڑی کا ایک تختہ تھا۔ معاً یورق کو احساس ہوا کہ تختہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا ہے۔ اس نے دباؤ ڈالا تو تختہ اندر کی طرف کھل گیا۔ وہ ایک کھڑکی تھی۔ اندر سے یورق کو شراب' گندم اور سڑے ہوئے پھل کی ملی جلی خوشبو آئی تو وہ یہ سوچ کر حیران رہ گیا کہ برف میں کوئی گھر ہے؟ اس نے شیزی کو ایک ہموار جگہ لٹایا اور کھڑکی کے راستے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے پاؤں کافی دیر فضا میں معلق رہے آخر کسی چیز کے سہارے وہ اندر اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ پاؤں کے نیچے فرش ڈھلوان تھا۔ دفعتاً اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے ٹٹولا۔ یہ دیوار میں اڑسی ہوئی ایک مشعل تھی۔ یورق کو خیال آیا کہ عموماً دیا سلائیاں مشعل کے قریب ہی رکھی جاتی ہیں۔ وہ اندھوں کی طرح چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ کافی کوشش کے بعد وہ دیا سلائی اور تیل ڈھونڈنے اور مشعل روشن کرنے میں کامیاب رہا روشنی ہوتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے وا رہ گئیں۔ یہ ایک مکمل کمرہ تھا۔ بستر' الماریاں' آتشدان' دروازے سب کچھ موجود تھا۔ مگر ہر چیز ایک خاص زاویے سے ترچھی تھی۔ مطلب یہ کہ پورا کمرہ اپنے پہلو پر جھکا ہوا تھا۔ اس جھکاؤ سے کھڑکی اوپر آگئی تھی اور یورق جب اندر داخل ہوا تھا تو اسے فرش ڈھلوان لگا تھا۔ اس کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ یہ چھوٹا سا مکان کسی برفانی تودے کی زد میں آیا ہو گا۔ ایک عرصہ یہ سب کچھ برف میں دبا رہا تھا اور اب بالائی برف پگھلنے کے سبب مکان کی کھڑکی کچھ حصہ نمودار ہوا تھا۔ یورق نے دیکھا یہاں ضروریات زندگی کی بیشتر اشیاء موجود تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ یہاں کوئی

مکین بھی رہا ہو گا اس نے تشویشناک نظروں سے اردگرد دیکھا۔ تب اس کی نگاہ ایک طرف اٹھی اور وہ ٹھٹک گیا۔ ایک الٹی ہوئی الماری کے نیچے ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ دبا پڑا تھا۔ لباس اور بالوں سے یورق نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی دیہاتی عورت رہی ہو گی جو شاید پچھلے موسم میں اپنے خاوند کی کھیتوں میں روانگی کے بعد حادثے سے دوچار ہوئی اور یہیں دفن ہو گئی۔ یورق کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد باہر گیا اور تھوڑی سی تگ و دو کے نتیجے میں شیزی کو اندر لے آیا۔ سب سے پہلے اس نے الماری کے نیچے سے عورت کا ڈھانچہ نکالا اور اسے ٹھکانے لگانے کا سوچنے لگا۔ کمرے میں ایک بغلی دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ یورق نے دروازہ کھولا تو ایک چھوٹا سا کباڑ خانہ نظر آیا۔ شاید یہ اس گھر کا مطبخ تھا۔ اس کی چھت گر چکی تھی اور برف اندر داخل ہو گئی تھی۔ یورق نے عورت کا ڈھانچہ یہاں پھینک کر دروازہ بند کر دیا۔ تب اس نے آگ جلانے کا انتظام کیا۔ آتش دان موجود تھا مگر اس میں آگ جلا کر وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ممکن تھا دھات کی بنی ہوئی چمنی گرم ہو کر برف کو پگھلا دیتی۔ اس نے آتشدان سے لکڑیاں لے کر کمرے کے درمیان آگ جلائی۔ اس عذاب ناک سردی میں یہ آگ دنیا کی حسین ترین نعمت محسوس ہو رہی تھی مگر اس نعمت سے لطف اندوز ہونے کا خیال یورق کے دل میں تب ہی آسکتا تھا کہ شیزی ہوش میں آجاتی۔ اس کے کپڑے گیلے اور حالت تشویشناک تھی۔ یورق کے سامنے اب ایک نہایت مشکل مرحلہ تھا' وہ منگول ضرور تھا لیکن ذاتی طور پر شریف النفس تھا۔ اپنی بیوی کی وفات کے بعد اس نے عورت ذات کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا اور اب تو وہ ویسے بھی اسلام قبول کر چکا تھا۔ شیزی کی زندگی بچانے کے لیے اس کا لباس تبدیل کرنا ضروری تھا اور یہ کام یورق ہی کو کرنا تھا۔ اس نے اٹھ کر گری ہوئی الماری کی تلاشی لی۔ ایک خانے سے مختلف زنانہ لباس برآمد ہوئے۔ وہیں ایک کمبل بھی پڑا ہوا ملا۔ یورق نے مشعل گل کی اور دل کڑا کر کے شیزی کو بھیگے لباس سے نجات دلائی۔ پھر اس کا جسم کمبل میں لپیٹ دیا۔ تب وہ مطبخ میں داخل ہوا اور خشک راشن ڈھونڈنے لگا۔ جلد ہی اسے مطلوبہ اشیاء مل گئیں۔ آگ کی حدت سے کمرہ اب خاصا گرم ہو چکا تھا۔ اس نے ایک برتن لیا اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گیا۔ آگ کی لو شیزی کے چہرے پر منعکس ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کی نیلاہٹ بتدریج سفیدی اور سرخی میں ڈھل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کی فطری دلکشی نمایاں ہو رہی تھی۔

☆-------☆-------☆

اسد نے بروقت پہنچ کر ستاشا اور علی کو شاہی رہائش گاہ سے نکال لیا تھا۔ علی کو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی کم ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ آخری وقت آگیا ہے "یاخدا رحم" ان کے ہونٹوں سے نکلا۔ وہ اپنے ہونٹوں سے نکلی ہوئی آواز نہیں سن سکے۔ یا ہو سکتا ہے آواز ان کے ہونٹوں سے نکلی ہی نہ ہو۔ میدان جنگ کا ساعت شکن شور اب کہیں دور سے آتا محسوس ہو رہا تھا.......... اچانک یہ شور تھم گیا۔ یکسر خاموشی چھاگئی۔ ایک ٹھنڈی لہر رئیس اعظم کے بدن میں اتری اور وہ ایک گہرے .... بہت گہرے یخ بستہ کنویں میں اترتے چلے گئے۔ اس وقت قریب بیٹھے ڈیوک کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ اس کے ہاتھ میں دبے خنجر کا پھل مدھم چاندنی میں چمک رہا تھا۔ اس نے مردہ رئیس اعظم کے سنہری بال مٹھی میں جکڑے اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

☆ ☆ ☆

جنگ رئیس اعظم کے لیے ختم ہو چکی تھی اور ان سب کے لیے ختم ہو چکی تھی جو میدان جنگ میں زندگی کی بازی ہار چکے تھے۔ مگر جو زندہ تھے ان کے لیے ابھی جنگ جاری تھی۔ دریائے سیت کے کنارے منگول آندھی میں وسطی روس کے اقتدار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔

نیم تاریک یخ بستہ فضا میں دل ہلا دینے والا قتل عام ہو رہا تھا۔ خیموں کی آگ دریائے سیت کے پانیوں میں منعکس ہو رہی تھی اور اس کے شعلوں میں منگولوں کی قاتل تلواریں چمک رہی تھیں۔ وہ روسی فوج کا شیرازہ بکھیر چکے تھے اور اب فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو گھیر کر ان کا شکار کر رہے تھے۔ میدان جنگ میں اسد نے یورق کو دیکھا اور اس کی طرف لپکتا چلا گیا۔

"اباق کا کچھ پتہ چلا؟" اس نے چیخ کر پوچھا۔

"نہیں۔" یورق نے ایک تیر کو ڈھال پر روکتے ہوئے جواب دیا۔ اسد نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں شہزادی تاشا اور علی کی فکر کرنی چاہیے جنگ کا فیصلہ تقریباً ہو چکا ہے۔"

یورق نے زور سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم تاشا کی طرف جاؤ میں اباق کو دیکھتا ہوں۔"

اسد نے کہا۔ "شاید ہم یہیں کہیں مل جائیں۔ اگر نہ ملے تو یاد رکھنا ہماری منزل اب نوودگرود ہے۔"

یورق نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔" اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان جنگ کے دھوئیں میں روپوش ہو گیا۔ جلتے خیموں اور چھکڑوں کے درمیان گھوڑا بھگاتا وہ اس مقام کی طرف جا رہا تھا جہاں اس نے آخری بار اباق کو دیکھا تھا۔ اس کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں

تھی۔ آج اباق کی شادی ہوئی تھی اور آج ہی اسے ایک خونی معرکے میں شریک ہونا پڑ گیا تھا۔ یورق نے سوچا۔ "اگر اسے کچھ ہو گیا تو کیا وہ یہ صدمہ برداشت کر سکے گا؟" اس کا دل ڈوب کر رہ گیا وہ اسے بیٹوں کی طرح عزیز تھا اور دولہا بنے بیٹے کی لاش کون باپ دیکھ سکتا ہے۔ وہ بے قرار ہو کر اسے آوازیں دینے لگا۔ رزم گاہ کے بلاخیز شور میں یورق کی پاٹ دار آواز ایک گھٹی ہوئی صدا بن کر رہ گئی۔ دفعتاً ایک چیخ نے یورق کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ صرف چند گز کے فاصلے سے ایک لڑکی گھوڑا بھگاتی ہوئی گزر رہی تھی۔ تین منگول گھڑ سوار اس کے تعاقب میں تھے جن کے خوف سے وہ چلا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ لڑکی دھوئیں کے ایک مرغولے میں روپوش ہو جاتی' یورق اس کے ڈیل ڈول اور اس کے منڈھے ہوئے سر سے پہچان گیا' وہ شیزی کولت تھی' رائیل کی بڑی بہن۔ یقیناً منگول شاہی رہائش گاہ تک پہنچ گئے تھے۔ شیزی کولت وہاں سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگی تھی۔ اس کا مطلب تھا تاشا کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ یورق نے سوچا خدا کرے اسد اسے اور علی کو بچانے میں کامیاب رہے۔ پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سامنے آنے والے ایک منگول پیادے کو جہنم واصل کرتا شیزی کولت کے پیچھے لپکا۔ جلدی اس نے اسے دیکھ لیا۔ وہ منگول سپاہیوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے سیدھی دریا کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ دریا کے کنارے پہنچ کر اس کا گھوڑا ہنہنایا اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ شیزی کولت نے جب سپاہیوں کو اپنے قریب پایا تو گھوڑے سے اتر کر دریا میں چھلانگ لگا دی۔ منگول درندوں کے ہاتھوں ذلت اور اذیت کی موت مرنے کی بجائے اس نے عزت کی موت کو ترجیح دی تھی۔ یورق نے یہ سارا منظر ایک جلتے خیمے کی اوٹ سے دیکھا۔ جونہی منگول گھڑ سوار شیزی کی طرف سے مایوس ہو کر دوسری جانب روانہ ہوئے' یورق گھوڑے سے اترا اور بھاگتا ہوا دریا میں کود گیا۔ یخ بستہ پانی اس کے جسم پر خنجروں کی طرح چل گیا۔ "شیزی .... شیزی!" وہ زور سے پکارا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ اس کی طرف سے قریباً ناامید ہو گیا تھا اچانک اس کا ریشمی لبادہ یورق کے ہاتھ میں آگیا۔ وہ بے حس و حرکت تھی لیکن یورق کو توقع تھی کہ وہ ابھی زندہ ہو گی۔ اس نے اسے بازوؤں کے نیچے سے تھام لیا اور ایک ہاتھ سے تیرنے لگا۔ شیزی کی تلاش میں وہ کنارے سے کافی دور آگیا تھا اور اب دونوں کناروں کا فاصلہ تقریباً برابر تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اب وہ دوسرے کنارے پر اترنے کی کوشش کرے۔ ایک انسانی زندگی بچانے کے جذبے نے اس کے بوڑھے جسم میں خون کی حرارت کم نہیں ہونے دی۔ حالانکہ وزنی زرہ بکتر اور ہتھیار تیرنے میں سخت رکاوٹ بن رہے تھے۔ پھر بھی وہ شیزی کے ساتھ سرد پانی کو عبور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اپنے گھوڑے پر بٹھالیا تھا جب کہ نتاشا دوسرے گھوڑے پر اس کے ساتھ تھی۔ وہ ابھی تک اپنے سفید عروسی لباس میں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اب اس کے مرمریں ہاتھ میں گلدستے کی بجائے تلوار تھی وہ اسد کے پیچھے گھوڑا بھگاتی جلتے خیموں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ ابھی وہ پڑاؤ کے اندر ہی تھے کہ نتاشا کو عقب میں ایک گھڑ سوار سرپٹ آتا دکھائی دیا۔

"اسد!" وہ ہلکی سی آواز میں چیخی۔

اسد نے مڑ کر دیکھا اور گھوڑے کی رفتار کم کر دی نتاشا اس کے پہلو سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی۔ گھڑ سوار اب کافی نزدیک آچکا تھا۔ اچانک علی نے اسے پہچان لیا۔ "بھائی جان!" وہ خوشی سے چلایا۔ اباقہ نے تلوار لہرا کر اس کی پکار کا جواب دیا۔ جلد ہی وہ تینوں پہلو بہ پہلو گھوڑے بھگا رہے تھے۔ اسد نے محسوس کیا کہ ان کے تعاقب میں کم از کم دو ڈھائی سو گھڑ سوار چلے آرہے ہیں۔ اس نے پریشان نظروں سے اباقہ کی طرف دیکھا تو وہ اطمینان سے بولا۔ "گھبراؤ نہیں! یہ اپنے ہی ساتھی ہیں جنگ میں انہوں نے میری زیر کمان بڑی اچھی کارکردگی دکھائی ہے۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہتے ہیں۔"

باتیں کرتے کرتے اچانک اباقہ نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ وہ غیر محفوظ راستے پر جارہے تھے۔ پڑاؤ کی اس جانب منگول کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اباقہ اور اسد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور رخ بدلنے کا فیصلہ کیا۔ اباقہ نے تلوار لہرا کر عقب میں آنے والے ساتھیوں کو بھی راستہ تبدیل کرنے کی ہدایت کی اور اپنا گھوڑا دریا کی مخالف سمت موڑ دیا۔

وہ ساری رات بغیر رکے سفر کرتے رہے اور دریائے سیت سے پون منزل آگے نکل آئے آخر ان کے گھوڑے سردی اور تھکن سے چور ہو گئے۔ درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں انہوں نے بسیرا کیا۔ ان کے ساتھی سوار بھی گھوڑوں سے اتر آئے اور ہتھیار کھول کر ادھر اُدھر گھاس پر لیٹ گئے۔ مشرق سے ایک دھندلی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ فضاؤں کی سوگوار خاموشی کو کبھی کسی پہاڑی پرندے کی کراہتی ہوئی آواز توڑ جاتی تھی۔ دریائے سیت کی جانب سے آنے والی ہواؤں نے اپنے دامن پر بے گور و کفن لاشوں کے نوحے لکھ رکھے تھے۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ایسے بحری جہاز کے مسافر ہیں جو رات طوفانی لہروں میں گھر کر تختہ تختہ ہو گیا ہے۔ ان کے سینکڑوں ہم سفر عمیق پانیوں کی نذر ہو گئے ہیں اور وہ ایک کشتی پر طوفان کے تھپیڑے سہتے نڈھال و بدحال ایک جزیرے پر آ نکلے ہیں۔ سردی' خوف اور بھوک کے سمندر میں یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہی تو تھا۔ یہاں وہ

کچھ دیر تازہ دم ہونے کے بعد آگے سفر کر سکتے تھے۔ درختوں کے اس جھنڈ میں اترتے ہی علی اپنے گھوڑوں کے لئے سرسبز شاخیں توڑنے میں مصروف ہو گیا۔ اسد نے خرجین سے خشک گوشت اور بھنے ہوئے چنے نکالے اور برف پر ایک چھوٹا سا دسترخوان لگا دیا۔ اس کام میں نتاشا نے بھی اس کی مدد کی۔ پھر وہ چاروں دسترخوان کے گرد آ بیٹھے۔ علی کے سوا کسی نے بھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ سب پریشان اور غمزدہ تھے۔ نتاشا کو اپنے والد کی فکر تھی۔ اباقہ اور اسد اپنے ساتھی یورق کے بارے پریشان تھے۔ شیزی کولت بھی ان تینوں کو رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔ نتاشا نے بتایا تھا کہ شیزی کولت نے اس کے اور علی کے لئے بے مثال قربانی دی ہے۔ منگولوں کے خوف سے وہ تینوں ایک ہی کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔ منگول عمارت میں مار دھاڑ کر رہے تھے اور پہریداروں کو چن چن کر قتل کرنے میں مصروف تھے۔ تین منگولوں کی ایک ٹولی اس کمرے تک بھی آن پہنچی جہاں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ منگول دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوتے شیزی نے کھڑکی میں سے چھلانگ لگائی اور منگولوں کو اپنے پیچھے لگاتی اصطبل کی طرف بھاگ نکلی۔ نتاشا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا بہت کم امکان ہے کہ وہ منگول سپاہیوں سے بچ سکی ہو۔

کھانا ان کے سامنے پڑا تھا لیکن بھوک اڑ چکی تھی۔ اسد نے کہہ سن کر شہزادی نتاشا کو ایک دو لقمے کھلائے۔ دو دو لقمے ان دونوں نے بھی لئے۔ باقی سب کچھ علی چٹ کر گیا۔ اسے صرف اباقہ سے غرض تھی' اباقہ ان کے ساتھ تھا اب اسے کسی کی فکر نہیں تھی۔ نتاشا نے نظریں جھکائے جھکائے اباقہ سے پوچھا۔

"ابا جان کا کچھ پتہ چلا؟"

اباقہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اسد نے نتاشا کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "گھبرائیں نہ شہزادی صاحبہ! مجھے امید ہے وہ محفوظ ہوں گے۔ میں نے ان کے دستے کو جس جگہ لڑتے دیکھا وہاں سے میسرہ بہت قریب تھا۔ غالباً وہ میسرہ میں شامل ہو گئے ہوں گے۔"

نتاشا نے سسک کر کہا۔ "ہم نے تو سنا ہے کہ لشکر کا قلب پورے کا پورا .... تباہ ہو گیا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "شہزادی! ہم بھی تو قلب میں تھے۔ اگر ہم زندہ ہیں تو انشاء اللہ رئیس اعظم بھی حیات ہوں گے۔"

جب نتاشا دسترخوان سمیٹ رہی تھی' اسد اور اباقہ درختوں میں ٹہلنے لگے۔ اباقہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے غمزدہ لہجے میں کہا۔ "اسد! رئیس اعظم جنگ میں کام آچکے ہیں۔"

اسد کے لیے یہ اطلاع دھماکہ خیز تھی۔ وہ بے یقینی سے اباقہ کو دیکھنے لگا۔ اباقہ نے جیب سے وہ طلائی صلیب نکالی جس میں ایک نہایت قیمتی پتھر جڑا ہوا تھا اور جو ہر وقت رئیس اعظم کے گلے میں آویزاں رہتی تھی۔ اباقہ نے کہا۔

"یہ دیکھو! اسے میں نے رئیس اعظم کی کٹی ہوئی گردن سے اتارا تھا۔ وہ پتھروں کے درمیان پڑے تھے اور سر غائب تھا۔ میں نے انہیں ان کے مخصوص لباس اور اس صلیب سے پہچانا۔" اسد اور اباقہ دیر تک گم صم کھڑے رہے آخر انہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا کہ رئیس اعظم اپنے چاہنے والوں کو تنہا چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ یہ ایک ہولناک صدمہ تھا۔ خاص طور پر شہزادی کے لیے یہ خبر جانکاہ ثابت ہو سکتی تھی' لیکن اسے یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ مشورے کے بعد اسد اور اباقہ نے فیصلہ کیا کہ شہزادی نتاشا سے یہ خبر پوشیدہ نہ رکھی جائے۔ وہ آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی اور ان مناظر نے اس کے اندر بہت کچھ سننے اور سہنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اس کیفیت کو بدل جانا تھا۔

اباقہ اور اسد بوجھل قدموں سے نتاشا تک پہنچے۔ وہ علی کا سر گود میں رکھے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ حسین آنکھیں کسی سوچ میں غلطاں تھیں۔ اباقہ نے ایک بلند درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علی سے کہا کہ وہ گھوڑوں کے لیے کچھ اور شاخیں توڑے۔ علی چلا گیا تو اسد نے نہایت دھیمے اور محتاط لہجے میں یہ اندوہناک خبر نتاشا کو سنا دی۔ وہ پہلے تو سکتے کے عالم میں بیٹھی رہ گئی پھر اس نے باپ کی خون آلود طلائی صلیب دیکھی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی ..... آج وہ تنہا رہ گئی تھی۔ ماضی خون میں نہا کر برف میں دفن ہو گیا تھا۔ سب پچھلے سہارے ٹوٹ گئے تھے' سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

دوپہر تک اس جگہ آرام کرنے کے بعد اباقہ اور اسد نے دوبارہ سفر شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اباقہ اپنے ساتھی سپاہیوں کے پاس پہنچا۔ وہ سب بھی کھانا کھا کر سستا چکے تھے اور اب روانگی کو تیار تھے۔ اباقہ نے انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا اور بولا۔

"ساتھیو! کل رات جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہم منگولوں کی کامیابیوں کا سلسلہ منقطع کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ تاہم ہمیں یہ اطمینان ضرور ہے کہ ہم نے جانیں لڑا کر دشمن کا مقابلہ کیا اور آخر وقت تک ڈٹے رہے۔ مجھے آپ سب پر فخر ہے۔ جب تک آپ جیسے جاں فروش اس ملک میں موجود ہیں کوئی اسے غلام نہیں بنا سکتا۔ آپ اپنے حوصلے بلند رکھیے جلد یا بدیر موقع آئے گا کہ آپ ان وحشی حملہ آوروں پر کاری

ضرب لگا سکیں گے۔ چونکہ جنگ فی الحال ختم ہو چکی ہے اس لیے آپ اپنی منشاء کے مطابق مختلف علاقوں کا رخ کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے لئے شمال کی جانب سفر زیادہ مناسب رہے گا....."

اباقہ کی باتوں سے دستے کے ارکان جان گئے کہ وہ انہیں خود سے علیحدہ کرنا چاہ رہا ہے۔ بیک وقت دو تین آدمی کھڑے ہو گئے اور بولے۔ "سردار! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے ..... ہم آپ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ جیسے سالار کی کمان میں آئی ہوئی موت ہمیں انفرادی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔"

ایک ادھیڑ عمر سپاہی کھڑا ہو کر ترکی میں بولا۔ "سردار! بخدا ہم آپ کے حکم پر اپنے سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال سکتے ہیں۔ آپ کی شجاعت اور جوانمردی نے ہمیں خرید لیا ہے۔ یہ آپ کی قیادت ہے جس نے ہمارے بازوؤں کو اتنی طاقت دی کہ ہم نے منگولوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا۔ ورنہ ہم کیا تھے اور ہماری بساط کیا تھی۔ ہم سے کہیں زیادہ شجاع اور ماہر عسکری اس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔"

ایک نوجوان سپاہی جس کی پیشانی پر تازہ زخم تھا اٹھا اور جوش سے بولا۔ "سالار! یسوع کی قسم' ہم آپ پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ بس صرف ہمیں اپنی کمان میں رکھ لیجئے۔ آپ ہماری شہزادی نتاشا کے شوہر بھی ہیں ہمارے لیے آپ رئیس کی طرح محترم اور قابل اطاعت ہیں۔"

تمام سپاہی شور کرنے لگے۔ اباقہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش کرایا اور اسد کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر مشورے کے بعد اس نے گہری ہوئی آواز میں کہا۔ "ساتھیو! اس اعتماد کا شکریہ جو آپ نے مجھ پر کیا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ جانے پر بضد ہیں تو یونہی سہی۔ میرا ارادہ نوود گرود جانے کا ہے۔ جو لوگ نوود گرود جانا چاہتے ہیں' وہ ساتھ چل سکتے ہیں۔"

تھوڑی سی چہ میگوئیوں کے بعد سارے کے سارے سپاہی نوود گرود جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆ ☆

اس بند کمرے میں دن اور رات میں امتیاز دشوار تھا۔ یورق نے دل ہی دل میں حساب لگایا اور اسے اندازہ ہوا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس کا دھیان کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ کھڑکی کا ایک تختہ برف سے جھانک رہا تھا۔ اگر وہ رات کے وقت اسے دیکھ سکتا تھا تو کوئی منگول سپاہی اسے دن کے وقت کیوں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ضروری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ اس تختے کو برف کے نیچے چھپا دیا جائے لیکن اندر رہتے ہوئے یہ کام ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ وہ کچھ سوچتا ہوا کھڑکی کی طرف گیا۔ اس کے پٹ کو اندر کی طرف کھولنا چاہا تو یکلخت بہت سی برف گر کر اندر آگئی۔ یورق نے فوراً زور لگا کر پٹ دوبارہ بند کر دیا۔ قدرت نے ان کی مدد کی تھی۔ رات مزید برف باری ہوئی تھی اور کھڑکی برف میں چھپ گئی تھی۔ اس سے مطمئن ہو کر وہ شیزی کے سرہانے آبیٹھا اور آگ پر گندم کا دلیہ پکانے میں مصروف ہو گیا۔ دلیہ پکاتے پکاتے اس نے مڑ کر دیکھا تو شیزی آنکھیں کھول چکی تھی۔ پہلے تو وہ حیرت سے ارد گرد دیکھتی رہی پھر اس کی نظر یورق پر پڑی اور اس نے جلدی سے اٹھنا چاہا تب اسے کمبل کے نیچے اپنے جسم کی برہنگی کا احساس ہوا اور وہ جوں کی توں لیٹی رہ گئی۔ غیر ارادی طور پر اس نے کمبل کو اپنے پہلوؤں پر تھام لیا تھا۔

"میں ..... میں کہاں ہوں؟" وہ روسی میں بولی۔

یورق کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن وہ جان گیا کہ اس سے کیا پوچھا جا رہا ہے۔ اس نے اشاروں کنایوں سے اسے سمجھایا کہ وہ اسے دریا سے نکال کر لایا ہے اور وہ یہاں تاتاریوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں۔

شیزی اپنی خوبصورت نیلی آنکھیں پٹ پٹا کر یہ سب کچھ سنتی رہی۔ پھر نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیال گزرا کہ اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ یورق کی طرف دیکھنے کی بجائے اس نے پلکیں جھکائیں اور اپنے لباس کی تلاش میں چاروں طرف نظر دوڑانے لگی۔ یورق نے اس کا لباس نچوڑ کر آگ کے قریب گری ہوئی الماری پر پھیلا رکھا تھا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی فارسی میں بولی۔ "میرے ..... کپڑے ..... تم؟"

یورق بولا۔ "ہاں' میں نے اتارے تھے۔ تمہارے بیمار ہونے کا خدشہ تھا۔"

شیزی کو لت کچھ دیر گم صم لیٹی رہی' پھر کمبل کو لپیٹتی ہوئی احتیاط سے اٹھی اور اپنے کپڑے سمیٹ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یورق ہمہ تن آگ پر رکھے ہوئے دلیے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اطمینان سے کپڑے بدل سکتی ہے۔ کچھ دیر بعد یورق نے سر اٹھایا تو وہ لباس تبدیل کر چکی تھی۔ آگ کے قریب بیٹھ کر ہاتھ سینکنے لگی اور کل رات کے ان واقعات کو یاد کرنے لگی جو اس کے لیے ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھے۔ یورق بھی اپنے خیالوں میں گم تھا وہ شیزی کو لت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس ویران اور بے کار تنہائی میں جہاں کہنے سننے کے لیے بہت کچھ تھا وہ زبان کی اجنبیت کے سبب گفتگو سے قاصر تھے۔ شیزی کو لت تو پھر بھی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں چند فقرے بول سکتی تھی' یورق روسی کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھا۔ شہد سے شیریں کیا ہوا دلیہ کھانے کے

بعد دونوں پھر قریب قریب آبیٹھے۔ شیزی پر پہلے شرم سوار رہی تھی پھر دھیرے دھیرے وہ یورق سے باتیں کرنے لگی۔ ان باتوں میں اشارے کنایے اور الفاظ زیادہ تھے جب کہ مفہوم بہت کم تھا۔ دوپہر تک انہوں نے جو "طویل طویل" گفتگو کی اسے مندرجہ ذیل چند فقروں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

شیزی نے پوچھا۔ "باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

یورق نے جواب دیا۔ "ان کا علم نہیں۔ وہ ہمیں نوود گرود میں ملیں گے۔"

"ہم نوود گرود کب روانہ ہوں گے؟"

"تاتاریوں کی گشتی ٹولیاں ابھی ایک دو روز یہاں گھومیں گی' اس کے بعد ہی روانگی کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔"

"یہ مکان ٹیڑھا کیوں ہے؟"

"شاید پچھلے برس کسی برفانی تودے کی زد میں آگیا تھا۔"

"باہر موسم کیسا ہے؟"

"رات برف باری ہوئی ہے۔"

اس گفتگو کے بعد شیزی قریباً تھک کر نڈھال ہو چکی تھی کیونکہ زیادہ اشارے اسی کو کرنے پڑے تھے۔ یورق تو بس فرفر بولتا چلا جاتا تھا۔ شیزی کو سمجھ نہ آتی تھی تو وہ اسے بار بار فقرہ دوہرانے کو کہتی تھی۔

شیزی کی حالت اب کافی بہتر تھی۔ سہ پہر کو کھانا اسی نے پکایا۔ شام کو جب وہ کھانا شروع کر رہے تھے انہیں کہیں قریب ہی گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں ان دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ گھوڑے تھوڑی دیر پہلے نہیں گزرے' کیونکہ انہوں نے کھڑکی کے پٹ تھوڑے سے کھول رکھے تھے۔ کھانے کے بعد وقت گزاری کے لیے وہ پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اس دفعہ ان کی گفتگو ماضی کے متعلق تھی۔ رات گئے تک شیزی' یورق کو اپنی کہانی سناتی رہی۔ اس نے بہت کچھ بتایا لیکن جتنا یورق کے پلے پڑا وہ اس طرح تھا۔

"وہ اپنے بہن بھائیوں میں سے بڑی تھی۔ اس کی بیمار ماں نے اپنی زندگی میں ہی اس کے فرض سے سبکدوش ہونے کے لیے اس کی شادی بچپن میں کر دی تھی۔ اس وقت وہ صرف سولہ سال کی تھی۔ اس کے دو بچے ہوئے' جن میں ایک بیمار رہ کر مر گیا۔ دوسری بچی اور شوہر ولادی میر کی تباہی میں ہلاک ہوئے۔ پورے گھرانے میں وہ اور اس کا چھوٹا بھائی رانیل بچے تھے۔ انہوں نے حضرت مریم کے کلیسا میں پناہ لی۔ مگر جب منگولوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کلیسا کو بھی آگ لگادی تو وہ بھاگ نکلے۔ پھران کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر وہ نوود گرد کی طرف روانہ ہوئے جہاں ایک جھڑپ میں رائیل بھی ہلاک ہو گیا۔"

رائیل کی موت کا ذکر کرتے کرتے شیزی افسردہ ہو گئی۔ یورق نے موضوع بدلنے کے لیے اس سے کہا کہ کیوں نہ قہوہ پیا جائے' یہاں الماری میں قہوہ موجود ہے۔ شیزی اطاعت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً قہوہ بنانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ یورق آگ کے پاس ہی نیم دراز ہو گیا۔ قہوے کا برتن آگ پر رکھ کر شیزی نے مزید ایندھن کے لیے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ پھر وہ بغلی دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولی' شاید وہاں ایندھن موجود ہو' یورق نے اثبات میں سر ہلا کر اس کے خیال کی تائید کی۔ ٹوٹی ہوئی چھت کی صورت میں وہاں کافی لکڑیاں موجود تھیں۔ وہ مشعل لے کر بغلی دروازے کی طرف چلی گئی ..... اچانک ایک بلند چیخ نے یورق کو جھنجھوڑ دیا۔ وہ تلوار سنبھالتا ہوا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت بغلی دروازہ کھلا اور شیزی چیختی ہوئی یورق کی طرف لپکی اور اس سے لپٹ گئی۔ وہ روسی زبان میں پتہ نہیں کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ اچانک یورق ساری بات سمجھ گیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ وہ اس انسانی ڈھانچے کو بھول گیا تھا جو رات اس نے مطبخ میں چھپایا تھا۔

☆------☆------☆

اباقہ اور اسد کی کمان میں ڈھائی سو سپاہیوں کا یہ دستہ نوود گرود کی طرف رواں تھا۔ یہ ایک انتہائی دشوار گزار سفر تھا۔ علاقے میں بارشیں شروع ہو گئی تھیں۔ ندی نالے طغیانی پر تھے اور جنگلوں میں ہر گام پر دلدلیں منہ کھولے کھڑی تھیں۔ نتاشا ہر وقت اداس اور سوگوار رہتی تھی۔ اباقہ نے اکثر اس کی آنکھیں متورم دیکھیں۔ اسد اور اباقہ نے علی کو ہدایت کی تھی کہ وہ شہزادی کی دلجوئی میں لگا رہے اور اس نے واقعی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ وہ ہمہ وقت شہزادی کی خدمت میں مشغول رہتا۔ چٹکلے سناتا اور الٹی سیدھی حرکتوں سے اسے ہنسانے کی کوشش کرتا۔ بعض اوقات وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتا۔ شہزادی کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل جاتی' لیکن مسکراہٹ کی اس دھوپ کو جلد ہی سوگواری کے مہیب سائے ڈھانپ لیتے۔

ایک روز جب انہوں نے ایک دلدل کے قریب پڑاؤ ڈال رکھا تھا' علی کہیں سے ایک کچھوا پکڑ لایا۔ اندھیرا گہرا ہوا تو اس نے ایک شمع جلا کر کچھوے کی پشت پر جمائی اور اسے پڑاؤ کی سمت چھوڑ دیا۔ اباقہ اس وقت اپنے خیمے سے باہر بیٹھا چند سپاہیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی نے ڈری ڈری آواز میں اس طرف اشارہ کیا۔ سب حیرانی

سے اس متحرک شمع کو دیکھنے لگے۔ تاریکی کے سبب صرف شمع زمین پر رینگتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ چند لمحوں کے لیے تو سب بھونچکے رہ گئے پھر ایک سپاہی نے ہمت کی اور تلوار سونت کر شمع کی طرف بڑھا۔ جب وہ محتاط قدموں سے کچھوے کے قریب پہنچا تو ایک خیمے کی اوٹ سے علی قہقہے برساتا ہوا برآمد ہوا۔ سب اٹھ کر شمع کے قریب پہنچ گئے کچھوے کو رینگتے دیکھ کر انہیں ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ اباقہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل گئی۔ سپاہیوں کے ہاتھ ایک تماشا آگیا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی سے کچھوے کی چہل قدمی دیکھنے لگے۔

علی بھاگتا ہوا خیمے میں گیا' اباقہ جانتا تھا وہ اب نتاشا کو یہ تماشا دیکھنے پر مجبور کرے گا۔ پھر اس نے دیکھا کہ خیمے کے جالی دار روزن میں نتاشا کا سایہ نظر آیا۔ وہ روزن سے آنکھیں لگائے باہر جھانک رہی تھی۔ اچانک اباقہ کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ نہ جانے کیا بات تھی اسے ہر روز نتاشا کی کسی نہ کسی ادا پر مارینا یاد آجاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ اباقہ کے ذہن میں عہد رفتہ کی وہ چمکیلی صبح گھس آئی تھی جب وہ قراقرم سے چین کی مہم پر روانہ ہو رہا تھا۔ مارینا نے اسے ایسے ہی خیمے کے روزن سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں نے خاموشی کی زبان میں اسے الوداع کہا تھا۔ اس کی نگاہوں نے اس سے لپٹ کر اسے رخصتی بوسے دیے تھے۔ ہاں ایسا ہی دلربا انداز تھا۔ خیمے کے اندر سے محبت اور گرمجوشی کی غیر مرئی لہریں نکل نکل کر اس کے دل میں جذب ہو گئی تھیں۔ اچانک اباقہ بے قرار سا ہو گیا۔ وہ کچھوے کے ہنگامے سے کنی کترا کر پڑاؤ سے باہر نکل آیا اور درختوں کے درمیان بلا مقصد گھومنے لگا۔ ذہن ماضی کی خاک چھان رہا تھا۔ مارینا کی تمنا میں ایک زمانہ گزر گیا تھا۔ چین کی طویل مہم' پھر بغداد کے ہنگامے' پھر علاقہ افغاناں میں راجی خاتون کا سراغ' پھر خلیج فارس کا پُرخطر سفر اور شیخ نجدی کا تعاقب اور پھر روس کی مہم۔ کب کب اور کہاں کہاں اس نے مارینا کو یاد نہیں کیا تھا۔ ہر ہر پل اسے پانے کی آس بندھی تھی اور ہر ہر دھڑکن نے اس کی جدائی محسوس کی تھی۔ ہاں ایک مدت گزر گئی تھی۔ اس دشت کی سیاحی میں ایک مدت گزر گئی تھی ..... پہلی بار اباقہ کو محسوس ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ مارینا کو کھو رہا ہے اور شاید وہ اسے کبھی نہ پا سکے ..... ایک روز اسے پتہ چلا کہ وقت کا برق رفتار رخش آگے نکل آیا ہے اور اس کی گرد میں مارینا اور اس کی محبت کی تمام چنگاریاں دب کر بجھ چکی ہیں۔ "نہیں ..... نہیں' میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے بے قرار ہو کر سوچا۔ "میں وقت گزرنے سے پہلے اپنی محبت کو زندہ جاوید کر دوں گا۔ مارینا کا اور میرا ادھورا خواب ضرور پورا ہو گا۔"

بہت دیر اسی طرح گھومنے اور سوچنے کے بعد اس نے اسد کے خیمے کا رخ کیا۔ خیمے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں روشنی تھی۔ اس کا مطلب تھا ابھی وہ جاگ رہا ہے۔ اباقہ اندر داخل ہوا تو وہ عشاء کی نماز کے بعد اٹھ رہا تھا۔ اباقہ رنجور و ملول ایک طرف بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے دوست؟" اسد نے خوش مزاجی سے کہا۔

اباقہ گہری سانس لے کر بولا۔ "اسد! میں مارینا کو خط لکھنا چاہتا ہوں۔"

اسد نے ذرا توقف کیا پھر بولا۔ "لیکن یہ خط اس تک پہنچے گا کیسے؟"

اباقہ نے کہا۔ "اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم صرف مجھے خط لکھ دو۔"

اس نے کہا۔ "مجھے خط لکھنے سے انکار نہیں لیکن بتاؤ تو سہی نامہ بر کون ہو گا؟"

اباقہ نے کہا۔ "ہمارے اس قافلے کا ایک سپاہی سرائے استرا خان کا رہنے والا ہے۔ وہاں سے عراق کی سرحد زیادہ دور نہیں۔ میں یہ کام اسے سونپوں گا۔"

اسد کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا وہ کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گیا۔ اباقہ اسے خط لکھانے لگا۔ اس نے ایک کہنی زمین پر ٹیک رکھی تھی اور آنکھیں دور کہیں خلاؤں میں گھور رہی تھیں۔ خط مکمل ہوا تو اسد نے اسے پڑھ کر سنایا۔

"مارینا! یہ خط میں تمہیں شمالی روس کے ایک دور دراز علاقے سے لکھ رہا ہوں۔ ہمارا پڑاؤ ایک گھنے جنگل میں ہے۔ مشہور شہر نووگرود یہاں سے صرف تیس کوس کے فاصلے پر ہے۔ مارینا! ہمارا سفر پسپائی اور ہزیمت کا سفر ہے۔ منگول' روسی شہروں کو تاراج کرتے بڑھے چلے آرہے ہیں مگر ہمیں اطمینان ہے کہ ہم شکست خوردہ فوج کا حصہ ہونے کے باوجود شکست خوردہ نہیں۔ ہم نے قدم قدم پر دشمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اب بھی اگر اہل روس نے کسی مقام پر ہمارے ساتھ ذہنی ہم آہنگی کا ثبوت دیا تو ہم دشمن کو منہ توڑ جواب دیں گے ..... مارینا مجھے یقین ہے کہ تمہاری دعا قبول ہو گی اور میں ایک روز کامیاب و کامران تمہارے پاس لوٹوں گا۔ میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا لیکن جانتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں میں میرے انتظار کے دیئے روشن رہتے ہیں۔ میں سن نہیں سکتا لیکن مجھے معلوم ہے تم راتوں کو جاگ کر میرے لیے دعائیں مانگتی ہو۔ میں بھی تمہیں یاد کرتا ہوں مارینا۔ میرا دل ہر وقت تمہاری طرف لگا رہتا ہے۔ سوتے جاگتے تمہارا ہی خیال رہتا ہے۔ میں نے وہ خط سنبھال کر رکھا ہوا ہے جو وقت رخصت تم نے میرے بستر میں رکھ دیا تھا۔ تمہارے جسم کا ایک حصہ بھی میرے پاس ہے اور مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے ..... تم جانتی ہو میں نے ان بالوں کا کیا کیا ہے؟ میں نے ان کو بٹ کر ایک چلہ تیار کیا ہے۔ اس چلے سے جو کمان تیار ہوئی ہے وہ نہایت کڑی ہے اور اب تک بیسیوں منگولوں کے سینے چھلنی کر چکی ہے۔ میں نے اس طرح تمہیں بھی اس جنگ میں شریک کر

لیا ہے۔ میدان جنگ کے ہنگاموں میں تم اس کمان کی صورت ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہو۔ تمہاری زلفیں جو میرے لیے زندگی ہیں میرے دشمنوں کے لیے موت بن چکی ہیں۔

مارینا! تم نے ایک بار ٹھیک کہا تھا کہ فاصلے بے مہر ہوتے ہیں۔ ان فاصلوں نے ہمارے ساتھ بھی ایک نامہربانی کی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ ہماری محبت سب دکھوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے گی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے لیے یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ میں تمہارا ہوں' صرف تمہارا ..... باقی تفصیلات آکر بتاؤں گا۔ اسد اور یورق بھی خیریت سے ہیں۔ انشاء اللہ ہم بہت جلد واپس لوٹیں گے۔ باقی قاصد کے ہاتھ تمہارے اخراجات کے لیے کچھ رقم بھی بھیج رہا ہوں۔ اگر تم اپنے حالات سے آگاہ کرنا چاہو تو جوابی خط لکھ کر قاصد کے حوالے کر دینا۔ وہ مجھ تک پہنچانے کی پوری کوشش کرے گا ..... ہم تینوں کی طرف سے سلیمان اور جمیلہ کے لیے نیک خواہشات اور اگر سلیمان بچے کا باپ بن چکا ہے تو بچے کو بہت بہت پیار اور دعائیں۔"

خدا حافظ۔ اباقہ

خط سننے کے بعد اباقہ نے احتیاط سے تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اسد نے پوچھا۔ "تم نے ابھی اپنی بیوی کو تو مارینا کے متعلق نہیں بتایا۔" اباقہ نے نفی میں جواب دیا۔ اسد بولا۔ "ابھی کچھ بتانا بھی نہیں۔ ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر اسے یہ ہرگز معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ رئیس اعظم نے تمہیں اس شادی پر مجبور کیا تھا۔ یہ انکشاف اسے بے حد دکھی کر دے گا۔ بظاہر وہ شہزادی نہیں رہی لیکن رگوں میں خون تو شاہی ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "اسد! میں سمجھتا ہوں۔ اپنی طرف سے میں نے اس کی دلجوئی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ پہلے تو وہ ہر وقت آنسو بہاتی رہتی تھی مگر اب کچھ سنبھلنے لگی ہے۔"

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ خیمے کے باہر سے شور و غل سنائی دیا۔ اول تو اباقہ سمجھا کہ شاید شمع بردار کچھوا اس طرف چلا آیا ہے مگر جب گھوڑوں کی ٹاپیں بھی سنائی دیں تو اسد اور اباقہ بوکھلا کر باہر نکل آئے۔ اباقہ نے دیکھا کہ خیموں کے درمیان کھلی جگہ ایک ہرن بری طرح چکرا رہا ہے۔ چاند اب نکل آیا تھا اور اس کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ پسینے میں بھیگا ہوا ہے اور ہانپ رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور بھاگتا ہوا اسد کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ اباقہ بھی لپک کر اندر داخل ہوا اس نے ہرن کو دبوچ لیا۔ دراصل وہ ایک ہرنی تھی جو نہ جانے کب سے شکاریوں کے آگے آگے بھاگ رہی تھی۔ اباقہ نے مادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہرن کو اپنے دو سپاہیوں کے سپرد کیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ شکاری تعداد میں کوئی تیس عدد تھے اور ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے خیمے سے باہر کھڑے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی بری طرح ہانپ رہے تھے۔

اسد نے روسی زبان میں ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور اس وقت شکار کی کیا تک ہے۔ جواب دینے کی بجائے ایک شکاری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اسد نے جواب دیا۔ "ہم دلاری میر کی طرف سے آئے ہیں لیکن تم یہ سب پوچھنے والے کون ہو؟"

وہی شخص جو بول چال سے ان کا سردار نظر آتا تھا تحکم سے بولا۔ "اس بات کا جواب بعد میں دیں گے اور تم سے یہ بھی بعد میں پوچھیں گے کہ یہاں تم نے کس کی اجازت سے پڑاؤ ڈالا ہے پہلے وہ ہرنی ہمارے حوالے کرو۔"

اباقہ نے غصے سے کہا۔ "ہرنی واپس نہیں کی جا سکتی۔ تم گھوڑے سے نیچے اترو اور ذرا تمیز سے بات کرو۔"

وہ شخص ہنسا کر بولا۔ "میرا گھوڑے سے اترنا تمہیں بہت گراں پڑے گا۔"

وہ ترکی جانتا تھا' اباقہ نے زمین پر تھوکتے ہوئے کہا۔ "میں بھی تو دیکھوں ایک گدھے کا گھوڑے سے اترنا کتنا گراں پڑتا ہے۔"

اجنبی گھڑ سوار نے گہری نظروں سے اردگرد دیکھا جیسے اباقہ کے ساتھیوں کی تعداد جانچ رہا ہو' پھر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اگر تمہیں تمہارے باپ نے پیدا کیا ہے تو پھر یہ ہرنی اپنے پاس رکھنا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گھوڑے کی باگیں موڑیں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ تاریکی میں گم ہو گیا۔

اسد نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے یہ سرپھرا نوجوان کوئی گل کھلانے کی کوشش کرے گا۔"

اباقہ نے ہانپتی کانپتی ہرنی کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور بولا۔ "دیکھ لیں گے اس چڑی مار کو بھی۔"

نوجوان شکاری کے لہجے اباقہ کے خطاب نے سپاہیوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ اسد نے کہا۔ "یہ ہو کون سکتا ہے؟"

ایک بوڑھے سپاہی نے جواب دیا۔ "مجھے تو کوئی جاگیردار لگتا ہے۔" اباقہ نے غور سے دیکھا تو ہرنی کی ٹانگ پر ایک زخم تھا۔ غالباً شکاریوں کا پھینکا ہوا کوئی نیزا اس کی ران کو

چھید تا گزر گیا تھا۔ اباقہ نے ایک مشعل منگوائی اور اس کی روشنی میں زخم کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد مرہم پٹی کر دی۔ پھر اسے دیکھ بھال کے لیے دو سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اسد بولا۔

"علی کے لیے یہ اچھا تحفہ ثابت ہو گی" ..... لیکن اس سے بہت پہلے کہ ہرنی علی تک پہنچتی یا وہ اسے دیکھ سکتا' پڑاؤ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

خاموش جنگل پر دھیرے دھیرے صبح کا اجالا پھیل رہا تھا' اچانک تاشا کی ہلکی سی چیخ سنائی دی وہ اباقہ کے خیمے میں لیٹی تھی۔ اباقہ اور اس کے درمیان علی خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ اباقہ گھبرا کر اٹھا اور روزن سے باہر جھانکنے لگا۔

پڑاؤ کے چاروں طرف مشعل بردار گھڑ سوار نظر آ رہے تھے۔ ان کی تعداد کسی طرح بھی ایک ہزار سے کم نہیں تھی۔ یعنی وہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں سے چار گنا زیادہ تھے۔ اباقہ نے خیمے کی دیوار سے تلوار اور ڈھال اتاری اور تاشا کو تسلی دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر نکلا تو اس نے عجیب منظر دیکھا۔ رات والی ہرنی ایک درخت سے الٹی لٹکی ہوئی تھی اور اس کی کٹی ہوئی گردن سے قطرہ قطرہ خون ٹپک کر گھاس میں جذب ہو رہا تھا۔ قریب ہی دو سپاہیوں کی لاشیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ اباقہ نے رات ہرنی کو انہی سپاہیوں کی تحویل میں دیا تھا۔

رات والا نوجوان تمسخر سے اباقہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی سنہری داڑھی والا ایک لحیم شحیم روسی تھا لیکن عمر زیادہ نہیں تھی۔ اس کے امیرانہ لباس اور وضع قطع سے شبہ ہوتا تھا کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس شبہے کو یوں بھی تقویت پہنچتی تھی کہ اس کے تمام ساتھی وردیوں میں ملبوس اور جنگی ساز و سامان سے لیس تھے۔ ان سب کے تیور خطرناک تھے اور خاص طور پر اباقہ کو وہ نہایت درندگی سے گھور رہے تھے۔ اباقہ اور اسد کے گمان میں بھی نہ تھا کہ بیس تیس شکاریوں کا جتھا صبح تک اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابل آ جائے گا۔

نوجوان نے اباقہ سے مخاطب ہو کر انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام نکولس ہے اور میں نوود گرود کا والئی تخت ہوں۔ تمہیں اصل سزا تو بعد میں ملے گی' لیکن پہلے تم اپنے ہاتھوں سے اس ہرنی کی کھال اتار کر اس کے گوشت سے ہماری ضیافت کرو گے۔"

یہ جان کر کہ نوجوان نوود گرود کا والئی تخت ہے اباقہ کے تمام ساتھیوں کے چہرے حیرت میں ڈوب گئے ..... اباقہ کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وفورِ غضب نے اس کی سماعت جیسے زائل کر دی تھی۔ اس کی نگاہیں ہرنی پر جمی تھیں اور اسے ایسا محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا جیسے بے زبان جانور اس سے شکوہ کر رہا ہے ..... میں کتنی دور سے بھاگتا ہوا تیرے پاس پہنچا تھا' تیری ٹانگوں سے لپٹا تھا' تیرے خیمے میں گھس گیا تھا کہ شاید تُو مجھے ان درندوں سے بچالے گا لیکن تُو بھی کچھ نہ کر سکا....."

اباقہ نے نہایت دھیمی مگر قہرناک آواز میں اپنے دستے کے تین افسروں کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "یہ ہماری لڑائی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ تم لوگ پیچھے ہٹنا چاہو تو ہٹ سکتے ہو۔ یا چاہو تو میں ان ..... لوگوں سے کہہ دیتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ نہیں۔"

اباقہ کا لہجہ بتا رہا تھا کہ جانور کی موت کے بظاہر معمولی واقعے نے اس کو کس قدر غمزدہ کیا ہے وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ساتھی سپاہیوں کو اس کا عندیہ معلوم ہوا تو ان سب نے اباقہ اور اسد کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ان کے ایک افسر نے کہا۔

"سردار اباقہ! اصل لڑائی تو ہماری ہے کیونکہ ہمارے دو آدمی مارے گئے ہیں۔"

اسد نے کہا۔ "اچھی طرح سوچ لو۔ یہ خود کو والئی تخت بتا رہا ہے۔ کیا تم اس سے دشمنی نبھا سکو گے۔"

اسد کے جواب میں ایک سردار نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "جناب! ہماری زندگی اور موت اب سردار اباقہ کے ساتھ ہے۔"

اسد اور اباقہ نے جب ساتھیوں کا ارادہ اٹل دیکھا تو صف بندی کی اور خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ مخالف فوج بھی صفیں باندھ چکی تھی۔ سپاہیوں نے تلواریں سونت لی تھیں اور اپنے کماندار کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ صورت حال سنگین تھی۔ کسی بھی لمحے خون خرابہ شروع ہو سکتا تھا۔ اباقہ گھوڑا ہانکتا ہوا اپنے دستے کے آگے جا کھڑا ہوا۔ اس کی سفید بے حرکت آنکھیں والئی تخت نکولس پر مرکوز تھیں۔ اباقہ کے اس انداز کو اسد اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ جانتا تھا نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو نکولس کی خیر نہیں۔ زخمی جانور اور دو سپاہیوں کو ہلاک کرکے نوود گرود والوں نے اباقہ کو غضب کی انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ وہ اباقہ کے قریب پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اباقہ! ذرا تحمل سے کام لو۔ ایک معمولی واقعے پر یہ جنگ وجدل ٹھیک نہیں۔ ہم یہاں ان لوگوں کی مدد کے لیے آئے ہیں ان سے لڑنے نہیں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ میں ایک بار ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں' شاید لڑائی ٹل جائے ....." اباقہ کو سمجھا بجھا کر اسد نے ہاتھ میں سفید رومال لیا اور دھیرے دھیرے گھوڑا ہانکتا نکولس کے سامنے جا پہنچا۔

"میرا نام اسد اللہ ہے۔ آپ کا نام؟" اس نے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہاری موت ہوں۔" کرخت لہجے میں جواب ملا۔

اسد نے کہا۔ "جناب! ہم لوگ دور دراز علاقوں سے سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں تاکہ منگولوں کے خلاف اہل روس کی مدد کر سکیں۔ ہم دشمن نہیں دوست ہیں۔ ہمارے یہ جنگی لباس اور ہمارے جسموں پر لگے ہوئے زخم اس امر کے گواہ ہیں کہ ہم نے قدم قدم پر آپ کی جنگ لڑی ہے اور انشاء اللہ آپ آئندہ بھی ہمیں اپنا خیر خواہ پائیں گے۔ یہ موقع اپنے خیر خواہوں سے الجھنے کا نہیں' آپ کا دشمن موت کی رفتار سے آپ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ منگولوں کا اگلا نشانہ یقیناً نوود گرود ہے۔ بخدا ہم نیک نیتی سے آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہمیں اپنے وفاداروں میں شامل کیجئے اور اصل دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جایئے۔"

شہزادہ نکولس نے نہایت اطمینان سے اسد کی باتیں سنیں۔ یوں لگا جیسے وہ یہ سب کچھ پہلے سے جانتا تھا اور اسے اسد کے انکشافات پر حیرت نہیں ہوئی۔ خشک لہجے میں بولا۔ "نوجوان! مجھے تیری باتوں سے اتفاق ہے' لیکن تمہارے اس لمبے بالوں والے ساتھی کو میں معاف نہیں کر سکتا۔ اس کی اکڑی ہوئی گردن میں جھکا کر چھوڑوں گا ..... ہاں وہ میری شرط مان لے تو اس کی جان بخشی کی جا سکتی ہے۔"

اسد نے کہا۔ "شہزادہ حضور! میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک خود سر شخص ہے۔ آپ کی سختی ..... اسے آپ کے عتاب کا شکار کر دے گی لیکن اگر آپ اس کے ساتھ صلہ رحمی کا رویہ اپنائیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ آپ کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ لے گا۔ وہ ایک بے مثال جنگجو ہے۔ دلادی میر سے آئے ہوئے لوگ آپ کو اس کے بارے بتا سکتے ہیں۔"

شہزادہ نکولس ڈھٹائی سے بولا۔ "کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ اس کے بغیر ہم منگولوں سے لڑنے کے قابل نہیں۔"

اسد شہزادے کے سامنے بات واضح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اباقہ اس سے چالیس پچاس گز کے فاصلے پر کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ نکولس کے پُر غرور تاثرات اور اسد کا معذرت خواہانہ رویہ اس کا خون کھولا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پیچھے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارا کیا اور ایک فلک شگاف نعرے کے ساتھ گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ یکایک جنگل قیامت خیز شور سے گونج اٹھا۔ اسد نے مڑ کر اباقہ کی طرف دیکھا۔ اس مختصر وقت میں شہزادہ نکولس اپنا وار کر گیا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح لپک کر اسد پر آئی۔ اسد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الٹ کر نیچے گرا۔ اباقہ نے پوری رفتار سے گھوڑا بھگاتے ہوئے دس گز کے فاصلے سے یہ منظر دیکھا۔ اسد کے گرنے کا لمحہ اباقہ کی رگوں میں آگ بھر گیا۔ وہ کسی خونی درندے کی طرح مخالف فوج پر پل پڑا۔ ایسے لگا کہ کوئی بھوکا بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھس گیا ہے اور بکریاں ہراساں ہو کر چاروں طرف بھاگ رہی ہیں۔ اس کا غضب نیلگوں آگ جیسا تھا جو قریب تھے وہ تو جل ہی رہے تھے جو دور تھے وہ بھی جھلس رہے تھے۔ وہ اکیلا ہی بیسیوں سپاہیوں کو دھکیلتا ہوا سینکڑوں قدم پیچھے لے گیا۔ اس کے سپاہیوں نے اپنے کمانڈر کے جوش کا عالم دیکھا تو ان کے حوصلے قیامت ہو گئے۔ ایک بے قراری ان کے جسموں میں پھوٹ گئی۔ جیسے ایک چراغ سے سینکڑوں آبگینے جگمگا اٹھتے ہیں جیسے ایک سورج لاکھوں ذروں کو روشن کر دیتا ہے اباقہ کا ہر سپاہی ایک بگولا بن گیا۔ ذرا سی دیر میں دشمن کے دو ڑھائی سو سپاہی خاک و خون میں لوٹ گئے باقی منتشر ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ شہزادہ نکولس جو اباقہ کے وار سے معمولی زخمی ہوا تھا اپنے سو ڈیڑھ سو سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اباقہ پر جنون طاری تھا۔ وہ اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ ٹیلے کی طرف لپکا۔ یوں لگتا تھا جب تک وہ شہزادے کو قتل نہیں کر ڈالے گا کسی اور جانب نہیں دیکھے گے۔ معاً ایک آواز نے اسے گھوڑے روکنے پر مجبور کر دیا' یہ اسد کی آواز تھی وہ اپنے گھوڑے پر سوار اس کی طرف آ رہا تھا۔ اسد کو صحیح سلامت دیکھ کر اباقہ کی وحشت میں قدرے کمی واقع ہوئی۔ چہرے پر طاری تشنج کی کیفیت بھی ماند پڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"اسد' تجھے کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔"

اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بالکل نہیں۔" تلوار میرے آہنی بازو بند پر لگی تھی۔ دھکے کی وجہ سے میں گھوڑے پر توازن برقرار نہ رکھ سکا۔"

اباقہ نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔" پھر ٹیلے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اسد! میں اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کا اشارہ واضح طور پر شہزادہ نکولس کی طرف تھا۔ اسد نے میدان کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اباقہ! ذرا سوچ سمجھ کر۔ میرا خیال ہے ٹیلے پر چڑھنا مناسب نہیں۔ ہم اپنے ساتھیوں کو دو دستوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ میں ایک دستے کو لے کر درختوں میں گھستا ہوں اور شہزادے کے منتشر سپاہیوں کو مزید منتشر کرنے کی کوشش کرتا ہوں' تم دوسرے دستے کے ساتھ یہاں ٹھہر کر اس کے ٹیلے سے اترنے کا انتظار کرو۔ وہ اپنی فوج کو تتر بتر ہوتے دیکھ کر زیادہ دیر ٹیلے پر نہیں رہ سکے گا۔"

اباقہ نے اسد کی بات مان لی۔ اسد اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے آخری ہدایات دینے

لگا۔ دوسری طرف اباقہ کی نگاہیں علی اور نتاشا کو ڈھونڈنے لگیں۔ پھر اسے وہ دونوں ایک درخت کے نیچے کھڑے نظر آ گئے۔ علی کے ہاتھ میں تیر کمان تھا اور وہ نہایت "سنجیدگی" سے نتاشا کا پہرا دے رہا تھا۔ اباقہ نے دو مسلح سپاہیوں کو ان دونوں کی حفاظت پر مامور کر دیا ادھر ٹیلے پر اور درختوں میں مخالف سپاہیوں کی ٹولیاں پھر منظم ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اسد نے اپنے دستے کو ترتیب دیا۔ ایک نظر اباقہ کی طرف دیکھا اور حملے کے لیے تیار ہو گیا..... مگر اس سے پہلے کہ لڑائی کا یہ دوسرا مرحلہ شروع ہوتا دونوں حریف گروہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ ایکا ایکی جنگل گھوڑوں کی بے شمار ٹاپوں سے لرزنے لگا۔ محسوس ہوا کوئی بہت بڑا لشکر موقعے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اباقہ اور اسد کے ذہن میں بیک وقت بہت سے اندیشے جاگ اٹھے۔ پھر یہ جان کر انہیں قدرے اطمینان ہوا کہ آنے والی فوج جنوب کی بجائے شمال مغرب سے آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا آنے والے منگول نہیں ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے لشکر ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ ان گنت گھڑ سوار گھنے درختوں سے برآمد ہوئے اور موقع پر پہنچ کر طویل قطاروں کی صورت رک گئے۔ لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ہاں جو حصہ نظر آ رہا تھا وہ کم از کم دس ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کے پھڑپھڑاتے علم اور چمکیلی وردیاں دیکھ کر اسد اور اباقہ فوراً جان گئے کہ یہ نوود گرود کی فوج ہے۔ اب شہزادہ نکولس سے مقابلے کا سوچنا فضول تھا۔ وہ مکمل طور پر گھیر چکے تھے۔ اباقہ کے چہرے پر ایک گمبھیر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ جبڑے مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ اس وقت نتاشا اور علی بھاگتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ نتاشا نے اپنی جھرنوں جیسی خوبصورت مگر لرزاں آواز میں کہا۔ "یہ نوود گرود کے رئیس وزیولڈ کا لشکر ہے..... اب کیا ہو گا؟"

اسد نے کہا۔ "گھبرائیں نہیں شہزادی۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

علی اباقہ کے گھوڑے کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

غیر ارادی طور پر اس نے اباقہ کی پنڈلی تھام رکھی تھی۔ جیسے کوئی بچہ خطرے کے وقت باپ کی انگلی پکڑ لیتا ہے۔

دفعتاً لشکر میں سے چند گھڑ سوار برآمد ہوئے اور گھوڑے بھگاتے اباقہ وغیرہ کے قریب پہنچ گئے ان میں ایک ادھیڑ عمر کا..... تنومند شخص سب سے آگے تھا۔ اس کے مشکی گھوڑے پر بیش قیمت ساز تھا اور وہ خود بھی ایک نہایت قیمتی زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اباقہ اور اسد کو اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ یہی شخص سپہ سالار ہے۔ اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنی بھنوؤں والی گہری آنکھیں اباقہ اور اسد پر جمی تھیں۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسد سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

جواب میں اسد نے بے کم وکاست سب کچھ بتا دیا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ یہاں ہونے والی لڑائی کیوں شروع ہوئی اور کس کی ہٹ دھرمی سے قتل و غارت تک نوبت پہنچی۔

سپہ سالار جس کا نام شاخان تھا نہایت غور سے اسد کی باتیں سنتا رہا اس دوران شہزادہ نکولس اور اس کے ساتھی بھی ٹیلے سے اتر کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ سپہ سالار شاخان نے ولی عہد شہزادہ نکولس سے بھی صورت حال دریافت کی۔ شہزادہ نکولس نے اکھڑے لہجے میں مختصر جواب دیے۔ اباقہ اور اسد کو اندازہ ہوا کہ سپہ سالار شاخان اور شہزادہ نکولس میں تعلقات زیادہ بہتر نہیں۔ یہ بات ان کے لیے خوش آئند تھی۔ اسد اور نکولس کا مؤقف سننے کے بعد اور ساتھیوں سے صلاح مشورہ کرکے شاخان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"چونکہ ولی عہد نکولس اس تنازعے میں بذات خود ملوث ہیں لہٰذا اس کا فیصلہ عزت مآب رئیس وزیولڈ کریں گے۔" پھر وہ اسد سے مخاطب ہو کر بولا۔ "متنازعہ جانور میرے حوالے کر دیا جائے۔ تم سب کو بھی ہمارے ساتھ نوود گرود چلنا ہو گا۔"

اسد نے سر تسلیم خم کر دیا' لیکن شہزادہ نکولس بھڑک کر بولا۔ "شاخان! تم معاملے کو خواہ مخواہ الجھا رہے ہو۔ اگر ہم ایسے معمولی فیصلوں کے لیے رئیس سے رجوع کرنے لگے تو وہ امور مملکت انجام دے چکے۔"

شاخان نے نرمی سے کہا۔ "شہزادہ نکولس! آپ اسے معمولی واقعہ کہہ رہے ہیں اور میں چاروں طرف رئیس کے وفاداروں کی لاشیں دیکھ رہا ہوں۔ کم از کم میں تو اسے معمولی واقعہ نہیں کہہ سکتا۔"

شہزادے نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "شاخان! خاک ڈالو اس بات پر۔ میں اپنی شرط واپس لیتا ہوں۔ ان لوگوں کو بھی ..... میں معاف کرتا ہوں۔"

شہزادے کا رویہ بتا رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے باپ رئیس وزیولڈ کو اس معاملے کی ہوا لگے' ورنہ وہ یوں پیچھے ہٹنے والا شخص نہیں تھا۔

شاخان نے خشک لہجے میں کہا۔ "معاف کیجئے شہزادہ نکولس۔ میں ان لوگوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ محترم رئیس کے علم میں لانا اشد ضروری ہو چکا ہے۔"

شہزادے نے شاخان کو اس فیصلے سے باز رکھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ بالآخر وہ

بدتمیزی پر اتر آیا۔ مجبوراً شاخان کو اپنے خاص آدمیوں کو حکم دینا پڑا کہ ولی عہد کو اپنی حفاظت میں لے لیا جائے تاکہ اس سنگین جھگڑے کے دونوں فریقوں کو رئیس وزیولڈ کے حضور پیش کیا جا سکے۔ شاخان نے مردہ ہرنی بھی درخت سے اتروا کر قبضے میں لے لی۔

☆------☆------☆

شمالی روس کا شہر نوود گرود آزاد جمہوریہ تھا' بالٹک کے قریب جھیل ایلمن کے کنارے یہ خوبصورت شہر دولت مندی و خوشحالی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ یہاں تاجروں کا بہت اثر تھا اور وہ جرمنوں کی بالٹیائی بندرگاہوں سے تجارت میں خوب نفع کما رہے تھے۔ کشید گاہوں' باغوں' شہد کی مکھیوں اور گھنے درختوں میں گھری ہوئی یہ عظیم بستی زندگی کی تمام رعنائیوں سے بھرپور تھی۔

رئیس وزیولڈ اپنے پُرشکوہ دربار میں مزین طلائی کرسی پر براجمان تھا۔ دربار کی بلند وبالا چھت بیش قیمت فانوسوں سے سجی ہوئی تھی۔ فرش پر بیزقالین تھے اور دیواروں پر مصوری کے حسین و جمیل شاہکار نظر آ رہے تھے۔ رئیس کے سامنے کرسیوں کی دو رویہ قطاریں امراء مصاحبین قیمتی لباس پہنے درجہ بدرجہ رونق افروز تھے۔

ایک اہم مقدمہ رئیس کے سامنے پیش تھا۔ ایک تیس پینتیس سالہ عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ فریادی کی صورت رئیس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں وہ بار بار ہاتھ میں پکڑے رومال سے پونچھ رہی تھی۔ یہ عورت ریازان سے مہاجر ہو کر نوود گرود پہنچی تھی اور کسی ایسے فوجی افسر کی بیوی تھی جو منگولوں سے جنگ میں لاپتہ ہو چکا تھا۔ رئیس وزیولڈ کی بارعب آواز دربار میں گونجی۔ وہ شہر کے منتظم اعلیٰ سے مخاطب تھا۔

"فیدوتک! یہ کیسا اندھیر ہے۔ کیا ہم لڑائی پر جانے والے سپاہیوں کے کنبوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے؟ ہم پوچھتے ہیں اب تک اس عورت کی بیٹی کیوں برآمد نہیں ہوئی۔"

منتظم اعلیٰ کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ وہ کانپتی آواز میں بولا۔ "محترم رئیس! ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ جلد ہی کوئی سراغ مل جائے گا۔"

رئیس وزیولڈ گرجا۔ "امید ..... امید ..... امید ..... امید ہے کہ اس عورت کی بیٹی مل جائے گی۔ امید ہے کہ منگولوں کو دلادی میر میں شکست ہو گی' امید ہے کہ ہم اپنا دفاع کر سکیں گے۔ ہم تنگ آ گئے ہیں اس لفظ سے امید ..... تمنا امید کیا کر سکتی ہے' جب تم لوگوں میں عمل نہیں۔ امید تو عمل کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور ہم اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنہرے خوابوں میں ڈھونڈ رہے ہیں۔ سنبھل جاؤ ابھی وقت ہے ورنہ بیازان، دلادی میر اور سیت کی کہانی یہاں بھی دہرائی جائے گی۔ اگر ہم اپنے گھر کا نظام ٹھیک نہیں کر سکتے، یہاں ہونے والے جرائم کی رفتار پر قابو نہیں پا سکتے تو منگول گھوڑوں کی رفتار پر کیا قابو پائیں گے؟ وہ پہاڑ سے پھسلنے والے تودے اور سمندر سے اچھلنے والے پانی کی طرح ہمارے شہروں کے اوپر سے گزر جائیں گے.........." رئیس کی پُرطیش آواز نے دربار کو سہما کر رکھ دیا۔ اس نے منتظم اعلیٰ سے کہا۔ "ہمیں تفصیل سے بتایا جائے کہ تمہاری تفتیش کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پہنچی؟"

منتظم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ "جناب رئیس! تین روز پیشتر شام کے وقت یہ محترم خاتون مقامی کوتوال پہنچی اور اس نے بتایا کہ اس کی چودہ پندرہ سالہ بیٹی جولی مکان کے عقب میں واقع نہر کے کنارے گھومنے نکلی تھی مگر ابھی تک واپس نہیں آئی۔ اسی وقت چار اہلکار اس عورت کے ساتھ موقعے پر پہنچے۔ نہر کے کنارے لمبی گھاس کے اندر سے لڑکی کا ایک پاپوش برآمد ہوا۔ اس کے علاوہ قریب ہی ایک گھوڑا گاڑی کے پہیوں کے نشان بھی پائے گئے۔ محترم خاتون نے بتایا۔

ان کی بیٹی کے ساتھ ایک پالتو مادہ ہرن بھی تھا۔ یقینی بات تھی کہ اگر لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے تو مادہ ہرن قرب و جوار میں موجود ہو گا مگر تلاش بسیار کے باوجود ہرن نہیں مل سکا۔ متعلقہ عملے نے اسی رات آٹھ افراد کو شامل تفتیش کر لیا۔ ان میں مدعیہ کے چار گھریلو خادم بھی شامل تھے۔ ان آٹھوں افراد سے پوچھ گچھ جاری ہے۔ امید ہے.......... میرا مطلب ہے مجھے یقین ہے کہ ایک آدھ روز تک حقیقت کھل جائے گی.........."

مزید تفصیلات سے آگاہ ہونے کے بعد رئیس وزیولڈ نے منتظم اعلیٰ کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ تین روز میں اصل مجرموں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ایک سپاہی کے کنبے سے بدسلوکی کرنے والوں کو عبرتناک سزا دی جا سکے۔ منتظم کو ضروری ہدایات دے کر رئیس وزیولڈ نے رخصت کر دیا۔

اس وقت چوبدار خاص نے آکر اطلاع دی کہ سپہ سالار شاخان دارالحکومت واپس پہنچ گئے ہیں اور شرف باریابی چاہتے ہیں۔ رئیس نے ہاتھ اٹھا کر اجازت دی۔ شاخان دو چوبداروں کی معیت میں مؤدب قدموں سے اندر داخل ہوا اور کورنش بجا کر اپنی مخصوص نشست پر جا بیٹھا۔

رئیس نے کہا۔ "کیا احوال ہے شاخان؟"

شاخان ادب سے بولا۔ "رئیس معظم! خدمتگار اگناتیوز تک گشت لگا کر آیا ہے۔

دشمن ابھی ہمارے علاقے سے بہت دور ہے.......... برف پگھلنا شروع ہو گئی ہے اور شدید بارشوں کے سبب راستے دلدلی ہوتے جا رہے ہیں، لگتا ہے دشمن کو پیش قدمی میں سخت دشواری ہو گی۔"

رئیس نے کہا۔ "اچھی خبر ہے.......... کوئی اور اطلاع۔"

شاخان نے کچھ جھجکنے کے بعد کہا۔ "رئیس اعظم! اگناتیوز سے پانچ کوس نوودگرد کی طرف ترائی کے جنگل میں مجھے ولی عہد شہزادہ نکولس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔"

"شہزادہ نکولس؟" رئیس نے حیرت سے کہا۔ "لیکن وہ تو مضافات سے فوج جمع کر رہا ہے۔"

شاخان نے کہا۔ "گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، رئیس محترم۔ ولی عہد کچھ اور مشاغل میں بھی مصروف ہیں۔"

رئیس اعظم نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "کھل کر بات کرو شاخان۔ ہمیں تم پر کامل بھروسہ ہے۔"

شاخان نے حوصلہ پاتے ہوئے کہا۔ "رئیس محترم! میں نے آپ کے بخشے ہوئے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے اور آپ کی انصاف پسندی کی شہ پر ولی عہد کو گرفتار کیا ہے تاکہ آپ اس تنازعے کا فیصلہ کر سکیں جو آپ کے سینکڑوں وفاداروں کی ہلاکت کا سبب بنا ہے۔"

وفاداروں کی ہلاکت کا سن کر رئیس وزیولڈ کے چہرے پر پریشانی منڈلانے لگی لیکن اس نے خاموش رہ کر شاخان کو بات آگے بڑھانے کا موقع دیا۔ شاخان نے محتاط لفظوں میں ٹھہر ٹھہر کر سارا واقعہ رئیس کے گوش گزار کر دیا۔ مادہ ہرن اور اس سے پیدا ہونے والے تنازعے کے ذکر پر رئیس کے ساتھ ساتھ اہل دربار کے چہروں پر بھی بے چینی اور کشمکش نظر آنے لگی۔ شاخان کے خاموش ہونے کے بعد رئیس اعظم نے پُرخیال انداز میں کہا۔"

"کہاں ہے وہ ہرنی جو تم ساتھ لائے ہو۔"

شاخان نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ وہ سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ چار سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ انہوں نے مردہ ہرنی کو لکڑی کے ایک موٹے ڈنڈے کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ ہرنی کو دیکھتے ہی فوجی افسر کی بیوی شاہی آداب کو فراموش کرتی ہوئی آگے بڑھی اور سپہ سالار کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر چیخنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں ہے میری بیٹی۔ بتاؤ کہاں ہے میری معصوم بیٹی ..... خدا کے لیے کچھ تو بتاؤ۔"

دربار پر گہرا سناٹا طاری تھا۔

رئیس کی بارعب آواز دربار میں گونجی۔ "ولی عہد کو حاضر کیا جائے۔"

سپہ سالار شاخان نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ادب سے سر جھکا کر باہر چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ولی عہد نکولس سپاہیوں کی معیت میں اندر داخل ہوا۔ طیش سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ رئیس کے سامنے پہنچ کر اس نے تعظیم پیش کی اور قہرناک آواز میں بولا۔

"والد محترم! سپہ سالار شاخان نے حد سے تجاوز کیا ہے۔ مجھے گرفتار کر کے آپ کے پاس لایا گیا۔"

رئیس نے کہا۔ "نکولس! ہم یہ بات جانتے ہیں۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ شاخان کو تمہیں گرفتار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

باپ کے چبھتے ہوئے لہجے نے نکولس کو پریشان کر دیا۔ مگر پھر وہ سنبھل کر بولا۔

"والد گرامی! میرا خیال ہے' شاخان میرے خلاف کافی زہر فشانی کر چکا ہے لیکن میں....." دفعتاً شہزادے کی نظر ایک جانب کھڑی فریادی عورت پر پڑی اور الفاظ جیسے اس کی حلق میں اٹک گئے۔ اس کے چہرے پر ایک پُر خوف تاثر ابھرا اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے عورت کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کا چونکنا اتنا واضح اور بے ساختہ تھا کہ دربار میں موجود ہر شخص نے اسے محسوس کیا۔

رئیس وزیولڈ نے پُر طیش آواز میں کہا۔ "شہزادہ نکولس کی گویائی کو کیا ہوا۔ کیا وہ گفتگو کے آداب بھی بھول گیا ہے؟"

شہزادہ حیرت سے کبھی فریادی عورت اور کبھی مردہ ہرنی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ذہن میں جیسے مختلف کڑیاں خود بخود ملتی جا رہی تھیں۔ گھبراہٹ اس کے چہرے پر دھواں بن کر پھیل گئی تھی۔ اس نے بمشکل سنبھالا لیا اور تھوک نگل کر بولا۔

"پدر محترم! میرا خیال ہے میرے خلاف کوئی گہری سازش کی جا رہی ہے۔"

رئیس نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ "اس عورت کو دیکھ کر تمہیں یہ خیال کیوں گزرا کہ تمہارے خلاف گہری سازش کی جا رہی ہے۔"

شہزادہ گڑبڑایا۔ "نہیں والد محترم! میں اس عورت کو نہیں جانتا۔"

"تم اس عورت کو جانتے ہو۔" رئیس نے گرج کر کہا۔ دربار پر گہرا سناٹا طاری تھا۔

رئیس کچھ دیر قہر آلود نظروں سے ولی عہد کو گھورتا رہا پھر مردہ ہرنی کی طرف اشارہ کر کے ا۔ "یہ ہرنی تمہیں کہاں سے ملی؟"

شہزادے نے کہا۔ "یہ سوال آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

رئیس نے کہا۔ "اس لیے کہ ہرنی اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک دوشیزہ بھی ی اور وہ دوشیزہ تین روز سے لاپتہ ہے۔"

اچانک شہزادے کے چہرے پر شدید برہمی نظر آنے لگی۔ وہ دلیری سے بولا۔

"والد محترم! اگر آپ مجھے مجرم گردانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں اپنی صفائی میں کچھ نہ کہوں گا۔"

شہزادے کے گستاخانہ انداز نے رئیس کی آنکھوں میں قہر بھر دیا۔ وہ دھاڑا۔ "یہ ت سمجھنا کہ تُو ولی عہد ہے۔ میں ایک عام مجرم کی طرح کوڑوں سے تیری کھال ادھیڑ دوں گا..... بتا کہاں ہے اس عورت کی بیٹی؟"

"میں کسی عورت کی کسی بیٹی کو نہیں جانتا۔ رہا آپ کی سزا کا سوال تو اس سے زیادہ کیا کریں گے کہ میری گردن مروا دیں گے مجھے آپ سے ایسی ہی توقع ہے۔"

شہزادے کے لہجے میں بے دلی اور جرأت اس طرح یکجا ہو گئی تھی کہ رئیس کے ساتھ ساتھ اہل دربار بھی سناٹے میں رہ گئے۔ کچھ دیر دربار میں گہری خاموشی طاری رہی۔ رئیس وزیولڈ جیسے اپنے ہی ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ اس کی تیز نگاہیں آنے والی نا ہربان ساعتوں کی تصویر دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "گویا تمہیں عتراف ہے کہ اس عورت کی بیٹی کو تم نے اغوا کیا ہے۔"

شہزادے نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس سے زیادہ ں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ نے جو کرنا ہے بصد شوق کریں۔"

رئیس نے گرج کر کہا۔ "شاخان! زنجیریں ڈال دو اس بدبخت کو۔ ہم اس سے اس کے گناہوں کا پورا پورا حساب لیں گے۔"

کچھ درباریوں نے اٹھ کر "رحم رحم" کی صدا لگائی لیکن محسوس ہوتا تھا رئیس کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ یقیناً وہ اس سے پہلے بھی شہزادے کے اطوار سے نالاں تھا۔ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"خاموشی! میں انصاف کے تقاضوں کے منافی کوئی بات سننا پسند نہیں کروں گا۔ اس مردود کو میری نگاہوں سے دور لے جاؤ اور زنداں میں ڈال دو۔"

رئیس کی ہدایت پر فوراً عمل ہوا۔ سپاہی اسے نرغے میں لے کر دربار سے باہر نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ رئیس نے شاخان کو حکم دیا۔ "شاخان! شہزادہ نکولس کے قریبی ساتھیوں سے دریافت کرو کہ مغویہ کہاں ہے۔ اگر وہ نہ بتائیں تو ان کی کھالیں کھینچ کر ان میں بھس بھر دو۔ آٹھ پہر کے اندر مجھے ہر صورت میں لڑکی کا سراغ چاہئے۔" شاخان نے تعمیل میں سر جھکایا۔ رئیس نے کہا۔ "شاخان! وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے نکولس کے ساتھیوں سے مقابلہ کیا اور کم تعداد میں ہونے کے باوجود انہیں شکست دی۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔" سپہ سالار شاخان نے دوبارہ سر جھکایا اور سپاہیوں کو دھیمے لہجے میں ہدایات دیں۔ لگ سپاہی گئے اور چند ہی لمحے میں اباقہ' اسد' نتاشا اور علی وغیرہ کو لیے اندر داخل ہوئے۔ نتاشا کو دیکھتے ہی رئیس وزیولڈ کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک نظر آئی۔ وہ ذہن پہ زور دیتے ہوئے بولا۔

"اگر ہم تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہے تو تم کنیاز یوری کی بیٹی ہو۔"

نتاشا نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ درست فرما رہے ہیں۔ میں نتاشا ہوں اور یہ میرے شوہر ہیں۔" اس کا اشارہ پہلو میں کھڑے اباقہ کی طرف تھا۔

رئیس اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور استقبالیہ انداز میں بولا۔ "آؤ بیٹی آؤ۔ تمہارے باپ سے ہمارے اختلافات یقیناً تھے لیکن اس وقت تم ہماری مہمان ہو۔"

رئیس کے اشارے پر نتاشا اباقہ اور اس کے ساتھیوں کو رئیس کے قریب نشستیں فراہم کر دی گئیں.......... اہل دربار ان سے سیت اور دلادی میر کی جنگوں کے حالات معلوم کرنے میں مصروف ہو گئے۔

رئیس نے شاہی محل کے قریب ہی ایک عمدہ رہائش گاہ اباقہ اور نتاشا کے لیے مخصوص کر دی۔ ظاہر تھا علی اور اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔ اباقہ کے ساتھ آنے والے فوجی دستے کو نوودگرود کی باقاعدہ فوج میں شامل کر لیا گیا۔ اباقہ اور اسد کو رئیس نے صدی سالار بنانے کی پیشکش کی جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی۔ نوودگرود میں یہ ان کا چوتھا روز تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ نتاشا نے باغ کی طرف کھلنے والے دریچے کے پردے ڈھیلے تھے۔ وہ مسہری پر نیم دراز محویت سے باہر دیکھ رہی تھی۔ علی اس کے قریب بیٹھا شاید کوئی نیا لطیفہ سوچ رہا تھا۔ اباقہ دروازے کے قریب ایک گدے دار تخت پر بیٹھا اپنی کمان کا چلہ کسنے میں مصروف تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور اسد تیز قدموں سے اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ صحن میں پہنچتے ہی اس نے زور سے کہا۔ "اباقہ ایک خوشخبری سنو۔" اباقہ کے ساتھ ساتھ علی اور نتاشا بھی ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اسد نے کہا۔ "مائیکل کے بیوی بچے مل گئے۔"

"مائیکل کے بیوی بچے مل گئے؟" اباقہ حیرانی سے بولا۔

اس کے ساتھ ہی مائیکل کا افسردہ چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ آخری بار وہ اسے دلادی میر میں نظر آیا تھا۔ فصیل پر جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اباقہ نے اسے ایک دستے کی کمان کرتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ اباقہ اور اسد کو کم ہی امید تھی کہ وہ اسے دوبارہ دیکھ سکیں گے۔ بہت ممکن تھا کہ وہ جنگ میں کام آ گیا ہو اور اگر بچا بھی تھا تو ہزاروں لاکھوں بے خانماں لوگوں کے اس ہجوم میں اور منتشر افواج میں وہ اسے کہاں پاتے۔ اس کے بقول اس کے بیوی بچے ریازان میں تھے اور جب وہ عراق سے واپس آیا تو ریازان کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ مائیکل اکثر اپنے اہل خانہ کو یاد کر کے اداس ہو جاتا تھا.......... اب اسد سے اس کے بیوی بچوں کا سن کر اباقہ کا حیران ہونا لازمی تھا۔ وہ حیرت سے بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

اسد نے کہا۔ "پرسوں جس عورت کو ہم نے فریادی کے روپ میں رئیس کے سامنے دیکھا وہ مائیکل کی بیوی تھی اور اغوا ہونے والی اس کی بیٹی تھی .... آج وہ بھی مل گئی ہے۔" اباقہ اور نتاشا پر حیرت کا یہ دوسرا حملہ تھا۔ اباقہ نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"کب ملی وہ لڑکی!؟"

اسد نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج دوپہر.......... عقوبت خانے میں شہزادہ نکولس کے ایک ساتھی نے آخر سب کچھ بتا دیا۔ اس نے بتایا کہ لڑکی ترائی کے جنگل میں واقع ایک مسمار قلعے میں ہے۔ اسے وہاں محبوس رکھا گیا تھا۔"

نتاشا نے پوچھا۔ "کس نے محبوس کیا تھا اسے؟"

اسد نے کہا۔ "ٹھہرو! میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ یہ لڑکی جو دراصل مائیکل کی بیٹی ہے اور اپنی ماں کے ساتھ ایک متروک حویلی میں مقیم تھی' شہزادے نکولس کی نظروں میں آ گئی۔ شہزادے نے ایک روز اسے نہر کے کنارے گھومتے دیکھا اور فریفتہ ہو گیا۔ اس نے لڑکی کو اپنے جال میں پھنسانا چاہا مگر ناکام رہا۔ عیاش طبع شہزادے نے ایک روز اسے اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو یہ ذمے داری سونپی کہ لڑکی جب گھر سے نکلے تو اسے اٹھا کر ترائی کے مسمار شدہ قلعے میں پہنچا دیا جائے۔ شہزادے کا ہرکارہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لڑکی کی تاک میں رہنے لگا۔ ایک روز اس کا داؤ چل گیا اور وہ لڑکی کو ہرنی سمیت گھوڑا گاڑی میں ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کارروائی کے بعد لڑکی کو شہزادے کے سامنے پیش کیا گیا۔ شہزادہ لڑکی کو داشتہ بنا کر رکھنا چاہتا تھا مگر لڑکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی کرے۔ آخر شہزادے نے اسے جھانسا دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس سے خفیہ شادی کر لیتا ہے بعد ازاں موقع محل دیکھ کر باپ کو اس فیصلے سے آگاہ کر دے گا۔ لڑکی شہزادے کے بس میں تھی طوعاً و کرہاً اس نے یہ بات مان لی۔ مگر اس سے پہلے کہ شہزادے کے مذموم مقاصد پورے ہوتے ایک روز لڑکی کی پالتو ہرنی' جو اس کے ساتھ ہی کھنڈرات میں لائی گئی تھی نکل بھاگی۔ شہزادے اور اس کے ساتھیوں کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس ہرنی کے سبب ان کا راز فاش نہ ہو جائے وہ اسے قابو کرنے کے لیے اس کے پیچھے لپکے مگر وہ انھیں بھگاتی ہوئی کئی کوس آگے لے گئی۔ یہاں تک کہ شہزادہ اس کا تعاقب کرتا ہمارے پڑاؤ میں پہنچ گیا..... " اباقہ نتاشا اور علی حیرت سے یہ روئیداد سن رہے تھے۔ تقدیر نے بے رحم شہزادے کو کس وسیلے سے گھیرا تھا۔ اگر وہ ہرنی کا مسئلہ کھڑا نہ کرتا تو کبھی جنگ وجدل تک نوبت نہ آتی اور نتیجے میں شاخلان اسے گرفتار نہ کرتا۔ اسد نے بتایا کہ شاہی دستے نے چھاپا مار کر لڑکی جولیا ہودرتھ کو مسمار قلعے سے برآمد کر لیا ہے شہزادہ نکولس کے دو ساتھی ابھی تک وہاں اس کی نگرانی کر رہے تھے۔"

اباقہ نے اسد سے کہا۔ "اسد! میں مائیکل کے گھر والوں سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اسد بولا۔ "آؤ میرے ساتھ یہاں سے ان کی رہائش گاہ خاصی دور ہے مگر ہم گھوڑوں پر مغرب سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

علی نے کہا۔ "بھائی جان! میں ساتھ جاؤں گا۔"

اسد مسکرا کر بولا۔ "ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن کسی نے نتاشا کی حفاظت بھی تو کرنی ہے۔ کوئی مرد تو اس کے پاس ہونا چاہیے۔ تم دیکھ ہی رہے ہو یہاں لڑکیاں کس طرح اغوا ہو رہی ہیں۔"

تیر نشانے پر لگا۔ علی کے چہرے پر تذبذب نظر آیا پھر وہ بولا۔ " ٹھیک ہے۔ آپ جائیں' میں یہیں رہوں گا۔"

اسد اور اباقہ باہر نکل گئے تو علی نتاشا کی مسہری پر چڑھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر غور سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر ٹھوڑی اپنے ہاتھ پر ٹکا کر بولا۔ "آپا! آپ بھائی جان اباقہ کی بیوی ہیں؟"

نتاشا نے کہا۔ "تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟"

علی نے معصومیت سے کہا۔ "میں نے کبھی آپ کو بھائی جان کے ساتھ..... میرا مطلب ہے..... کبھی آپ کو بھائی جان کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

"کیا مطلب ؟" نتاشا نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا مطلب ہے آپ تو ایک دوسرے سے بولتے تک نہیں۔"

نتاشا نے ایک گہری سانس لی اور اچانک اس کی آنکھوں سے اداسی جھلکنے لگی۔ شاید اسے بھی آج ہی احساس ہوا تھا کہ اباقہ اور وہ میاں بیوی ہونے کے باوجود اجنبیوں کی طرح ہیں۔ باپ کے غم نے شہزادی کو اس طرح جکڑا تھا کہ دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ ہر گھاؤ بھر جاتا ہے۔ ناقابل علاج زخم بھی مندمل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آج وہ علی کی بات پر غور کر رہی تھی۔ جونہی اباقہ کی دلہن ہونے کا خیال اس کے ذہن میں آیا ایک سرخی سی اس کے رخساروں کو ڈھانپ گئی۔ وہ علی سے بولی۔ "ہمارا کیا قصور ہے۔ تمہارے بھائی جان خود ہی لئے دیے رہتے ہیں"

علی چہکا۔ "تو آپ نے مجھے پہلے بتانا تھا۔ میں تو انھیں چٹکی بجاتے ٹھیک کر لوں گا۔"

نتاشا نے پریشانی سے پوچھا۔ "کیا کرو گے تم؟"

"کچھ نہیں۔ انھیں کہوں گا کہ آپ سے ..... ذرا ہنسا بولا کریں۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ اگلے روز صبح سویرے علی بھاگتا ہوا نتاشا کے کمرے میں پہنچا۔

"آپا جان..... آپا جان..... بھائی جان کو کچھ ہو گیا ہے وہ جاگ ہی نہیں رہے۔ میں آوازیں دے دے کر تھک گیا ہوں۔"

نتاشا نے کہا۔ "گہری نیند سو رہے ہوں گے ذرا زور سے آواز دینا تھی۔"

علی نے کہا۔ "زور سے ہی دی تھی۔"

نتاشا کے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی وہ بولی۔ "اسد کہاں ہے؟"

علی نے بتایا کہ وہ تو صبح سویرے نماز پڑھ کر سیر کے لیے نکل جاتے ہیں اور دن چڑھے لوٹتے ہیں۔

نتاشا نے بے قراری سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر علی کے ساتھ اباقہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ اباقہ مسہری پر چت لیٹا تھا۔ ریشمی تو شک نے سینے سے نیچے اس کا جسم ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لگتا تھا گہری نیند سو رہا ہے۔ علی نے کہا۔ "بھائی جان اٹھئے۔ دیکھئے سورج طلوع ہو گیا۔" اباقہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ نتاشا جانتی تھی کہ اباقہ نشے کا عادی نہیں' پھر وہ اتنی گہری نیند کیوں سو رہا تھا۔ یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہو۔

نتاشا نے اس کے بالکل قریب جا کر کہا۔ "دیکھئے ..... دھوپ کہاں آ گئی ہے۔ اب اٹھ جائیے۔" نتاشا کی آواز کافی بلند تھی۔ صبح کے وقت ایک سوئے ہوئے آدمی کو جگانے کے لیے یہ آواز بہت کافی تھی۔ یکایک نتاشا کا چہرہ زرد ہو گیا۔ کہیں اباقہ کو کچھ ہو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں گیا تھا۔ وہ بے اختیار جھکی اور کندھوں سے تھام کر اباقہ کو جھنجھوڑنے لگی۔ ساتھ ہی وہ گھبراہٹ میں "اباقہ .... اباقہ" پکار رہی تھی۔ نتاشا کا ہاتھ جسم سے چھوتے ہی اباقہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ یوں لگا جیسے وہ نیند پوری کر چکا تھا اور جاگنے کے لیے کسی اشارے کا منتظر تھا۔ اسے اٹھتے اور اپنی طرف گھورتے پا کر نتاشا جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک لمحے میں اس کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے تھے۔ اباقہ بولا۔

"نتاشا! تم یہاں؟"

نتاشا ہکلائی۔ "ہم .... ہم وہ۔" اس نے مڑ کر دیکھا تو علی غائب اور دروازہ بند تھا۔ وہ سنبھل کر بولی۔ "ہمیں علی نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔"

"کیا کہا؟" اباقہ زور سے بولا۔

نتاشا نے کہا۔ "ہمیں علی نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔"

"کیا خراب ہے؟" اباقہ نے پھر بلند آواز سے پوچھا۔

نتاشا حیرانی سے اباقہ کو دیکھنے لگی جیسے اس کی ذہنی صحت پر شک کر رہی ہو۔ وہ روسی تو نہیں بول رہی تھی' آخر اباقہ کو سمجھ کیوں نہیں آ رہی تھی۔ "کیا ہوا ہے آپ کو؟" وہ الجھن سے بولی۔

دفعتاً اباقہ کے چہرے پر رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس کے ہاتھ اپنے کانوں کی طرف گئے اور سفید روئی کے دو ٹکڑے اس کے ہاتھوں میں آ گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا۔ "یہ لڑکا بالکل شیطان کی دم ہے۔ رات دیا سلائی کے ساتھ یہ روئی میرے کانوں ٹھونستا رہا۔ کہتا تھا اس سے بڑی اچھی نیند آتی ہے۔ آدمی جس کروٹ سوئے اسی کروٹ اٹھ جاتا ہے۔"

نتاشا شرمگیں مسکراہٹ سے بولی۔ "اور ہمیں کہہ رہا تھا کہ بھائی جان کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ بار بار آوازیں دینے کے باوجود سوئے پڑے ہیں .... ہم تو ڈر گئے کہ خیر نہیں.........."

اباقہ بولا۔ "میں ابھی کان کھینچتا ہوں شیطان کے۔"

نتاشا نے کہا۔ "نہیں رہنے دیں بچہ ہے۔" پھر وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "شہر کی کیا صورت حال ہے؟"

اباقہ نے کہا۔ "وہی ولادی میروالی کیفیت ہے۔ لوگوں میں زبردست ہراس پایا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ تو شمالی علاقوں کی طرف نکل گئے ہیں مگر خراب راستوں کی وجہ سے نقل مکانی بھی آسان نہیں۔ پورے شہر کے کلیساؤں میں شب و روز عبادت ہو رہی ہے۔

بعض افراد نے مستقل طور پر عبادت گاہوں میں ڈیرے ڈال لیے ہیں۔"

نتاشا نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "منگول لشکر کے بارے کچھ پتہ چلا؟"

اباقہ نے کہا۔ "کل میں اور اسد کچھ دوسرے سرداروں کے ساتھ اگناتیوز کی طرف کوئی پندرہ کوس تک گئے تھے۔ ابھی تک منگول لشکر کے آثار نظر نہیں آئے .... ہاں دریائے سیت کی طرف سے آنے والے ایک قافلے نے بتایا ہے کہ منگول کاریگر لشکر کے راستے میں ندیوں پر پل باندھ رہے ہیں۔ تیاریوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا رخ نوووگرود ہی کی طرف ہے۔"

نتاشا نے کہا۔ "یورق اور شیزی کولت کے بارے میں کچھ پتہ چلا۔"

اباقہ نے تاسف سے جواب دیا۔ "نہیں ابھی کچھ معلوم نہیں ہوا۔ شیزی تو ہو سکتا ہے گرفتار ہو گئی ہو لیکن یورق ہتھیار پھینکنے والوں میں سے نہیں تھا۔ یا وہ آزاد ہے یا مر چکا ہے۔" اچانک اباقہ کو کچھ یاد آیا وہ بولا۔ "نتاشا! تمہارے لیے ایک اور اطلاع ہے زیوک کل دوپہر نوودگرود پہنچا ہے۔"

نتاشا کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے وہ بولی۔ "اباقہ! آپ اس کی طرف سے بے حد ہوشیار رہیں۔ وہ نہایت خطرناک شخص ہے۔"

اباقہ نے چونک کر نتاشا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بیوی کی دردمندی جھلک رہی تھی۔ اباقہ کو اس طرح اپنی طرف دیکھتے پا کر بے اختیار نتاشا کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا ہم چلتے ہیں۔ آپ ناشتے کے لیے منہ ہاتھ دھولیں۔" علی کی شریر آنکھیں ایک کھڑکی کی درز سے لگی ہوئی تھیں۔ نتاشا کے اٹھتے ہی یہ آنکھیں وہاں سے اوجھل ہو گئیں۔

.... عین اس وقت شاہی محل میں رئیس وزیولڈ اپنی نشست گاہ میں بیٹھا تھا۔ اباقہ کے ساتھ آنے والے فوجی دستے کا ایک ادھیڑ عمر سردار اس کے ساتھ تھا۔ سردار جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "رئیس محترم! وہ فولادی انسان ہے۔ بے پناہ حوصلے کا مالک اور حیرت انگیز جنگجو۔ دریائے سیت کے کنارے میں نے اپنی آنکھوں سے اسے منگولوں کے سر اڑاتے دیکھا ہے۔ اس کی جنگی چالوں میں بھوکے درندوں کی عیاری اور وار میں رعد و برق کی تیزی ہے تلوار اٹھاتا ہے تو قضا بن جاتی ہے' تیر چلاتا ہے تو وہ موت ہوتا ہے اس کے جنگی نعرے میں ایسی گرج ہے کہ مدمقابل کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ رئیس معظم وہ ایک غیر قوم اور غیر مذہب کا شخص ہے۔ وہ نہ میرا قرابت دار ہے اور نہ ہموطن۔ اگر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی تعریف کر رہا ہوں تو صرف اور صرف اس لیے کہ وہ ہے ہی تعریف کے قابل بخدا وہ کسی فوج کا سالار بننے کے لائق ہے۔ اگر حضور مجھ بندہ ناچیز کو کسی رائے کے قابل سمجھتے ہیں تو میں پورے اخلاص سے عرض کروں گا کہ اسے کوئی بڑی ذمے داری سونپیے وہ ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر سود مند ثابت ہو گا۔"

رئیس نے کہا۔ "اس سے پہلے بھی کچھ سردار اس نوجوان کی تعریف کر چکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو خلوص نیت سے کہہ رہے ہو۔ بہر حال ہم اس بارے سوچیں گے۔"

فوجی سردار نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "جناب رئیس! اگر اجازت ہو اور آپ میری اس گستاخی کو معاف کریں تو میں ایک عرض اور کروں گا۔"

رئیس نے فراخدالی سے کہا۔ "کہو سردار! ہم تمہاری ہر بات سنیں گے۔"

سردار نے کہا۔ "جناب رئیس! ڈیوک یہاں کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً وہ آپ کو بھی محبوب ہو گا۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اس کی رائے غیر جانبدارانہ نہیں ہو گی۔ وادی میر میں وہ اباقہ کا سب سے بڑا مخالف رہا ہے۔"

رئیس نے فوجی سردار کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں سردار! یہ ایک جمہوری ریاست ہے۔ یہاں جو بھی فیصلہ ہو گا ملک کے بہترین مفاد میں ہو گا۔ اگر ان حالات میں بھی ہم ذاتی کرو فر اور انتقام کی باتیں کرتے رہے تو عذاب الٰہی کو دعوت دیں گے۔"

کچھ دیر بعد فوجی سردار تعظیم پیش کر کے باہر نکل گیا۔ اس کی روانگی کے بعد رئیس نے خادم خاص کو حکم دیا کہ ڈیویز ہاف کو حاضر کیا جائے۔

ڈیوک انتظار گاہ میں بیٹھا رئیس کے بلاوے کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں رئیس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چرمی تھیلا تھا۔ اس نے جھک کر رئیس کو آداب پیش کیا۔ رئیس نے کہا۔ "سناؤ ڈیوک! کیسے ہو؟"

ڈیوک کے باریک لب مخصوص انداز میں مسکرائے اس نے تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "رئیس محترم! اس میں آپ کے ایک دشمن کنیازیوری کا سر ہے۔ اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کیا ہے۔"

اگر ڈیوک کا خیال تھا کہ رئیس اس خبر پر بے پناہ مسرت کا اظہار کرے گا تو اسے مایوسی ہوئی۔ رئیس کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر ضرور نظر آئی مگر اسے مسکراہٹ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے ڈیوک! بالآخر تم نے اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لے لیا ..... لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے مفادات اور تازے بھول کر منگولوں کے انتقام سے بچنے کی کوشش کریں۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور تم نے کیا تیاری کی ہے؟"

ڈیوک جسے رئیس کے رویے پر قدرے مایوسی ہوئی تھی۔ گہری سانس لے کر قالین کو گھورنے لگا۔ اس کا سازشی ذہن پھر متحرک ہو چکا تھا۔ کچھ دیر وہ خیالوں کو جمع کرتا رہا پھر مدبرانہ انداز میں بولا۔ "رئیس محترم! سب سے پہلے تو میں یہ عرض کروں گا کہ کنیازیوری کے داماد اباقہ اور اس کے ساتھیوں پر ....."

اچانک رئیس نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔ "ڈیوک! ہم نے تم سے کسی کے بارے رائے طلب نہیں کی۔ صرف یہ پوچھا ہے کہ شہر کے دفاع کے لیے تمہاری تیاری کیا ہے؟"

ڈیوک نے گڑبڑا کر کہا۔ "جناب رئیس! میں اس سلسلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اباقہ اور اس کے ساتھی ....."

"ڈیوک! تمہیں ہماری بات سمجھ نہیں آئی؟" اس دفعہ رئیس نے خاصے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ "ہم کسی کے بارے تمہاری رائے جاننا نہیں چاہتے ..... اس وقت ذاتی اختلافات بھلا کر ہم سب کو مل جل کر کام کرنا ہے اگر ہمیں اس شہر کو بچانا ہے تو ہر شخص کو اس کی قابلیت اور استطاعت کے مطابق ذمے داری سونپنا ہو گی ..... اسی اصول کے پیش نظر ہم کچھ فوجی عہدوں میں رد و بدل کر رہے ہیں۔ ممکن ہے اباقہ کو بھی کوئی اہم عہدہ دیا جائے۔ لہٰذا تم اس کے متعلق کوئی بھی رائے ظاہر کرنے سے گریز کرو۔"

رئیس کے ان واشگاف الفاظ نے ڈیوک کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں نشست پر پہلو بدلا اور بولا۔ "رئیس محترم! معافی چاہتا ہوں۔ یقیناً آپ ہمارے لیے بہتر ہی سوچیں گے۔"

☆------☆------☆

عشاء کی نماز کے بعد اسد سو گیا۔ علی بھی اباقہ کا انتظار کرتے کرتے خواب گاہ کے قالین پر ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا لیکن نتاشا ابھی تک جاگ رہی تھی۔ شام سے موسلا دھار بارش کا سلسلہ شروع تھا۔ اس سے سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ نتاشا نے ایک گرم شال کندھے پر پھیلا رکھی تھی اور ہاتھ بغلوں میں دیے دالان میں ٹہل رہی تھی۔ کبھی ٹہلتے ٹہلتے کرسی پر بیٹھ جاتی اور ایک سنگی ستون کے گرد لپٹی ہوئی سدا بہار کی بیل کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھورنے لگتی۔ بیل اور ستون۔ کیا منطقی رشتہ تھا۔ بیل کی موجودگی سے ستون دلکش اور ستون کے وجود نے بیل کو سہارا دے رکھا تھا۔ یہ ستون نہ ہوتا تو بیل چند پتوں کی صورت میں مختصر کر رہ جاتی۔ پھر ایک دن یہ پتے بھی کسی کے قدموں تلے روندے جاتے۔

دفعتاً وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ ڈیوڑھی کی طرف قدموں کی آوازیں آئی تھیں۔ پھر اباقہ دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یقیناً وہ کسی طویل گشت کے بعد لوٹے تھے۔ نہ جانے کیوں نتاشا کا دل چاہا کہ وہ شہزادی نہ ہوتی ایک عام لڑکی ہوتی۔ اس خوبصورت رہائش گاہ کی جگہ ایک معمولی سا مکان ہوتا۔ اباقہ گھوڑے پر سوار سیدھا اندر چلا آتا۔ وہ اس کے گھوڑے کی لگام تھامتی۔ اسے اصطبل میں باندھتی' اپنے ہاتھ سے اس کے آگے چارہ ڈالتی اور اس کی گردن تھپ تھپاتی۔ وہ سرحد کے محافظ کا گھوڑا تھا۔ اس کی خدمت کرکے اسے کتنا سکون ملتا لیکن ایک شہزادی ہونے کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتی تھی۔ نامعلوم کیوں اسے اپنے شاہی نام و نسب پر افسوس ہونے لگا۔

اباقہ اب سپاہیوں کو واپس بھیج کر دالان میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے شانوں پر ایک سبز موٹی چادر تھی۔ اس نے چادر اتاری اور اسے جھاڑ کر ایک کھونٹی پر لٹکانا چاہا۔ اس وقت نتاشا جلدی سے آگے بڑھی اور چادر تھام لی۔ پھر خود اسے کھونٹی پر لٹکایا اور بولی۔

"آیئے! بہت سردی ہے۔ ہم نے خادمہ کو آپ کے کمرے میں آتشدان دہکانے کا کہا تھا۔"

اباقہ نے "شکریہ" کہا اور نتاشا کے ساتھ چلتا کمرے چلا آیا۔ "اسد کہاں ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"وہ اور علی تو آپ کے انتظار میں سو گئے۔" نتاشا نے جواب دیا پھر آگے بڑھ کر اباقہ کو زرہ کھولنے میں مدد دینے لگی۔ اباقہ کی خدمت پر مامور خادمہ بھی سو چکی تھی نتاشا نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا اور خود ہی اباقہ کے لیے رات کا لباس ڈھونڈ کر نکالا اور مطبخ سے کھانا لینے چلی گئی۔ اباقہ کا کام کرتے ہوئے اسے عجیب خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی خوشی اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ نہ خدام پر حکم چلاتے' نہ مجرموں کو سزائیں سناتے اور نہ امور سلطنت انجام دیتے۔ اسے لگا جیسے وہ کام غیر اہم تھے جو اس نے مجبوری سے کیے' اہم کام یہی ہے کہ وہ اپنے محبوب شوہر کی خدمت کرے۔ اسے آرام پہنچائے اور اس کی مسرت کا باعث ہو۔

اباقہ قدرے حیرانی سے نتاشا کی مصروفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔ نہ صرف اس نے

کھانا اباقہ کے سامنے چنا بلکہ خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگی۔ آج اس کا ہر انداز بدلا ہوا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کی ترنم ریز آواز اباقہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آپ نے بہت دیر لگائی۔"

اباقہ نے کہا۔ "ہاں ..... ہم آج دوپہر گشت پر نکلے تھے۔ شدید بارش کے سبب راستہ خراب تھا اس لیے طویل چکر کاٹ کر آنا پڑا۔" شہزادی منگولوں کے بارے میں سوالات پوچھنے لگی۔ اباقہ مختصر جواب دیتا رہا اور ساتھ ساتھ نوالے حلق سے نیچے اتارتا رہا۔

شہزادی نے پوچھا۔ "کیا بات ہے آپ جلدی میں نظر آتے ہیں؟"

اباقہ نے کہا۔ "ابھی داروغہ نے بتایا ہے کہ مجھے اور اسد کو رئیس نے محل میں طلب کیا ہے۔"

شہزادی نے حیرانی سے کہا۔ "اس وقت؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

اباقہ نے کہا۔ "ہاں خاص بات ہی لگتی ہے۔"

شہزادی نتاشا کے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ اس بے وقت کے بلاوے سے افسردہ ہے۔ غالباً اسے اباقہ کی دن بھر کی تھکن کا احساس تھا۔ اباقہ نے جیسے تیسے کھانا ختم کیا پھر اسد کو جگایا اور اسے محل سے آنے والے بلاوے کے متعلق بتایا۔ اسد نے شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے اباقہ کو بھی لباس تبدیل کرنے پر مجبور کیا۔ پھر دونوں نتاشا کو خدا حافظ کہہ کر محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ محل میں پہنچے تو وہاں خاصی چہل پہل نظر آئی۔ بیرونی دروازے پر اعلیٰ فوجی و غیر فوجی عہدیداروں کی گھوڑا گاڑیاں موجود تھیں۔ ظاہر تھا کوئی اہم نشست ہونے والی ہے۔ ان کا اندازہ درست نکلا۔ محل کی نشست گاہ میں کم و بیش سارے اعلیٰ افسران موجود تھے۔ رئیس وزیوتائی' نائب رئیس اور مشیر جنگ بھی تھوڑی دیر بعد پہنچ گئے۔ رئیس کی آمد کے بعد نشست گاہ کے دروازے بند کر دیے گئے اور ہنگامی نوعیت کی اس نہایت اہم گفتگو کا آغاز ہو گیا۔

یہ گفتگو رات کے آخری پہر تک جاری رہی۔ اس میں جنگی حکمت عملی تیار کی گئی اور دفاعی نوعیت کے کچھ نہایت اہم فیصلے کیے گئے۔ رئیس نے اباقہ کو دو دس ہزاری دستوں کا سالار اعلیٰ مقرر کر کے اپنے مصاحبین کو حیران کر دیا۔ اسد کو اس کا معاون خصوصی بنایا گیا۔ اباقہ کو یہ شایان شان منصب دینے کے بعد رئیس نے اس کی سابقہ خدمات کو سراہا اور اس سے دریافت کیا کہ موجودہ صورت حال میں اقطاع کے حوالے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی کیا رائے ہے؟

اباقہ پر یکلخت ایک بہت بڑی ذمے داری آن پڑی تھی۔ رئیس نے جس طرح اس کی عزت افزائی کی تھی اور اب جس طرح اس سے مشورہ طلب کیا جارہا تھا' اباقہ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فی الواقع اپنے آپ کو اس تکریم کا حقدار ثابت کرے۔ اس نے دھیمے لہجے میں اسد سے مشورہ طلب کیا' پھر اپنی جگہ پر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"جناب رئیس! آپ کی عزت افزائی کا بہت شکریہ۔ میں اپنی جان دے کر بھی آپ کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا..... جہاں تک میری رائے کا سوال ہے میں نہایت احترام سے عرض کرتا ہوں کہ یہاں پر مجھ سے کہیں زیادہ قابل اور تجربہ کار جنگی ماہر موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں' میں کوئی بہتر رائے نہ دے سکوں گا..... ہاں ایک بات جو میں نے یہاں قیام کے دوران محسوس کی ہے اور جو سراسر منگول حملہ آوروں کے خلاف جاتی ہے' میں آپ سے ضرور کہنا چاہوں گا۔ نوودگرود کے مضافاتی علاقے کی صورت حال ایسی ہے کہ یہاں منگول لشکر کے خلاف چھاپا مار کارروائیاں نہایت کارگر ثابت ہو سکتی ہیں۔ بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ اگر منگول لشکر کو کسی جگہ سبق سکھایا جا سکتا ہے اور ان سے اپنی شکستوں کا بدلہ لیا جا سکتا ہے تو وہ نوودگرود ہی ہے۔ یہاں کے نواحی جنگل' کھائیاں' دلدلیں اور پر پیچ راستے منگولوں کے قبرستان ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم ہمت سے کام لیں اور کسی طرح منگول لشکر کو شہر تک پہنچنے سے پہلے ہی جالیں تو میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ بکھر جائیں گے اور اس دشوار گزار علاقے میں دوبارہ ایک متحدہ مضبوط لشکر کی صورت اختیار نہ کر پائیں گے۔ اس کے بعد ہم مختلف اطراف سے حملہ کر کے انہیں اس طرح ہراساں کریں گے کہ ان کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس دوران دوسرے علاقوں سے بھی کمک پہنچ جائے اور ہم نوودگرود کے جنگلوں میں منگول لشکر کو ایک عبرتناک شکست دے سکیں۔" اباقہ کی تجاویز کو اس مشاورت میں نہایت ہمدردی اور غور و فکر سے سنا گیا۔ مختلف ماہرین کے درمیان ایک طویل مذاکرہ ہوا اور یہ طے پایا کہ اباقہ اسد اور شاخان دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ شہر سے چھاپا مار کارروائی کے لیے نکلیں گے اور دشمن کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے۔ اگنا تیوز سے کوئی دو کوس آگے ایک گھنا جنگل دشمن پر ہلہ بولنے کے لیے نہایت موزوں تھا۔ طے ہوا کہ اگر یہ حملہ مفید ثابت ہوا اور منگول لشکر میں ابتری کے نمایاں آثار نظر آئے تو تیز رفتار قاصد شہر کی طرف روانہ کیے جائیں گے اور روسی فوج شہر سے نکل کر دشمن کے مقابل آجائے گی۔

..... اس رات تمام تفصیلات طے کرلی گئیں اور رئیس نے ہدایت کی کہ کل شام تک ایک دس ہزاری دستہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر مضافات کی طرف روانہ ہو جائے۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز دوپہر کے وقت اباقہ اسد اور شاخان دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اگنا تیوز کی طرف روانہ ہو گئے۔ نتاشا اور علی نے رقت آمیز انداز میں انہیں الوداع کیا۔ شہر پر اس وقت خوف و ہراس کی فضا طاری تھی۔ آنکھیں ویران' رنگ زرد اور ہونٹ خشک۔ ہر نفس سہما ہوا تھا۔ اہل شہر نے دھڑکتے دلوں اور خاموش دعاؤں سے انہیں رخصت کیا۔ اباقہ کے دس ہزاری دستے میں وہ ڈیڑھ سو سرفروش بھی شامل تھے۔ جو اباقہ کے ساتھ یہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے دوسرے سپاہیوں میں اباقہ کی عزت افزائی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ نتیجتاً ہر سپاہی کی آنکھوں میں اباقہ کے لیے عزت و احترام کے جذبات تھے۔ وہ اپنے سالار پر فخر محسوس کرتے تھے اور میدان جنگ میں اس کے جوہر دیکھنے کے مشتاق تھے۔ ان لوگوں کے اعتماد نے اباقہ کی ذمے داریوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی وہ ان کی ضرورت سے زیادہ عزت و تکریم پر جھنجلا بھی جاتا تھا۔ ایسے میں اسد اس کو سمجھاتا کہ اسے خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ ورنہ ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔

دشوار گزار راستوں پر سفر کرتے وہ دوسرے روز شام تک اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ ڈھلوان میں پھیلا ہوا ایک وسیع جنگل انہیں آغوش میں لینے کو بے تاب تھا۔ یہاں سے دارالحکومت نوودگرود جانے والا راستہ ایک وادی کی شکل اختیار کر گیا تھا اور یقینی بات تھی کہ منگول لشکر یہیں سے گزرے گا۔ دوسری صورت میں منگولوں کو ایک طویل چکر کاٹنا پڑتا جس کے وہ ہرگز متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ پھر بھی امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسد اور شاخان سے مشورے کے بعد اباقہ نے فیصلہ کیا کہ دستے کے تین ہزار سپاہی پہاڑوں کے پار بھیج دیے جائیں تاکہ اگر دشمن دوسرا راستہ اختیار کرے تو وہ آگاہ ہو سکیں۔ اس دستے کا سالار اسد کو بنا دیا گیا۔ باقی سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ اباقہ اور شاخان نے جنگل میں ڈیرے ڈال لئے۔ منگول لشکر کی آمد تک انہیں خیموں کے بغیر گزارہ کرنا تھا اس لیے ہر فوجی کے جسم پر برساتی کی شکل کا ایک لبادہ تھا جو اسے سردی سے بھی محفوظ رکھتا تھا۔ سبز رنگ کے ایسے ہی موٹے لبادے گھوڑوں پر بھی ڈالے گئے تھے۔ یہ لبادے درختوں کا ایک حصہ ہی دکھائی دیتے تھے۔ چمکدار ہتھیار بھی ان لبادوں میں چھپائے گئے تھے تاکہ دشمن کی نظر سے اوجھل رہ سکیں۔ بارشوں کا سلسلہ جاری تھا اس لیے پوری فوج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے خشک راشن کا انتظام تھا۔ آگ جلانے اور کھانا پکانے کے لیے نہ ان کے پاس وقت تھا اور نہ ہی یہ جگہ مناسب تھی۔ تمام کے تمام سپاہی بالکل تیار حالت میں درختوں کے نیچے گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ اباقہ نے انھیں شاخان کے مشورے سے سات نہایت تیز رفتار اور متحرک دستوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق منگول لشکر کی آمد اب کسی بھی وقت متوقع تھی۔ لہٰذا اباقہ اور شاخان ساری رات جاگتے رہے دونوں گھوم پھر کر سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتے اور ان کی تیاری کا جائزہ لیتے رہے۔ اباقہ کی موجودگی نے سپاہیوں کی بے قراری کو ایک عجیب طرح کے سکون میں بدل دیا تھا وہ پورے اعتماد اور تحمل سے منگول لشکر کے منتظر تھے۔

انھیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ صبح کی آمد کے ساتھ ہی شمال سے منگول وحشی طلوع ہو گئے۔ دو جاسوس بھاگتے ہوئے پہنچے اور انھوں نے بتایا کہ منگول ہراول وادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اباقہ نے مخصوص اشارہ کیا اور تمام سردار اپنے سپاہیوں کو حملے کی حالت میں لے آئے۔ وسطی روس کے فاتحین کامیابی اور طاقت کے نشے میں چور اس وسیع اور پرخطر جنگل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لیے سات ہزار سرفروش ایک غیر معمولی شخص کی قیادت میں حملے کے لیے تیار تھے۔ وہ فرد واحد کی طرح کامل سکون اور یکجہتی کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس سبزہ پوش زمین اور پانی برساتے آسمان کے نیچے مزاحمت اور دفاع کی ایک نئی تاریخ رقم ہونے والی تھی......... اور پھر گونجتی لرزتی زمین نے اعلان کیا کہ منگول پہنچ گئے ہیں۔ گھوڑوں کی طویل قطاریں، بھیگے پرچم لہراتی ان کے سامنے سے گزریں۔ منگول معمولی رفتار سے گھوڑے بھگاتے اردگرد کے نظارے دیکھتے محو سفر تھے۔ یوں لگتا تھا وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ نووگرود ان سے صرف بیس کوس کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ اس وقت چھ سات ہزار سوار وادی میں پہنچ چکے تھے۔ جب اباقہ نے تلوار بلند کی اور نعرہ تکبیر کی پرجوش آواز اس کے حلق سے نکل کر نشیب و فراز کو گرما گئی۔ یکلخت جیسے کوئی خوابیدہ قیامت جاگ اٹھی۔ سرداروں نے مخصوص جنگی نعرے بلند کیے اور گھوڑوں کو ہوا کر دیا۔ ان کی چمکتی تلواریں منگول لشکر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور نظریں برف پر جمی تھیں۔ منگول لشکر اور اباقہ کے دستے کے درمیان کوئی سو قدم کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ پورے دستے نے شہاب ثاقب کی طرح طے کیا اور تباہی و بربادی کا پیامبر بن کر ان پر جا پڑا۔ منگول جو سردی سے ٹھٹھرے ہوا روی میں چلے جارہے تھے اس اچانک افتاد سے اس وقت سنبھلے جب ان کے تین چار سو سوار میدان میں کھیت چکے تھے۔ اپنی غیر معمولی تنظیم کی بدولت وہ حتی الامکان تیزی سے

سنبھلے۔ چند سو گز پیچھے ہٹے اور پھر یک جان ہو کر روسیوں پر ٹوٹ پڑے لیکن روسی بھی اب ماسکو یا ولادی میر کے روسی نہیں تھے۔ ان کے حوصلے جوان تھے اور ان کے لہو کو گرمانے کے لیے اباقہ کی للکاریں موجود تھیں۔ وہ جرأت اور ہمت کا پیکر، مجسم غضب اور ہلاکت، ٹوٹ ٹوٹ کر منگولوں پر برس رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ قریبی سپاہیوں کو بلند آواز میں ہدایات دے رہا تھا۔ اس کا انداز دیدنی تھا۔ یوں لگتا تھا وہ منگول سپاہیوں سے چیخ چیخ کر موت طلب کر رہا ہے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اسے موت دے سکے۔ وہ اس کے سامنے اپنی زندگیاں ردی کاغذ کی طرح پھینک رہے تھے اور پیچھے ہٹ رہے تھے اچانک ایک جانب سے ایک منگول سردار چیخا۔

"یہ بدبخت اباقہ ہے۔ خبردار زندہ نہ بچے۔ شاباش سپاہیو، تمہیں نیلے آسمان کی قسم، خان اعظم کی روح کی قسم .... تمہیں پاک کے پرچم کی قسم، اسے زندہ نہ چھوڑنا۔" پرجوش منگول بہادروں کا ایک ٹولہ للکارتا ہوا اباقہ کی طرف بڑھا۔ ان میں سے ہر ایک کی تلوار اباقہ کے خون کی پیاسی تھی۔ وہ اس نامور بہادر کو مار کر اپنا سر فخر سے بلند کرنا چاہتے تھے لیکن ان سروں کی قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔ شاخان نے جب اپنے جیالے ساتھی کو منگول بہادروں کے نرغے میں دیکھا تو اس نے اپنے دستے کو پکارا اور بجلی کی طرح حرکت کرتا اباقہ کے عقب میں پہنچ گیا۔ اس مقام پر ایک خونریز اور خوفناک معرکہ ہوا۔ للکارے گونجے، تلواریں ٹکرائیں نیزے ہوا میں سنسنائے۔ چاروں طرف منگولوں اور روسیوں کی لاشیں بکھر گئیں۔ دونوں طرف سے بڑے بڑے بہادر اور جنگجو اس گھمسان کے رن میں کام آئے۔ سپہ سالار شاخان بھی مارا گیا لیکن اس کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ منگول سواروں کے قدم اس بری طرح اکھڑے کہ وہ حواس باختہ ہو کر ایک خطرناک دلدل کی طرف بھاگ اٹھے۔ اس وقت اباقہ پر یہ انکشاف ہوا کہ اصل منگول لشکر ابھی پیچھے ہے۔ یہ لشکر کے ہراول دستے تھے جو لاپرواہی میں زیادہ آگے نکل آئے تھے۔ اباقہ نے پکار کر کہا۔

"ساتھیو! ان میں سے کسی شخص کو زندہ نہیں بچنا چاہیے۔ اس وادی کو ان کا قبرستان بنا دو۔"

منگولوں کی پسپائی پر اس آواز نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ روسی سپاہیوں کا تمام غضب، جوش اور انتقام ان کی تلواروں میں سما گیا۔ انھوں نے تیزی سے حرکت کر کے منگول دستوں کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس دوران پہاڑیوں کے عقب سے اسد کا دستہ بھی جنگی نعرے بلند کرتا میدان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پہنچ گیا۔ منگولوں کو تین اطراف سے اس طرح گھیر لیا گیا کہ انہیں چوتھی طرف دلدل میں کودنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مجبور ہو کر انہوں نے ہتھیار پھینک دیے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ ایک روسی سردار نے چلا کر کہا۔ "سردار اباقہ! دشمن خود کو حراست کے لیے پیش کر رہا ہے۔" اباقہ کی آنکھوں میں وحشت رقصاں تھی۔ سلطان جلال کا فرمان اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ سمرقند بخارا اور پھر بیازان و دلادی میر کے خونی نظارے اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ وہ ان درندوں کو کیسے گرفتار کر سکتا تھا' کیسے ان کی زندگیاں بخش سکتا تھا۔ اس نے کسی درندے ہی کی طرح غرا کر کہا۔

"ساتھیو! یہ انسان نہیں' زہریلے سانپ ہیں۔ ان کے پھن کاٹ ڈالو' قتل کر دو ان سب کو۔"

اباقہ کا حکم سنتے ہی روسی سپاہی پوری غضبناکی سے منگولوں پر ٹوٹ پڑے۔ پلک جھپکتے میں ان درندوں کو بے ضرر چوپایوں کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ صرف چھوٹی چھوٹی دو ٹولیوں نے واپس بھاگنے کی کوشش کی لیکن اطراف میں کھڑے سپاہیوں کے تیروں نے انہیں گھوڑوں سمیت چھلنی کر دیا .... اب ہر طرف منگول ہراول کی لاشیں بکھری تھیں۔ موسلا دھار بارش ان کے ناپاک خون سے زمین کو دھونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی .... اور جنوب مغرب سے ایک طوفان آنے والا تھا .... منگول لشکر کا طوفان۔ یقیناً اصل لشکر کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتا تھا۔ اپنے ہراول دستوں کا انجام دیکھ کر باتو خاں اور سبدائی بہادر جس قدر بھی غضبناک ہوتے کم تھا۔

اباقہ اور اسد ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے میدان کی صورت حال دیکھ رہے تھے۔ وادی کے خونی معرکے میں اباقہ کے گھٹنے پر بھی ایک شدید زخم آیا تھا۔ زمین پر گرے ہوئے ایک منگول نے تلوار کا بھرپور وار کیا تھا جو چمڑے کا زیر جامہ کاٹ کر گوشت میں اتر گیا تھا۔ اسد نے اپنا رومال کس کے زخم پر باندھ دیا تھا۔ پھر بھی قطرہ قطرہ خون اباقہ کے جوتے میں جمع ہو رہا تھا۔ اباقہ کی نگاہیں میدان پر جمی تھیں' وہ اور اسد سوچ رہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ مرنے والے منگول کسی طرح بھی چھ ہزار سے کم نہیں تھے۔ ان میں سے بہت سے دلدل کی نذر ہوئے تھے۔ پھر بھی چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کا جنگی سامان دور تک بکھرا پڑا تھا اور ان کے خالی گھوڑے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ روسی سپاہی بڑی تندہی سے مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے۔ اباقہ اور اسد نے دو روسی سرداروں کے ساتھ مشورہ کیا اور کافی سوچ بچار کے بعد فیصلہ ہوا کہ اب منگول لشکر کے لیے کچھ آگے جا کر گھات لگانی چاہیے۔

چند سو سپاہی مال غنیمت کو ٹھکانے لگانے کے لیے موقعے پر موجود رہے جب کہ باقی فوج اباقہ اور اسد کی قیادت میں آگے چل دی۔ بارش کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ گھوڑے پھسل پھسل جا رہے تھے۔ خون ریز معرکے کی جگہ سے کوئی پانچ کوس آگے نکل کر اباقہ نے رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا تھا اور لشکر کے راستے سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ گو یہ جگہ منگول لشکر پر چھاپہ مارنے کے لیے زیادہ موزوں نہیں تھی لیکن اگر وہ اچانک حملہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو منگولوں کو تتر بتر کیا جا سکتا تھا۔

حسب سابق اباقہ نے اپنے سپاہیوں کو گھنے درختوں میں چھپا دیا اور مکمل خاموشی کی ہدایت کی۔ دھڑکتے دلوں سے وہ دشمن کا انتظار کرنے لگے' لیکن یہ ایک طویل انتظار ثابت ہوا منگولوں سے ان کی مڈبھیڑ اگلے روز سہ پہر سے پہلے نہیں ہو سکی .... ابھی شام نہیں ہوئی تھی' لیکن گہرے تاریک بادلوں نے شام کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ پتوں پر گرتی ہوئی مسلسل موسلا دھار بارش کی آوازیں میں کبھی کسی گھوڑے کی ہنہناہٹ یا ہتھیار کی کھنک شامل ہو جاتی تھی اس کے سوا مکمل خاموشی تھی۔ کوئی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ ان درختوں میں کم و بیش دس ہزار گھڑ سوار موجود ہیں۔

اس وقت اسد نے ظہر کی نماز سے فراغت حاصل کی تھی جب ہوا کی لہروں پر منگول لشکر کی آمد کا اعلان ہوا۔ پہلے دور افتادہ آوازیں سنائی دیں۔ آہستہ آہستہ یہ آوازیں واضح ہوتی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین لرزہ بہ اندام ہونے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ زمین کے نیچے کوئی لاوا پیچ و تاب کھا رہا ہے جو عنقریب کسی حصے سے پھوٹ پڑے گا۔ زمین کی یہ گڑگڑاہٹ اور جنبش بڑھتی چلی گئی۔ منگول لشکر نزدیک تر آ گیا .... پھر یکایک جیسے زلزلہ تھم گیا۔ آتشیں لاوے کو قرار ہو گیا۔ منگول گھوڑے رک گئے تھے شاید انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا تھا یا ان کے راستے میں کوئی ندی آ گئی تھی' لیکن جس فاصلے پر لشکر رکا تھا وہاں کوئی ندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا انہوں نے پڑاؤ ڈالا ہے' مگر ڈیڑھ دو کوس پیچھے تو کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی جہاں پڑاؤ ڈالا جا سکتا۔ اباقہ' اسد اور روسی سرداروں نے کچھ دیر انتظار کیا پھر صورت حال جاننے کے لیے بے قرار ہو گئے۔ اباقہ نے اپنے ساتھ اسد اور تین ہوشیار روسی سرداروں کو لیا اور شمال کی طرف بڑھا۔ وہ گھوڑوں پر سوار نہایت احتیاط سے درختوں کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ کوئی ایک کوس آگے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا۔ منگول لشکر اس ٹیلے کے عقب میں رکا تھا۔ یہاں پہنچ کر اباقہ اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑے درختوں میں باندھ دیے اور احتیاط سے ٹیلوں پر چڑھنے لگے۔ زمین پھسلوان اور ڈھلوان تھی۔ بمشکل وہ بلندی تک پہنچ سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف نگاہ دوڑائی تو بارش کی بوچھاڑوں میں دور تک قراقرم کے جنگلی وحشی نظر آئے۔ وہ اونچے نیچے ٹیلوں میں حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے پرچم جو بھیگ کر لٹک رہے تھے دیوہیکل نیزوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھے تھے۔ دفعتاً اباقہ اور اسد چونک گئے۔ انہیں بالکل قریب سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دی تھیں۔ کچھ گھڑ سوار درختوں میں گھوڑے بھگاتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"چھپ جاؤ۔" اباقہ نے تیز سرگوشی کی۔

وہ پانچوں بھاگے اور حتی الامکان تیزی سے گھنے درختوں کے ایک جھنڈ میں گھس گئے لمبی جنگلی گھاس نے انہیں اپنے اندر چھپا لیا۔ وہ اوندھے لیٹ کر آنے والوں کا انتظار کرنے لگے۔

جلد ہی وہ درختوں کی اوٹ سے نکل آئے۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ ان کے گھوڑوں پر طلائی ساز تھے اور لباس سے ان کی اعلیٰ حیثیت کا اظہار ہوتا تھا۔ بھاری اور قیمتی سموری لبادوں میں لپٹے وہ جھنڈ کے بالکل پاس آن کھڑے ہوئے۔ وہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں سے اس قدر نزدیک تھے کہ ان کے گھوڑوں کی ہانپتی ہوئی سانسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اباقہ نے بے حس و حرکت لیٹے لیٹے اپنی آنکھوں کو حرکت دی اور گھڑ سواروں کو دیکھنے لگا۔ اس کا سارا خون جیسے سمٹ کر اس کے چہرے میں آگیا۔ جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس کے سامنے منگول لشکر کے چوٹی کے سردار کھڑے تھے اور ان میں سوبدائی بہادر اور سالار اعظم باتو خان بھی شامل تھے۔ مشرق و مغرب جن کے خوف سے لرزہ بہ اندام تھے۔ زمین جن کے وجود سے پناہ مانگتی تھی اور آسمان جن کی سفاکی پر خون روتا تھا' وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے چہروں پر طویل مسافتوں کی پرچھائیاں تھیں اور وہ اپنے گھوڑوں ہی کی طرح ہانپتے ہوئے اور نڈھال تھے۔ اباقہ نے دیکھا سوبدائی بہادر اور باتو خان ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ ان کے چہرے بارش کی بوچھاڑوں سے تر تھے اور مونچھیں بھیگ کر لٹک گئی تھیں۔ وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر باتو خاں نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا ایک سردار نے جلدی سے شراب کی چوبی بوتل اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے بوتل ہونٹوں سے لگا کر غٹاغٹ کئی گھونٹ پیئے پھر آستین سے ہونٹ پونچھ کر دور افق میں دیکھنے لگا۔

اباقہ اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بتا چکا تھا کہ وہ بے حرکت پڑے رہیں۔ وہ سب اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ سبزے کا ایک حصہ بن گئے تھے۔ ان نازک لمحوں میں انہوں نے اپنے سانس تک روک لیے تھے۔ باتو خان افق کو گھورتا رہا پھر اس کی آواز بارش کے

شور میں ابھری۔

"..... نہ کوئی گاؤں' نہ کوئی بستی اور نہ کوئی انسان ..... صرف سنسان زمین' ندی نالے بارشیں اور دلدل ..... سوبدائی بہادر۔ آخر ہم کب تک ایسے بھٹکیں گے؟"

سوبدائی بہادر کی گونجدار آواز آئی۔ "جمیل ایلمن دیکھنے کا خواب' میں نے ایک مدت پہلے دیکھا تھا۔ کاش ہم نوودگرود تک پہنچ سکتے۔ وہاں کے پوشیدہ خزانے ہماری ساری تھکن اتار دیتے۔ غلے کے گوداموں' شراب کے ذخیروں اور خوشبودار عورتوں سے بھرا ہوا وہ شہر ہمارے سپاہیوں میں نئی زندگی پھونک دیتا۔"

باتو خان کہا۔ "لیکن ہم کب تک سفر کریں گے۔ گھوڑوں کی بری حالت ہے۔ چراگاہیں ناپید ہیں اور دلدلیں اب تک سینکڑوں سپاہیوں کو نگل چکی ہیں۔"

شہزادے پوتا بوری کی الجھی ہوئی آواز آئی۔ "سمجھ نہیں آتی جوکاتا چھ یک ہزاری دستوں کے ساتھ آخر کہاں گیا۔ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہیں وہ بھی ان دستوں کے ساتھ کسی دلدل کی تہہ میں نہ بیٹھ گیا ہو۔"

سوبدائی نے مدبرانہ لہجے میں کہا۔ "اگر ایسا ہوتا تو اس کا کوئی سپاہی تو واپس پہنچتا۔"

باتو خاں نے کہا۔ "میرا خیال تو یہی ہے کہ وہ راستہ بھٹک گیا ہے۔"

شہزادے قائدو نے کہا۔ "مجھے تو ڈر ہے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم خود بھی نہ بھٹک جائیں۔ اسے ملنا ہوتا تو اب تک مل جاتا۔"

آنھوں منگول سوار چند لمحے خاموش رہے۔ شاید وہ کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر باتو خاں کی آواز آئی۔

"سوبدائی بہادر' تم دادا چنگیز خان کے دست راست رہ چکے ہو۔ بتاؤ' اس وقت میری جگہ خان اعظم ہوتا تو کیا کرتا؟"

سوبدائی بہادر کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ "خان اعظم کا خیال تھا کہ سپاہی کو چاق و چوبند اور گھوڑے کو تندرست ہونا چاہیے۔ خوراک وافر اور موسم مناسب ہو' خاص طور پر ابر آلود موسم میں وہ فوج کو پڑاؤ میں رہنے کا حکم دیتے تھے ..... اگر ان پہلوؤں سے دیکھا جائے تو پیش قدمی ہمارے لیے مناسب نہیں۔"

باتو خاں کچھ دیر خاموش رہا۔ شاید سوبدائی بہادر کے مشورے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ٹھیک ہے ساتھیو! ہم اس سفر کو ترک کرتے ہیں۔ لشکر کو اطلاع کرو کہ ہم واپس روانہ ہوں گے۔ جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے ہم بکیرہ اسود کے کنارے کے زرخیز جنگلوں تک پہنچیں گے تاکہ گھوڑوں کا حال درست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو سکے۔ اس کے بعد آئندہ کے بارے سوچا جائے گا۔"

یہ کہتے ہوئے باتو نے لگام کو خفیف جھٹکا دیا۔ اس کا گھوڑا چند قدم چل کر اور آگے آیا۔ اب اس کے سموں اور اباقہ کے درمیان بمشکل دو گز کا فاصلہ تھا۔ صرف دو گز کے فاصلے پر وہ شخص موجود تھا جو نوودگرود کے لیے تباہی و بربادی کا طوفان بن سکتا تھا۔ صرف دو گز کے فاصلے پر نوودگرود کے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی موت مجسم قہر اور غضب کی صورت میں کھڑی تھی۔ اس موت کا نام باتو خاں تھا ..... لیکن وہ واپس جا رہا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ نوودگرود یہاں سے صرف تیس کوس دور ہے اور صرف پانچ کوس دور وہ خونی وادی ہے جہاں اس کے گمشدہ ہراول دستوں کی کئی پھٹی لاشیں پڑی ہیں ..... اور صرف دو گز کے فاصلے پر وہ انسان ہے جو اس تمام تباہی کا ذمے دار ہے۔ کہنے کو نوودگرود صرف تیس کوس دور تھا' لیکن وہ تیس کوس بھی دور نہیں تھا۔ وہ صرف دو گز کے فاصلے پر تھا۔ دو گز کے فاصلے سے باتو خاں واپس جا رہا تھا اور اباقہ اور اس کے ساتھیوں کو یہ دو گز کا فاصلہ برقرار رکھنا تھا۔ انہیں کوئی حرکت نہیں کرنا تھی۔ اباقہ کے ہاتھ میں خم دار خنجر تھا' وہ ایک ہی جست میں باتو تک پہنچ سکتا تھا اور مارنے کی کامیاب کوشش بھی کر سکتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ اسے اپنی فطرت عداوت اور بالادستی سے قطع نظر خاموش پڑے رہنا ہے۔ اس میں نوودگرود اور اس کے لاکھوں باشندگان کی بھلائی تھی۔ وہ بیکسر بے حرکت و بے صدا پڑے رہے ..... پھر تاریخ اس نازک موڑ سے گزر گئی۔ باتو خان اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑے موڑے اور نشیب میں اترتے چلے گئے۔ نوودگرود' تاریخ کی بدترین تباہی سے بچ چکا تھا۔

☆------☆------☆

سردار یورق اور شیزی کو لت برف میں دبے ہوئے مکان میں پورا ایک ہفتہ گزار چکے تھے۔ منگول لشکر شاید آگے روانہ ہو گیا تھا مگر وہ اپنے کچھ دستے اس علاقے میں چھوڑ گیا تھا۔ یہ دستے دن بھر اس علاقے میں سیر و شکار میں مصروف رہتے ..... آخر ایک روز یورق نے محسوس کیا کہ اگر وہ اس کمرے میں دبکے رہے تو کسی دن چوہوں کی طرح پھنس جائیں گے۔ دراصل برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی اور کمرے کی کھڑکی پھر ظاہر ہو گئی تھی۔ یہ درست تھا کہ اردگرد درخت موجود تھے مگر کسی بھی وقت کوئی بھٹکا ہوا منگول اس جانب آ سکتا تھا۔ اس روز گہرے بادل چھائے تھے اور بوندا باندی ہو رہی تھی۔ یورق جانتا تھا منگول ایسے موسم میں خیموں سے کم ہی نکلتے ہیں۔ اس نے شیزی کو تیاری کی ہدایت کی۔ شیزی نے کمرے کی الماری سے برآمد ہونے والا ایک مردانہ لباس پہن لیا۔ یہ لباس

گو ڈھیلا ڈھالا تھا مگر شیزی اس میں کچھ اور بھی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بالوں نے اسے ایک حسین نوجوان کی شکل دے دی تھی۔ ایک تھیلے میں خشک خوراک لے کر اور ہتھیار سنبھال کر دونوں کھڑکی سے باہر نکل آئے۔ شام کا اندھیرا دھیرے دھیرے اس برفستان کو نگل رہا تھا۔ نوودگرود جانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ دریا کو پار کریں لیکن دریا پار کرنے کے لیے وہ اس مقام پر نہیں جا سکتے تھے جہاں کچھ روز پیشتر خون ریز جنگ ہوئی تھی۔ انہیں دریا کے متوازی سفر کرتے ہوئے کچھ آگے جانا تھا اور پھر کسی مناسب جگہ سے دریا پار کرنے کی کوشش کرنا تھی۔ وہ بڑے محتاط طریقے سے آگے بڑھتے رہے۔ تلوار یورق کے ہاتھ میں تھی اور شیزی اس سے لگی ہوئی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ان چند دنوں میں وہ آپس میں کافی بے تکلف ہو چکے تھے اور الفاظ کے بغیر بھی ایک دوسرے کا مدعا سمجھنے لگے تھے۔ اچانک انہیں قریب ہی کہیں بھیڑیوں کی خوفناک آوازیں آئیں۔ یہ آوازیں اپنی برف دوز پناہ گاہ میں وہ پہلے بھی کئی بار سن چکے تھے' لیکن آج یہ آوازیں ان کے رونگٹے کھڑے کر رہی تھیں کیونکہ وہ کھلی جگہ پر تھے۔ بہت جلد دونوں پر انکشاف ہوا کہ بھیڑیوں کا غول ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کی کرخت آوازیں ہر لمحہ قریب تر آ رہی تھیں۔ یورق اور شیزی نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ ان کے ذہن تیزی سے اپنے دفاع کے متعلق سوچ رہے تھے۔ بچاؤ کی واحد صورت یہ تھی کہ وہ کسی درخت پر چڑھ جائیں' لیکن سیدھے اور ہموار تنوں والے درختوں پر چڑھنا کوئی سہل کام نہیں تھا اور وہ بھی گہری تاریکی میں۔ اکیلا یورق ہوتا تو شاید یہ کوشش بھی کر گزرتا' لیکن شیزی کے ساتھ ایسا ناممکن تھا۔ دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے اور بھاگ رہے تھے۔ اب اس بات میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ بھیڑیے ان کے تعاقب میں ہیں۔ وہ اب دو اطراف سے انہیں گھیر رہے تھے۔ کبھی کبھی درختوں کے عقب سے ان کی بھاگتی ہوئی پرچھائیاں بھی نظر آ جاتی تھیں۔ شیزی خوف کے عالم میں بار بار گر رہی تھی۔ ہر بار یورق رک کر اسے اٹھاتا اور ہاتھ تھام کر ساتھ بھاگنے لگتا۔ پھر اچانک پہلو سے ایک پرچھائیں ان دونوں پر جھپٹی اور شیزی کی دلدوز چیخ بھیڑیے کی کرخت آواز میں شامل ہو گئی۔ ایک بھیڑیے نے پچھلے پنجوں پر کھڑے ہو کر اپنے ناخن شیزی کی پوستین میں گاڑ دیے تھے۔ یورق نے تیزی سے تلوار کو حرکت دی اور بھیڑیے کا پیٹ پھاڑ کر رکھ دیا۔ وہ تڑپ کر اچھلا اور برف پر لڑھکتا چلا گیا۔ مگر اس دوران دو اور بھیڑیے ان کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ موت یورق اور شیزی کی آنکھوں میں ناچنے لگی۔ بھوکے بھیڑیوں کا غول انہیں گھیر چکا تھا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ منگولوں کے ہتھے چڑھ جاتے۔ کم از کم بچنے کی یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی تدبیر کرنے کی مہلت تو ملتی۔ یہاں تو فوری موت سے سامنا تھا۔ خونی درندے ان کے گرم جسموں کی تکہ بوٹی کر کے جلد سے جلد اپنے معدوں میں اتار لینا چاہتے تھے۔ "کیسی بے کار موت ہے۔" یورق نے بھاگتے بھاگتے سوچا وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے پناہ گاہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بہر حال اب کیا ہو سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا اس کی تلوار زیادہ دیر بھیڑیوں کو دور نہ رکھ سکے گی۔ وہ چند بھیڑیوں کو ضرور مار دے گا..... لیکن پھر وہ بیسیوں کی تعداد میں اس سے اور شیزی سے لپٹ جائیں گے۔ اپنے نوکیلے دانتوں سے ان کی پوستینیں پھاڑ دیں گے اور گوشت بھنبھوڑنے لگیں گے۔ شیزی کی آخری چیخیں ابھی سے یورق کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں ..... دفعتاً یورق کو ایک جھٹکا لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ فضا میں اڑ رہا ہے ..... اور وہ اکیلا نہیں تھا' شیزی بھی اس کے ساتھ تھی۔ چند لمحے تو دونوں کو کچھ سمجھ نہیں آئی وہ زمین سے کوئی چھ گز کی بلندی پر ہوا میں معلق تھے۔ ان کے نیچے بھیڑیے زور و شور سے بھونک رہے تھے تب آہستہ آہستہ یورق اور شیزی پر انکشاف ہوا کہ وہ منگول شکاریوں کے لگائے ہوئے ایک جال میں پھنس گئے ہیں۔ یہ جال شاید برفانی ریچھ کو پکڑنے کے لیے برف پر اس طرح بچھایا گیا تھا کہ جانور کے پھنستے ہی خود بخود سمٹ کر فضا میں معلق ہو جاتا تھا اور ایک تناور درخت کی شاخ سے کسی پوٹلی کی طرح لٹکنے لگتا تھا ..... اور اب اس پوٹلی میں برفانی ریچھ یا کسی بھیڑیے کی بجائے یورق اور شیزی لٹک رہے تھے۔ لٹکتے ہوئے جال نے انہیں ایک دوسرے سے اس قدر قریب کر دیا تھا کہ شاید وہ عام حالات میں کبھی اتنے قریب نہ آسکتے۔ شیزی کی ہانپتی ہوئی سانسیں یورق کی گردن سے ٹکرا رہی تھیں اور یورق کا ایک بازو اس کی کمر میں تھا۔

وہ ساری رات انہوں نے اسی جال میں جھولتے ہوئے گزار دی۔ بھیڑیے رات کے دوسرے پہر تک ان کے نیچے چیختے چلاتے رہے پھر بھوک سے بے تاب ہو کر منتشر ہو گئے' لیکن وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ اطراف کے درختوں سے ان کی آوازیں دن چڑھے تک سنائی دیتی رہیں۔ یورق اور شیزی کے لیے دونوں طرف موت تھی۔ اگر وہ جال کاٹ کر نیچے کودنے کی کوشش کرتے تو بھیڑیے ان کا مزاج پوچھتے اگر ایسے ہی لٹکے رہتے تو منگولوں کے ہتھے چڑھتے۔ بہر طور انہیں ایک صورت کو قبول کرنا تھا اور شیزی پر بھیڑیوں کا خوف کچھ ایسا سوار ہو گیا تھا کہ اس نے یورق کو جال کاٹنے کی ہر کوشش سے باز رکھا۔

بالآخر اجالا پھیلا اور اس کے ساتھ ہی منگول گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور سواروں کی آواز سنائی دینے لگیں۔ ان کے خیمے کہیں قریب ہی تھے۔ جلد ہی وہ اس درخت کے نیچے

پہنچ گئے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ان کے لباس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ منگول فوج کا حصہ ہیں' لیکن وہ چال ڈھال سے سپاہی نہیں لگتے تھے۔ شاید ان کا تعلق لشکر کے کسی اور شعبے سے تھا۔ یورق اور شیزی کو جال میں دیکھ کر ان کے حلق سے فلک شگاف قہقہے برآمد ہونے لگے۔ ان کے بلند قہقہوں نے ان کے دوسرے ساتھیوں کو بھی وہاں کھینچ لیا۔ وہ سب مل کر اور ان کی طرف انگلیاں اٹھا اٹھا کر دیر تک قہقہے برساتے رہے۔ پھر ایک منگول نے درخت سے بندھے ہوئے ایک رسے کو ڈھیلا کیا اور جال آہستہ آہستہ برف پر اتر آیا۔ منگولوں نے انہیں جال سے نکالا۔ یورق نے شکر کیا کہ ان میں سے کوئی اسے بطور سردار پہچانتا نہیں تھا۔ ایک منگول نے جو ان کا سالار لگتا تھا آگے بڑھ کر یورق سے پوچھا۔

"تو کون ہے اور تیرے ساتھ یہ لڑکا کون ہے؟"

یورق اس سوال کا جواب رات ہی سوچ چکا تھا۔ اس نے دھیمے لہجے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"دوستو! میں شہزادہ قائدو کے فوجی دستوں میں شامل ہوں۔ سیت کی فتح کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں یہ نوجوان لڑکا میرے حصے آیا تھا' لیکن اگلے ہی روز یہ میری تلوار اور بہت قیمتی پوستینیں چرا کر بھاگ نکلا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا۔ یہ کم بخت بہت ہوشیار نکلا۔ پورے دو روز مجھے جنگل میں بھگاتا رہا۔ آخر جب میں نے اسے پکڑا تو ہم دونوں راستہ بھول چکے تھے۔ کئی روز بھٹکنے کے بعد ہم آج یہاں پہنچے تھے کہ تمہارے لگائے ہوئے اس جال میں پھنس گئے۔"

منگول سردار نے مشکوک لہجے میں کہا۔ "قائدہ کی فوج میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

یورق اس سوال کی اہمیت سمجھتا تھا۔ اس نے جو کہانی سنائی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ ایک معمولی آدمی ہے' ورنہ ایک تلوار' دو پوستینوں اور ایک غلام لڑکے کے لیے وہ دو روز جنگل میں کیوں بھٹکتا۔ اس کے علاوہ اگر وہ کوئی سردار تھا تو پھر اسے مال غنیمت میں ایک کمزور سا لڑکا کیوں ملا۔ کوئی خوبصورت عورت یا توانا خدمتگار مرد کیوں نہ ملا۔ اس نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میں ..... تجربہ کار سائیس ہوں۔ فوج کے مرکزی اصطبل میں کام کرتا ہوں۔ میرے ذمے جنگی گھوڑوں کی دیکھ بھال ہے۔" اس کے ساتھ ہی یورق نے اپنی شکل بھی ایسی بنالی جیسے وہ واقعی ساری زندگی گھوڑوں کو چارا ڈالتا رہا ہے۔ منگول سردار نے اس کے کندھے پر دھپ لگائی اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کم بخت تو اس کیکڑے کے پیچھے بھاگتا رہا اور لشکر تین دن ہوئے یہاں سے روانہ ہو گیا۔"

"کیا واقعی۔" یورق نے حیرت ظاہر کی۔

"تو اور کیا میں تجھ سے دل لگی کر رہا ہوں۔"

"اب کیا ہو گا؟" یورق نے تاسف سے کہا۔ "منصب دار تو مجھے جان سے مار دے گا۔"

منگول سردار نے اسے ایک اور دھپ لگائی۔ "چل آ.......... ہمارے پڑاؤ میں آجا۔ ہم تین چار روز میں نودگرود روانہ ہو رہے ہیں۔ ساتھ چلے جانا۔"

یورق نے فوراً رضامندی ظاہر کر دی۔ اس روز وہ اور شیزی شکاریوں کے پڑاؤ میں منتقل ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر یورق کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ یہ لوگ عسکری نہیں بلکہ مداری یعنی شعبدہ باز تھے۔ منگول فوج میں مداریوں کے بہت سے ٹولے بھرتی کیے جاتے تھے۔ فراغت کے دنوں میں یہ مداری لشکر کا دل بہلاتے تھے۔ ان کا ایک دلچسپ کھیل پتلیوں کا تماشا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مختلف سوانگ بھر کر سپاہیوں کی تفریح طبع کا سامان کرتے تھے۔ مداریوں کا یہ ٹولہ بھی اسی غرض سے یہاں آیا تھا' لیکن اب انہیں مقامی کماندار سے نودگرود جانے کا حکم ملا تھا۔

چوتھے روز انہوں نے دریا پار کیا اور نودگرود کی سمت روانہ ہوئے۔ پہلے تو یورق کا خیال تھا کہ وہ موقع دیکھ کر شیزی کے ساتھ مداریوں کے پڑاؤ سے فرار ہو جائے گا مگر پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ علاقے میں ہر طرف منگول دستے موجود تھے۔ انہوں نے راستے میں عارضی چوکیاں بھی قائم کر رکھی تھیں جہاں پر مویشیوں کے لیے چارے اور سپاہیوں کے لیے خوراک وغیرہ کا انتظام تھا۔ ان انتظامات کی موجودگی میں یورق اور شیزی کے لیے بہتر تھا کہ وہ مداریوں کے ساتھ ہی محو سفر رہیں۔ مداری ان پر یقین کر چکے تھے ضروری نہیں تھا کہ کوئی دوسرا پوچھ گچھ کرنے والا بھی ان پر یقین کر لیتا۔

مداریوں نے یورق اور شیزی کو گھوڑوں کی دیکھ بھال کا کام سونپ دیا تھا۔ اس میں ان کا بھی کیا قصور تھا' یورق نے انہیں اپنا پیشہ ہی یہ بتایا تھا لہٰذا اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے انہیں گھوڑوں کی مالش بھی کرنا پڑتی تھی۔ ان کو چارہ بھی ڈالنا پڑتا تھا اور لید بھی اٹھانا پڑتی تھی۔ یورق تو سخت جان تھا لیکن یہ مشقت طلب کام کرتے ہوئے شیزی کا ہاتھ بار بار اپنی نازک کمر کی طرف چلا جاتا تھا۔ بعض دفعہ تو اس مشقت سے ہلکان ہو جاتی۔ اس ساری کوفت کے ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی لاحق رہتا تھا کہ کہیں ان کا بھید نہ کھل جائے مداریوں

کے اس قافلے کا سامنا جونہی کسی دوسرے قافلے یا فوجی دستے سے ہوتا یورق اور شیزی نہایت محتاط ہو جاتے۔ یورق اپنی ٹوپی کو اس طرح کھول لیتا کہ صرف ناک اور آنکھیں ہی دکھائی دیتیں۔ وہ جانتا تھا اگر کسی نے اسے بطور سردار یورق پہچان لیا تو اس کے ساتھ ساتھ شیزی بھی عبرتناک موت سے دوچار ہو گی۔ منگولوں کی نظروں میں وہ ایک باغی سردار تھا جس نے ان کے سب سے بڑے دشمن اباقا کے ساتھ مل کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ منگول لشکر میں اسے غدار اعظم' نمک حرام اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا تھا.......... لہٰذا ضروری تھا کہ وہ اپنی اور شیزی کی سلامتی کے لیے از حد محتاط رہتا۔

دن گزرتے رہے اور وہ مداریوں کے قافلے کے ساتھ گھنے جنگلوں اور دلدلی علاقوں میں محو سفر رہے۔ ایک روز شیزی سخت خوفزدہ ہوئی۔ راستے میں ملنے والے ایک فوجی دستے کا سالار دیر تک اسے گھورتا رہا پھر قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی سے بولا۔ "اگر روسی عورتیں اسی طرح کے مرد جنم دیتی رہیں تو آئندہ دو تین صدیاں ہم یہاں اطمینان سے حکومت کریں گے۔"

بھید کھلنے کے خطرات کے ساتھ ساتھ یورق اور شیزی کو مداریوں کے نہایت ناروا رویے کا سامنا بھی تھا۔ خاص طور پر یورق کے لیے یہ رویہ برداشت کرنا خاصا مشکل تھا۔ وہ ایک سردار ہی نہیں تھا' ایک بہادر سردار اور نڈر جنگجو تھا۔ ان تمام مداریوں کو وہ اکیلا اپنی تلوار کے زور پر تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا مگر صورت حال ایسی تھی کہ الٹا وہ اسے تگنی کا ناچ نچا رہے تھے۔ بسا اوقات یورق اور شیزی کو گالیوں سے نوازا جاتا۔ بچا کھچا کھانا دیا جاتا اور گدھے کی طرح کام لیا جاتا مداریوں کا سرغنہ ذرا کھلے ہاتھ پیر کا شخص تھا اور اندھوں میں کانا راجہ کے مصداق شہ زور بنتا تھا۔ اس وقت بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی جب وہ آتے جاتے یورق کی کمر پر دھپ لگاتا اور اسے مردود قرار دے کر جلدی جلدی کام کرنے کی تنبیہہ کرتا۔ ایسے موقعوں پر یورق کا خون کھول کر رہ جاتا قراقرم میں ایسے مداری بچے اس کے سامنے سانس بھی آہستہ لیتے تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے اس کمبخت کا ٹینٹوا دبا سکتا تھا' لیکن حالات کا تقاضا تھا کہ وہ اپنا سارا قہر کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھے۔

یہ ایک نہایت طویل اور کٹھن سفر ثابت ہوا۔ کئی ہفتے جنگل میں بھٹکنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ منگول لشکر کا رخ بدل گیا ہے۔ باتو خاں' نودگرود کا ارادہ ترک کر کے جنوب کی سمت جا رہا ہے۔ اس اطلاع کے بعد مداریوں کے اس قافلے کا رخ بھی جنوب مشرق کی طرف ہو گیا۔ یورق کسی فیصلے پر نہیں پہنچ رہا تھا کہ وہ مداریوں کے ساتھ رہے یا ان سے علیحدہ ہو کر نودگرود کی طرف جائے۔ اسد نے آخری بار اسے نودگرود پہنچنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہدایت کی تھی مگر منگول لشکر اب نوودگرود نہیں جا رہا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد شیتری اور یوتق نے فیصلہ کیا کہ وہ مداریوں کے ساتھ ہی رہیں گے' کیونکہ اباقہ اور اسد منگول لشکر سے جدا نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کی تلواروں اور منگولوں کی گردنوں میں اٹوٹ رشتے استوار تھے۔ زندگی موت کا یہ ساتھ ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دونوں جہاں بھی تھے انہیں منگول لشکر تک پہنچ جانا تھا۔ لہٰذا یوتق اور شیتری نے مداریوں کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔

☆=======☆=======☆

شہزادی نتاشا اٹھ کر کھڑکی تک پہنچی۔ نوودگرود میں چراغاں کا سماں تھا۔ لوگ منگول لشکر کی واپسی پر خوشی منا رہے تھے۔ کھڑکی سے نیچے زیریں منزل کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان میں عورتیں بچے بوڑھے' سب شامل تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے' وہ اباقہ سے ملنا چاہتے تھے۔ اس مجاہد کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے جس نے آگے بڑھ کر منگول وحشیوں کا شایان شان استقبال کیا تھا اور اگنا تیوز کے جنگل میں ان کی لاشوں کے انبار لگا دیے تھے۔ اباقہ کی بہادری کی کہانی ہر زبان پر تھی۔ ہر آنکھ اسے دیکھنے کی مشتاق تھی۔ مسلح محافظ پُرجوش لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھے ورنہ وہ شاید دروازے توڑ کر اندر گھس آتے۔ نتاشا نے آہستگی سے کھڑکی بند کر دی۔ شور ایک دم مدھم ہو گیا۔ وہ نرم قالین پر چلتی آتشدان کے پاس پہنچی۔ جہاں اباقہ ایک آرام دہ مسہری پر محو خواب تھا۔ طبیبوں نے اسے چند روز مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے زخمی گھٹنے پر مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔ نتاشا نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا' تین روز بارش میں بھیگنے اور زخم خراب ہونے کے سبب اسے بخار ہو رہا تھا۔ نتاشا نے احتیاط سے ریشمی توشک اس کے سینے تک کھینچ دی اور محویت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ نیند میں وہ کتنا معصوم اور بے ضرر لگتا تھا جیسے کوئی فرشتہ پڑا سو رہا ہے۔ نتاشا کی انگلیاں بے اختیار اس کے لمبے بالوں میں گردش کرنے لگیں۔ وہ کچھ دیر اس کا سر سہلاتی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کا بازو دبانے لگی .... ہاں یہی وہ بازو تھا جس سے وہ تلوار چلاتا تھا اور فصیلوں کی حفاظت کرتا تھا۔ اس بازو کے زور پر وہ ان گنت منگولوں کو جہنم واصل کر چکا تھا۔ یہ بازو ان گنت زندگیوں کا محافظ بھی تھا .... اور یہ بازو تھکا ہوا تھا۔ وہ اسے دبانے لگی۔ اس کے ہاتھوں کے نیچے سخت فولادی گوشت کے مسل تھے۔ خوبصورت نشیب و فراز اس کی ہتھیلیوں سے مس ہو رہے تھے۔ اسے اپنے اوپر فخر محسوس ہونے لگا۔ یہ بے مثال جنگجو' یہ عظیم شخص اس کا شوہر تھا۔ وہ اس کی مالک تھی۔ تنہا اور بلا شرکت غیرے۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ۔ اس خواب گاہ سے باہر سینکڑوں لوگ اس سے ملنے کو بے تاب تھے اور وہ اس کے ساتھ اس کمرے میں موجود تھی' اس قدر قریب اور با اختیار۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے جی بھر کر اباقہ کا چہرا دیکھا اور ایک عجیب سی مسرت اس کے رگ و پے میں سما گئی۔ وہ اٹھی ایک ہلکی سی انگڑائی لی اور ریشمی بالوں کو جوڑے کی صورت میں گردن پر سمیٹتی قالین پر آ بیٹھی۔ ہاتھی دانت کی خوبصورت منقش چوکی پر کاغذ اور قلم رکھا تھا۔ اس نے قلم سنبھالا اور دیوار سے ٹیک لگا کر خیالوں میں گم ہو گئی.......... جب اس کے ملک کی فضاؤں میں سکون تھا اور امن کے گیت گونجتے تھے تو وہ اپنے محل کے جھروکے میں بیٹھ کر شعر موزوں کیا کرتی تھی۔ اس نے کچھ بہت خوبصورت نظمیں لکھی تھیں' جنہیں اہل ذوق نے تہہ دل سے سراہا تھا۔ قلم خود بخود اس کے ہاتھوں میں اور پھر دانتوں میں آ گیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی خوبصورت خیال شعر کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ اس کی آنکھیں نشے میں ڈوبنے لگیں۔ پھر قلم کاغذ پر آیا اور اس نے لکھنا شروع کیا۔

بلبل نے میرے محبوب کو دیکھا تو وہ اسے گلاب کا پھول لگا' وہ اس کے گرد منڈلانے لگی۔

پروانے نے میرے محبوب کو دیکھا تو وہ اسے موم شمع کی طرح نظر آیا' وہ اس پر قربان ہونے کو بے تاب ہو گیا۔

زمین نے دیکھا تو اسے آسمان نظر آیا' وہ اسے چھونے کو بے قرار ہو گئی۔

جھرنے نے دیکھا تو اسے پہاڑ نظر آیا' وہ اس کی قدموں میں مچلنے لگا۔

اور میں نے دیکھا تو مجھے شہزادہ نظر آیا' جس کے خواب میں نے نگلی تایا کے کنارے بیٹھ کر دیکھے تھے۔ میں نے اسے نظروں سے چوم لیا۔

ہاں میرا محبوب بے مثال ہے۔ وہ ہر دل میں دھڑکن اور ہر آنکھ میں روشنی بن کر اتر جاتا ہے.......... لیکن..........

ابھی نتاشا لکھ رہی تھی کہ اچانک اباقہ نے کراہ کر کروٹ بدلنا چاہی۔ پھر فوراً اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے تک گیا اور وہ جوں کا توں لیٹا رہ گیا۔ "پانی" اس کے ہونٹوں سے صدا آئی۔ نتاشا جلدی سے اٹھی اور تپائی پر رکھے مگ سے پانی چاندی کے پیالے میں نکال کر اباقہ کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی سنہری زلفیں اباقہ کے چہرے اور گردن سے چھونے لگیں۔ نتاشا نے کن اکھیوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور اس کے چہرے پر شفق پھیل گئی۔

پانی پی کر اباقہ کی نیند پوری طرح کھل گئی۔ نتاشا کے سہارے سے وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں ملتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "میں کتنی دیر سوتا رہا..........؟"

نتاشا نے مترنم آواز میں کہا۔ "یہی کوئی ڈھائی پہر۔"

اباقہ نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے شام ہو چکی ہے۔"

"تقریباً۔" نتاشا نے مختصر سا جواب دیا اور مسکرانے لگی۔

اچانک اباقہ کی نگاہ منقش چوکی پر رکھے ہوئے کاغذ اور قلم پر پڑی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا لکھ رہی تھیں تم؟"

نتاشا نے کاغذ چوکی سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں.......... ایک نظم لکھی ہے۔"

اباقہ نے پوچھا۔ "کیا لکھا ہے؟"

نتاشا نے کہا۔ "جو ہمارے دل میں آیا۔" اس کی نوخیز آواز میں کسی جھرنے کی کھنک تھی۔

اباقہ بولا۔ "کچھ مجھے بھی تو سناؤ۔"

نتاشا بولی۔ "ابھی مکمل نہیں ہوئی' مکمل ہونے کی بعد۔"

اس وقت دروازے پر دستک ہونے لگی۔ نتاشا نے اٹھ کر پوچھا۔ "کون ہے۔" جواب میں اسد کی آواز سنائی دی۔ نتاشا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اسد شائستگی سے بولا۔

"شہزادی صاحبہ میں مخل ہو سکتا ہوں؟"

شہزادی نتاشا مسکرائی۔ "آپ کے لیے ہر وقت اجازت ہے۔"

اسد مسکراتی نظروں سے اباقہ کو دیکھتا اندر آ گیا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی اور وہ بولا۔ "اباقہ' مجھے معلوم ہوا ہے کہ کل ولی عہد شہزادہ نکولس کو قید خانے میں کوڑوں کی سزا دی جا رہی ہے۔ اسے عریاں جسم پر چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ یہ نہایت سخت سزا ہے اور بعض اوقات مجرموں کی جان لے جاتی ہے۔ خاص طور پر ولی عہد جیسے ناز و نعم میں پلے شہزادے کے لیے یہ عذاب بہت زیادہ ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "یہ تو واقعی تشویشناک بات ہے۔"

اسد بولا۔ "اس طرح تو شہزادہ نکولس بچ بھی گیا تو اس کی زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ وہ کہنے کو تو ولی عہد ہے لیکن یہاں کے سیاسی نظام کے مطابق اسے عام لوگوں نے منتخب کرنا ہے۔ ایسے سزا یافتہ مجرم کو کون اپنا رئیس چنے گا.......... تھوڑی دیر پہلے نکولس کی والدہ رئیس زادہ یوسا خود مجھ سے ملنے آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اور اباقہ اس سزا کی معافی کے لیے رئیس سے درخواست کرو۔ میں نے ہامی بھر لی ہے۔ میرا خیال ہے ابھی تھوڑی دیر میں رئیس وزیولڈ بہ نفس نفیس تمہاری عیادت کے لیے یہاں آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے ہیں۔ ان سے درخواست کے لیے وہ موقع بہترین ہو گا۔"

اباقہ نے کہا۔ "ہمیں شہزادے کے لیے جان بخشی کی درخواست ضرور کرنی چاہیے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید رئیس وزیولڈ آرہے ہیں لیکن دروازہ کھولنے پر معلوم ہوا کہ پہریدار دستے کا کمانڈر ہے۔ اس کے ساتھ تین عورتیں دو بچے اور چند مرد تھے اس نے اسد سے سفارش کی یہ لوگ اباقہ سے ملنے کو بہت بے چین ہیں۔ انہیں ذرا دیر کے لئے اباقہ سے ملا دیا جائے۔ اس دوران اباقہ بھی دروازے پر ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ بچوں کے ہاتھوں میں گلدستے دیکھ کر وہ خاموش نہ رہ سکا اس نے اسد سے کہا کہ ان لوگوں کو اندر آنے دو۔ اسد راستے سے ہٹ گیا۔ اباقہ کے پرستاروں کی یہ پُرجوش ٹولی اندر آگئی۔ یہ کل چودہ پندرہ افراد تھے۔ انہوں نے اباقہ کی مسہری کو گھیر لیا۔ حال احوال دریافت کیا اور گلدستے پیش کیے۔ ایک ادھیڑ عمر عورت نے جھک کر اباقہ کی پیشانی چومی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ "اے ہمارے بچوں کے محافظ خدا تجھے سلامت رکھے اور جلد صحت یاب کرے۔" عورت پیچھے ہٹی تو لحیم شحیم مرد اباقہ پر جھکا۔ دفعتاً اس نے اباقہ کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور ایک زوردار جھٹکے سے اسے مسہری سے قالین پر گرا دیا۔ اس لمحے اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوا جس میں خوفناک خنجر چمک رہا تھا۔ خنجر پورے زور سے اباقہ کی طرف آیا' لیکن وہ بروقت جھک کر خود کو بچانے میں کامیاب رہا۔ پھر بھی خنجر کی تیز دھار اس کے ایک کندھے کو زخمی کرتی چلی گئی۔ چند ساعتوں کے لیے تو کمرے میں موجود ہر شخص مبہوت رہ گیا۔ جب خنجر اباقہ کے سر پر چمکا اس وقت ایک ساتھ بہت سی چیخیں بلند ہوئیں اور لوگ مختلف اطراف میں بھاگے ..... جس وقت حملہ آور کا خنجر دوسری مرتبہ بلند ہوا اسد عقاب کی طرح جھپٹا اور اس نے یہ وار اپنے ہاتھ پر روکا۔ حملہ آور کی غیر معمولی چوڑی کلائی سیدھی اسد کے ہاتھ میں آئی تھی۔ اس نے اسے بے پناہ قوت کے ساتھ تھام کر حملہ آور کی طرف دیکھا اور ساعت کے ہزارویں حصے میں اسے پہچان گیا..... اس کے سامنے یگوڈا کھڑا تھا۔ دلادی میر کے عقوبت خانے کا گرانڈیل جلاد اور ڈیوک کا دست راست۔ دلادی میر میں ڈیوک کی گرفتاری کے بعد وہ اچانک روپوش ہو گیا تھا اور کوشش کے باوجود اس کا سراغ نہیں ملا تھا۔ انسان اس کی ہیبت ناک شکل ایک بار دیکھ کر پھر نہیں بھول سکتا تھا اور اسد نے تو اسے کئی بار دیکھا تھا۔ اس سفاک انسان کی آنکھوں میں ہر وقت موت رقصاں رہتی تھی ..... اور اس وقت وہ سفاک انسان خنجر بدست اباقہ کے

سر پر موجود تھا۔ اس کی آنکھیں غضب کے شعلے اگل رہی تھیں اور چہرا قہرناک ہو کر بگڑ گیا تھا۔ اسد نے ایک ساعت کے اندر اندر یہ سب کچھ دیکھا اور محسوس کیا' اور پھر اس کے دل نے پکار کر کہا۔ اسد' تجھے ہر صورت میں اباقہ کو اس قاتل سے بچانا ہے۔ اس سے پہلے کہ یگوڈا اپنا خنجر والا ہاتھ اسد کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتا۔ اسد کا جسم بجلی کی طرح حرکت میں آیا اور اس کی بھرپور ٹانگ یگوڈا کے سینے پر پڑی۔ یگوڈا لڑکھڑا کر پیچھے دانت کی چوکی پر گرا اور اسے چکنا چور کرتا ہوا ایک آرائشی صراحی کو ملیامیٹ کر گیا' لیکن یوں لگا کہ وہ گرنے سے پہلے ہی دوبارہ اٹھ گیا ہو یا جیسے وہ لڑکھڑایا ہی نہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ابھی تک خنجر دبا ہوا تھا اور نگاہیں اسد پر مرکوز تھیں یہ نگاہیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ اسد کی زندگی شدید خطرے میں ہے۔ دوسری طرف اسد بھی دونوں بازو کھول کر حملہ آور یگوڈا کے سامنے آگیا تھا۔ اباقہ نے شدید تکلیف کے باوجود یگوڈا کی طرف بڑھنا چاہا' لیکن غنودگی چھا کر اس سے لپٹ گئی۔ ایک اور مرد نے بھی بڑھ کر اسے تھام لیا۔ باقی افراد اب دروازے پر کھڑے چیخ چیخ کر پہریداروں کو بلا رہے تھے اس دوران یگوڈا نے ایک دل ہلا دینے والی چنگھاڑ کے ساتھ اسد پر وار کیا۔ اسد نے بے انتہا پھرتی سے پہلو بچایا اور ایک زوردار گھونسا یگوڈا کے منہ پر مارا۔ یگوڈا پر اس فولادی گھونسے کا کچھ خاص اثر نہیں ہوا اور اس نے بلا توقف اسد پر دوسرا وار کیا۔ اس دفعہ خنجر کا مسلک پھل اس کے سر کے بالوں کو چھوتا گزر گیا۔ اسد نے وار خالی دیکھتے ہی لپک کر دیوار سے تلوار اتار لی۔ اس وقت بھاگتے قدموں کی آوازیں آئیں اور کمانڈر کے پیچھے کوئی دس عدد مسلح محافظ اندر گھس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں تھیں۔ ایک ساعت ضائع کیے بغیر انہوں نے یگوڈا پر حملہ کیا۔ یگوڈا نے پلک جھپکتے ایک محافظ کا گلا کاٹ دیا اور دو قدم بھاگ کر ادھ کھلی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی۔ اسد اور دوسرے محافظ بھاگ کر کھڑکی تک پہنچے تو یگوڈا جست کر کے ایک گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسد کی ہدایت پر کوئی محافظ چلے پر تیر چڑھاتا۔ یگوڈا نے کھڑکی کی طرف تلوار لہرا کر ایک زوردار جنگی نعرہ لگایا اور گھوڑا بھگاتا ایک گلی میں گم ہو گیا۔

یہ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا تھا کہ کمرے میں موجود ہر شخص حواس باختہ ہو کر رہ گیا۔ زخمی محافظ جان کنی کے عالم میں تڑپ رہا تھا۔ اس کا خون قالین پر گلاب کے ایک بہت بڑے پھول کا اضافہ کر چکا تھا۔ اباقہ کی ہدایت پر چند سپاہی اسے اٹھا کر علاج گاہ کی طرف لے گئے۔ کچھ سپاہیوں نے اباقہ کو بھی طبی امداد کے لیے لے جانا چاہا' لیکن اس نے انہیں منع کر دیا۔ کندھے پر آنے والا نیا زخم معمولی تھا۔ اصل تکلیف گھٹنے کے زخم کی تھی جو پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھل گیا تھا اور سفید پٹیاں خون میں تر ہوتی جارہی تھیں۔ کمرے میں مختلف اشیاء کے ٹکڑے اور گلدستے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ ایک خوفناک قاتلانہ حملہ تھا اور اتنے مؤثر انداز سے کیا گیا تھا کہ اگر اسد بروقت حرکت میں نہ آتا تو وہ گرانڈیل وحشی یقیناً کسی سنگین حادثے کا سبب بن جاتا۔ اباقہ' اسد اور نتاشا کے ذہنوں میں ایک ہی بات گونج رہی تھی' یہ یقیناً ڈیوک کا کام تھا۔ وہ شیطان اپنے سب سے خوفناک کارندے کو حرکت میں لے آیا تھا۔

☆------☆------☆

اباقہ کا زخم آہستہ آہستہ اچھا ہو رہا تھا' لیکن ابھی وہ از خود مسہری سے اترنے کے قابل نہیں تھا۔ ان دنوں میں نتاشا نے اس طرح نوٹ کر اس کی خدمت کی کہ اباقہ کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ اباقہ کی تمام تر ضروریات کا خود خیال رکھتی اور ہر وقت اس کے کاموں میں لگی رہتی۔ دوائیوں کے بارے میں اباقہ بہت لاپرواہ تھا لیکن شہر کے اہم ترین طبیب اباقہ کو ہدایت کر چکے تھے کہ اگر وہ اپنے زخم کو ناقابل علاج ہونے سے بچانا چاہتا ہے تو مرہم پٹی کے ساتھ ساتھ کھانے والی دوائیاں بھی باقاعدگی سے استعمال کرے۔ نتاشا نے یہ نصیحت پلے سے باندھ لی تھی اور اباقہ کے ہزاروں انکار کے باوجود وہ اسے مقررہ دوائیاں کھلا کر ہی چھوڑتی تھی۔ رات گئے تک وہ اباقہ کے پاس بیٹھی رہتی۔ اس کی ٹانگیں دباتی۔ اس کا دل لگانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرتی۔ اکثر علی بھی ان کے پاس آبیٹھتا۔ کبھی اسد بھی چلا آتا اور وہ ہلکی پھلکی باتیں کرنے کے علاوہ کچھ سنجیدہ موضوعات چھیڑنے پر بھی مجبور ہو جاتے۔ یورق اور شیزی کی تاحال کوئی خبر نہیں تھی۔ اباقہ پر قاتلانہ حملے کے بعد گیوڈا کے ساتھ ڈیوک بھی غائب ہو چکا تھا۔ شہزادہ نکولس کی سزا اباقہ' اسد اور نتاشا کی پے درپے درخواستوں پر معاف کر دی گئی تھی۔ ان موضوعات اور ایسے ہی دوسرے موضوعات پر وہ رات گئے تک گفتگو کرتے رہتے۔ پھر اسد اور علی تو چلے جاتے اور نتاشا محاذوں کو چوکس کر کے اور دروازہ بند کر کے اباقہ کے ساتھ بچھی ہوئی مسہری پر آلیٹتی رات کو بھی اسے کم کم ہی نیند آتی تھی۔ اباقہ جانتا تھا وہ اس کی طرف سے ہر وقت فکر مند رہتی ہے۔ خاص طور پر گیوڈا کی دید کے بعد اس کے چہرے سے قرار اور آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔

ایک رات کسی پہر اباقہ کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ نتاشا کھڑکی کے پاس کھڑی ہے۔ ہاتھ میں پکڑے شمعدان کی روشنی میں اس کا حسین چہرا پریشان نظر آتا تھا۔

"کیا بات ہے نتاشا؟" اباقہ نے نرمی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ گڑبڑائی۔ "ہمیں اس طرف آہٹ سنائی دی تھی۔"

اباقہ نے مسکرا کر کہا۔ "نتاشا! اس طرح تو تم خود کو بیمار کر لو گی۔ اتنی فکر مندی ٹھیک نہیں۔ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔"

نتاشا نے شمعدان تپائی پر رکھ دیا اور اباقہ کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ بڑے پیار سے

"ہم اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن بخدا وہ ہمارے بس میں نہیں۔ ہم سوچتے ہیں کیا اچھا ہو جو ہماری زندگی آپ کو لگ جائے۔"

اباقہ نے مسکرا کر کہا۔ "تم یونہی جی ہلکان نہ کرو۔ میں بہت ڈھیٹ ہوں' ایسے مرنے والا نہیں۔ ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہولوں پھر دیکھنا اس گیوڈا سے کیسے نبٹتا ہوں۔"

اباقہ کے بے خوف لہجے نے نتاشا کے چہرے پر تشویش کے سائے سمیٹ دیے۔ اس نے بے اختیار اباقہ کا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔ "ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ جیسے نڈر اور بے خوف شخص کی رفاقت نصیب ہوئی۔ دنیا میں کون لڑکی ہو گی جس نے ہمارے جیسی قسمت پائی ہو گی....."

دفعتاً اسے کچھ یاد آیا اور وہ اباقہ کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک الماری کی طرف چلتی ہوئی بولی۔ "جب آپ سو رہے تھے تو ایک شخص آیا تھا' کوئی قاصد لگتا تھا' کہتا تھا کہ آپ سے ملنا بہت ضروری ہے۔ بہت تھکا ہوا تھا ہم نے اسے نیچے مہمان خانے میں آرام کے لیے بھیج دیا۔ ایک خط دے گیا تھا کہتا تھا جونہی آپ اٹھیں آپ کو پہنچا دیا جائے۔"

یہ کہتے ہوئے نتاشا نے الماری سے ایک لفافہ نکالا اور اباقہ کی طرف بڑھا دیا۔ اس وقت اباقہ کے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مارینا کا خط ہے' جو مختلف ہاتھوں سے ہوتا آخر آج اس تک پہنچا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ کبھی نتاشا کو یہ خط پڑھنے کا نہ کہتا.....

اس خط میں محبت بند تھی' ایک عورت کا انتظار بند تھا۔ اس کی امیدیں اور آرزوئیں بند تھیں۔ یہ ایک بہت پیارا خط تھا' لیکن نتاشا کے لیے بے حد خطرناک تھا۔

ابھی نتاشا خط کی تہیں کھول ہی رہی تھی کہ اچانک خوابگاہ کا دروازہ کھلا۔ ریشمی پردہ ہٹا اور اسد جیسے بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک لمحہ رک کر اس نے خوابگاہ کی صورت حال کا جائزہ لیا' پھر سیدھا نتاشا کی طرف آیا اور اس کے ہاتھ خط لیتے ہوئے بولا۔

"معاف کریں شہزادی صاحب! یہ میرا خط ہے۔ غلطی سے قاصد نے آپ کو دے دیا۔ اباقہ کا خط ابھی قاصد کے پاس ہے۔"

نتاشا اور اباقہ حیرت سے اسد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسد ایک مہذب اور باوقار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مخلص تھا۔ اس کا یوں دروازہ کھول کر دندناتے ہوئے خوابگاہ میں چلتے آنا دونوں کو عجیب سا لگا۔ نتاشا نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے اسد۔ قاصد نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ یہ .... اباقہ کا خط ہے۔"

اس وقت اسد کو احساس ہوا کہ بلا اجازت خواب گاہ میں گھس کر اس نے غیر شائستہ حرکت کی ہے۔ اس کے چہرے پر ندامت کی لکیریں ابھریں۔ وہ بولا۔ "شہزادی صاحبہ! میں آپ دونوں سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے .... مجھے دستک دیے بغیر اندر نہیں آنا چاہیے تھا۔"

شہزادی اس کی دلجوئی کے لیے چہرے پر مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے بولی۔

"اسد! کچھ دن پہلے ہم نے خود ہی کہا تھا کہ تمہارے لیے وقت کی کوئی قید نہیں تم جب چاہو بلا اجازت یہاں آ سکتے ہو۔"

اسد نے کہا۔ "شہزادی صاحبہ! آپ مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔"

پھر وہ دونوں پر معذرت کی نگاہ ڈالتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسرے روز صبح کے وقت اسد سیر سے واپس آیا تو سیدھا اباقہ کے کمرے میں چلا آیا۔ نتاشا اس وقت مطبخ میں مصروف تھی۔ اسے دیکھتے ہی اباقہ نے پوچھا۔ "اسد! وہ میرے والا خط کہاں ہے؟"

اسد نے پوستین کے اندر سے رات والا خط نکال کر اباقہ کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔ "یہ لو اپنا خط۔ رات تم بھانڈا ہی پھوڑ دینے لگے تھے۔"

"کیا مطلب؟" اباقہ نے چونک کر پوچھا۔

اسد بولا۔ "مطلب یہ کہ یہ خط کسی اور کا نہیں ماریتا کا ہے۔ عراق سے آیا ہے۔"

اباقہ کا منہ کھلا رہ گیا اور وہ جیسے مسہری سے اچھل پڑا۔ جلدی سے خط پکڑ کر وہ اسے الٹنے پلٹنے لگا جیسے اس کے اندر سے ماریتا کو تلاش کر رہا ہو۔ اسد نے کہا۔

"رات مجھے جب قاصد نے بتایا کہ وہ تمہارا خط نتاشا کو دے آیا ہے تو میں بھاگتا ہوا تمہارے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ تو قسمت اچھی تھی جو نتاشا نے ابھی پڑھنا شروع نہیں کیا تھا ورنہ اب تک وہ سب کچھ جان چکی ہوتی۔"

اب اباقہ کو ساری بات سمجھ آ رہی تھی۔ واقعی اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اسے نتاشا سے پوچھ لینا چاہیے تھا کہ کس کا خط ہے۔ وہ اپنے طور پر یہی سمجھتا رہا کہ کسی فوجی سردار کا خط ہے .... اس نے ماریتا کا خط کھولتے ہوئے اسد کے ہاتھ میں دے دیا اور بے تابی سے بولا۔ "اسد! مجھے پڑھ کر سناؤ۔"

اسد نے کن انکھیوں سے اس کی بے قراری دیکھی پھر دھیمے لہجے میں پڑھنے لگا۔

"اباقہ! کل قاصد نے تمہارا نامہ پہنچایا۔ پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی۔ تم سب کی خیریت کے بارے جان کر ازحد خوشی ہوئی۔ ہم بھی یہاں خیریت سے ہیں۔ اس وقت میں اور نبیلہ گھر کے سامنے زیتون کے درخت کے نیچے بیٹھی ہیں۔ سلیمان کا ننھا بیٹا قاسم ایک جھولے میں لیٹا ہوا ہے۔ موسم خوشگوار ہے۔ ہوا میں پکی فصلوں کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ خدا کرے اس خوشبو میں لاشوں کی بدبو شامل نہ ہو۔ کیونکہ سننے میں آ رہا ہے کہ چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں دار السلطنت بغداد پر حملے کے لیے ایران اور ترکستان میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ ان وحشیوں نے سلطنت عباسیہ کے سرحدی علاقوں میں لوٹ مار بھی کی ہے۔ تاہم ان اطلاعات کی فراہمی سے میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا ہرگز نہیں۔ فی الحال یہاں فوری خطرے کی کوئی بھی بات نہیں۔ تم جس جنگی مہم پر ہو اسے پوری توجہ اور ثابت قدمی سے انجام دو۔ خدا کرے آپ لوگ سرخرو ہو کر واپس لوٹیں۔ میری دعائیں آپ سب کے ساتھ ہیں۔ تم نے اخراجات کے لیے جو رقم بھیجی تھی مل گئی ہے۔ میری جانب سے کسی طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سلیمان اور نبیلہ کا سلوک مجھ سے حقیقی بہن بھائیوں جیسا ہے۔ مجھے یہ جان کر ازحد مسرت ہوئی ہے کہ تمہاری کمان کا چلہ میرے بالوں کا بنا ہوا ہے۔ مجھے ان بالوں پر رشک آ رہا ہے جو ان خون آشام "آسمان پرستوں" کی موت کا وسیلہ بن رہے ہیں۔ ہر مسلمان عورت کی طرح میری بھی یہ خواہش ہے کہ اس زمین سے ناپاک منگولوں کا بوجھ کم ہو۔ مجھے امید ہے تم میری اس خواہش کو پورا کرتے رہو گے۔"

اس کے نیچے چند سطور اور لکھیں تھیں۔ یہ سطور خط کے اصل مضمون سے جدا [illegible] ہوتی تھیں اور اباقہ و اسد کے لیے جاننا دشوار نہیں تھا کہ یہ سطور نبیلہ نے اپنی [illegible] طبع کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماریتا کی بے خبری میں لکھی ہیں۔ لکھا تھا۔

"اباقہ! دن بھر سورج کے قدم گنتی ہوں اور رات بھر لمحوں کی چاپ سنتی ہوں۔ میرا دل و دماغ اور جسم تمہاری مملکت ہے۔ میرے مسافر بادشاہ! اپنی مملکت پر حکومت کرنے کے لیے واپس آ جاؤ۔ میں ہاتھوں میں چاہتوں کے پھول لئے تمہارے فاتح قدموں کا انتظار کر رہی ہوں۔ تمہاری .... تمہاری .... اور صرف تمہاری .... ماریتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسد نے خط پڑھ کر مسکراتی نظروں سے اباقہ کو دیکھا۔ وہ جیسے تصور ہی تصور میں عراق پہنچا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے مارینا کو دیکھ رہی تھیں اور ہونٹ پیاس اور تمنا کی شدت سے خشک ہو رہے تھے۔ اباقہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے تہہ شدہ خط اس کے سپرد کیا اور بولا۔ "اباقہ! میری ایک بات غور سے سن لو۔ نتاشا کو مارینا کے بارے کچھ علم نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بے حد حساس لڑکی ہے۔ وہ تم سے اتنی محبت کرتی ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں وہ تمہاری صحت یابی کے لیے چپکے چپکے غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دیتی ہے۔ دعائیں کرتی ہے اور منتیں مانتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے لے کر اس کے دل تک صرف تم ہی تم ہو۔ جانتے ہو پچھلے دنوں اس نے کیا کیا تھا؟" اباقہ سوالیہ نظروں سے اسد کی طرف دیکھنے لگا۔

اسد بولا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے رئیس وزیولڈ سے کہہ کر شاہی محل کی تین کنیزوں کو راتوں رات نو گرود سے کیف بھجوا دیا تھا۔ ان کا تصور یہ تھا کہ ان میں سے ایک کنیز عاشقانہ انداز میں تمہاری تعریفیں کر رہی تھی اور دوسری دو اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ نتاشا کی ذاتی خادمہ نے نتاشا کو یہ سب کچھ بتایا تو وہ بے قرار ہو گئی۔ وہ اسی وقت رئیس سے ملی۔ اس سے کہہ کنیزوں کو آزاد کروایا اور معقول رقم دے کر انہیں کیف بھجوا دیا۔ اباقہ وہ تمہیں بلا شرکت غیرے اپنا محبوب جانتی ہے اور سمجھتی ہے کہ تم بھی اس سے اتنی الفت کرتے ہو جتنی وہ کرتی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم نے اس سے مجبوراً شادی کی تھی اور تم دل و جان سے کسی اور عورت کو چاہتے ہو تو شاید وہ رنج و مایوسی کے عالم میں اپنی جان لے جائے۔ وہ شاعرانہ مزاج رکھنے والی مغربی شہزادی ہے اور اس کے لیے اپنی محبت میں کسی کو شریک کرنا نہایت دشوار ہو گا۔"

اباقہ نے پریشانی سے پوچھا۔ "اسد! پھر یہ سب کچھ کیسے چلے گا۔ آخر تو اسے مارینا کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہی ہو گا۔"

اسد نے کہا۔ "بے شک ایک روز تو اسے معلوم ہو جانا ہے لیکن یہ کام نہایت احتیاط اور آہستہ روی سے ہونا چاہیے۔ دھیرے دھیرے' سمجھداری کے ساتھ۔ تم نے کسی کو ہیرا تراشتے دیکھا ہے۔ کتنی ملائمت اور کس قدر تحمل

سے کام ہوتا ہے۔ ذرا ٹھیس لگ جائے تو ہیرا ٹوٹ جاتا ہے۔ شہزادی کے دل کو بھی ایک ہیرا ہی سمجھو۔ حالات کی چھری اسے بتدریج تمہاری منشا اور ضرورت کے مطابق تراش سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے نہ چاہنے کے باوجود وہ ٹوٹ جائے۔ اس ہیرے کا مستقبل کیا ہے؟ ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فی الحال ضرورت اس بات کی ہے کہ تم نتاشا کو مارینا کے بارے کچھ معلوم نہ ہونے دو۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ خط بھی مجھے ہی دے دو۔ کہیں تمہاری لاپرواہی سے اس کی نگاہ میں نہ آجائے۔"

اباقہ نے تکیے کے نیچے سے خط نکال کر اسد کو تھما دیا۔ اباقہ کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ اس نے اسد کی باتوں سے اثر لیا ہے اور انہیں درست تسلیم کر رہا ہے۔

☆======☆======☆

کوئی ڈیڑھ ہفتے تک اباقہ کا زخم بہت حد تک اچھا ہو گیا۔ ایک روز شہزادہ نکولس اپنی والدہ کے ہمراہ اس سے ملنے آیا۔ وہ اس بات پر اباقہ اور اسد کا احسان مند تھا کہ انہوں نے اسے رئیس محترم سے معافی دلانے کے لیے پرخلوص اور انتھک کوششیں کیں۔ اب اس کے چہرے پر ندامت کے ساتھ ساتھ اباقہ کے لیے دوستی کے جذبات بھی پائے جاتے تھے۔ اس نے اباقہ سے کہا کہ وہ مستقل طور پر یہیں رک جائے۔

اس کی بات آگے بڑھاتے ہوئے نکولس کی والدہ رئیس نادری یوسا نے کہا۔ "اباقہ! رئیس چاہتے ہیں کہ فوج میں تمہارا عہدہ مستقل کر دیا جائے۔ وہ تم پر بہت مہربان ہیں تم یہاں بہت عیش و آرام سے رہو گے۔ نتاشا بھی ہماری بیٹیوں کی طرح ہے۔ تمہاری خوشیاں دیکھ کر ہم بھی خوش ہوں گے۔ اگر اسد چاہے تو وہ بھی یہاں رہ سکتا ہے اسے بھی فوج میں کوئی عہدہ دے دیا جائے گا....."

اباقہ خاموشی سے نکولس اور یوسا کی باتیں سنتا رہا۔ وہ بڑے خلوص اور پیار سے اسے ایک پرسکون اور آرام دہ زندگی کی پیشکش کر رہے تھے۔ اس زندگی میں اختیار بھی تھا۔ عزت اور مقام بھی تھا' اور نتاشا جیسی حسین لڑکی کی دلنشیں رفاقت بھی ..... لیکن کیا وہ اپنے فرض کو ان نعمتوں پر قربان کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ وہ محلوں کا نہیں' ویرانوں کا انسان تھا۔ تلواروں کی جھنکار اس کے لیے حسین چوڑیوں کی کھنک سے زیادہ طرب انگیز تھی۔ میدان جنگ کے فاتے اسے شہر عیش کی نعمتوں سے زیادہ عزیز تھے اس نے گہری سانس لی اور ٹھوس لہجے میں بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رئیس زادی! میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کی نوازشات کا شکریہ ادا کر سکوں لیکن نہایت معذرت سے میں عرض کروں گا کہ میں اور میرے ساتھی ایک بڑے مقصد کے تحت آپ کی سرزمین پر آئے تھے اور یہ مقصد تھا ہر جگہ اور ہر مقام پر منگولوں کی مزاحمت اور یہ مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ منگول گھوڑوں کا رخ ضرور بدلا ہے لیکن وہ ابھی حرکت میں ہیں۔ ان کی تلواریں نیاموں میں ضرور چلی گئی ہیں مگر ان کی نگاہیں کسی نئی بستی کی تلاش میں ہیں۔ ہمیں وہاں پہنچنا ہے' جہاں وہ ہیں یا جہاں وہ جارہے ہیں۔ لہٰذا محترم خاتون! میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے رکنے پر اصرار نہ فرمائیں۔"

اباقہ کے فیصلہ کن لہجے نے یوسا اور نکولس کو چپ لگا دی۔ کچھ دیر بعد یوسا نے کہا۔ "اباقہ! نتاشا کا خیال بھی یہ تھا کہ تم یہاں رکنے پر تیار ہو جاؤ گے....."

نتاشا قریب ہی بیٹھی تھی اس نے جلدی سے یوسا کی بات کاٹی اور کہا۔ "خالہ جان! ہمارا اپنا کوئی خیال نہیں ہے۔ جو اباقہ اور ان کے ساتھیوں کا فیصلہ ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔"

یوسا اور نکولس کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اباقہ کا ارادہ اٹل ہے۔ اس لیے انہوں نے اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ ان کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر کے وہ دونوں واپس پلٹ گئے..... اگلے روز اباقہ اسد اور نتاشا نے رئیس وزیولڈ سے آخری ملاقات کی۔ انعام واکرام سے لدے ہوئے وہ واپس آئے اور اس سے اگلے روز سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سفر کی تیاری کے ساتھ ساتھ وہ یورق اور شیزی کو تلاش کرنے کی آخری کوششیں بھی کر رہے تھے۔ جب اباقہ' نتاشا اور علی سامان وغیرہ باندھنے میں مصروف تھے' اسد گھوڑا لے کر شہر کا چکر لگانے گیا ہوا تھا۔ اس نے شہر میں بہت سے آدمیوں کو یورق اور شیزی کی تلاش میں لگا رکھا تھا۔ وہ اس امید پر گیا تھا کہ شاید کسی طرف سے کوئی حوصلہ افزا اطلاع مل جائے۔

وہ دوپہر کا گیا شام پڑے واپس آیا۔ اس کے ساتھ یورق اور شیزی تو نہیں تھے مگر شہزادہ نکولس تھا۔ اباقہ نے آگے بڑھ کر شہزادے کا استقبال کیا۔ شہزادے نے کہا۔ "اباقہ! میں اسد اور تم سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

نتاشا شہزادے کی بات سن چکی تھی اس لیے علی کو انگلی تھام کر اسے باہر لے گئی۔ اب کمرے میں وہ تینوں رہ گئے تھے۔ اباقہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ شہزادہ نکولس ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

"آپ دونوں میرے مہمان بھی ہیں اور دوست بھی مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ

میں آپ کو بڑے بھائیوں کی طرح سمجھنے لگا ہوں۔ رئیس محترم کی ناراضگی مول لے کر آپ نے جس طرح میری جان بخشی کی کوششیں کیں انہیں میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔ اب میں آپ دونوں سے تھوڑی سی اور قربانی چاہتا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ آپ اپنی روانگی صرف تین روز کے لیے ملتوی کر دیں۔"

اباقہ نے احترام سے کہا۔ "شہزادے! ان تین دنوں میں آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

شہزادے نے سنجیدگی سے کہا۔ "اباقہ! اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اپنے سابقہ رویے پر بہت نادم ہوں اور اس کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ میں جولیا کو دلہن بنا کر اپنے محل میں لاؤں..... میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اباقہ اور اسد حیرت سے نکولس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسد نے محتاط لہجے میں کہا۔ "شہزادہ حضور آپ کا خیال بہت نیک ہے مگر کیا' جو کچھ ہو چکا ہے اس کے باوجود جولیا آپ سے شادی پر..... رضامند ہو جائے گی؟"

نکولس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "اگر اس نے انکار کر دیا تو میں یسوع کی قسم کھا کر آپ دونوں سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی اس کا نام زبان پر نہیں لاؤں گا۔"

شہزادے کا لہجہ اباقہ اور اسد کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا جولیا بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ بے شک شہزادہ نکولس نے اس سے بدسلوکی کی تھی۔ اسے بہ زور اغوا کروایا تھا اور ایک کھنڈر میں قید رکھا تھا پھر بھی وہ اس کی محبت سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔

اباقہ نے ایک آہ بھرتے ہوئے سوچا۔ یہ عورت بھی عجیب گورکھ دھندا ہے۔ جو مرد اس کی راہوں میں آنکھیں بچھاتا ہے ضروری نہیں کہ وہ بھی اس سے پیار کرے اور جو اسے دکھ دیتا ہے' مظالم توڑتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ شہزادہ نکولس کے لہجے کا اعتماد بتا رہا تھا کہ جولیا اس کے ساتھ شادی سے انکار کر ہی نہیں سکتی۔ اباقہ اور اسد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر اسد نے کہا۔

"شہزادہ حضور! آپ کی بات کا جواب دینے کے مجاز تو صرف لڑکی کے والدین ہیں مگر میں یہ عرض ضرور کروں گا کہ لڑکی ابھی کم عمر ہے۔ غالباً وہ لوگ ابھی شادی کرنا نہیں چاہیں گے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ لڑکی کا باپ بھی ابھی تک لاپتہ ہے۔"

نکولس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "اسد! مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک تقریب میں اس سے میری نسبت طے ہو جائے۔ مجھے یہ یقین ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے کہ جولیا میری ہے۔"

شہزادہ نکولس کے اس مسئلے نے اباقہ اور اسد کو روانگی ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ باہمی مشورے کے بعد وہ دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ولی عہد کا رشتہ ہر طرح جولیا کے شایانِ شان ہے اور اگر کبھی کسی موڑ پر مائیکل سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس رشتے کے سبب انہیں اس کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے گا۔ نتاشا نے بھی یہی رائے دی کہ انہیں اس رشتے کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔

اباقہ اور اسد مائیکل کی بیوی سے ملے۔ اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اباقہ اور اسد اس کے شوہر کے مخلص دوست ہیں۔ اس نے ان کی بات نہایت توجہ سے سنی پھر اپنی بیٹی سے رضامندی لی۔ رضامندی ظاہر ہونے کے بعد اباقہ اور اسد نے رئیس زادی یوسا کے ساتھ مل کر رئیس سے بات کی۔ افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ دو تین روز جاری رہا۔ آخر اہل نوو گرود کی خوشیوں میں ایک اور خوشی کا اضافہ ہو گیا اور یہ خوشی تھی شہزادہ نکولس کی تقریب منگنی کی۔ ایک پُرجوش اور رنگارنگ تقریب میں شہزادہ نکولس کی نسبت جولیا ہوورتھ سے طے کر دی گئی۔

چوتھے روز اباقہ اسد' علی اور نتاشا اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ انہیں رخصت کرنے والوں میں شہزادہ نکولس بذات خود شامل تھا۔ بوقت رخصت شہزادے نے اباقہ اور اسد سے پُرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"عزیز بھائیو! آپ دونوں اطمینان رکھیں۔ آپ کے بعد بھی آپ کے دوست یورق کی تلاش اسی طرح جاری رکھی جائے گی۔ جونہی وہ ہمیں ملا اسے آپ کی ہدایت کے مطابق کالگا کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔" (کالگا اس علاقے کا نام تھا جس کے متعلق خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ منگول اس طرف گئے ہیں)۔

خاص و عام کے الوداعی کلمات کے شور میں ان کا قافلہ نوو گرود سے روانہ ہوا۔ اس قافلے میں ڈھائی سو جانبازوں کا وہ دستہ بھی شامل تھا۔ جنہوں نے اباقہ کے ساتھ جینے مرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اس کے علاوہ رئیس کی باقاعدہ فوج کا ایک دستہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ دستہ تخمیناً انہیں شہر کے نواح تک چھوڑنے جا رہا تھا ..... دوپہر تک یہ دستہ ان کے ساتھ رہا۔ پھر اباقہ اور اسد نے اسے واپس بھیج دیا۔ اب وہ شہر سے کافی دور نکل آئے تھے۔ ان کی اطراف گھنے درخت تھے۔ سبزے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں تھیں اور پس منظر میں فلک بوس و برف پوش چوٹیاں سینہ تانے کھڑی تھیں۔ مسلسل بارشوں کے بعد مطلع اب صاف ہو گیا تھا۔ گہرے نیلگوں آسمان پر سورج کسی بہت بڑے ہیرے کی

طرح دمک رہا تھا۔ اس کی خوشگوار تمازت نے ہر جاندار و بے جان شے میں زندگی کی لہر دوڑا دی تھی۔ قدرت کی رنگینیوں اور مناظر کی نیرنگیوں سے لطف اندوز ہوتے وہ چشمہ چشمہ اور ٹیلہ ٹیلہ آگے بڑھتے رہے۔ ان کے گھوڑے تازہ دم تھے۔ ان کی خرجینیں خوراک سے بھری ہوئی تھیں اور دل تازہ ولولوں سے معمور تھے۔ سپاہیوں کی ایک ٹولی ترنگ میں آکر کوئی گیت گانے لگی تھی۔ اس قدیم روسی گیت کی بازگشت خوش الحان پرندوں کے غول کی طرح ان کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ اس گیت کا مطلب تھا کہ ہم دشمن کا تعاقب کریں گے یہاں تک کہ سمندر کی لہریں اسے نگل لیں یا وہ غضب کے دیوتا کی وادی میں داخل ہو جائے .....

جھیل ایلمن سے کوئی تیس کوس جنوب میں وہ ان کا دوسرا پڑاؤ تھا۔ ایک چشمے کے پہلو میں ہموار جگہ دیکھ کر خیمے لگا دیے گئے تھے۔ شہزادہ نکولس نے اباقہ کو ایک شاندار خیمے کا تحفہ دیا تھا۔ یہ خیمہ کسی شہزادے کے خیمے سے کم نہیں تھا۔ اباقہ نے یہ خیمہ پہلے اسد اور پھر اپنے دستے کے ایک سردار کو دینے کی کوشش کی تھی مگر وہ دونوں رضامند نہیں ہوئے تھے۔ اب یہ خیمہ اباقہ' نتاشا اور علی کے تصرف میں تھا۔

موسم نہایت خوشگوار تھا۔ پڑاؤ ڈال کر اسد' علی اور اباقہ نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر شکار کے لیے نکل گئے۔ تین گھوڑوں پر سوار وہ جنگل میں آگے تک چلے گئے۔ مغرب میں جھکے سورج کی کرنیں درختوں میں ان سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔ پرندوں کی چہکاروں سے اطراف گونج رہی تھیں۔ کہیں کہیں کوئی گیدڑ یا لومڑ بھی نظر آجاتا تھا۔ شام سے پہلے پہلے علی اور اباقہ نے ایک ایک مرغابی اور اسد نے ایک تنومند جنگلی بلا شکار کر لیا۔ کھال حاصل کرنے کے لیے جنگلی بلے کو گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ لیا گیا۔ دونوں مرغابیاں علی نے بڑی شان سے اپنے کندھے پر لٹکا لیں۔ وہ پڑاؤ میں واپس پہنچے تو اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سپاہی کھانا وغیرہ پکانے میں مشغول تھے۔ کچھ انہی کی طرح شکار سے واپس لوٹ رہے تھے۔ علی دونوں مرغابیاں لے کر خیمے کی طرف بھاگ گیا' وہ نتاشا کو اپنی کارگردی دکھانے گیا تھا۔ ایک مرغابی اباقہ نے شکار کی تھی مگر اباقہ جانتا تھا علی اس کا نام صاف چھپا جائے گا بلکہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جنگلی بلا بھی اپنے کھاتے میں ڈال لے اور نتاشا کو بتائے کہ یہ بلا دراصل اسی نے گرایا تھا۔ اسد بھائی جان کا تیر تو اسے بعد لگا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ دیکھ کر اباقہ چونک گیا کہ علی خیمے میں جاتے ہی واپس لوٹ آیا ہے۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ مرغابیاں بھی اسی طرح اس کے ہاتھوں میں لٹک رہی تھیں۔

"یاخدا خیر" اباقہ کے ہونٹوں سے نکلا ..... کیا نتاشا خیمے میں موجود نہیں؟ وہ چند قدم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چل کر علی کی طرف گیا۔ اسے دیکھ کر علی کی آنکھوں میں چمک آئی۔ وہ بھاگتا ہوا اباقہ کے پاس پہنچا اور بولا۔

"بھائی جان! میرے ساتھ آیئے۔ میں آپ کو ایک چیز دکھاؤں۔"

اباقہ نے بے تابی سے پوچھا۔ "شہزادی تو اندر ہی ہے نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اباقہ کو ساتھ لیتا ہوا خیمے کے سامنے پہنچ گیا۔ پھر ایک مرغابی نیچے رکھ کر اس نے آہستگی سے پردہ ہٹایا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اباقہ چونک گیا۔ شمع دان کی روشنی میں اباقہ کو نتاشا نظر آئی۔ اباقہ کی طرف اس کی پشت تھی۔ وہ قالین پر مصلیٰ بچھائے نماز ادا کر رہی تھی۔ ریشمی سفید اوڑھنی سے اس نے پیشانی اور سر ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف چہرہ کھلا تھا۔ وہ دو زانو بیٹھی التحیات پڑھ رہی تھی پھر اس نے سلام پھیرا۔ جب اس نے دوسری طرف سلام پھیرا تو اس کی نظر اباقہ پر پڑی۔ اس نے اپنی پلکیں جھکائیں اور خاموشی سے اباقہ کے ردعمل کا انتظار کرنے لگی۔ اباقہ سکتے کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس لباس اور اس انداز میں وہ کوئی آسمانی حور لگ رہی تھی۔ روشن چہرے پر ایک دھیمی اور پیاری سی مسکراہٹ رنگ بہار کی طرح کھلی ہوئی تھی یہ مسکراہٹ اس سے داد طلب کر رہی تھی۔ اس فیصلے کی داد جو دلادی میر کی شہزادی نے نہایت خاموشی سے کر لیا تھا۔ وہ خاموشی کی زبان میں اس سے کہہ رہی تھی۔ تم جس روپ میں مجھے دیکھنا چاہتے تھے میں اس روپ میں آ گئی ہوں۔ بتاؤ تو کیسی لگتی ہوں؟

اباقہ کو واقعی وہ بہت خوبصورت لگی۔ وہ قدم بڑھا کر اندر آیا اس وقت نتاشا مصلیٰ سمیٹ رہی تھی۔ اباقہ نے کہا۔ "میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں نتاشا؟"

نتاشا نے پلکیں جھکائے جھکائے کہا۔ "آپ وہ دیکھ رہے ہیں جو ہمارے دل میں ہے۔" اس نے مصلیٰ ایک طرف رکھا اور بولی۔ "اباقہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ بخدا ہمیں یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہمارے اندر ایک خلا تھا جو آج پُر ہو گیا ہے۔ ایک پیاس تھی جو بجھ گئی ہے۔ ہم نے بہت سوچا ہے اباقہ! اور آخر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برسوں سے ہم کسی ایک ایسے شخص کے منتظر تھے جو ہمارے دل کی دنیا بدل ڈالے اور وہ شخص آپ ہیں اباقہ۔ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ دیا ہے جس کی ہمیں آرزو تھی اور ان عنایات میں یہ شرف مسلمانی بھی شامل ہے۔"

اباقہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اس موقع پر کیا جواب دے۔ وہ تو خود کوئی ایسا پابند صوم صلوٰۃ نہیں تھا۔ بس کبھی کبھار اسد کے کہنے پر نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔ ہاں .... مسلمان وہ تھا اور اس کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتا تھا۔ شاید یہی سبب تھا کہ نتاشا کی اس

بات پر اسے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔ وہ اسد کو یہ خبر سنانے کے لیے الٹے قدموں مڑا تو دروازے پر علی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ شریر ہاتھ میں مرغابیاں تھامے ابھی تک پردے کے پیچھے کھڑا تھا۔

بحیرہ اسود کے ساحل کی طرف ان کا سفر جاری رہا۔ ان کی رفتار خاصی سست تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حتی الامکان دشوار راستے اختیار کر رہے تھے تاکہ تاتاریوں سے ٹکراؤ کے امکانات کم سے کم رہیں۔ پھر ایک جگہ انہیں چند تاتاریوں سے واسطہ پڑ ہی گیا۔ انہوں نے ایک پہاڑ کی کھوہ میں عیش و نشاط کا سامان فراہم کر رکھا تھا۔ کسی بستی سے وہ تین دہقان عورتوں کو اٹھا لائے تھے اور اب بھوکے بھیڑیوں کی طرح ان کے جسم بھنبھوڑنے میں مصروف تھے ان میں دو جوان عورتیں تھیں اور ایک ادھیڑ عمر۔ اباقہ اور اسد نے نہایت غضبناکی سے حملہ کر کے اس ظلم کدے کو تباہ کر دیا اور عورتوں کو نجات دلائی۔ دو تاتاریوں کو اباقہ کے حکم پر زندہ گرفتار کیا گیا۔ ان سے انہیں معلوم ہوا کہ منگول لشکر "کاکھا" کے نزدیک "کوزل سک" کے مقام پر رکا ہوا ہے اور اس قصبے کی مقامی آبادی زبردست مزاحمت کر رہی ہے۔

معلومات حاصل کرنے کے بعد اباقہ نے دونوں تاتاریوں کو اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارا۔ مظلوم عورتوں نے منگولوں کے لرزہ خیز مظالم کی داستانیں سنائیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان وحشیوں نے راستے میں آنے والی کسی بستی کو نہیں بخشا۔ فتح اور طاقت کے نشے میں چور وہ بے بس انسانیت کو آدم خور شیطانوں کی طرح بھنبھوڑتے رہے ہیں۔ ایک عورت نے بتایا کہ اس کی بستی کے تمام مکینوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا گیا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ باندھیں۔ بعد ازاں منگول قاتل وزنی کلہاڑے لیے ہجوم میں گھس گئے اور لوگوں کی گردنوں پر اس طرح وار کیے کہ ان کی ریڑھ کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئے۔ اس عورت نے بتایا کہ علاقے کے لوگوں پر منگولوں کی دہشت اس بری طرح سوار ہے کہ وہ انہیں آسمانی بلا سمجھنے لگے ہیں۔ اس نے کہا۔

"قتل عام کے بعد میں اپنے خاوند اور بستی کے چند دوسرے لوگوں کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ ہم راستے میں تھے کہ ایک منگول گھڑ سوار نے ہمیں روک لیا۔ وہ اکیلا تھا اور ہم گیارہ۔ اس نے ہم سب کو روک لیا اور کہا کہ ایک دوسرے کے ہاتھ باندھو۔ سارے مرد ایک دوسرے کے ہاتھ باندھنے کے لیے گھوڑوں سے اتر آئے۔ میں نے انہیں غیرت دلائی کہ یہ تنہا ہے اور تم دس ہو۔ اسے گھیر کر پکڑ لو۔ میرے کہنے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے اسے پکڑا اور مار دیا۔ بعد میں جب ہمارا قافلہ نوو گرود کی طرف جا رہا تھا' ایک فوجی چوکی پر ہمیں گرفتار کر لیا گیا؟"

ایسے اور اس قسم کے بہت سے واقعات ان عورتوں نے سنائے جن سے اندازہ ہوا کہ روس کے طول و عرض میں اور خصوصاً مضافاتی علاقوں میں منگولوں کو انسانوں کی بجائے شیطانی ارواح سمجھا جا رہا ہے اور لوگ اپنی تلواریں تیز کرنے کی بجائے روحانی قوتوں کی بندیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر جب حملہ ہوتا ہے تو بھاگ کر عبادت گاہوں میں جا چھپتے ہیں۔ درحقیقت 1238ء کے ان اولین مہینوں میں پورا روس ایک پراسرار خوف کی دھند میں لپٹا ہوا تھا..... اور جس خوف سے لوگ بھاگ رہے تھے' کوہ الطائی کا دیوتا اس خوف کا پیچھا کر رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

یورق کو اباقا کی یاد بہت ستا رہی تھی۔ وہ ہر وقت سوچتا رہتا۔ نہ جانے وہ کہاں ہے' کیا کر رہا ہے کس حال میں ہے۔ شیزی کو لت اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھتی تو دلجوئی کی کوشش کرنے لگتی۔ اسے یورق سے عجیب طرح کا انس ہو گیا تھا۔ شاید یہ انس مسلسل قربت کی وجہ سے تھا۔ یورق پہلے پہل تو شیزی سے بہت کھچا ہوا رہتا تھا۔ مگر اب اسے شیزی کی باتیں نہ صرف سمجھ آجاتی تھیں بلکہ وہ ان کا لطف بھی لیتا تھا۔ شیزی نہایت ہنس مکھ اور خوش طبع تھی۔ اتنے مصائب سے گزرنے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ نہ صرف اپنا حوصلہ بلند رکھتی بلکہ یورق کو بھی مایوس نہیں ہونے دیتی تھی۔ وہ مداریوں کے قافلے کے ساتھ کالگا کی طرف محو سفر تھے۔ راستے کی چوکیوں سے انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ منزل اب زیادہ دور نہیں۔ وہ کسی بھی وقت منگول لشکر تک پہنچنے والے تھے۔ جوں جوں وہ لشکر کے قریب پہنچ رہے تھے یورق کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب تک تو سب خیریت تھی مگر منگول لشکر میں اس بات کا بہت امکان تھا کہ کوئی اسے پہچان لے۔ یوں تو اس نے گھوڑوں کے خدمتگار کے طور پر اپنی چال ڈھال اور لب و لہجہ بدل لیا تھا اور چہرے پر بھی ہر وقت ایک پگڑی لپیٹے رہتا تھا مگر شناخت کئے جانے کے امکانات بہرحال اپنی جگہ موجود تھے ..... بالآخر ایک روز وہ کالگا کے نواح میں "کوزل سک" پہنچ گئے۔ منگولوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس وسیع و عریض پہاڑی قصبے کے نواح میں خیمہ زن تھا۔ منگول لشکری ٹڈی دل کی طرح نشیب و فراز میں پھیلے ہوئے تھے۔ یورق نے مداریوں کے سرغنہ ارغون کو بتایا تھا کہ وہ مرکزی اصطبل کا سائیس ہے۔ لہٰذا اب ضروری تھا کہ وہ اور شیزی ان مداریوں سے چھٹکارا حاصل کر لیں اور کہیں اور سر چھپانے کی کوشش

کریں یا پھر پکڑے جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس رات مداری لشکر میں پہنچے اسی رات یورق اور شیزی نے وہاں سے نکلنے کا منصوبہ بنا لیا۔ وہ دونوں گھوڑوں کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خستہ حال خیمے میں لیٹے ہوئے تھے۔ نیند دونوں میں سے کسی کو نہیں آئی تھی۔ اس لیے جب یورق نے شیزی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ یورق نے آنکھوں آنکھوں میں اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ پوستین سے ایک خنجر نکال کر یورق نے خیمے کا عقبی کپڑا چاک کیا اور بہ آہستگی باہر نکل آیا۔ رات کافی بیت چکی تھی۔ منگول پڑاؤ میں جگہ جگہ بھڑکنے والے آگ کے الاؤ اب سرد ہو چکے تھے کوئی بیس کڑ دور چند ٹھٹھرے ہوئے پہریدار ایک ادھ بجھے الاؤ کے گرد کھڑے جسم گرمانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ یورق نے شیزی کا ہاتھ تھام کر اسے باہر نکال لیا اور پہلے سے منتخب شدہ راستے پر چلتا ہوا پڑاؤ کی جنوبی سمت بڑھنے لگا۔ راستے میں ایک پہریدار نے روک کر ان کی شناخت کی۔ یورق نے شیزی کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس "لڑکے" کے پیٹ میں سخت درد ہے اسے شامان (معالج) کی طرف لے جا رہا ہوں۔ پہریدار نے انہیں جانے دیا۔

وہ کوئی ایک فرلانگ سیدھا چلنے کے بعد گھوم کے اور پڑاؤ کے مضافات میں آ گئے۔ اس وقت اچانک یورق کو احساس ہوا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ پہلے تو اس نے سوچا شاید یہ وہی پہریدار ہے مگر پھر اسے اپنی رائے بدلنا پڑی۔ پہریداروں کے علاقے متعین تھے اور وہ کسی صورت اپنی حدود سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ آخر یہ شخص کون ہو سکتا ہے؟ یورق نے پریشانی کے عالم میں سوچا۔ شیزی ابھی تک اس تعاقب سے بے خبر تھی اور یورق اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ تعاقب کرنے والے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انہیں پکڑنا نہیں چاہتا بلکہ ان کے ارادوں سے باخبر ہونا چاہتا ہے۔ یورق شیزی کو لئے ہوئے گھنے درختوں میں پہنچا اور ایک ابھری ہوئی چٹان کے پیچھے بیٹھ کر تعاقب کرنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ خنکی ہوئی مدھم چاندنی نے نشیب و فراز کو خوابناک بنا رکھا تھا۔ پڑاؤ سے گاہے گاہے اٹھنے والی پہریداروں کی آوازوں کے سوا فضا میں تکمل سکوت تھا۔ آخر یورق کو وہ طویل سایہ نظر آیا جو ایک خیمے کی اوٹ سے نکلا تھا اور اب قدرے پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ڈیل ڈول اور انداز سے یورق کو ..... اندازہ ہو گیا کہ وہ کون ہے؟ وہ مداریوں کا ہتھ چھٹ سرغنہ ارغون تھا۔ کم بخت نے انہیں خیمے سے نکلتے دیکھ لیا تھا یا اس نے پہلے سے کوئی آدمی ان کی نگرانی پر لگا رکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی یورق کا دماغ کھولنے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ چٹان کے پیچھے سے لپک کر اسے دبوچ لے ..... لیکن اس موقع پر تحمل کی ضرورت تھی۔ شکار خود ہی پھندے تک آنے والا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اور شیزی دم سادھے دیکھے رہے۔ گہرے سکوت میں انہیں ایک دوسرے کے سانسوں کی آوازیں تک سنائی دے رہی تھیں۔ طویل القامت شخص اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد محتاط قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ تلوار کے قبضے پر تھا اور وہ بالکل تنہا تھا۔ شاید یہاں تک پہنچ کر وہ تھوڑا سا ہراساں ہو گیا تھا۔ محتاط قدموں سے وہ یورق اور شیزی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ یورق کے ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے۔ اس نے شیزی کا نازک ہاتھ آہستگی سے دبایا اس کا مطلب تھا۔ ہوشیار ہو جاؤ میں ارغون پر حملہ کرنے والا ہوں۔ پھر اس نے پوستین سے پیش قبض نکالی اور جست بھرنے کو تیار ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کھڑا ہوتا یا جست بھرتا کوئی نہایت وزنی شے اس کے سر سے ٹکرائی اور وہ ایک کراہ کے ساتھ گھاس پر لڑھک گیا۔ اس وقت درختوں سے تین سائے نکل کر طویل القامت ارغون پر جھپٹے۔ شیزی نے یہ سب کچھ دیکھا اور اس کے حلق سے بے اختیار ایک چیخ بلند ہوئی لیکن یہ چیخ اختتام تک پہنچتے پہنچتے ایک کراہ میں ڈھل گئی۔ شیزی کی گردن پر کسی نے تلوار کا قبضہ اس زور سے مارا تھا کہ وہ مردہ چھپکلی کی طرح پٹاک سے پتھر پر جا گری تھی۔

..... دوبارہ یورق کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک تنگ کوٹھڑی میں پایا۔ وہ یخ بستہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ تماشہ گر ارغون بھی اس کے قریب ہی لیٹا تھا سورج کی کرنیں ایک تنگ روزن کے راستے کمرے میں مدھم سا اجالا بکھیر رہی تھیں۔ یورق نے دیکھا کہ ارغون کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا ہے۔ لگتا تھا اس کی کافی پٹائی کی گئی ہے۔ مشکل میں ہونے کے باوجود یورق کو اس صورت حال کا لطف آیا۔ اسے دلی مسرت ہو رہی تھی کہ وہ اکیلا نہیں پھنسا اس کے ساتھ ارغون بھی ہے۔ کمبخت نے دھپ مار مار کر اس کے کندھے ہلا ڈالے تھے۔ وہ اسے بدلہ لئے بغیر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ خود یورق کا سر بھی زخمی تھا۔ شیزی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا یا تو وہ موقع سے بھاگ گئی تھی یا پھر اس کے عورت ہونے کا راز کھل گیا تھا۔ سب سے پہلا سوال یورق کے ذہن میں یہی آیا کہ آخر وہ کن لوگوں کی قید میں ہے۔ اگر وہ منگول تھے تو انہوں نے ارغون کو کس جرم میں قید کیا تھا اور پھر یہ نیم پختہ کوٹھڑی بھی منگول پڑاؤ کا حصہ نہیں تھی۔ دفعتاً کوٹھڑی کے دروازے پر کھٹ پٹ کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا اور دو لحیم شحیم روسی دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر یورق اور ارغون کی پسلیوں میں ایک ایک ٹھوکر ماری۔ یورق تو فوراً اٹھ بیٹھا مگر ارغون کو تین چار ٹھوکروں کے بعد ہوش آئی۔ روسی سپاہیوں نے اسے بے دردی کے ساتھ بالوں سے پکڑا اور گھسیٹ کر کھڑا کر دیا .....

یورق پہلے ہی کھڑا ہو چکا تھا۔ وہ انہیں عریاں تلواروں کی نوک پر دھکیلتے باہر لے آئے۔ یہ ایک قدیم گرجے کا بہت بڑا صحن تھا۔ چاروں طرف خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف لکڑی کی بلند کرسی پر ایک ادھیڑ عمر باریش شخص براجمان تھا۔ اس کے ساتھ ایک کرسی اس سے بھی بلند اور مزین تھی۔ اس پر شاہانہ لباس میں ایک سات آٹھ سال کا بچہ بیٹھا تھا۔ مسلح روسی اس کے چاروں طرف زمین پر حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ پہریدار یورق اور ارغون کو دھکیلتے ہوئے بچے کے سامنے لے گئے۔

"رئیس قیدی حاضر ہیں۔" ایک شخص نے سر جھکا کر کہا۔

اس وقت یورق کی نظر شیزی پر پڑی۔ وہ کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ خوبصورت زنانہ لباس پہنے "ننھے رئیس" کے عقب میں کھڑی تھی۔ اب یورق کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ قصبے کے روسی سپاہیوں کی قید میں ہیں۔ یقیناً رات انہوں نے نہایت جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے منگول پڑاؤ پر شبخون مارا تھا اور انہیں گرفتار کر کے لے آئے تھے۔

کرسی پر براجمان جس بچے کو "رئیس" کہا گیا تھا اس کا نام ویرلی تھا۔ اس نے بڑے پُراعتماد لہجے میں اپنے ساتھ بیٹھے باریش بزرگ سے کہا۔ "نائب رئیس! آپ ان قیدیوں سے سوالات پوچھئے۔"

نائب رئیس نے یورق اور ارغون کا حسب نسب پوچھا۔ پھر منگول لشکر کے ارادوں اور حکمت عملی کو جاننے کے لیے مختلف سوالات کئے۔ یورق اور ارغون نے جو جواب دیئے نائب رئیس ان سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس کے حکم پر ان دونوں کو آہنی شکنجوں میں کس دیا گیا۔ شیزی یہ مناظر دیکھ دیکھ کر مسلسل آنسو بہا رہی تھیں پھر جب کوڑا بردار نے یورق کے عریاں جسم پر کوڑا رسید کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو شیزی پہریداروں کا گھیرا توڑ کر بھاگتی ہوئی آئی اور بے اختیار یورق پر گر گئی۔ چونکہ اس دوران چرمی کوڑا حرکت میں آ چکا تھا۔ اس لیے اس کی بھرپور ضرب شیزی کی پشت پر پڑی۔ اس نے ایک سسکاری لی مگر یورق سے جدا نہیں ہوئی۔ نائب رئیس زور سے چیخا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟ کیا یہ عورت پاگل ہو گئی ہے۔ جو ایک نجس منگول کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

دراز بالوں والا ایک روسی کمانڈر آگے بڑھا اور احترام سے بولا۔ "محترم نائب! یہ لڑکی بھی شب ان کے ساتھ ہی گرفتار ہوئی تھی۔ ہم نے اسے منگول سمجھا تھا۔ یہ مردوں کے لباس میں تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نہ صرف روسی ہے بلکہ عورت ہے۔ اب یہ اس بات پر مصر ہے کی یہ ادھیڑ عمر منگول اس کا ساتھی اور ہمارا خیر خواہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جھوٹ ہے یہ۔" نائب رئیس دھاڑا۔ "منگول صرف اپنے خاقان کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اگر وہ وقتی طور پر کسی سے ہمدردی کرتا بھی ہے تو یہ خیر خواہی نہیں عیاری ہوتی ہے۔"

شیزی کھڑی ہو گئی اور آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ "رئیس! میں اس زمین کی بیٹی ہوں' ایک غیر قوم کے شخص کے لیے جھوٹ کیوں بولوں گی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہی حقیقت ہے۔ اس شخص نے اپنے ساتھیوں سمیت ہماری خاطر بے انتہا دکھ جھیلے ہیں۔"

نائب رئیس نے کڑک کر کہا۔ "دیکھو لڑکی! ہمارے دل میں تمہارے لیے رحم اور محبت ہے' تم نے ان وحشیوں کی قید کاٹی ہے اور آلام اٹھائے ہیں' لیکن ہماری محبت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ جیسے آگ کھٹمک نہیں بخش سکتی۔ ایسے منگول بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔"

شیزی بولی۔ "رئیس ..... لیکن اس شخص کی آگ بجھ چکی ہے۔ میرا یہ ساتھی مسلمان ہو چکا ہے۔ اب یہ ہماری طرح اہل کتاب ہے۔ اب یہ منگول نہیں۔"

نائب رئیس شیزی کو لت کی بحث سے بیزار نظر آتا تھا۔ اس نے کماندار کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا اور شیزی کو سمجھاتا بجھاتا پیچھے لے گیا۔ شیزی جانتی تھی کہ جونہی وہ موقعے سے ہٹ گئی اس کے ہم وطن سپاہی یورق پر ظلم و ستم کی انتہا کر دیں گے اور ممکن ہے آج کا سورج یورق کی زندگی کا آخری سورج ثابت ہو۔ لہٰذا وہ اڑ گئی۔ اس نے کماندار کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے خود کو چھڑایا اور رئیس کی نشست کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ پھر اس کے چھوٹے چھوٹے پیروں کو اپنے چہرے سے لگا کر لگاتار آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

"رئیس! کیا ایک لٹی پٹی بے خانماں عورت کی اشک شوئی آپ اس طرح کریں گے کہ اس کے محسن کو اذیت ناک موت مار دیں۔ کیا میرے شوہر' میرے جگر کے ٹکڑوں اور میرے بہن بھائیوں کے خون کی اتنی قیمت بھی نہیں کہ میں ایک مخلص دوست کی جان بخشی کرا سکوں ..... جواب دیں رئیس۔"

وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فرط رنج سے اس ہچکی بندھ گئی۔ رئیس کے چہرے پر الجھن تھی۔ وہ کچھ دیر معصوم انداز میں سوچتا رہا پھر نائب رئیس سے بولا۔

"ان دونوں کو فی الحال بند کر دیجئے۔ ہم ان کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔"

☆======☆======☆

نوگرود سے چار منزل جنوب کی طرف انہوں نے ایک گھاٹی میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔

اباقہ کا زرتار خیمہ پڑاؤ میں نمایاں نظر آتا تھا۔ رات کا وقت تھا خیمے میں موی شمعوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بے تکلف محفل جمی تھی۔ اباقہ' اسد' نتاشا اور علی کے علاوہ ان کے ساتھی دستے کے دو سردار بھی خیمے میں موجود تھے' کافی دیر باتوں میں مصروف رہنے کے بعد ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ آخر میں اسد اور علی بھی اٹھ کر اپنے خیمے کی طرف روانہ ہو گئے۔ علی نے اسد کے پاس سونا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کی ولولہ انگیز کہانیاں سنایا کرتا تھا۔

خیمے کے نیم گرم اور خواب ناک ماحول میں اب اباقہ اور نتاشا تنہا تھے۔ نتاشا اٹھ کر خیمے کے عقبی حصے میں گئی اور شب باشی کا مہین لباس پہنے واپس آ گئی۔

اس کے دراز گیسو شانوں پر جھول رہے تھے۔ آنکھ کٹوروں میں عجیب سا نشہ جھلک رہا تھا۔ اباقہ نے محسوس کیا کہ اس کی اداؤں میں ایک معصوم سی مستی عود کر آئی ہے۔ وہ اباقہ سے کچھ فاصلے پر تو بہ شکن انداز میں لیٹ گئی۔

"اباقہ!" اس کی مخمور آواز اباقہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ اباقہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ نتاشا نے کہا۔ "اباقہ! ہم نے سنا ہے بغداد بڑا حسین شہر ہے دریائے دجلہ اس کے بیچوں بیچ بہتا ہے؟"

اباقہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نتاشا خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "ہمارا دل چاہتا ہے جب اس مہم سے فارغ ہو کر ہم بغداد پہنچیں تو دجلہ کے کنارے ہمارا خوبصورت سا گھر ہو' جس کی بالکونی میں بیٹھ کر ہم دونوں پہروں دریا کی لہروں کو دیکھا کریں۔ ہمیں بہتے پانیوں سے بڑا انس ہے۔"

اباقہ بولا۔ "اگر ہم عافیت سے بغداد پہنچے تو میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

نتاشا خاموشی سے اباقہ کی آنکھوں میں دیکھتی رہی جیسے سوتے سوتے اس کا چہرہ نگاہوں میں بسا لینا چاہتی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں مندھ گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اباقہ بھی نیند کی آغوش میں چلا گیا ..... نہ جانے اباقہ کتنی دیر سویا رہا۔ دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا رہا تھا۔ اباقہ نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا یہ نتاشا تھی۔ شمعدان کی اکلوتی شمع خیمے کی تاریکی دور کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ نتاشا نے نہایت خوفزدہ انداز میں ایک جانب اشارہ کیا۔ اباقہ نے اس طرف دیکھا تو اس کے اعصاب تن گئے اور ذہن ایک ہی جست میں نیند کی قید سے آزاد ہو گیا۔ منظر واقعی ہوشربا تھا۔ ایک خنجر کا پھل سوری خیمے کے اندر نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص باہر سے نہایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آہستگی اور احتیاط کے ساتھ خیمہ چاک کر رہا تھا۔ اباقہ نے کمربند سے اپنا خنجر نکالا اور بہ آہستگی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھنے سے معمولی سی آہٹ ہوئی اور خنجر اچانک اوجھل ہو گیا۔ اباقہ تیر کی طرح لپک کر اس جگہ پہنچا جہاں خنجر کا پھل نظر آیا تھا۔ اس نے خیمے کے چاک میں ہاتھ ڈالا اور ایک ہی جھٹکے میں اسے پھاڑ دیا۔

تاریکی میں اسے ایک ہیولا درختوں کی طرف بھاگتا دکھائی دیا۔ وہ چھلانگ لگا کر باہر نکلا اور اس کے عقب میں لپکا۔ جب تک وہ درختوں میں پہنچتا ہیولا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے دفعتاً اسے اپنے سامنے دو سائے اوپر نیچے پڑے نظر آئے۔ اباقہ نے دیکھا وہ فوجی دستے کے دو پہریدار تھے۔ ایک ہلاک ہو چکا تھا اور دوسرا شدید زخمی تھا۔ اباقہ نے جھک کر زخمی کو زمین سے اٹھایا۔ اس دوران ارد گرد کے کئی خیموں میں روشنی ہونے لگی تھی۔ اسد اور نتاشا بھاگتے ہوئے اس کی جانب آرہے تھے۔ ان کے عقب میں وہ پہریدار بھی تھا جو آنکھوں پر چوکسی سے اباقہ کے خیمے پر پہرا دیتا رہتا تھا۔ اباقہ اور اسد نے دو سپاہیوں کی مدد سے زخمی اور مردہ سپاہی کو ایک خیمے میں پہنچایا۔ ایک طبیب نے زخمی کی مرہم پٹی شروع کر دی۔ اس کی گردن پر خنجر کا گہرا زخم آیا تھا مگر خوش قسمتی سے شہ رگ کٹنے سے بچ گئی تھی۔

صبح تک زخمی کی حالت سنبھل گئی۔ اس نے حملہ آور کا جو حلیہ بتایا اس سے اباقہ اور اسد کے ذہن میں فوراً یگوڈا کی شبیہہ گھومنے لگی اور اس کے ساتھ ہی ڈیوک کا مکار چہرا ان کے تصور میں آگیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کینہ پرور شخص کسی طرح اپنی دشمنی بھولنے پر تیار نہیں اور ان کی گھات میں ہے۔ نتاشا نے ڈیوک کا نام سنا تو اس کی آنکھوں میں لہراتی تشویش مزید گہری ہو گئی۔ وہ دونوں اس وقت اپنے خیمے میں تھے۔ نتاشا نے اباقہ کا بازو تھام لیا اور تشویشناک لہجے میں بولی۔

"اباقہ! آپ بہت ہوشیار رہیں۔ ڈیوک اچھا شخص نہیں۔ اس کا دست راست یگوڈا جیسا بھیانک شخص ہے۔ یگوڈا کی سفاکی اور ڈیوک کی عیاری مل کر کوئی بھی برے سے برا کام انجام دے سکتی ہیں۔"

اباقہ نے اپنے مخصوص لہجے میں نتاشا کو تسلی دی۔ اس کے پُراعتماد لہجے اور جادو اثر باتوں نے جلد ہی نتاشا کے چہرے کو تفکرات سے صاف کر دیا۔ وہ شبنم سے دھلے ہوئے پھول کی طرح دکھائی دینے لگی۔

یہ ان کے سفر کا آٹھواں روز تھا۔ انہوں نے سبزے اور پھولوں سے لدی ہوئی ایک نہایت خوبصورت وادی میں پڑاؤ ڈالا۔ اباقہ کا خیمہ ایک اونچی اور ہموار چٹان پر لگا دیا گیا۔

اس چٹان کے ساتھ ہی ایک چوڑے پاٹ کی ندی بہتی تھی۔ کنارے پر گھنے سایہ دار درخت تھے۔ گھاس وافر تھی۔ گھوڑوں اور مسافروں کی تھکن اتارنے کے لیے جگہ نہایت مناسب تھی۔ اباقہ اور اسد نے فیصلہ کیا کہ وہ کم از کم دو روز یہاں قیام کریں۔ اس دوران برساتی ندی کی طغیانی بھی کم ہو جائے گی اور وہ آسانی سے اس پار اتر سکیں گے۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ فوجی دستے کے سواروں نے اپنے گھوڑوں کو سرسبز گھاس پر منہ مارنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ خود وہ پانچ پانچ دس دس کی ٹولیوں میں سیر و شکار کے لیے نکل گئے۔ اباقہ نے دیکھا علی اور نتاشا ندی کے کنارے سے جنگلی پھول توڑنے میں مصروف ہیں۔ جلدی انہوں نے بہت سے پھول اکٹھے کر لیے۔ پھر وہ دونوں وہیں گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے اور ہار پرونے لگے وہ دونوں روسی دوشیزائیں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئیں جنہیں اباقہ نے منگولوں کی قید سے چھڑایا تھا۔ موسم خوشگوار دیکھ کر اسد کا دل تیراکی کو چاہ رہا تھا۔ اس نے اباقہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بھی تیار ہو گیا۔ تھکن اتارنے کو یہ اچھا مشغلہ تھا۔ دونوں نے اپنی صدریاں اتار کر پانی میں چھلانگیں لگا دیں۔ پانی کے رخ پر بہتے بہتے جب وہ علی اور نتاشا کے قریب سے گزرے تو اسد نے علی پر پانی کے چھینٹے پھینکے وہ چلاتا ہوا بھاگ گیا۔ اباقہ نے یونہی علی کو ستانے کے لیے روسی سپاہی کو حکم دیا کہ علی کے کپڑے اتار کر اسے پانی میں پھینک دیا جائے۔ سپاہی مسکراتے ہوئے علی کی طرف بڑھے تو وہ کیکڑے کی طرح چھلانگیں لگاتا درختوں کی طرف بھاگ گیا ..... اور دور تک انہیں مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔

دور تک تیرنے کے بعد اسد اور اباقہ سہ پہر کے وقت واپس آئے۔ انہیں سخت بھوک لگ رہی تھی۔ کھانا تیار تھا علی اور نتاشا ان دونوں کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ سپاہیوں نے ندی سے کافی مچھلیاں پکڑی تھیں اور اب دسترخوان پر چھوٹی بڑی ہر طرح کی مچھلیاں نظر آرہی تھیں۔ علی ان مچھلیوں میں سے کوئی خاص مچھلی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے بھی ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اتنے میں نتاشا نے سالن میں سے ایک مچھلی پکڑ کر سب کے سامنے لہرا دی۔ یہ بمشکل پانچ چھ انگل کی مچھلی تھی۔ وہ بولی۔ "یہ مچھلی پکڑی تھی علی نے۔"

علی کا چہرا شرم سے سرخ ہو گیا۔ وہ تکرار کرنے لگا کہ نہیں اس نے دوسری مچھلی پکڑی تھی۔ بدقسمتی سے باقی سب مچھلیاں بڑی تھیں اور ان میں سے کسی پر علی اپنا حق نہیں جتا سکتا تھا۔ اسد نے اس کا دل رکھنے کو کہا۔ "ممکن ہے علی والی مچھلی باورچی نے خود پکا لی ہو۔" علی اس توضیح سے مطمئن ہو کر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ کھانے کے دوران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اباقہ کن انکھیوں سے نتاشا کی طرف دیکھتا رہا..... آج اس نے نہایت خوبصورت اور بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔ کانوں میں چمکیلے بندے تھے۔ صراحی دار گردن میں ایک قیمتی ہار جگمگا رہا تھا۔ یہی ہار اس نے نتاشا کی گردن میں شب عروسی کو دیکھا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو ششدر رہ گیا۔ پورا خیمہ جنگلی پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر طرف خوشبو بکھری تھی۔ سرخ پھولوں کی ان گنت لڑیاں خیمے کی چھت سے آویزاں تھیں۔ سفید پھولوں کے ہار خیمے کی دیواروں سے لٹک رہے تھے۔ آرائش کا سلیقہ ظاہر کرتا تھا کہ یہ سب کچھ دلادی میر کی شہزادی نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ اباقہ نے گھوم کر دیکھا تو وہ اس کے عقب میں کھڑی تھی۔ اس کے احمریں لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ اور غلافی آنکھوں میں ایک مسکراتا ہوا پیغام تھا۔ وہ مصور کی تصویر اور سنگتراش کے مجسمے کی طرح خاموش اور بے حرکت کھڑی تھی۔ وہ چپ تھی مگر اس کے جسم کا ہر حصہ مدعا بیان کر رہا تھا۔ خاموش فضا میں ان کہے لفظوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ "ہم آپ سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارے دل و دماغ پر آپ ہی کا نام لکھا ہے۔ ہماری روح آپ کی خوشبو میں بسی ہوئی ہے۔" اباقہ مبہوت اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے کوشش کی مگر ہونٹوں کو بولنے کا یارا نہ ہوا۔ وہ گنگناتے جھرنوں اور چٹکتی کلیوں کی سحر انگیز آواز میں بولی۔ "ہمیں پھول بہت اچھے لگتے ہیں اور بہتا ہوا پانی بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں یہاں موجود تھیں۔ ہم آج بہت خوش ہیں۔"

اباقہ نے ایک گہری سانس لی اور خیمے کے روزن سے باہر دیکھنے لگا۔ جہاں مغرب کی طرف جھکا سورج ندی کے شفاف پانی پر ستارے سے بکھیر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے گھوڑے کی زین کی طرف بڑھ گیا۔ نتاشا نے پوچھا۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں۔"

اباقہ نرمی سے بولا۔ "ہاں تھوڑی دور تک ندی کے کنارے کنارے جانا چاہتا ہوں کہیں کوئی منگول ٹولی اطراف میں موجود نہ ہو۔"

نتاشا نے آہستگی کے ساتھ خود کو بستر پر گرایا اور اس سے نگاہیں ملائے بغیر بولی۔ "کب تک واپس آجائیں گے۔" سوال کرنے کا انداز دلنشیں اور دلنواز تھا۔

اباقہ نے کہا۔ "چراغ جلتے ہی آجاؤں گا۔"

نتاشا سے رخصت ہو کر اباقہ اپنے گھوڑے تک آیا۔ اس پر زین ڈالی اور سوار ہو کر اکیلا ہی ندی کے کنارے کنارے نیچے کی طرف نکل گیا۔ کوس ڈیڑھ کوس دور آکر اس نے گھوڑا ایک درخت سے باندھا اور کنارے کے ایک پتھر پر خاموش بیٹھ گیا۔ اس کی سفید

آنکھیں گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ چہرے پر سنجیدگی ٹوٹ کر برس رہی تھی۔ کمان اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس کے چلے پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ماریا کا غمزدہ چہرا تھا۔ وہ رخساروں پر اشک چمکائے اس سے پوچھ رہی تھی۔ "اباقہ! تمہاری بانہیں کیا ہوئیں؟ کیا اس جاں گسل انتظار کا یہی صلہ تھا۔" اس وقت نتاشا کی شبیہہ اس کے تصور میں نمایاں ہوئی وہ آنکھوں میں سہانے سپنے سجائے۔ اپنی بے تاب دھڑکنیں سینے میں سمیٹے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ خیمے کے روزن سے وہ اپنے شوہر کی راہ دیکھ رہی تھی۔ وہ شوہر جس کی محبت کے لیے وہ سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھی۔ جو اس کی کل کائنات تھا جسے وہ اپنی زندگی سمجھتی تھی۔

"میں کیا کروں..... میں کیا کروں۔" اباقہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بڑبڑا رہا تھا۔ سورج دور مغرب کی پہاڑیوں کے پیچھے اوجھل ہو رہا تھا۔ فضا میں آہستہ آہستہ روشنی کم ہو رہی تھی۔ اس کے دل سے آواز آئی۔ "اباقہ! تمہیں کوئی درمیانی راہ اختیار کرنا ہو گی۔ نہ تم نتاشا کو چھوڑ سکتے ہو اور نہ ماریا کے اعتبار کا خون کر سکتے ہو۔ وہ تمہاری پہلی اور آخری محبت ہے۔ تم اس کی وفاؤں سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نتاشا کے پاس جاؤ اور اسے نرمی و محبت سے ماریا کے بارے سب کچھ بتا دو۔ اسے بتا دو کہ میں تمہارا شوہر ہی نہیں ایک باوفا اور صابر عورت کی آنکھوں کا انتظار بھی ہوں۔ میں تمہاری آغوش میں محبت کے پھول ڈال کر اس کے دل میں کانٹے نہیں بو سکتا۔ اس کا حق مجھ پر تم سے زیادہ ہے۔ تم دونوں کو اس کی عدالت میں پیش ہونا ہو گا۔ پھر جو فیصلہ وہ کرے گی وہ ماننا ہو گا۔"

دل کے اندر ہی سے ایک صدا نتاشا کے حق میں ابھری۔ "اباقہ..... یہ تم کس ظلم کا ارادہ کر رہے ہو۔ نتاشا کے ساتھ یہ سلوک کرنے سے بہتر ہے کہ تم اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔ وہ تمہاری محبت میں دیوانی ہے۔ تمہیں اپنی حیات کا حاصل سمجھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہو گا کہ تم اس کے نہیں کسی اور کے ہو تو سوچو اس کے ارمانوں بھرے دل میں کیا بیتے گی۔ وہ یہ عظیم صدمہ کیونکر برداشت کر پائے گی۔ وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ جاؤ..... اس سے پہلے کہ اس کے معصوم خواب بکھرنے لگیں۔ اسے اس کا حق دے دو۔"

اباقہ کا سر کسی بھٹی کی طرح دہک رہا تھا۔ اس نے گھٹنوں کے بل جھک کر سر کو ندی کے خنک پانی میں بھگویا اور بے قراری سے ٹہلنے لگا۔ ماریا کی شبیہہ تاریکی کے بطن سے ابھر کر اس کے سامنے آگئی۔ وہ زیتون کے پیڑ کے نیچے افسردہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آنسو تھے۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو تم نے میری محبت کی لاش پر اپنی خوشیوں کا محل تعمیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ اور یہ نئی زندگی تمہیں مبارک ہو۔ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔ میں ایک کمزور عورت ہوں اور تمہیں مجھ سے کوئی بھی چھین سکتا ہے۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ میری دعائیں تمہارے اور تمہاری نئی شریک سفر کے ساتھ ہیں" ..... مارینا کی شبیہہ واپس مڑی اور افسردگی سے چلتی تاریکی میں گم ہونے لگی۔ "مارینا ..... مارینا" اباقہ بے اختیار پکار اٹھا۔ اس کی آواز ندی کے تاریک پانی پر دور تک پھسلتی چلتی گئی۔ وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ "نہیں ..... ہرگز نہیں۔ میں مارینا کے دل میں بے وفائی کا یہ خنجر نہیں اتار سکتا۔ مجھے یہ سب کچھ نتاشا کو بتانا ہی ہو گا۔ اسے اس تلخ حقیقت کا زہریلا گھونٹ پینا ہی پڑے گا۔ اس کے خواب بکھرتے ہیں تو بکھریں' اس کے محل مسمار ہوتے ہیں تو ہو جائیں' میں ایک بچے گھروندے میں جلتا ہوا آس کا دیا نہیں بجھا سکتا۔"

وہ مستحکم قدموں سے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اسے درخت سے کھولا اور اس پر بیٹھ کر پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ بڑے بڑے معرکوں میں لڑا تھا مگر یوں اس کے دل کے رخش پر بے قراری کبھی سوار نہ ہوئی تھی۔ اس کا دم فیصلے کے بوجھ سے گھٹا جا رہا تھا' مگر فیصلہ وہ کر چکا تھا۔ وہ گھوڑے کو سست روی سے بڑھاتا رہا۔ شاید گھوڑا تھکا ہوا تھا یا وہ خود ہی اسے تیز چلانا نہیں چاہتا تھا۔ فیصلے کی طاقت اسے عقب سے دھکیل رہی تھی اور فیصلے کا انجام اسے سامنے سے روک رہا تھا۔ خنک ہوا میں ندی کے کنارے کنارے وہ آگے بڑھتا رہا۔ آخر اسے پڑاؤ اور پڑاؤ کے ساتھ بلندی پر اپنا خیمہ نظر آنے لگا۔ خیمے میں روشنی ہو رہی تھی۔ ندی کے رخ پر روزن کھلا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا اس روزن کی طرف آج کی رات نتاشا کے دل کے دروازے بھی اس کے لیے کھلے ہیں۔ مگر وہ ان دروازوں کو نہایت سختی سے بند کرنے جا رہا تھا۔

وہ گھوڑے کو گھما کر چٹان تک لایا۔ پھر اسے دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر اور نگران کو اس کے سامنے چارہ وغیرہ ڈالنے کی ہدایت کر کے وہ اپنے خیمے کی طرف بڑھا۔ خیمے کے دروازے پر معمور دونوں پہریدار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے تھے یا نتاشا نے انہیں ہٹا دیا تھا۔ اباقہ چٹان پر چڑھ کر دروازے کے سامنے پہنچا۔ پھر پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوا اور یکلخت جیسے زمین نے اس کے قدم تھام لیے۔ وہ پھٹی ہوئی ناقابل یقین نگاہوں سے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسم میں جیسے خون کا ایک قطرہ

لک نہیں رہا تھا اور تمام حسیات پتھر ہو گئی تھیں۔ اس کے سامنے قالین پر نتاشا خون میں ت پت پڑی تھی اس کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر جما ہوا تھا ..... وہ دیر ہوئی مر چکی تھی۔ س کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ایک ملکوتی حسن منجمد ہو گیا تھا۔

..... ہاں وہ مر چکی تھی۔ سینے میں پیوست خنجر اس کی جان لے چکا تھا۔ اس کا خون قالین میں جذب ہو کر ایک ناقابل فہم تحریر لکھ گیا تھا۔ اباقہ کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی وہ سکتے کی کیفیت سے نکلا اور تڑپ کر نتاشا کے سرہانے جا بیٹھا۔ "نتاشا!" اس نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی اسے آواز دی۔ "نتاشا!" وہ پورے زور سے چیخا' لیکن اس کی آواز پر سرتاپا "جواب" بن جانے والی نتاشا آج خاموش تھی۔ اس کے نازک ہونٹ بے جنبش تھے۔ اباقہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وقت کے مانے ہوئے جنگجو کے نایاب آنسو نتاشا کا خون آلود چہرا دھونے لگے۔ اس کی اشک بار آنکھیں نتاشا کے سینے پر جمی تھیں' جہاں سنہری دستے والا ایک وزنی خنجر پوری بے رحمی کے ساتھ پیوست تھا۔ اباقہ اس خنجر کو پہچانتا تھا۔ یہ خنجر ایک دفعہ اسے بھی گھائل کر چکا تھا۔ وہ اس خنجر کو ایک سے زائد بار دیکھ چکا تھا۔ یہ لیگوڈا کا خنجر تھا اور لیگوڈا یہ خنجر نتاشا کے سینے میں چھوڑ کر اسے ایک خوفناک دعوت دے گیا تھا۔ "لیگوڈا" اباقہ کے ہونٹوں سے ایک مہلک سرگوشی' پیام اجل کی طرح نکلی۔ اس سرگوشی کو ان لوگوں نے بھی سنا جو اس کی چنگھاڑ سن کر خیمے میں داخل ہوئے تھے اور اب دہشت زدہ نگاہوں سے نتاشا کی لاش دیکھ رہے تھے۔ ان میں اسد بھی شامل تھا۔ اباقہ کی سرگوشی نے اسے سمجھا دیا کہ جس شخص کا نام لیگوڈا ہے وہ اس دنیا میں نہیں رہے گا اور اگر وہ رہے گا تو اباقہ نہیں رہے گا۔ اس وقت علی بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے نتاشا کی لاش دیکھی تو ایک چیخ ماری پھر بھاگ کر اسے لپٹ گیا اور بلک بلک کر رونے لگا۔ اس کی "آپا" ہمیشہ مسکرانے اور کبھی برا نہ منانے والی آپا اس دنیا سے جا چکی تھی۔ وہ تو اس کا محافظ تھا۔ ہر وقت تیر کمان لیے اس کے سر پر سوار رہتا تھا ..... لیکن آج ..... آج جب وہ اس تنہا خیمے میں موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہی تھی وہ اس کے پاس کیوں نہیں تھا۔ وہ نتاشا کے سینے سے چمٹا رہا اور روتا رہا۔ اس کا رونا خیمے میں موجود ہر فرد کو رلاتا چلا گیا۔ اگر نہیں رویا تو اباقہ نہیں رویا۔ اس کی آنکھیں اب کسی صحرا کی طرح خشک تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔ ایک دہشت کروٹ لے رہی تھی۔ آنکھوں کے ریگ زار سے ایک سرخ آندھی اٹھ رہی تھی۔ اس نے خیمے کے روزن سے باہر دیکھا ..... جہاں جنگلی پھول اور بہتا ہوا پانی تاریکی کی چادر میں لپٹا تھا اور اس تاریکی میں وہ قاتل بھی لپٹا ہوا تھا جس نے پھولوں اور بہتے پانی سے پیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے والی کی جان لی تھی۔ وہ تیزی سے مڑا بغیر کسی کو دیکھے باہر نکلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر اس نے میان سے تلوار نکالی اور آہنی میان کو توڑ پھوڑ کر تاریکی میں پھینک دیا۔ پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا کی طرح تیرگی میں گم ہو گیا۔

☆-------☆-------☆

اسد اس وقت علی کے ساتھ خیمے میں لیٹا ہوا تھا۔ جب پریشان کن آوازیں سنائی دیں۔ وہ خیمے سے نکلا اور بھاگتا ہوا اباقہ کے خیمے میں پہنچا۔ پھر وہاں اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کا سینہ شق کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ سنگی مجسمے کی مانند ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔ اس کے سامنے قالین پر تناشا کی لاش پڑی تھی اور اباقہ اس کا سر گود میں لیے زار و قطار رو رہا تھا .... پھر اسد نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اباقہ کو اٹھتے، گھومتے اور غضب کے عالم میں باہر نکلتے دیکھا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے اپنا نیام پھینک دیا تھا اور کسی شعلے کی طرح تاریکی میں لپک گیا تھا۔

اسد نے دیکھا علی اب تناشا کی لاش سے جدا ہو کر اس کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا تھا اور چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ اسد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور گود میں اٹھا لیا۔ پھر اسے دلاسہ دیتے ہوئے گلوگیر آواز میں بولا۔ "علی! تم تو ایک بہادر مرد ہو اور مرد رویا نہیں کرتے اور پھر تمہاری آپا مری تو نہیں۔ وہ شہید ہوئی ہے اور شہید زندہ ہوتے ہیں۔"

علی ہچکیاں لیتے ہوئے اسد کی باتیں سن رہا تھا۔

معصومیت سے بولا۔ "مگر بھائی جان! آپ کیوں رو رہے ہیں۔"

اسد نے چونک کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ وہ منہ پھیر کر آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تناشا کی لاش پر ایک بڑی سی چادر ڈال دی گئی تھی چادر ڈالنے سے پہلے اس کے سینے سے خنجر نکال لیا گیا تھا اور مٹھی کھول کر تلوار بھی چھڑا لی گئی تھی۔ یہ دونوں چیزیں اب اسد کے سامنے قالین پر پڑی تھیں۔ وہ بھی سنہری دستے والے اس خنجر کو اچھی طرح پہچان چکا تھا اور یہ بھی جان چکا تھا کہ اباقہ کس کی تلاش میں نکلا ہے۔

اتنے میں فوجی دستے کے کماندار نے ان دونوں پہریداروں کو اسد کے سامنے حاضر کر دیا جو اس قتل کے وقت خیمے کی حفاظت پر معمور تھے۔ دونوں رنجیدہ اور ہراساں نظر آتے تھے۔ اسد نے ان سے پوچھا کہ وہ حملے کے وقت کہاں تھے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

"سالار! شام کے بعد ہمیں شہزادی صاحبہ نے ہماری ذمے داری سے فارغ کر دیا تھا۔

انھوں نے فرمایا تھا' آج رات .... تم چاہو تو اپنے خیموں میں گزار سکتے ہو۔ ان کا خیال تھا کہ اس علاقے میں خطرے کی کوئی بات نہیں۔"

اسد نے فوجی دستے میں سے بیس جنگجو سوار چنے اور ان کے ساتھ اباقہ کی اعانت کے لیے تیار ہو گیا۔ تناشا کی میت اور پڑاؤ کی حفاظت کے متعلق ضروری ہدایات دے کر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں کی طرف آ گیا۔ سپاہیوں نے زینیں کس کے گھوڑے تیار کر دیے تھے۔ اسد اور اس کے بیس ساتھی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ایک سپاہی نے اسد سے کہا۔ "سالار! ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی اپنے سردار اباقہ کی طرح اپنے نیام پھینک دیں' اور تلواروں کو اس وقت تک عریاں کر لیں جب تک شہزادی کے قاتلوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا دیتے۔"

سپاہی کی زندھی ہوئی جذباتی آواز نے پورے دستے کو جوش اور ولولے سے بھر دیا۔ انھوں نے اسد کے حکم سے پہلے ہی تلواریں نکال کر نیام تاریکی میں پھینک دیے۔ پھر جب اسد نے بھی اپنا نیام پھینکا تو سب نے مل کر ایک غضبناک جنگی نعرہ بلند کیا اور اسد کی کمان میں آندھی و طوفان کی طرح روانہ ہو گئے۔

چاند بادلوں کی اوٹ میں آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ کبھی اس کی کرنیں جنگل کے نشیب و فراز کو نمایاں کر دیتیں اور کبھی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنسان وسعتوں میں گونج رہی تھیں۔ اسد نے انہیں تین ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور وہ ایک نیم دائرے کی شکل میں آگے بڑھنے لگے۔ تین اطراف چٹیل پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف گھنا جنگل اور یہی ایک سمت تھی جو قاتل یا قاتلوں کو پناہ فراہم کر سکتی تھی۔ آخر رات کے تیسرے پہر اسد کے ایک سلگتا ہوا "الاؤ" ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ کوئلوں اور راکھ کے ایک بڑے ڈھیر کے پاس گھوڑوں کی لید اور کسی جانور کی ہڈیاں موجود تھیں۔ ان نشانیوں سے صاف ظاہر تھا کہ رات کے پہلے حصے میں یہاں پندرہ بیس گھڑ سواروں نے قیام کیا ہے اور کھانا کھایا ہے۔ غالب امکان یہی تھا کہ یہ گگوڑا اور اس کے ساتھی ہوں گے۔ اسد نے جلد ہی ان کی سمت کا اندازہ کر لیا اور برساتی ندی کے ساتھ ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

پورے دو روز وہ بغیر کہیں رکے بھوکے پیاسے قاتلوں کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ آخر تیسرے روز ان کی دیوانہ وار جدوجہد رنگ لائی اور انہوں نے گھنے جنگل میں ایک مقام پر گانے بجانے کی آوازیں سنیں۔ اسد اپنے ایک ساتھی کے ساتھ گھوڑے سے اتر کر احتیاط سے آگے بڑھا۔ کوئی پچاس گز دور گھنے درختوں میں گھری ہوئی ایک ہموار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ انہیں دو خیمے دکھائی دیے۔ یہ شام کا وقت تھا۔ الاؤ پر ایک سالم جانور بھونا جارہا تھا۔ قریبا دو درجن روسی شراب پینے اور رقص کرنے میں مصروف تھے۔ ایک شخص بربط بجا رہا تھا۔ دوسرے دف پر ساتھ دے رہے تھے۔ غلیظ لباسوں اور مکروہ صورتوں والے روسی زمین پر پاؤں تھپ تھپا کر ناچ رہے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں گرانڈیل یگوڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گوشت کا ایک بڑا پارچہ تھا اور وہ بے ڈھنگے انداز میں اس پر دانت آزما رہا تھا۔ اسد کا خون نتاشا کے انتقام میں کھولنے لگا۔ وہ کسی درندے کی طرح اس پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا' مگر اسے اپنے بے پناہ اشتعال کو قابو میں رکھنا تھا۔ ساتھیوں کے ساتھ حکمت عملی تیار کرنے کے لیے وہ واپس مڑا مگر ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے سامنے اباقہ کھڑا تھا۔ وہ درختوں سے کسی آسیب کی طرح برآمد ہوا تھا اور نہایت خاموشی سے ان کے عقب میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں عریاں تلوار تھی اور آنکھیں شعلہ فشاں تھیں۔ وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"اسد! یگوڑا میرا شکار ہے اور میں جانتا ہوں مجھے اس سے کیسے نمٹنا ہے۔ تم اس معاملے میں داخل اندازی نہیں کرو گے۔"

اس کے لہجے نے اسد کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ اباقہ نے کہا۔ "تم صرف تماشا دیکھو گے۔ ہاں اگر چاہو تو اپنے ساتھیوں کو بھی خاموشی سے یہاں بلا سکتے ہو۔" اسد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد اسد اور اس کے ساتھی نہایت خاموشی سے یگوڑا کے پڑاؤ کو گھیر چکے تھے۔ تب اباقہ تلوار سونت کر یگوڑا اور اس کے ساتھیوں کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ سب ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اباقہ نے غرا کر کہا۔

"تم میں سے شہزادی نتاشا کا قاتل کون ہے؟"

یگوڑا اور اس کے ساتھ حیرت کے شدید جھٹکے سے سنبھلے پھر ایک ساتھ ان کے قہقہے بلند ہوئے۔ یگوڑا مستی سے بولا۔ "بہت خوب .... بہت خوب۔ تو تو بیوی کا انتقام لینے یہاں پہنچا ہے۔"

اباقہ پوری وحشت سے بولا۔ "بیوی کا انتقام لینے ہی نہیں پہنچا ہوں ان سب مظلوموں کا حساب بھی چکانا چاہتا ہوں جو داداوی میر کے عقوبت خانے سے باہر تیری سفاکی کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ تیرا یوم حساب ہے یگوڑا۔ میں تجھے کتے کی موت ماروں گا اور تیرے جسم کے ٹکڑے جنگلی جانوروں کے لئے ان درختوں میں چھوڑ جاؤں گا۔ تیرا مکروہ گوشت کھانا ان کے لیے کوئی خوشگوار تجربہ تو نہیں ہو گا مگر کوئی نہ کوئی بھوکا جانور یہ غلاظت کھانے پر تیار ہو ہی جائے گا۔"

یگوڑا سناٹے کے عالم میں یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ یہ توہین اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھی۔ وہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا اور اباقہ یہی چاہتا تھا۔ یگوڑا نے اپنی تلوار نکالنے کے لیے نیام کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اباقہ بولا۔ "ٹھہرو! دیکھو میں تمہارے سامنے تنہا ہوں۔ اگر تمہیں خود پر مرد ہونے کا شبہ ہے تو اپنے ان پالتو کتوں کو بتا دو کہ یہ مقابلہ صرف ہم دونوں میں ہو گا۔"

یگوڑا کی وحشت اب انتہا کو چھو رہی تھی۔ اس نے جوش اور غضب سے چلا کر کہا۔ "مشرق سے برآمد ہونے والے بدبخت جانور! مجھے قسم ہے یسوع کی' تجھے ماروں گا نہیں تیری زندگی ہی میں تیری کھال اتاروں گا۔" پھر وہ ایک پُرہیبت چنگھاڑ کے ساتھ اباقہ پر جھپٹا۔ اب اباقہ میں بھی صبر کا یارا نہ رہا تھا' وہ یگوڑا کی توقع سے کہیں زیادہ طاقت کے ساتھ اس سے ٹکرایا۔ تلواریں پوری شدت سے ٹکرائیں اور چند ہی لمحوں میں ٹوٹ گئیں۔ یگوڑا نے لپک کر اپنا وزنی کلہاڑا اٹھا لیا۔ اباقہ نے اچھل کر ایک درخت کی شاخ تھامی اور یگوڑا کے منہ پر دونوں پاؤں کی ایسی بھرپور ضرب ماری کہ وہ کلہاڑے سمیت اچھل کر کئی گز دور جا گرا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اباقہ نے جھپٹ کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے نیزا چھین لیا۔ نیزا اور کلہاڑا دو مختلف اور متضاد ہتھیار تھے مگر وحشت کی فراوانی نے انہیں استعمال کرنے والوں کے ہاتھوں میں موزوں و مناسب بنا دیا تھا۔ ایک موت تھی جو لپک لپک کر کسی ایک کو چاٹ لینا چاہتی تھی۔ صرف ایک ....
صرف ایک غلطی اور غلطی کرنے والے کو مقابلے سے خارج اور وادی اجل سے داخل ہو جانا تھا۔ یہی وقت کا فیصلہ تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ غلطی کس طرف سے ہوتی ہے اور پھر یہ غلطی یگوڑا کی طرف سے ہوئی۔ غضب سے پاگل ہو کر وہ اپنا تحمل کھو بیٹھا۔ اس نے کلہاڑے کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ کلہاڑے کا پھل گہرائی تک ایک درخت کے تنے میں گھس گیا۔ جس وقت یگوڑا کلہاڑا نکالنے کے لئے زور لگا رہا تھا اباقہ کا نیزا بجلی کی طرح چمکا اور قضا کا پیامبر بن کر یگوڑا کی پسلیوں میں اتر گیا۔ دوسروں کی اذیت پر قہقہے برسانے والا اپنی تکلیف پر ذبح ہوتے بکرے کی طرح چیخا۔ اس چیخ کے جواب میں اباقہ کی بھرپور ٹانگ اس کے سینے پر پڑی ادھر کلہاڑے کا دستہ اس کے ہاتھ سے چھوٹا ادھر نیزا اس کی پسلیوں سے نکلا اور وہ ڈکراتا ہوا اپنے ایک ساتھی پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اباقہ پر جھپٹنا چاہا مگر اس وقت اردگرد کے درختوں میں ہلچل ہوئی اور اسد اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان میں آگیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کی کمانوں پر تیر چڑھے ہوئے تھے۔ یگوڑا کے ساتھی ٹھٹک کر رہ گئے۔ اس دوران اباقہ یگوڑا کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تناور درخت کے نیچے لے آیا تھا۔ گیوڈا شدید زخمی ہونے کے باوجود خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ جان چکا تھا اباقہ کیا کرنے والا ہے۔ اس کی چھٹی حس نے اسے اپنے انجام سے باخبر کر دیا تھا۔ اباقہ نے نہایت پھرتی سے ایک گھوڑے کی لگام کاٹی اور اس کا پھندا بنا کر گیوڈا کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر اس نے اس پھندے کا دوسرا سرا درخت کی ایک موٹی شاخ کی طرف پھینکا۔ وہ گیوڈا کو پھانسی دینے جا رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر گیوڈا کے ساتھی بے قابو ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سردار کو بچانے کے لیے اس کی طرف لپکنا چاہا مگر اسد اور اس کے ساتھیوں کے چلائے ہوئے تیروں نے انہیں راستے میں ڈھیر کر دیا۔ کم از کم آٹھ آدمی نشانہ بنے اور باقیوں پر اسد اپنے شاہینوں کے ساتھ بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ گیوڈا کے ساتھی گھڑ سواروں کی غضبناک کاٹ کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور دم دبا کر گھنے درختوں میں راہ فرار اختیار کی۔ اس دوران اباقہ ایک جھٹکے سے گیوڈا کو درخت کی شاخ سے لٹکا چکا تھا۔ سینکڑوں انسانوں کو پھانسی دینے والا آج خود پھانسی پا رہا تھا ..... اس کا جسم تڑپا مچلا۔ درخت کے پتوں نے جیسے اس کے انجام پر خوشی سے تالیاں بجائیں آخر ایک بار زور سے اینٹھ کر نتاشا کا قاتل اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اباقہ اچانک ہی بے دم سا ہو کر زمین پر بیٹھ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر گزرے لمحوں کا ماتم کرنے لگا۔

اسد نے گیوڈا کے زخمی ساتھیوں میں سے ایک کی گردن پر خنجر رکھ کر اسے روانی سے بولنے پر مجبور کر لیا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ شہزادی نتاشا کے قتل کے لئے گیوڈا تنہا ..... گیا تھا۔ وہ ان کے پڑاؤ سے کچھ دور درختوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ایک شخص بلند درخت پر بیٹھا پڑاؤ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جب شام سے کچھ پہلے اباقہ اپنے خیمے سے نکل کر ندی کی طرف سیر کو نکل گیا تو گیوڈا اس نتیجے پر پہنچا کہ شہزادی کو ختم کرنے کے لیے یہ موقع نہایت مناسب ہے۔ اتفاقاً تھوڑی دیر بعد پہریدار بھی خیمے سے ہٹ گئے۔ گیوڈا کے لیے یہ شگون بہت اچھا تھا وہ فوراً پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا۔ گیوڈا نے ساتھیوں کو جو روئیداد سنائی تھی اس کے مطابق شہزادی نتاشا نے گیوڈا کی زبردست مزاحمت کی تھی۔ گیوڈا نے خیمے میں داخل ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر ہاتھ جما کر اسے آواز نکالنے سے روک دیا تھا۔ شہزادی نے دونوں ہاتھوں سے اس کا خنجر والا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اسی کشمکش میں اس نے خیمے کی دیوار سے تلوار بھی اتار لی مگر اس سے پہلے کہ وہ تلوار سے کوئی فائدہ اٹھا پاتی گیوڈا نے خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔ وہ تیورا کر لکڑی کی اس چوکی پر گری، جس پر بیٹھی ہوئی وہ کچھ لکھ رہی تھی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے جان دے دی۔

اسد کے سوالوں کے جواب میں زخمی سپاہی نے بتایا کہ نتاشا کو قتل کرنے کا حکم

گیوڈا کو ڈیوک کی طرف سے ملا تھا اور ڈیوک اس وقت "کوزل سک" کے قصبے میں موجود ہے۔ جہاں منگول لشکر کو اہل قصبہ کی طرف سے زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ڈیوک اور "کوزل سک" کا نام سنتے ہی اباقہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اسد سے کہنے لگا۔ "اسد! لگتا ہے! کوزل سک میں کوئی خونریز معرکہ ہو رہا ہے۔ ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔ ویسے بھی میں اب اس ڈیوک نامی شیطان کو زمین کے سینے میں دفنانے کی زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔"

زخمی روسیوں کو اپنے ساتھ لے کر اور باقیوں کی لاشیں گوشت خور درندوں کے لئے چھوڑ کر وہ اپنے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا۔

پڑاؤ پر ماتمی خاموشی طاری تھی۔ نتاشا کو دو روز پیشتر ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ صنوبر کے گھنے درختوں کے درمیان مٹی کے ایک ڈھیر پر علی خاموش بیٹھا تھا۔ اباقہ اور اسد یہ جان کر افسردہ ہوئے کہ وہ نتاشا کی آخری جھلک دیکھنے سے محروم رہے ہیں اور اب وہ کبھی اس کا روشن چہرا نہ دیکھ سکیں گے۔ علی انہیں دیکھ کر ایک بار پھر سسکنے لگا تھا۔ اباقہ نے اسے بازوؤں میں اٹھا کر دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"علی! تیری ایک آپا چلی گئی، لیکن میں بغداد میں تجھے ایک اور ایسی ہی آپا سے ملواؤں گا۔ وہ بھی تجھے نتاشا ہی کی طرح پیار کرے گی۔ تجھ سے یہ میرا وعدہ ہے۔"

علی نے بھولپن سے پوچھا۔ "بھائی جان کیا اس کا چہرا بھی شہزادی نتاشا جیسا ہی ہو گا۔"

نتاشا کا جلاب چہرا اباقہ کی نگاہوں میں گھوما اور اس کی نظر دھندلا سی گئی۔ وہ علی کو پچکار کر بولا۔ "نہیں علی۔ اس کا چہرا تو مختلف ہے، لیکن اس کا دل تیری شہزادی جیسا ہی ہو گا۔ وہ تجھے بہت چاہے گی۔"

نتاشا کی قبر پر فاتحہ پڑھ کے اور دعا مانگ کر اباقہ اور اسد خیمے میں آ گئے۔ نتاشا کی چاہتوں کے پھول وقت کی دھوپ میں مرجھا چکے تھے۔ کملائی ہوئی پتیاں اور اڑے ہوئے رنگ اس شام کی کہانی سنا رہے تھے۔ جب کسی نے اس خیمے کو حجلۂ عروسی کی طرح سجا دیا تھا۔ اباقہ پچھتا رہا تھا۔ وہ کیوں گیا۔ وہ شہزادی کو تنہا چھوڑ کر کیوں گیا۔ وہ پچھتا سکتا تھا لیکن مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

ایک سردار نے آگے بڑھ کر ایک تہہ شدہ کاغذ اباقہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ بولا۔ "سردار اباقہ! یہ کاغذ شہزادی صاحبہ کے قلمدان کے پاس سے ملا تھا ..... حملے سے پہلے شاید وہ کچھ لکھ رہی تھیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردار کاغذ تھما کر باہر چلا گیا۔ اباقہ نے کاغذ اسد کو دیا۔ وہ اس کی تہیں کھول کر پڑھنے لگا۔

"بلبل نے میرے محبوب کو دیکھا تو وہ اسے گلاب کا پھول لگا۔ وہ اس کے گرد منڈلانے لگی.....

جھرنے نے دیکھا تو اسے پہاڑ نظر آیا' وہ اس کے قدموں میں مچلنے لگا۔

اور میں نے دیکھا تو مجھے شہزادہ نظر آیا جس کے خواب میں نے نگلی نایا کے کنارے بیٹھ کر دیکھے تھے۔ میں نے اسے نظروں سے چوم لیا۔

ہاں میرا محبوب بے مثال ہے' وہ ہر دل میں دھڑکن اور ہر آنکھ میں روشنی بن کر اتر جاتا ہے..... لیکن.....

لیکن وہ میرا ہے صرف میرا۔ اے آوارہ بادلو' اے کلی کلی منڈلانے والے بھنورو' اے دل پھینک پروانو اور اے پہاڑوں کی نادان شہزادیو! وہ میرا ہے صرف میرا۔ اس کے دل اور اس کی روح میں میرا آشیانہ ہے اور میری جان اور میری روح میں اس کا بسیرا ہے۔

اگر تم سب اسے دیکھنا چاہتے ہو تو میری آنکھوں سے دیکھو صرف میری آنکھوں سے۔

یہ نظم سن کر اور نتاشا کے خیالات جان کر اباقہ کا ذہن فوراً سلطان جلال الدین کے اس فرمان کی طرف چلا گیا کہ "ہر کام میں خدا کی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔" اباقہ سوچنے لگا موت سے پہلے قدرت نے نتاشا کو ایک کتنے بڑے دکھ سے بچا لیا تھا۔ کتنا عظیم صدمہ تھا جسے وہ جھل دے کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئی تھی۔ اگر اسے وہ سب کچھ معلوم ہو جاتا جو اباقہ اسے بتانے کا ارادہ رکھتا تھا اور جو بتانے کے لیے وہ اس کی طرف آ بھی رہا تھا۔ تو اس کا کیا حال ہوتا..... وہ اطمینان' سکون اور محبت جو وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی' سب کچھ اباقہ کے چند بولوں سے فنا ہو جاتا۔ وہ زندہ درگور ہو جاتی۔

اباقہ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ دل میں ایک ہی وقت میں غم اور خوشی کیسے جمع ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں نتاشا کی موت کے شدید غم کے ساتھ' نتاشا کی بے خبری کی خوشی شامل ہو گئی تھی۔ وہ ایک نہایت خوبصورت اور دلنواز بے خبری کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔ اپنے دل میں اباقہ کی محبت سمیٹے ہوئے اور اس کی وفاؤں پر نازاں..... اور اب اباقہ کو اس کی وفاؤں کا بھرم رکھتے ہوئے اس کے اصل قاتل ذیوک کو انجام تک پہنچانا تھا۔

☆------☆------☆

شیزی چپ اور افسردہ بیٹھی تھی جب ایک افسر نے آکر اطلاع دی کہ رئیس ویزلی نے اسے طلب کیا ہے۔ شیزی کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ یہ ایک سنہری موقعہ تھا۔ وہ یورپ کے لئے معافی حاصل کر سکتی تھی۔ اس افسر نے شیزی کو ساتھ لیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ گرجے کے مشرقی جانب ایک نکونی عمارت میں آگیا۔ یہ عمارت رئیس کا مسکن تھی۔

چند راہداریوں سے گزر کر شیزی ایک بڑے دروازے کے سامنے پہنچی۔ اس بلند و بالا دروازے پر بیش قیمت پردے جھول رہے تھے۔ اسے ہمراہ لانے والا واپس لوٹ گیا۔ شیزی کچھ دیر سوچتی رہی پھر پردہ اٹھا کر اندر چلی گئی اور ننھا رئیس ایک مسہری پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ خوبصورت کنیزیں اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ وہ کسی کنیز کے چٹکلے پر دل کھول کر ہنس رہا تھا۔ شیزی کو دیکھتے ہی ہنسی رک گئی۔ اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر کنیزوں کو تخلیے کا حکم دیا۔ کنیزیں الٹے پاؤں چلتی کمرے سے رخصت ہو گئیں۔ اب رئیس اور شیزی کمرے میں تنہا تھے۔ رئیس نے کہا۔

"اے عورت! ہمارے قریب آجاؤ۔"

شیزی اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ رئیس نے کہا۔ "ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔"

شیزی کچھ جھجکی ہوئی مسہری کی پائنتی بیٹھ گئی۔ سات آٹھ سالہ رئیس نے ہاتھ بڑھا کر شیزی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر اس کا ہاتھ سہلاتا ہوا بولا۔

"تمہارے ہاتھ بڑے خوبصورت ہیں۔"

شیزی جواب میں صرف شکریہ ہی کہہ سکی ننھے رئیس نے تیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھا جیسے اسے شبہ ہو کہ کہیں سے کوئی اسے دیکھ رہا ہو گا۔ پھر وہ شاہی تمکنت سے اٹھا اور دریچوں کے پردے برابر کرنے لگا۔ اس نے دروازے کو بھی اندر سے بند کر دیا۔ پھر شیزی کے سامنے پہنچ کر اسے عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ شیزی اس کی طرف دیکھ کر نرمی سے مسکرا رہی تھی۔ ننھے رئیس نے بارعب آواز میں کہا۔

"تم جانتی ہو' ہم یہاں کے رئیس ہیں؟"

شیزی بولی۔ "ہاں حضور! ہمیں کیوں معلوم نہ ہو گا"

رئیس نے کہا۔ "جو ہم کہیں گے کرو گی؟"

شیزی خوشدلی سے بولی۔ "کیوں نہیں حضور؟"

اچانک رئیس کی آنکھوں میں پیاری سی معصومیت نظر آنے لگی۔ وہ مصنوعی شان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وشوکت جو اس نے خود پر طاری کر رکھی تھی یکایک ہی نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ وہ بڑے خوبصورت انداز میں جھجکتا ہوا بولا۔ "ہمیں اپنی گود میں اٹھالو۔"

ثیزی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا..... پھر باہیں بڑھا کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ رئیس اس کی گود کی نرمی اور حرارت کو محسوس کرتا ہوا بولا۔ "تمہاری شکل ہماری ماں سے ملتی جلتی ہے اس کے ہاتھ بھی بالکل تمہارے جیسے تھے۔ وہ ایسے ہی ہمیں گود میں اٹھا کر سمندر پار کی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔"

"ثیزی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا میں بھی آپ کو کہانی سناؤں؟"

"ہاں..... نہیں۔" اچانک نتھار رئیس گڑبڑا گیا۔ پھر وہ اس کی گود سے نکلتا ہوا بولا۔ "وہ بوڑھا گونسل ابھی کہیں سے کھانستا ہوا آجائے گا اور تمہاری کہانی ادھوری رہ جائے گی۔"

ثیزی نے پوچھا۔ "کون بوڑھا گونسل۔"

رئیس ناک چڑھا کر بولا۔ "وہی نائب رئیس ہر وقت ہم پر نگاہ رکھتا ہے جیسے ہم چھوٹے سے بچے ہیں۔"

ثیزی کو سمجھ نہیں آرہی تھی' رئیس کی ہاں میں ہاں ملائے یا خاموش رہے۔ نتھا رئیس گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"وہ منگول تمہارا کیا لگتا ہے؟"

ثیزی نے اسے مختصراً یورق کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ شخص ہم سب کے لیے نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ رئیس الجھی ہوئی نظروں سے ثیزی کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ سوچ کر بولا۔

"ہمیں صرف ایک بات بتاؤ۔ اسے چھوڑنے سے کوئی ایسا نقصان تو نہیں ہو گا کہ ہمیں بوڑھے گونسل کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔"

ثیزی نے عاجزی سے کہا۔ "رئیس! آپ مجھ پر اعتماد کر رہے ہیں تو پورا اعتماد کیجیے۔ میں حلفاً کہتی ہوں کہ اس کی جان بخشی منگولوں کی بد بختی ثابت ہو گی۔"

رئیس نے کہا۔ "ہم ایک شرط پر اسے چھوڑ سکتے ہیں۔"

ثیزی نے کہا۔ "حکم کیجیے حضور۔"

رئیس نے کہا۔ "تم وقتاً فوقتاً ہمیں اسی طرح ملتی رہا کرو گی۔"

ثیزی نے کہا۔ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

نتھا رئیس خوش ہوتا ہوا بولا۔ "تو ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں ایسی ترکیب بتاتے ہیں کہ

تم اپنے ساتھی کو میرے سرداروں کے سامنے بے گناہ ثابت کر سکو گی۔" یہ کہتے ہوئے رئیس اٹھا اور ایک الماری سے سونے کی ایک مہر نکال لایا کہنے لگا۔ "رئیس اعظم یوری مرحوم یہ مہر اپنے خاص دوستوں اور ساتھیوں کو دیا کرتا تھا۔ ایسی ہی ایک مہر ہمارے والد صاحب کے پاس بھی تھی۔ یہ مہر ہم آج اس جگہ پھینکوا دیں گے جہاں سے ہمارے آدمی تمہیں اور تمہارے ساتھی کو اٹھا کر لائے تھے۔ تم اپنے ساتھی کو سمجھا دو' جب ہمارے پاس اس کی پیشی ہو تو وہ کہے کہ اس کے پاس رئیس اعظم کی دی ہو ایک مہر تھی جو اس کے لباس میں سے کہیں گر گئی ہے۔"

ثیزی نو عمر رئیس کی بات سمجھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "حضور! میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ کہیں گے۔"

اگلے روز جب گرجے کے وسیع صحن میں مجرموں کی پیشیاں شروع ہوئیں تو جلد ہی یورق کی باری بھی آگئی۔ حسب معمول رئیس اور نائب رئیس اونچی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بیگمات مصاحبین کے ساتھ عقب میں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ ان میں ثیزی بھی موجود تھی۔ وہ یورق کو کال کوٹھڑی میں ملی تھی اور سب کچھ سمجھا چکی تھی۔ یورق نے وہی کہا جو اسے بتایا گیا تھا۔ اس کی بات سنی تو نائب گونسل بگڑ کر بولا۔

"یہ ناپاک منگول جھوٹ بول رہا ہے۔ اپنی گردن بچانے کے لیے کہانی گھڑ رہا ہے۔ لے جاؤ اسے اور ہتھوڑے سے اس کی ہڈیاں توڑ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔"

ننھے رئیس نے سنجیدگی سے کہا۔ "نائب رئیس! ملزم کے بیان کی تصدیق کر لینے میں کیا حرج ہے۔ ممکن ہے یہ جس مہر کا ذکر کر رہا ہے وہ اس جگہ گر گئی ہو جہاں سے اسے گرفتار کر کے گھوڑے پر ڈالا گیا تھا۔"

نائب رئیس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے لیکن اس کے بولنے سے پیشتر ہی ننھے رئیس نے ایک دستہ سالار کو حکم دیا کہ وہ اس مقام پر اور اچھی طرح سے مہر تلاش کرے تاکہ ملزم کے بیان کی صحت جانچی جا سکے۔

رئیس کے اس حکم پر محافظ' یورق کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے گئے نیا مقدمہ پیش کر دیا گیا۔

اس روز سہ پہر کے وقت یورق کو رہا کر دیا گیا۔ جھاڑیوں میں پڑی ہوئی سونے کی وہ مہر مل گئی تھی اور اب یورق کو قید رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ وہ روسیوں کا وفادار ثابت ہو چکا تھا۔ ثیزی اور یورق اس وقت قیمتی لباس پہنے ننھے رئیس اور بوڑھے نائب رئیس کے سامنے موجود تھے۔ یہ رات کے کھانے کا وقت تھا۔ کچھ اور سردار بھی دستر خوان پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود تھے۔ بوڑھا نائب رئیس جو قصبے کے رئیس مرحوم کا ایک دیرینہ ساتھی تھا' بڑی تفصیل اور وضاحت سے رئیس کی بہادری کے قصے سنا رہا تھا۔ درحقیقت وہ بالواسطہ ننھے رئیس کی تربیت کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ یہاں کا رئیس چند ماہ پہلے ایک فوجی دستے کے ساتھ دلادی میر کی دفاعی جنگ میں شرکت کے لیے گیا تھا' لیکن میدان جنگ میں کام آیا۔ اس کی بیوی دو سال پہلے ہی فوت ہو چکی تھی' لہٰذا یہاں کے دستور کے مطابق ان کے نو عمر بچے کو اقتدار سنبھالنا پڑا(اس کم عمر رئیس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتا ہے) ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک خادم نے طعام گاہ میں پہنچ کر ایک نامہ رئیس کے حوالے کیا۔ یہ نامہ ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے پہنچا تھا۔ رئیس نے یہ نامہ نائب رئیس کے حوالے کر دیا۔ نائب رئیس نے ماہرانہ نظروں سے تحریر کا جائزہ لیا اور پھر اسے با آواز بلند پڑھنے کے لیے ایک مشیر کے سپرد کر دیا۔ مشیر نے پڑھنا شروع کیا۔

"محترم رئیس دیزلی' مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا قصبہ منگول وحشیوں کے راستے میں چٹان کی طرح ڈٹا ہوا ہے اور آپ نے کئی دنوں سے ان کی پیش قدمی روک رکھی ہے' آپ کی ہمت قابل صد تحسین ہے۔ میں نوگرود سے جانبازوں کے ایک دستے کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے آرہا ہوں..... ہماری تعداد تھوڑی ہے مگر حوصلے زیادہ ہیں۔ بہت جلد ہم اپنے سر ہتھیلیوں پر لیے آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ میرے دل کی گواہی ہے کہ ہم یہاں منگولوں کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ ان کا لشکر واپسی کا راستہ بھول جائے گا"..... اباقہ۔

اباقہ کا نام سن کر یورق اور شیزی اچھل پڑے' لیکن فی الحال انہوں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ اباقہ کے نام نے نائب اور دوسرے سرداروں پر بھی خاطر خواہ اثر کیا تھا۔ ان کے چہروں پر ربا دبا جوش نظر آنے لگا تھا۔ نائب رئیس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "میں اسے تائید غیبی ہی کہہ سکتا ہوں۔ یہ اباقہ نام کا شخص منگولوں پر دہشت بن کر چھا چکا ہے۔ اگر یہ اس قصبے تک پہنچ گیا تو ہماری "مزاحمت" میں نئی روح پھونکی جائے گی۔"

ننھا رئیس بھی نہایت دلچسپی سے اباقہ کی باتیں سن رہا تھا۔ جلدی اباقہ کی آمد کی اطلاع چیدہ چیدہ افراد میں پھیل گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ نائب رئیس اس خبر کو پوشیدہ رکھنے کا حکم جاری کرتا جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر خاص و عام میں پھیلتی چلی گئی۔ مسلسل جنگ اور رسد کی کمی نے اہل قصبہ کی حالت پتلی کر رکھی تھی۔ بے شک وہ بڑی جرأت سے لڑ رہے تھے مگر آہستہ آہستہ ان کی مزاحمت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ اب یہ اندیشہ پیدا

ہو چلا تھا کہ کسی روز منگول زور دار ہلہ بولیں گے اور انہیں روندتے ہوئے گزر جائیں گے ..... مگر اباقہ کی آمد کا سن کر مرجھائے ہوئے چہروں پر تازہ حوصلوں کی چمک نظر آنے لگی۔ عورتیں' مرد' بچے' بوڑھے سب اس نام کی تکرار کر رہے تھے۔ جنہیں اباقہ کے بارے پہلے سے کچھ معلوم تھا وہ دوسروں کو بتا رہے تھے اور جو یہ نام پہلی دفعہ سن رہے تھے۔ ان کا تجسس اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ایک عورت ایک چوراہے میں کھڑی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "یسوع نے ہماری دعائیں سن لی ہیں۔ اس کی مدد ایسے جری اور بہادر نوجوان کی صورت ہماری طرف آرہی ہے جو دشمنوں کے لیے اجل کا دوسرا نام ہے۔ وہ بلائے آسمانی کی طرح منگولوں پر ٹوٹتا ہے اور برق آسمانی کی طرح انہیں خاکستر کر دیتا ہے۔ اس کی شجاعت اور بے جگری کی داستانیں ماسکو' دلادی میر اور نوگرود کے در و دیوار پر رقم ہیں۔ اگر منگول آگ ہیں تو وہ پانی ہے' اگر وہ تاروں کی طرح بے شمار ہیں تو وہ سورج کی طرح چمکتا ہے' اگر وہ موجوں کی طرح بے قرار ہیں تو وہ سنگلاخ کناروں کی طرح مستحکم ہے' اگر وہ بادلوں کی طرح گھمبیر ہیں تو وہ سرکش ہواؤں کی طرح منہ زور ہے اور تم دیکھنا وہ منگولوں کو ایسے ہی تتر بتر کرے گا جیسے مشرق سے چلنے والی ہوا کالی گھٹاؤں کے سینے شق کر دیتی ہے۔"

ایک بوڑھا چلا کر بولا۔ "ہاں سورج نکلے گا۔ آزادی کا سورج طلوع ہو گا۔ ہم منگول وحشیوں کو اپنی سرزمین سے مار بھگائیں گے۔"

جنگ کے مارے ہوئے' بھوکے اور افلاس زدہ لوگ پرجوش نعرے لگانے لگے۔

ایک روسی نوجوان ایک بلند چبوترے پر چڑھ گیا اور تقریر کرنے والے لہجے میں بولا۔

"بھائیو! ہمیں ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہ بہادر اور غیور نوجوان جس کا نام اباقہ ہے اپنے ڈھائی سو سرفروشوں کے ساتھ قصبے سے صرف آٹھ کوس کی دوری پر پہنچ چکا ہے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے وہ آفتاب بلند اقبال ہمارے قصبے کے افق پر طلوع ہونے والا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اس کا استقبال کریں۔"

نوجوان کی اطلاع نے سامعین کے جوش و خروش میں اضافہ کر دیا۔ بچے' بوڑھے اور جوان ہتھیار لہرا لہرا کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد قصبے کی شمالی جانب ایک وسیع میدان میں سینکڑوں افراد اکٹھے ہو چکے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کپڑے کی رنگ برنگی جھنڈیاں اور پھول تھے۔ ان کی نگاہیں دور ایک ٹیلے پر جمی ہوئی تھیں۔ اباقہ اور اس کے ساتھی اسی ٹیلے کے عقب سے برآمد ہونے والے تھے۔ انہیں محفوظ راستے سے قصبے تک لانے کے لیے روسی دستہ صبح سویرے روانہ ہو چکا تھا۔ غروب آفتاب تک کوزل سک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے باشندوں کا جوش و خروش انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ وہ نہایت بے چینی سے اپنے مہمان کے منتظر تھے .... اور پھر انہیں ٹیلے کے عقب سے اباقہ اور اس کے ساتھی نمودار ہوتے دکھائی دیے۔ ڈوبتے سورج کی روشنی میں ان کے علم ہوا میں پھڑپھڑا رہے تھے۔ وہ درمیانی رفتار سے قصبے کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ آخر وہ لوگوں کے درمیان پہنچ گئے۔ نعرہ ہائے تحسین بلند کیے گئے۔ گل پاشی ہوئی اور لوگ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اس افراتفری میں بہت سے ایسے سپاہی بھی اپنے مورچوں سے ہٹ گئے جن کا اپنی جگہوں پر رہنا نہایت ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منگولوں کو ایک زوردار حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

کوزل سک کا قصبہ درحقیقت ایک نہایت اہم اور عسکری اہمیت کے مقام پر واقع تھا۔ جنوب کی طرف بحر اسود کی جانب سفر کرنے والوں کو اس درے سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔

اہل قصبہ کی پرجوش مزاحمت نے کئی ہفتوں سے منگول لشکر پر اس گزرگاہ کو بند کر رکھا تھا .... آج جب انہوں نے مزاحم فوج کو غافل دیکھا تو ہتھیار تول کر ٹوٹ پڑے۔

اس وقت اباقہ استقبال کرنے والوں کے ہجوم میں تھا جب اس نے ایک جانب سے چیخ و پکار کی آوازیں سنیں اور منگولوں کو مار دھاڑ کرتے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کیا۔ اس دوران استقبال کی مصروفیت میں گم اہل قصبہ بھی چوکنے ہو چکے تھے۔ اباقہ کی دل ہلا دینے والی للکار فضا میں گونجی۔ اسد اور اس کے ساتھیوں نے یک زبان ہو کر نعرہ بلند کیا اور گھوڑوں کو ایڑ لگا کر حملہ آور دستوں کی طرف بڑھے۔ پلک جھپکتے میں میدان کارزار گرم ہو گیا ....

ایک خونریز جھڑپ کے بعد منگول دستے پھر اپنے مورچوں تک پسپا ہو گئے۔ ان کے کم از کم سو سپاہی اس معرکے میں کام آئے جبکہ اہل قصبہ کا نقصان ایک چوتھائی سے بھی کم تھا۔ اباقہ کے دستے کے صرف دو سپاہی ہلاک ہوئے۔

☆ ========= ☆ ========= ☆

حاشا کی موت کے بعد سے اباقہ نے باقاعدگی سے نماز شروع کر دی تھی۔ علی اباقہ اور اسد نے عشاء کی نماز اکٹھے پڑھی۔ پھر تینوں اپنی اپنی مسہریوں پر گر گئے۔ سفر کی تھکان انہیں فوراً ہی گہری نیند کی آغوش میں لے گئی۔ یہ قصبے کا پرانا گرجا تھا جس کے ایک حصے میں رئیس کی رہائش تھی۔ اسی رہائش گاہ میں اباقہ اور اسد مہمانان خصوصی کے طور پر مقیم تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک مسلح شخص آہنی خود پہنے اندر داخل ہوا۔ وہ دبے

قدموں آگے بڑھا اور نہایت خاموشی سے اباقہ اور اسد کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ ہتھیار اس نے ایک مسہری کے نیچے چھپائے اور پھر لپک کر اباقہ کا گلا تھام لیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کی گردن پر جمے ہوئے تھے۔ اباقہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور حملہ آور کی مزاحمت کرنے لگا۔ اس اثنا میں اسد اور علی بھی اٹھ گئے۔ اسد جب چھلانگ لگا کر مسہری سے اترا تو اس نے حملہ آور کو اباقہ کا طوفانی مکہ کھا کر ایک چوبی صندوق پر گرتے دیکھا۔ اسد نے اپنی تلوار کی طرف دیکھا لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ خالی ہاتھ ہی حملہ آور پر ٹوٹ پڑا' لیکن حملہ آور بھی کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ اس نے زمین پر لیٹے لیٹے اسد کو ٹانگوں پر اچھال دیا۔ پلک جھپکتے ہی کمرے کے اندر گھمسان کا رن پڑ گیا۔ اباقہ اور اسد حملہ آور کو روئی کی طرح دھنک رہے تھے۔ دوسری طرف حملہ آور بھی برابر کا جواب دے رہا تھا۔ علی ان تینوں کے درمیان پھدکتا پھرتا تھا' کبھی ایک مسہری پر چڑھتا تھا۔ کبھی دوسری پر۔ دفعتاً اباقہ کا ایک گھونسہ ایسا پڑا کہ حملہ آور کا آہنی خود اچھل کر دور جا پڑا۔ ان تینوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ ان کے سامنے سردار یورق کھڑا تھا۔ اچانک سردار کے حلق سے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا اور در و دیوار کو لرزا گیا۔ تب اباقہ نے ادھ کھلی کھڑکی سے ایک پہریدار کو دیکھا جو اندر کی صورت حال پر مسکرا رہا تھا۔

"سردار یورق تم؟" اباقہ کے ہونٹوں سے تحیر خیز آواز نکلی پھر وہ بھاگ کر سردار سے لپٹ گیا۔ دوسری طرف اسد کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ اباقہ سے بغلگیر ہونے کے بعد سردار نے اسد کو سینے لگایا' پھر علی کو اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ اسے ان کی آمد کا شام ہی پتہ چل گیا تھا مگر وہ جان بوجھ کر سامنے نہیں آیا۔ تینوں وہیں مسہریوں پر بیٹھ گئے۔ اباقہ نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "شیزی کہاں ہے؟"

یورق قہقہہ لگا کر بولا۔ "بڑے مزے میں ہے۔" پھر آواز دھیمی کر کے کہنے لگا۔ "اس نے یہاں کے رئیس کو گود لے لیا ہے اور اب وہ اس کی ہر بات مانتا ہے۔"

"گود لے لیا ہے؟" اسد حیرانی سے بولا۔

سردار یورق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں ابھی معلوم نہیں۔ یہاں کا رئیس سات آٹھ سال کا ایک بچہ ہے۔ وہ شیزی سے بڑی محبت کرتا ہے۔ اس وقت بھی شیزی شاید اسی کے کمرے میں ہو گی۔ محترم رئیس اس کی گود میں بیٹھے کوئی کہانی سن رہے ہوں گے اور وہ بڈھا گونسل خواہ مخواہ پیچ و تاب کھا رہا ہو گا۔"

اس نے پوچھا۔ "یہ گونسل کون ہے؟"

یورق نے بتایا۔ "وہی نائب رئیس' جس کے ساتھ تم نے رات کا کھانا کھایا ہے۔ کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخت بڑا واہی ہے۔ ہر وقت رئیس کی نگرانی کرتا ہے۔" اچانک یورق کو کچھ یاد آیا وہ اباقہ سے بولا۔ "او جنگلی! تیری بیوی کہاں ہے۔ ابھی تُو نے شب زفاف منائی کہ نہیں؟"

یورق کے اس سوال نے ان تینوں کے چہروں کو غم و اندوہ میں ڈبو دیا۔ یورق نے تاثرات کی اس بتدیلی کو محسوس کیا اور اس کی آنکھوں میں بھی تشویش لہرانے لگی۔ "کیا ہوا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

اسد نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "سردار یورق ..... شہزادی نتاشا اب ہم میں نہیں۔ کوئی دس روز پہلے وہ ڈیوک کے ہاتھوں ماری گئی۔" یورق پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ وہ کتنی دیر گم صم بیٹھا رہا۔ وہ تینوں بھی خاموش تھے۔ قصبے کی فضا اچانک ہی سوگوار ہو گئی تھی۔ کافی دیر بعد یورق نے نگاہیں اٹھائیں تو اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں۔ وہ قہرناک آواز میں بولا۔ "ہم تینوں کے لیے ایک خوشخبری ہے۔"

"کیا؟" اسد اللہ نے پوچھا۔

یورق نے کہا۔ "نتاشا کا قاتل ہم سے زیادہ دور نہیں وہ قصبے کا گھیراؤ کرنے والے منگول لشکر میں موجود ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "تمہیں کیسے معلوم؟"

یورق نے کہا۔ "ابھی بتاتا ہوں۔" پھر اس نے ایک سپہ دار کے پاس جا کر کچھ کہا۔ سپہ دار واپس چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یہ مداری ارغون تھا۔ یورق نے رئیس سے اس کی بھی جان بخشی کروائی تھی اور اسے اپنا خادم رکھ لیا تھا۔ اب "مالک" نوکر بن کر یورق کے دھپ کھا رہا تھا۔ یورق اسے پوری طرح ذلیل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ارغون گھبرایا گھبرایا سا اندر داخل ہوا تو یورق نے ایک ایسا ہاتھ اس کے کندھے پر مارا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا اباقہ کے پاؤں میں جا گرا۔ یورق نے اسے اٹھنے کا حکم دیا۔ وہ فوراً تیر کی طرح سیدھا کھڑا ہو گیا۔ یورق نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور ارغون سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مداری کے بچے! تُو نے بتایا تھا کہ ڈیوک منگول لشکر میں موجود ہے۔ تُو نے اسے کہاں دیکھا تھا۔"

ارغون نے لرزاں آواز میں کہا۔ "آقا! میں نے اسے بڑے عذاب کی حالت میں دیکھا تھا۔ میں منگول پڑاؤ میں پہنچنے کے بعد سالار اعظم کے مشیر خاص سوبدائی بہادر کے خیمے میں حاضری دینے گیا تھا۔ وہاں میں نے ڈیوک کو دیکھا خیمے کے ایک گوشے میں ڈیوک مادر زاد برہنہ پڑا تھا اور چند خادم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے سارے جسم پر بڑے بڑے نیل تھے اور کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ قریب ہی اذیت

رسانی کے آلات پڑے تھے۔"

یورق نے کہا۔ "کیا تُو نے سوبدائی بہادر سے اس کے بارے کوئی بات کی۔"

ارغون بولا۔ "آقا! میری اتنی مجال کہاں ..... میں تو بس اپنی آمد کی اطلاع دے کر واپس چلا آیا تھا ..... میرا خیال ہے ڈیوک کو کسی نافرمانی کی سزا ملی ہے۔"

ارغون بات پوری کر چکا تو یورق نے اس کی پیٹھ پر ایک لات رسید کی اور بولا۔ "چل دفع ہو جا۔" ارغون بھیگی بلی کی طرح دم دبا کر باہر نکل گیا۔ یورق نے اسے واقعی شیر سے بھیگی بلی بنا دیا تھا۔ ارغون کے جانے کے بعد انہوں نے ڈیوک کے بارے گفتگو کا آغاز کیا۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ منگول پڑاؤ میں داخل ہوئے بغیر ڈیوک سے ملاقات ممکن نہیں۔ سردار یورق نے کہا۔ "ابھی جو شخص یہاں موجود تھا یہ منگولوں کا ماہر فن تماشہ گر ہے۔ بہروپ بھرنے میں اسے خاص ملکہ حاصل ہے۔ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم بھیس بدل کر منگول پڑاؤ میں داخل ہوں۔" یورق کی تجویز قابل غور تھی۔ سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارغون کے فن کا کمال دیکھا جائے۔ اگر وہ انہیں فوری بخش روپ دینے میں کامیاب ہو گیا تو کل ہی منگول پڑاؤ میں گھس کر ڈیوک سے حساب کتاب برابر کر لیا جائے۔

اگلے روز یورق نے ارغون سے بات کی اور اس کی ہدایت کے مطابق اسے کچھ ضروری چیزیں' انسانی بال' گندم کا آٹا' قلمی شورہ اور ایسی ہی دوسری اشیاء لا دیں۔ ارغون نے یورق اور اباقہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور ان کے چہروں پر دست کاری شروع کر دی۔ کوئی دو گھڑی بعد انہوں نے اپنے چہرے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ وہ ہو بہو چینی طبیب نظر آ رہے تھے۔ جھریوں دار چہرے' چھوٹی چھوٹی سفید داڑھیاں اور مندھی ہوئی آنکھیں۔ لمبے سفید چغے پہن کر وہ سرتاپا طبیب نظر آنے لگے۔ اسد نے انہیں تنقیدی نگاہوں سے دیکھا اور پھر تعریفی نظروں سے ارغون کو دیکھنے لگا۔ ان کا بہروپ مکمل تھا۔ اپنے لبادوں کے نیچے انہوں نے آب دار تلواریں میانوں میں رکھیں اور روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ اس دوران شیزی کولت رئیس سے اجازت حاصل کر چکی تھی۔ اب ان دونوں کے لیے قصبے سے نکلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

جونہی شام کے سائے شب کی تاریکی میں تحلیل ہونے لگے اباقہ اور یورق نے گھوڑے سنبھالے اور پہلے سے منتخب راستے پر چل دیے۔ قصبے کے مضافات میں ایک جگہ انہوں نے گھوڑے چھوڑے اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کر کے منگول پڑاؤ کی طرف بڑھنے لگے۔ کوئی نصف کوس کی پُر خطر مسافت کے بعد وہ منگول پڑاؤ کے اندر تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں عمر رسیدہ افراد کے انداز میں جھکے جھکے چل رہے تھے۔ پڑاؤ میں اس وقت چہل پہل آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔ منگول سپاہیوں کی ٹولیاں رات کا کھانا کھا کر دودھ بھرے انگاروں کے گرد بیٹھی تھیں۔ سردی زیادہ نہیں تھی' لیکن آگ کے گرد بیٹھنا منگولوں کی عادت بن چکا تھا۔ وہ بے تحاشہ شراب پی رہے تھے اور شمال جنوب کی گپیں ہانکنے میں مصروف تھے۔ کہیں کہیں سفری ناچ گھر قائم تھے اور ان کے اندر سے گانے بجانے کی صدائیں آ رہی تھیں۔ ان ناچ گھروں میں رقص کرنے والی عورتیں مظلومیت کی منہ بولتی تصویریں تھیں۔ شرفا کی یہ بہو بیٹیاں نہ جانے کس کس شہر اور قصبے سے اٹھائی گئی تھیں۔ آج ان کی کوئی پہچان نہیں تھی۔ وہ صرف داشتائیں تھیں مشرق کے بعد اب مغرب بھی ذلت کے گڑھے میں تھا۔ صحرائے گوبی کے وحشیوں کے مقابلے میں ناعاقبت اندیش اور تفرقہ پسند قوموں کا یہ انجام عبرتناک تھا۔

یورق اور اباقہ مسلح پہریداروں اور چوکنے مخبروں سے کنی کتراتے اور دامن بچاتے دھیرے دھیرے سوبدائی بہادر کے ٹھکانے کی طرف جا نکلے۔ جلد ہی انہیں موٹے چمڑے اور لوہے کی تاروں کا بنا ہوا وہ خیمہ نظر آ گیا جو سوبدائی بہادر کے خیمے کے ساتھ ہی نصب تھا۔ ایسے خیمے منگول پڑاؤ میں اہم قیدیوں کو رکھنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہ بات تو صاف ظاہر تھی کہ سوبدائی بہادر ڈیوک کو مستقلاً اپنے خیمے میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر ڈیوک اب تک زندہ تھا تو یقیناً وہ کسی اور جگہ موجود تھا اور غالب امکان یہی تھا کہ وہ لوہے کی تاروں والے اس خیمے میں موجود ہو گا۔ خیمے کے سامنے ایک مسلح منگول پہرا دے رہا تھا۔ اباقہ اور یورق خیمے کی طرف بڑھے تو اس نے انہیں روک لیا۔ یورق نے چینی لب و لہجہ میں اسے بتایا کہ وہ سوبدائی بہادر کے حکم پر قیدیوں کو دیکھنے آئے ہیں۔

"کون سے قیدی؟" منگول نے مشکوک لہجے میں پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھ گیا۔ اباقہ اور یورق جان گئے کہ ان سے غلطی ہوئی ہے شاید اس خیمے میں قیدی نہیں رکھے گئے تھے۔ تاہم اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اباقہ نے نہایت پھرتی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا پھر دونوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دیے اور اسے خیمے کے اندر لے گئے۔ پہریدار نے اباقہ کا ہاتھ منہ سے ہٹا کر چیخنا چاہا مگر اس وقت تک اباقہ چغے کے نیچے سے اپنی تلوار برآمد کر چکا تھا۔ نہایت بے دردی سے اس نے تلوار پہریدار کے سینے میں گھونپ دی۔ اس کی اونی صدری سے خون کا فوارہ ابلا اور چند ہی لمحوں میں وہ ساکت ہو گیا۔ تب اباقہ کی نگاہ خیمے کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ لکایک اس کا جسم سنسنا اٹھا۔ شمعدان کی مدھم روشنی میں ڈیوک نظر آ رہا تھا' لیکن اس طرح کہ

وہ شیشے کے ایک بہت بڑے مرتبان میں بند تھا۔ اس خاص قسم کے مرتبان کا پیندا لوہے کا تھا اور پیندے کے ساتھ ایک آہنی زنجیر منسلک تھی جس نے ڈیوک کے پیروں کو مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا۔ ڈیوک کے ہاتھ پشت پر ایک مضبوط رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ مرتبان میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس کی بلندی اتنی تھی کہ صرف ڈیوک کی ٹھوڑی پانی سے باہر تھی۔ اس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹ تھا اور سارا جسم ضربات کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔ جب اباقہ اور یورق نے پہریدار کو ہلاک کیا تو وہ حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اباقہ نے یورق کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اباقہ نے مردہ پہریدار کو اٹھایا اور اسے خیمے کے دروازے پر باہر کی طرف اس طرح بٹھا دیا کہ وہ ٹیک لگا کر سستاتا ہوا نظر آئے۔ اس کی تلوار اس کی گود میں رکھ دی۔ تب اباقہ اور یورق' ڈیوک کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈیوک کا منحوس چہرا دیکھ کر اباقہ کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا' لیکن اس نے خود کو سنبھالا پھر دھیمی اور میٹھی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"تم یہاں اکیلے قید ہو؟" ڈیوک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اباقہ اور یورق کو سمجھ آ رہی تھی کہ پہریدار ان کی طرف سے مشکوک کیوں ہو گیا تھا۔ انہوں نے "قیدیوں" کا لفظ استعمال کیا تھا جبکہ خیمے میں صرف ایک قیدی تھا اور وہ تھا ڈیوک۔ ڈیوک نے تیزی سے پوچھا۔

"کون لوگ ہو تم؟"

اباقہ نے جواب دیا۔ "آپ کے خیر خواہ۔ آپ کی جان بچانے کے لیے آئے ہیں۔"

ڈیوک کی تیز نگاہیں ان دونوں کے چہروں پر جمی تھیں۔ شمعدان کی روشنی میں اس کی نیلی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ وہ بولا۔ "جہاں تک میرا اندازہ ہے تم دونوں نے بہروپ بھر رکھا ہے کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

اباقہ نے تیزی سے سنبھالا لیا۔ "ہاں..... آپ کا اندازہ بالکل درست ہے ہم نے بھیس بدلا ہوا ہے۔ آپ تک پہنچنے کے لیے ایسا ضروری تھا۔ ہمیں سردار گیوڑا نے آپ کی طرف بھیجا ہے اسے چند روز پیشتر ہی آپ کی گرفتاری کی خبر ملی ہے۔"

ڈیوک نے چمک کر کہا۔ "تو تم گیوڑا کے آدمی ہو لیکن گیوڑا خود کیوں نہیں آیا۔"

اباقہ نے کہا۔ "جناب! وہ آپ کے حکم کی تعمیل میں کچھ زخمی ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ڈیوک نے تیزی سے پوچھا۔

اباقہ نے کہا۔ "جناب' سردار گیوڑا نے شہزادی نتاشا کو ہلاک کر دیا ہے' مگر اس کوشش میں انہیں بھی کچھ زخم آئے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوک کی نگاہوں میں مسرت کی چمک نظر آنے لگی۔ وہ اپنی جسمانی تکلیف کو بھولتا ہوا بولا۔ "بہت خوب بگوڈا..... بہت خوب..... تو نے حق نمک ادا کر ڈالا۔" پھر اباقہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اور نتاشا کا وہ جنگلی خاوند بھی ہلاک ہوا یا نہیں۔"

اباقہ نے کہا۔ "نہیں حضور! وہ خیمے میں موجود نہیں تھا اس لیے بچ گیا۔" ڈیوک نے اس خبر کو نظرانداز کرتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔ "بگوڈا نے نتاشا کو ہلاک کر کے آج مجھے اپنے عہد کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔ جب رئیس یوری نے پندرہ برس پہلے میرے بھائی کو کیف کے چوراہے میں ہلاک کیا تھا اور میری ماں اس کے صدمے سے جاں بحق ہوئی تھی میں نے قسم کھائی تھی کہ رئیس کے خاندان کے بچے بچے کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا..... اور آج میں نے ایسا کر دکھایا۔ میں نے اس زمین سے اس کا نام و نشان مٹا دیا ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "جناب! ہم آپ کو یہاں سے لے جانے کے لیے آئے ہیں۔"

ڈیوک نے جیسے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ہاں جلدی کرو ہو سکتا ہے کوئی دوسرا پہریدار اس طرف آنکلے۔"

اباقہ نے کہا۔ "لیکن آپ کے پاؤں کیسے کھولے جائیں؟"

ڈیوک بولا۔ "اس پہریدار کی کسی جیب میں زنجیریں میں لگے قفل کی چابی ہو گی۔ تم وہ چابی لے آؤ تو میں پانی میں بیٹھ کر اپنے پاؤں آزاد کرا سکتا ہوں۔"

اباقہ نے اثبات میں سر ہلایا اور احتیاط سے خیمے کا پردہ اٹھا کر باہر آگیا۔ تاریکی میں پہریدار اسی طرح اکڑوں بیٹھا تھا۔ اباقہ نے اس کا لباس ٹٹولا اور چابی ڈھونڈنے میں کامیاب رہا لیکن اس نے چابی نکالی نہیں اور خالی ہاتھ واپس اندر چلا گیا۔ ڈیوک نے بے تابی سے پوچھا چابی ملی۔ اباقہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ڈیوک کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ وہ بولا اس کا مطلب ہے چابی دوسرے پہریدار کے پاس ہے وہ کم بخت شام کا کہیں نکلا ہوا ہے۔ اب تمہیں اس کی آمد تک انتظار کرنا ہو گا۔"

اباقہ نے اس کی بات سمجھتے ہوئے یورق کو ہدایت کی کہ وہ دروازے کے پاس چوکس کھڑا رہے اور جونہی دوسرا پہریدار دروازے پر پہنچے اسے اندر گھسیٹ لے۔ یورق نے اطاعت میں سر ہلایا اور چغے کے اندر سے تلوار نکال کر دروازے پر براجمان ہو گیا۔

اباقہ نے کہا۔ "جناب! یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ آپ نے تو منگولوں کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان سے یہ احسان فراموشی کیوں ہوئی؟"

ڈیوک نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لوگ ٹھیک کہتے ہیں' یہ منگول اپنے ہم قوموں کے

سوا کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ مجھے اس بد بخت سوبدائی بہادر نے خود کئی بار پیغام بھیجا تھا کہ مجھے انعام و اکرام سے نوازنا چاہتا ہے لیکن میں یہاں آیا تو مجھے گرفتار کر لیا اور الزام لگایا کہ میری وجہ سے اس کا لشکر نوو گرود تک نہیں پہنچ سکا۔ اس بے وقوف کا خیال ہے کہ میں نوو گرود کو منگول لشکر سے بچانے کے لیے روپوش ہو گیا تھا۔"

اباقہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نوو گرود تباہ ہوتا یا بچتا آپ کی بلا سے۔ آپ تو صرف شہزادی نتاشا اور اس کے شوہر اباقہ کو پھانسنے کے لیے لشکر سے جدا ہوئے تھے۔"

"ہاں..... نہیں۔" یکایک ڈیوک کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ بگوڈا کا ایک معمولی ساتھی اس سے طنزیہ لہجے میں گفتگو کر رہا ہے وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے..... مجھے تمہاری آواز کچھ جانی پہچانی لگ رہی ہے۔"

یورق نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "جانی پہچانی تو لگے گی کیونکہ یہ اس فرشتے کی آواز ہے جس نے تمہاری جان قبض کرنا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ڈیوک نے ہراساں ہو کر کہا۔ پھر اس کی نگاہ اباقہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں شعلہ فشاں تھیں۔ دانت اتنی مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمے تھے کہ داڑھی کی اطراف جبڑوں کی ہڈیاں ابھر آئی تھی۔ وہ سراپا قہر نظر آرہا تھا۔ ڈیوک کے باریک لب تھرتھرائے اور وہ ہکلاتا ہوا بولا۔ "تم..... تم اباقہ تو نہیں۔"

اباقہ کی گھمبیر خاموشی نے جیسے اسے خود ہی جواب دے دیا۔ یکبارگی اس کا چہرا ان چھوئی برف کی مانند سفید ہو گیا۔ اباقہ کی آنکھوں میں اب آنسو جھلملا رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں نتاشا کا حسین چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس کی سانسوں میں ان پھولوں کی خوشبو رچ رہی تھی جنہوں نے ایک شام اس کا خیمہ مہکا دیا تھا۔ اس کے کان نتاشا کے آخری فقروں کی صدا سن رہے تھے۔ "آپ کہیں جارہے ہیں؟ آپ کب تک واپس آجائیں گے۔ آپ کہیں جارہے ہیں؟"..... الفاظ اباقہ کی سماعت میں گونج رہے تھے اور اس کا انتقام زخمی پرندے کی طرح اس کے سینے میں پھڑپھڑا رہا تھا۔ وہ موت جیسے سرد اور سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ڈیوک مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ میں اپنی بیوی کے قتل کے جرم میں تجھے سزائے موت دے رہا ہوں۔"

ڈیوک کی دہشت زدہ نگاہیں اباقہ کے ہاتھ میں پکڑی تلوار پر جم گئیں۔ وہ ہکلا کر بولا۔ "اباقہ..... تت تم..... تم..... میں نے تمہاری بیوی کو ہلاک نہیں کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدا کی قسم اسے میں نے ہلاک نہیں کیا۔"

اباقہ بولا۔ "موت کے خوف نے تجھے پاگل کر دیا ہے ڈیوک۔ تو ابھی تاتاشا کی موت پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کر چکا ہے۔"

یکایک ڈیوک کو اندازہ ہو گیا کہ وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اباقہ سے رحم کی درخواست کرنا اور اپنی جان بخشی کی امید رکھنا فضول ہو گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ خاموش رہا جائے اور موت کو وقار کے ساتھ گلے لگایا جائے۔ اس فیصلے پر پہنچتے ہی اس کا چہرہ جذبات سے عاری ہو گیا۔ اباقہ نے نہایت سفاکی سے اسے گھورا' پھر گھمبیر آواز میں بولا۔ "تیرے جرم اتنے زیادہ ہیں ڈیوک کہ میں تجھے سو بار بھی ہلاک کروں تو میرا سینہ ٹھنڈا نہیں ہو گا' لیکن میں تجھے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ میں تجھے کچھ کیے بغیر واپس جا رہا ہوں۔"

ایکا ایکی ڈیوک کے چہرے پر امید کی روشنی نظر آئی۔ وہ بڑی لجاجت سے بولا۔ "اباقہ! میری درخواست ہے کہ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ میرا وعدہ ہے اگر زندہ بچا..... تو تمہارا بہترین دوست ثابت ہوں گا۔"

اباقہ بولا۔ "تم جیسے غدار وطن کی زبان پر بھروسا تو نہیں کرنا چاہیے' بہر حال میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ مگر جانے سے پہلے میں ایک کام ضرور کروں گا۔"

ڈیوک سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اباقہ بائیں طرف گیا اور کونے میں رکھی ہوئی ایک بالٹی اٹھالی۔ اس بالٹی میں نمکین پانی تھا۔ ایسا ہی نمکین پانی مرتبان میں بھرا ہوا تھا۔ اباقہ نے یہ بالٹی اٹھائی اور پلک جھپکتے میں مرتبان میں انڈیل دی۔ پانی جو پہلے ڈیوک کی ٹھوڑی تک تھا اس کی پیشانی کو ڈبو گیا۔ اس نے تڑپ کر منہ اوپر اٹھایا تاکہ اپنی ناک پانی سے باہر نکال سکے لیکن پانی کی سطح اس کی ناک سے دو انگل بلند تھی اور یہ دو انگل کا فاصلہ اس کے لیے زندگی موت کا فاصلہ تھا۔ اس کے پاؤں آہنی پیندے کے ساتھ زنجیر تھے اور ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اب وہ تڑپنے مچلنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ مرتبان کا ساکت پانی بری طرح اچھل رہا تھا اور اس کے اندر نیلی آنکھوں والا شیطان عالم نزع سے گزر رہا تھا۔ کوئی آواز نہیں تھی' کوئی چیخ و پکار نہیں تھی۔ صرف پانی کی اچھل تھی اور رات کا سناٹا تھا۔ اباقہ کسی بت کی طرح ساکت یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب ڈیوک اپنی زندگی سے محروم ہو گیا تو اباقہ اور یورق خیمے کے دروازے کی طرف بڑھے مگر اس وقت انہیں چونکنا پڑا جب خیمے کی چاروں جانب مسلح تاتاری گھڑ سوار دکھائی دیئے۔ ان کا سالار گرج کر بولا۔

"خبردار' تلواریں پھینک دو۔ تمہارے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔"

یورق نے کہا۔ "بچنا کون کم بخت چاہتا ہے۔ ہم تو پہلے ہی قبر کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔"

سالار چلایا۔ "زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔ ہم تمہارے بڑھاپے کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ تم نے بھیس بدل رکھا ہے۔"

یورق نے کہا۔ "بھیس ہی بدلا ہے نا۔ کوئی تمہاری دم پر پاؤں تو نہیں رکھا۔ کیوں برفانی ریچھ کی طرح چلا رہے ہو۔"

اس مکالمے بازی کے دوران اباقہ کا ذہن تیزی سے فرار کا راستہ سوچ رہا تھا۔ منگولوں کے لشکر میں ان کی قید میں چلے جانے کا مطلب اذیت ناک موت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اباقہ کے رقیب طوطم خاں کے ساتھ تو ایک اتفاق ہو گیا تھا ورنہ منگول اپنے قیدی کو بچ نکلنے کا موقعہ کم ہی دیتے تھے۔ اب تلواروں کے اس گھیرے میں قسمت آزمائی کے سوا کوئی چارا نہ تھا۔ اباقہ اور یورق نے ایک دوسرے سے پشت جوڑی اور منگولوں کے تنگ ہوتے ہوئے گھیرے کے درمیان سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ ایک وحشیانہ نعرے کے ساتھ منگول سوار ان پر جھپٹے۔ تلواریں ٹکرائیں اور گھمسان کا رن پڑ گیا۔ اباقہ اور یورق زندگی و موت سے بے پرواہ ہو کر لڑ رہے تھے۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ اب منگول پڑاؤ سے زندہ بچ نکلنا ممکن نہیں' اور قید ہونے کا مطلب تھا' حسرتناک موت۔ اس لیے وہ میدان جنگ کا حساب میدان جنگ میں چکا دینا چاہتے تھے۔ منگولوں کے غول میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اباقہ کو اپنی چاروں طرف دور دور تک انسانی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یساں ہونے والی جھڑپ نے بہت سے منگولوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا ..... ابھی تک اباقہ کی پشت محفوظ تھی۔ اس کا مطلب تھا یورق ابھی زندہ ہے اور اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے۔ گاہے گاہے اباقہ کو اس کی وحشیانہ چنگھاڑ سنائی دے جاتی تھی۔ گھیرا اب بہت تنگ ہو چکا تھا۔ منگول ان کے اوپر چڑھتے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اباقہ کی پشت سے یورق کی پشت آ لگی۔ اس وقت اچانک اپچل کی آوازیں آئیں۔ شور کا آہنگ تبدیل ہوا اور اباقہ کو اندازہ ہوا کہ منگول سپاہیوں کے للکاروں میں گھوڑوں کی ٹاپیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ کسی طرف سے کوئی چلا کر بولا۔

"روسی آ گئے ..... گھوڑے سنبھالو ..... روسی آ گئے۔"

ایکا ایکی اباقہ اور یورق پر دباؤ کم ہو گیا۔ اس وقت اباقہ نے نہایت جوش سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور رہی سہی قوت کے ساتھ منگول سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا یہ حملہ دیدنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ منگول اس کے دائیں بائیں کٹ کٹ کر گرے اور گھیرا ٹوٹ گیا۔ اباقہ نے لپک کر ایک گھوڑا قابو کیا۔ دوسری طرف یورق بھی ایک گھڑسوار کے عقب میں سوار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے گھڑسوار پر قابو پالیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اندھادھند تلوار چلا رہا تھا۔ یکایک اباقہ کی نظر روسی سواروں پر پڑی۔ انہوں نے ایک کامیاب شبخون مارا تھا۔ منگولوں کے لاتعداد خیمے جل رہے تھے اور وہ بری طرح حواس باختہ تھے۔ اباقہ اور یورق نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اندھادھند گھوڑے بھگائے اور روسی سواروں میں شامل ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس تیز رفتار روسی دستے کے ساتھ گھوڑے بھگاتے جنگل میں گم ہو رہے تھے۔

☆ ------ ☆ ------ ☆

کوزل سک نامی اس قصبے کی فوج نے منگول لشکر کا ناک میں دم کر دیا۔ عظیم سوبدائی بہادر اور سالار اعظم باتو خاں حیران تھے کہ یہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جہاں انہوں نے بڑے بڑے روسی شہروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر پیوند زمین کر دیا تھا وہاں یہ چھوٹا سا قصبہ ان کے راستے کی ناقابل عبور رکاوٹ بن گیا تھا۔ قصبے کی مختصر فوج چھاپا مار جنگ کی نئی تاریخ رقم کر رہی تھی۔ منگول جاسوس باتو خاں اور سوبدائی بہادر کو اس بات کی اطلاع فراہم کر چکے تھے کہ روسیوں کی کامیاب اور مسلسل مزاحمت کا سبب ان کی قیادت ہے۔ ان کا وہی دشمن جاں اباقہ' روسیوں کے درمیان موجود ہے اور ان کی تحریک مزاحمت کی رہنمائی کر رہا ہے۔ اس اطلاع کے بعد باتو خاں اور سوبدائی بہادر نے سارا زور اس بات پر لگا دیا کہ کسی طرح اباقہ کو زندہ یا مردہ گرفتار کر لیا جائے' لیکن وہ ہمیشہ کی طرح ان کی دسترس سے باہر رہا۔ اس کوشش میں کئی ہفتے ضائع ہوئے اور کئی منگول چھاپا ماروں نے جان گنوائی۔

منگول لشکر میں اب بے دلی پھیل رہی تھی۔ انہیں ناموافق حالات اور ناموافق موسموں میں پھنسے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ ان کے گھوڑوں کی حالت پتلی تھی اور ان کے اپنے جسم نحیف ہو چکے تھے۔ انہیں جنوب کی شاداب چراگاہیں اور نیم گرما ہوائیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ اپنے اصل مسکن یعنی صحرائے گوبی سے ہزاروں میل دور آ چکے تھے اور اب اپنی جنم بھومی کی یاد انہیں بری طرح ستا رہی تھی۔

اباقہ تک رسائی میں ناکامی کے بعد سوبدائی بہادر کے مشورے سے باتو خاں نے ایک خطرناک چال چلی۔ اس نے ایک طرف تو اہل قصبہ سے کشمکش جاری رکھی' دوسری طرف اپنے چھاپا ماروں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں پہاڑوں کے پار پہنچانا شروع کر

دیا۔ یہ پیادے دشوار گزار چڑھائیاں عبور کرتے ہوئے پہاڑی سلسلے کی دوسری طرف ایک مخفی جگہ پر جمع ہونے لگے .... یہ سلسلہ دو ہفتے جاری رہا اور جب مناسب تعداد میں دستے دوسری جانب اتر چکے تو باتو خاں نے' قصبے پر ایک بھرپور حملے کا فیصلہ کیا .... دوسری جانب موجود پیادہ دستے ایسے مقام پر جمع تھے کہ تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے قصبے پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان پیادوں کی زندگی صرف اسی صورت محفوظ رہ سکتی تھی کہ اگر یہ حملہ کامیاب ہو جاتا' ورنہ اہل قصبہ انہیں گھیر کر بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ ڈالتے۔ لہٰذا باتو خاں اس حملے کو کامیاب بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ درحقیقت نصف کامیابی وہ پیادوں کو پار اتار کر ہی حاصل کر چکا تھا۔ اب بقایا نصف کامیابی حاصل کرنا تھی۔ حملے کے لیے مہینے کی آٹھ تاریخ مقرر ہوئی۔

.... یہ سات تاریخ کا واقعہ ہے۔ اسد' اباقہ اور علی باجماعت ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ساتھ والے کمرے میں یورق قیلولہ کرنے میں مصروف تھا۔ کبھی کبھی تو اس کا دل بھی چاہتا تھا کہ اباقہ کی طرح نماز شروع کر دے۔ مگر ابھی تک وہ اپنے خیال کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور شیزی کولت اندر آ گئی۔

"کیسے ہو سردار؟" اس نے یورق سے پوچھا۔

یورق نے صرف "ٹھیک" کہنے پر اکتفا کیا۔ شیزی کچھ دیر انتظار کرتی رہی کہ شاید یورق کچھ اور بولے لیکن وہ چپ رہا تو اس نے کہا۔ "سردار جنگ کی کیا صورت حال ہے؟" یورق نے اس سوال کا جواب بھی "ٹھیک" میں دیا۔ شیزی کچھ کھسیانی سی ہو گئی۔ پھر اس نے اپنی مٹھی یورق کے سامنے کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو" یورق نے دیکھا شیزی کی نازک اور سفید ہتھیلی پر ایک ہیرا جگمگا رہا تھا۔

"یہ کس لیے ہے؟" یورق نے لاپروائی سے پوچھا۔

شیزی جلانے انداز سے بولی۔ "تمہارے لیے۔" پھر اس سے پوچھنے لگی۔ "تمہارے ہاتھ میں جو انگوٹھی ہے' اس کا نگ کہاں گیا؟"

یورق بولا۔ "عرصہ ہوا لڑائی میں کہیں گر گیا تھا۔"

شیزی بولی۔ "یہ ہیرا تمہاری اس خالی انگوٹھی کے لیے ہے۔"

یورق کو شیزی کے والہانہ انداز سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ یہ تیسرا موقع تھا کہ اس نے بہانے بہانے سے اسے کوئی تحفہ دینے کی کوشش کی تھی۔ اسے اس لڑکی کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس سے کئی برس چھوٹی تھی پھر بھی یورق کے ساتھ اس کے رویے میں عجیب طرح کی لگاوٹ پائی جاتی تھی۔ یورق نے اس دفعہ سخت رویہ اختیار کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا فیصلہ کیا۔ اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ تم کیا کرتی ہو۔ کوئی نہ کوئی چیز اٹھانے چلی آتی ہو۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ مجھے اپنی انگوٹھی کے لیے ہیرے کی ضرورت ہے۔ مجھے نہیں چاہیے یہ سوغات۔" پھر اس نے جھلاہٹ میں پرانی انگوٹھی اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ شیزی سکتے کی سی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دل ٹوٹنے کی خاموش صدا آنسو بن کر اس کی آنکھوں میں چھلک آئی تھی۔ اس نے آنسو روکنے کے لیے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔ پھر شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی واپس گھوم گئی۔ ننھا ہیرا اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

شام سے ذرا پہلے علی بھاگتا ہوا یورق کے پاس آیا۔ یورق اس وقت گرجے کے صحن میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ علی بولا۔

"سردار یورق! تم نے کہیں شیزی کو تو نہیں دیکھا۔ وہ سہ پہر سے نظر نہیں آ رہی۔"

یورق نے لاپرواہی سے نفی میں جواب دیا۔ دفعتاً اسے کچھ یاد آیا۔ یورق کی تلخ کلامی کے بعد وہ تیز قدموں سے باہر چلی گئی تھی اور پھر کچھ دیر بعد چادر لپیٹے گرجے سے نکلتی دکھائی دی تھی۔ اس وقت تو یورق نے غور نہیں کیا تھا مگر اب علی کی اطلاع اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس نے پریشانی سے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی۔ سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کبھی کبھی ان کے درمیان کسی حسینہ کی تیز نگاہ کی مانند کوند جاتی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑنا شروع ہو گئی تھی۔ ایسے غیر یقینی موسم میں شیزی کا گرجے سے نکلنا ٹھیک نہیں تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے یورق اصطبل کی طرف بڑھا اور اپنا گھوڑا سنبھال کر سوار ہو گیا۔ اس کا رخ قصبے کی مشرقی جانب تھا۔ اس نے شیزی کو اسی رخ پر جاتے دیکھا تھا۔

جس وقت شام کا دھندلکا گہری ہوئی تاریکی میں تبدیل ہونا شروع ہوا یورق قصبے سے کوئی ایک کوس آگے گھنے درختوں میں پہنچ چکا تھا۔ ابھی وہ واپس جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ ایک ہیولے پر پڑی۔ ایک جوہڑ کے کنارے بارش کی بوچھاڑ میں کوئی چادر اوڑھے تنہا بیٹھا تھا۔ یورق گھوڑا چلاتا ہوا قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا دماغ سنسنا اٹھا کہ وہ ہیولا شیزی کا ہے۔ وہ درخت سے ٹیک لگائے گم صم بیٹھی جوہڑ کی سطح کو گھور رہی تھی۔ اس کے بال جو اب لمبے ہو چکے تھے بھیگ کر پیشانی اور گردن سے چپکے تھے۔ یورق کو دیکھ کر اس نے بیگانگی سے منہ پھیر لیا۔

یورق نے غصے سے بولا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے۔ یہاں بیمار ہونے کے لیے آ گئی ہو۔"

شیزی بولی۔ "بیمار ہونے کے لئے نہیں مرنے کے لئے آئی ہوں۔"

یورق نے کہا۔ "مجھے یہ الٹی سیدھی باتیں اچھی نہیں لگتیں اور نہ ہی میں سننا چاہتا

ہوں۔"

شیزی نے بھنا کر کہا۔ "تو کس نے کہا تھا کہ سننے کے لیے یہاں آؤ۔" اس کے ساتھ ہی وہ زور زور سے رونے لگی۔ یورق کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے چپ کرائے۔ اگر غصے سے بولتا تو وہ اور برافروختہ ہو جاتی۔ آخر اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ بے ساختہ اس کے ہونٹوں سے نکلا۔ "مجھے معاف کر دے شیزی شاید میں نے تیرا دل توڑا ہے۔" اس سے پہلے کہ شیزی کوئی جواب دیتی، بجلی انتہائی شدت سے کڑکی اور وہ سہم کر اس کے بازو سے لگنے پر مجبور ہو گئی۔ اس خوفناک کڑک کا اثر یورق کے گھوڑے پر بھی ہوا اور وہ بدک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یورق پکارتا ہوا اس کے پیچھے لپکا۔ مگر گھوڑا کہاں رکنے والا تھا۔ وہ یورق کو دو تین فرلانگ تک بھگاتا چلا گیا۔ آخر ایک جگہ درختوں میں گم ہو گیا..... یورق گھوڑے کو ڈھونڈ رہا تھا جب وہ اس راز سے آگاہ ہوا جس نے اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ کتنی ہی دیر سکتے کے عالم میں دیکھتا رہ گیا۔ ایک گھاس میں گھنے درختوں کے درمیان بہت سے منگول پیادے جمع تھے۔ جہاں تک یورق کی نظر کام کر سکتی تھی اسے سبز پتوں سے منگولوں کے سرخ لبادے جھلکتے نظر آ رہے تھے۔

"اوہ خدایا۔" یورق کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا۔ کوزل سک شدید خطرے میں تھا۔ وہ الٹے پاؤں واپس مڑا اور بھاگتا ہوا شیزی تک پہنچا۔ پھر شیزی کو لے کر وہ حتی الامکان تیزی سے دوڑتا ہوا قصبے کی طرف بڑھنے لگا۔

☆=====☆=====☆

نائب رئیس کونسل حیران نظروں سے اباقہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اباقہ نے یورق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ حقیقت ہے سردار یورق خود اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر آیا ہے۔"

نائب رئیس نے پریشانی سے کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

اباقہ بولا۔ "ہماری تجویز ہے کہ اس وقت یہ قصبہ فوراً خالی کر دیا جائے اور مغربی جانب کے ٹیلوں میں پناہ لی جائے۔ وہاں سے ہم بخوبی دشمن کا مقابلہ کر سکیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منگول لشکر ہم سے الجھے بغیر آگے بڑھ جائے اور ہم دوبارہ قصبے کو آباد کر لیں۔"

نائب رئیس نے فیصلہ کن انداز میں سر نفی میں ہلایا۔ "اباقہ! یہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ ہم موت کے خوف سے اپنے قدیم رواج کو نہیں توڑ سکتے۔ ہمیں اس قصبے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرنا اور اسی میں جینا ہے۔"

ابلقہ یورق اور اسد نے نائب رئیس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ کبھی کبھی خود کو نقصان سے بچانے کے لیے پسپائی ضروری ہو جاتی ہے اور ایسی پسپائی کسی صورت بزدلی کے زمرے میں نہیں آتی لیکن نائب رئیس اور قصبے کے دوسرے سردار ماننے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے گلی کوچوں کو منگول گھوڑوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔

صورت حال الجھ گئی تھی۔ ابلقہ اور اس کے ساتھی اہل قصبہ کے شاتہ بشانہ منگولوں سے لڑتے رہے تھے مگر اب ان کی آرا مختلف ہو گئی تھیں۔ ابلقہ وغیرہ کا کہنا تھا کہ اس وقت قصبے کو نہ چھوڑنا خودکشی کے مترادف ہے جبکہ اہل قصبہ کا تہیہ تھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ سخت کوشش کے باوجود جب وہ اہل قصبہ کو قائل نہیں کر سکے تو انہوں نے خود ہی وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ شیزی کولت نے ننھے رئیس ویزلی سے کہا۔

"رئیس! آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ یہاں آپ کی زندگی کو سخت خطرہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے رئیس کا بازو تھام لیا۔ نائب رئیس گرج کر بولا۔

"اے عورت! رئیس کا بازو چھوڑ دے۔ رئیس یہاں قصبے میں اپنے لوگوں کے ساتھ رہیں گے۔"

شیزی چلا کر بولی۔ "قصبے کے لوگ تو پاگل ہو گئے ہیں میں اس معصوم کو زندگی سے ہاتھ نہیں دھونے دوں گی۔ یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔"

شیزی' رئیس کو اپنی طرف اور نائب رئیس اپنی طرف کھینچنے لگا۔ جھگڑا جب طول پکڑ گیا تو سردار یورق نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تم دونوں رئیس کو چھوڑ دو۔ رئیس اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار ہے۔ اسے خود فیصلہ کرنے دو کہ وہ ہمارے ساتھ جائے گا یا یہاں رہے گا۔"

شیزی نے رئیس کو چھوڑا تو نائب رئیس نے بھی چھوڑ دیا۔ یورق بولا۔ "محترم رئیس! تمہاری کیا رائے ہے' تم ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہو یا یہاں رہو گے۔"

ننھا رئیس پریشانی سے کبھی شیزی اور کبھی گونسل کی طرف دیکھتا تھا۔

شیزی نے کہا۔ "رئیس! میری بات پر یقین کرو۔ یہاں سخت خطرہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم یہاں سے کیوں جاتے۔ کیا اب تک ہم بہادری سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرتے رہے۔"

گونسل بولا۔ "اگر تم اپنے بزرگوں کی قبروں کو منگول گھوڑوں کے سموں میں پامال

ہونے کے لیے چھوڑ گئے تو ان کی روحیں تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ کیا تم اپنے باپ کا فرمان بھول گئے ہو۔ اس نے کہا تھا' مادر وطن پر بھینٹ چڑھانے کے لیے اپنی جان ہر وقت ہتھیلی پر رکھنا اور تمہاری ماں نے مرتے وقت کیا کہا تھا۔ کچھ یاد ہے کہ نہیں....."

شیزی اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "رئیس۔ یہ بوڑھے سردار تیری زندگی سے دشمنی کر رہے ہیں۔ ان کی بات پر کان نہ دھر۔ آجا میرے پاس۔" اس نے اپنی بانہیں رئیس کے لیے پھیلا دیں۔

نائب رئیس بولا۔ "رئیس محترم۔ تمہاری ماں تمہاری بزدلی دیکھے گی تو قبر میں شرم سے پانی پانی ہو جائے گی۔ اس نے تجھے حکم دیا تھا ہر قیمت پر اپنی مٹی کی حفاظت کرنا۔"

رئیس ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا جس کی ایک جانب شیزی تھی اور دوسری جانب نائب رئیس۔ وہ اپنے ننھے سے وجود کے ساتھ تن کر کھڑا تھا اور کسی جلیل القدر بادشاہ کی طرح غور و فکر میں ڈوبا نظر آتا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ دانا نظر آرہا تھا۔ آخر اس نے شیزی کولت' علی اور ابلقہ پر الوداعی نظر ڈالی اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ شیزی نے بے اختیار اس کے پیچھے لپکنا چاہا لیکن نائب رئیس نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ سسک پڑی اور روتی ہوئی اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس مڑ گئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے آج ایک بار پھر اس کی گود اجڑ گئی ہے۔

ابلقہ کے ساتھ اس کا وفادار دستہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ اسد' یورق' علی اور شیزی کولت بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار قصبے سے نکلے اور ایک طویل چکر کاٹ کر مغربی جانب کے نیلوں میں روپوش ہو گئے۔ وہ رات انہوں نے ان نیلوں میں گزاری۔ دوسرے روز علی الصبح وہ اٹھ گئے۔ سپیدہ سحر نمودار ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے مشرق کی جانب دھوئیں کے بادل دیکھے۔ ان کی آنکھوں میں پریشانی اتر آئی۔ یقیناً اہل قصبہ تباہی سے دوچار ہو چکے تھے۔ ابلقہ اور اسد نے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور قصبے کا حال احوال دریافت کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ کوئی چھ کوس چل کر وہ قصبے میں پہنچے اور ان کے دل رنج و غم کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئے۔ قصبہ ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ گلیاں اور بازار لاشوں سے پٹے ہوئے تھے۔ کئی مقامات پر خون کے تالاب بن چکے تھے۔ ایک ایسے تالاب میں انہوں نے ننھے رئیس ویزلی اور نائب رئیس کی لاشیں دیکھیں۔ قصبے کے بیشتر مکانوں کی طرح گرجا بھی جل کر خاکستر ہو چکا تھا اور گرجے کے عین سامنے کٹے ہوئے انسانی سروں کا ایک بہت بڑا مینار نظر آرہا تھا۔ اس مینار میں جہاں ابلقہ کو بہت سے

شناسا چہرے نظر آئے وہاں یوسق کے خادم مداری گر ارغون کا چہرہ بھی دکھائی دیا۔ اتفاقاً وہ مینار کی چوٹی پر رکھا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ مرنے کے بعد بھی کوئی کرتب دکھا رہا ہے .... آثار سے دکھائی دیتا تھا کہ شاید قصبے کا ایک متنفس بھی زندہ نہیں بچا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ منگولوں کو اس جنگ میں زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے اور قصبے کے بہادر باشندوں نے آخر دم تک لڑائی کی ہے۔ قصبے کے ایک چوراہے میں ایک ہموار پتھر پر کسی پڑھے لکھے منگول نے خون میں انگلی ڈبو کر لکھ دیا تھا "بلاؤں کا شہر" (تاریخ بتاتی ہے کہ اپنے زبردست جانی نقصان کے سبب منگول اس قصبے کو Evil City The کا نام دینے پر مجبور ہو گئے تھے) قصبے کے پُرحسرت دورے کے دوران اباقہ اور اسد کو صرف چند افراد زندہ ملے لیکن یہ سب کے سب شدید زخمی تھے۔ ان میں دو منگول اور چار روسی تھے۔ ان منگولوں سے اباقہ اور اسد نے کچھ دیر گفتگو کی۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس قصبے کی مسلسل اور سخت مزاحمت نے منگول لشکر کی کمر توڑ دی ہے۔ وہ کمزور اور نڈھال تو پہلے ہی سے تھے اب بددل بھی ہو چکے تھے۔ ان میں سے اکثر زخمی اور بیمار ہیں لہٰذا سپہ سالار باتو خان نے جنوب کی طرف واپسی کا فیصلہ کیا ہے۔ (اور واقعی منگولوں کی خستہ حالی کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ اس لڑائی کے بعد انھوں نے برباد شدہ وسط ایشیا کو چھوڑا اور جنوبی دشت کی چراگاہوں کی طرف کوچ کر گئے۔ یہاں وہ کافی عرصہ مقیم رہنے کے بعد 1239ء میں دوبارہ نمودار ہوئے۔ اس دفعہ ان کا رخ جنوبی روس کے وسطی علاقے کی طرف تھا۔)

☆-------☆-------☆

اباقہ اور اسد اپنے پڑاؤ میں واپس پہنچے۔ دو روز انھوں نے اسی مقام پر قیام کیا۔ اچھی طرح ستانے کے بعد وہ آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں مصروف ہو گئے۔ منگول چونکہ اب جنوبی دشت کی طرف جا چکے تھے اس لیے مستقبل قریب میں ان سے مڈبھیڑ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ دوسری طرف بغداد کی طرف سے متضاد خبریں آ رہی تھیں۔ کچھ اطلاعات سے پتہ چلتا تھا کہ منگول فاتحین امت مسلمہ پر کاری ضرب لگانے کے لیے دارالخلافہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں نمایاں نقل و حرکت بھی دیکھنے میں آ رہی تھی۔

کافی سوچ بچار اور غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اب عراق واپس جائیں گے۔ اس فیصلے کی بازگشت اباقہ کے کانوں میں خوش آواز گھنٹیوں کی طرح گونج اٹھی۔ "عراق .... عراق .... عراق۔" اس کے جسم کا روآں روآں پکار اٹھا۔ اچانک اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا محسوس ہوا کہ جنوب سے آنے والی ہوائیں الھڑ دوشیزاؤں کی طرح مچل اٹھی ہیں۔ اونچے دیوداروں کے پیڑ' چیڑ کے خوشنما پتے' لمبی لمبی سبز گھاس سب کچھ خوشی سے جھومنے لگا۔ اس نے دور افق کی طرف دیکھا اور ایکا ایکی اس کا دل مارینا کو چھونے کے لیے بے قرار ہو گیا .... کہاں اس نے مارینا کے بغیر مہینوں گزار دیے تھے اور کہاں اسے آغاز سفر سے پہلے کی یہ چند گھڑیاں بھی دشوار محسوس ہو رہی تھیں۔ آخر یہ چند گھڑیاں بھی گزر گئیں اور سرحد عراق کی طرف ان کا طویل اور دشوار گزار سفر شروع ہوا۔

منزلوں پر منزلیں مارتے اور راستے کی دشواریوں پر قابو پاتے وہ آگے بڑھتے رہے۔ روس کی سرزمین' اس کے شہر اس کے گاؤں اب پیچھے رہتے جا رہے تھے لیکن کچھ یادیں ان کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھیں' ان یادوں میں ایک یاد طوطم خان کی تھی جو باتو خان کا سر حاصل کرنے ان کے ساتھ روانہ ہوا تھا مگر اب اس کی لاش دلادلی میر اور دریائے سیت کے درمیان ایک خاموش برفستان میں دبی پڑی تھی۔ ان میں سے ایک یاد رئیس اعظم یوری کی تھی۔ جس کا سر بریدہ لاشہ دہ سیت کے کنارے چھوڑ آئے تھے اور ان یادوں میں ایک یاد نتاشا کی تھی۔ نتاشا......... پھولوں کی طرح شگفتہ اور سربلند پہاڑوں کی طرح باوقار تھی۔ جس کی کنواری ہنسی میں جھرنے گنگناتے تھے اور جس کی فراخ جبیں پر آفتاب طلوع رہتا تھا۔ وہ اپنی ناتمام آرزوؤں کے ساتھ کوزل سک کے نواح میں ایک گھنے پیڑ کے تلے ابدی نیند سو رہی تھی .... ہاں یہ ساری یادیں ان کے ساتھ ساتھ آ رہی تھیں اور وہ جانتے تھے زندگی بھر وہ ان سے دامن نہ چھڑا سکیں گے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انھیں آگے بڑھنا ہے۔ زندگی کا سفر مدام جاری رہتا ہے اور یادوں کا بارگراں اٹھائے انھیں بھی یہ سفر جاری رکھنا تھا۔

☆-------☆-------☆

وہ ایک سرمئی شام تھی۔ افق پر لال کناروں والے بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ نیم گرم ہوا میں پرندوں کی چہکار اور پھولوں کی خوشبو شامل تھی۔ مارینا نے سلیمان کے چھ ماہ کے بچے کو نہلایا دھلایا' پھر اسے کپڑے پہنائے اور پالنے میں بٹھا کر پالنا دھوپ میں رکھ دیا۔ پھر وہ بڑی محبت سے اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا کر اس کے سر پر کنگھی کرنے لگی۔ بچہ اس کے کان کا جھمکا کھینچنے کی کوشش میں قلقاریاں مار رہا تھا۔

نبیلہ سبزی فروش کی طرف گئی ہوئی تھی جبکہ سلیمان ابھی کام سے واپس نہیں آیا تھا' وہ کھجوروں کے ایک باغ میں نگران کا کام کرتا تھا۔ دفعتاً صحن کا دروازہ کھلا اور نبیلہ بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ مارینا چونک کر کھڑی ہو گئی۔ نبیلہ جھپٹ کر مارینا سے بغلگیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گئی اور پٹ سے اس کے گال کا ایک بوسہ لیا۔ مارینا حیرت سے گنگ ہو رہی تھی۔ نبیلہ نے اسے چھوڑا اور چیختے ہوئے بولی۔ "آپا! دولہا بھائی آ گئے۔" مارینا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نبیلہ پھر چیخی "آپا! اباقہ بھائی جان آ گئے۔ میں خود انھیں دیکھ کر آ رہی ہوں۔"

مارینا نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے بھی ایک دو بار اسی انداز میں اسے پریشان کر چکی تھی۔ ایک بار تو مارینا اس سے ناراض ہو گئی تھی۔

مارینا نے دل سنبھالتے ہوئے کہا۔ "آج پھر شرارت سوجھ رہی ہے۔"

نبیلہ نے کہا۔ "خدا کی قسم' قرآن کی قسم' میں سچ کہہ رہی ہوں۔" اس وقت مارینا کی نگاہ سلیمان پر پڑی وہ ابھی اندر آیا تھا۔ اس کا چہرہ بھی مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ وہ بولا۔ "مبارک ہو بہن!....."

مارینا نے اس سے آگے کچھ نہیں سنا' وہ سن ہی نہیں سکی۔ اس کا دل اچانک بلیوں اچھلنے لگا تھا اور شرم نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔ وہ مڑی اور تیز قدموں سے کمرے میں گھس گئی۔ ذرا ہی دیر بعد اسے گھر سے باہر گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر صحن کا دروازہ کھلا اور سلیمان' اسد کے ساتھ اندر داخل ہوا' مارینا دروازے کی جھری سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسد کے پیچھے ایک دبلا پتلا نوعمر بچہ تھا۔ اس کے پیچھے وہ شخص تھا جس کی راہ میں مارینا نے ایک مدت سے آنکھیں بچھا رکھی تھیں۔ لمبا چوڑا اباقہ سر جھکا کر دروازے سے اندر داخل ہوا۔ مارینا کا دل بے قابو ہونے لگا۔ اس نے ایک نظر اباقہ کو دیکھا پھر جائے اپنے بستر پر گر گئی۔ باہر سے باتوں کی آوازیں آتی رہیں۔ تب دروازے پر نبیلہ کی تیز دستک ہوئی۔ پھر اس کی چیختی ہوئی آواز آئی۔

"آپا! باہر آؤ۔ بھائی جان اباقہ بے چین ہو رہے ہیں۔" مارینا نے نبیلہ کو دل ہی دل میں صلوٰتیں سنائی۔ اسے کچھ جواب بن نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک تو اس نے کمرے میں گھس کر غلطی کی تھی دوسرے یہ نبیلہ کی بچی بک بک کر کے سب کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ "آتی ہوں۔" مارینا نے مری مری آواز میں جواب دیا۔ پھر باہر نکلنے کے لیے حوصلہ جمع کرنے لگی۔ کتنی عجیب بات تھی جس گھڑی کے انتظار میں اس نے ایک ایک پل گن گن کر گزارا تھا۔ وہ گھڑی آئی تھی تو اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"آپا جی! شکرانے کے نوافل بعد میں پڑھ لینا پہلے ان سے مل تو لو۔" نبیلہ نے دوبارہ آواز لگائی۔ مارینا ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ پھر اس نے ایک اچٹتی سی نظر آئینے پر ڈالی۔ آنچل درست کیا اور خود کو حتی الامکان پُرسکون اور باوقار بناتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"السلام علیکم....." اس نے مشترکہ سلام کہی۔ اسد نے چند قدم آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ یورق نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بزرگانہ دعا دی۔ مارینا نے کن انکھیوں سے اباقہ کی طرف دیکھا۔ وہ ایسے والہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اسے پھر جھینپنا پڑ گیا۔ گھبراہٹ چھپانے کے لیے وہ علی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کے گالوں کو سہلاتی ہوئی بولی۔ "کتنا پیارا بچہ ہے۔ کیا نام ہے تمہارا۔"

"علی۔" علی نے مختصر جواب دیا۔

اسد نے کہا۔ "جنگ میں یہ بے چارہ تنہا رہ گیا ہے۔ اس لیے ہم ساتھ لے آئے ہیں۔"

نبیلہ نے گفتگو کا رخ مڑتے دیکھا تو پھر بات اباقہ اور مارینا پر لے آئی۔ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ذرا اباقہ بھائی جان کو دیکھئے' ایسے بیٹھے ہیں جیسے چور کوتوالی میں بیٹھا ہوتا ہے۔ اجی کچھ فرمایئے کیوں اتنے شرمسار ہیں آپ؟"

اباقہ بولا۔ "کون شرمسار ہے؟ میں تو نہیں۔"

نبیلہ نے فوراً بات سے بات نکالی۔ "ہاں..... آپ کیوں شرمسار ہوں گے' شرم تو آپ کو چھو کر نہیں گزری۔ توبہ میری یا اللہ۔ شادی سے پہلے آپا کو اس طرح گھور رہے ہیں تو بعد میں کیسے گھوریں گے۔"

مارینا کی پلکیں بے اختیار جھکنے لگیں۔ اباقہ بغلیں جھانک کر رہ گیا۔ سلیمان نے ان دونوں کی جان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا تھا کہ ماں بن جاؤ گی تو زبان کی تیزی کچھ کم ہو جائے گی لیکن یہاں تو الٹا اثر ہو رہا ہے مجھے آئندہ کی حکمت عملی پر نظرثانی کرنی ہو گی۔"

اس دفعہ باری نبیلہ کے شرمانے کی تھی۔ وہ گھور کر سلیمان کو دیکھنے لگی۔ موقعہ غنیمت جان کر مارینا نے علی کو گود میں اٹھا لیا اور دھیمے لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ علی شرمیلے انداز میں مارینا کے جھٹکے سے کھیل رہا تھا۔ کچھ دیر اس میں گول گول انگلی گھماتا رہا۔ پھر بولا۔

"بھائی جان اباقہ! ان کے بندے بالکل شہزادی نتاشا جیسے ہیں۔"

"یہ شہزادی نتاشا کون ہے جی؟" نبیلہ نے تڑاخ سے سوال کیا۔

یکایک اباقہ کے چہرے پر تاریکی سی پھیل گئی۔ اسد اور یورق کے چہروں کو بھی گہری سنجیدگی نے ڈھانپ لیا۔ مارینا اور نبیلہ حیرت سے تاثرات کی یہ تبدیلی دیکھ رہی تھیں۔

نبیلہ نے گھور کر اباقہ کو دیکھا اور کہنے لگی۔ "بھائی جان! آپ تو یوں گھبرا گئے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے ہم نے آپ کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔"

اس وقت اس کے بلند قہقہے نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ خوشدلی سے بولا۔ "آپ ہم لوگوں کو کچھ کھلائیں پلائیں گے بھی یا یونہی کوتوالوں کی طرح ڈانٹتے رہیں گے۔"

نبیلہ نے کہا۔ "لیکن ..... اسد بھائی یہ نتاشا تھی کون؟"

اسد سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ "تھی ایک بیچاری لڑکی۔ اس کے بارے میں بھی آپ کو بتائیں گے۔ فی الحال آپ ذرا ہم سے ہلکی پھلکی باتیں کریں۔ سفر کی تھکان اتارنے کے لئے اگر آج سلیمان اور نبیلہ کے درمیان لطیفے بازی کا مقابلہ ہو جائے تو مناسب ہے۔"

نبیلہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ "اسد بھائی! آپ بڑے چالاک ہیں۔ بات ٹالنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔" پھر اچانک نبیلہ کی نظر شیزی کولت پر پڑی۔ وہ اس ساری گفتگو کے دوران خاموشی سے اباقہ کے قریب بیٹھی رہی تھی۔ اس نے سلیمان کے بچے قاسم کو گود میں اٹھا رکھا تھا اور اسے ہنسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے فارسی کم آتی تھی اس لئے وہ ان کی بات چیت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے رہی تھی۔ نبیلہ نے کہا۔ "یہ کون ذات شریف ہیں؟"

اسد نے کہا۔ "یہ بھی ایک بے سہارا لڑکی ہے۔ اس کا شوہر' بچے ماں باپ سب منگولوں کے ساتھ جنگ میں مارے گئے ہیں۔ بڑی ہمت کی مالک ہے۔ ہر مشکل وقت میں ہمارے ساتھ رہی ہے۔ دریائے سیت کے کنارے لڑی جانے والی جنگ میں یہ منگول سپاہیوں سے بچنے کے لئے یخ بستہ دریا میں کود گئی تھی۔ یورق نے خود کو خطرے میں ڈال کر اس کی جان بچائی۔ بعد میں اس نے بھی ہر طرح ہم سے حق دوستی نبھایا۔" اسد نے شیزی کولت کے متعلق تمام چیدہ چیدہ واقعات نبیلہ اور مارینا کو بتائے۔ اس جرأت مند روسی لڑکی کے حالات زندگی نے ان دونوں کو بہت متاثر کیا۔ وہ کھل مل کر شیزی سے باتیں کرنے لگیں۔

یورق نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "بھائیو! یہاں تو تین زنانہ زبانیں حرکت میں آ گئی ہیں لہٰذا اپنے کانوں کو قید بامشقت سے محفوظ رکھنے کے لئے میں تو یہاں سے چلا۔ آپ کو بھی مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی سماعت پر رحم فرماتے ہوئے کان لپیٹ کر یہاں سے نکل چلیں۔"

نبیلہ نے بھڑک کر کہا۔ "آپ کیوں جاتے ہیں۔ ہم ہی چلی جاتی ہیں' بلکہ اگر آپ کا حکم ہو تو گھر سے باہر ہی چلی جاتی ہیں۔ پھر آپ مطبخ میں چلے جائیے گا اور وہ مرغیاں جو

میں چولہے پر چڑھا آئی ہوں خود ہی کھا لیجئے گا۔"

"ہم ..... مرغیاں۔" یورق نے تھوک نگل کر کہا۔ نبیلہ کے ہاتھ کی بھنی ہوئی مرغی پر تو وہ سب کچھ قربان کر سکتا تھا۔ فوراً ریشہ خطمی ہوتے ہوئے بولا۔ "ارے بھئی' خفا کیوں ہوتی ہو۔ اگر کوئی بات ہمارے سننے والی ہے تو ہم نہیں جاتے' یہیں بیٹھے رہتے ہیں۔"

نبیلہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "جی نہیں۔ آپ شوق سے جائیے۔ یہاں ہم بھنی ہوئی مرغیوں اور بطخوں کی باتیں نہیں کرنے والے۔ کوئی کام کی بات ہی کریں گے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

یورق نے کہا۔ "مرغی کھانے سے پہلے' میں تمہیں جواب دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ لہٰذا جا رہا ہوں۔"

یورق کی اس عیارانہ پسپائی پر سارے دل کھول کر ہنس دیئے۔ یورق کے جانے کے بعد اباقہ اور اسد بھی اٹھ گئے۔ کمرے میں پہنچ کر اسد نے اباقہ سے کہا۔

"اگر میں بات نہ ٹالتا تو بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔ علی تو بیچ چوراہے میں تمہاری شادی کا بھانڈا پھوڑنے لگا تھا۔"

اباقہ پریشانی سے بولا۔ "اب کیا کیا جائے؟"

اسد بولا۔ "میں ابھی علی کو ایک طرف لے جا کر سمجھا دیتا ہوں کہ وہ ابھی نتاشا کے بارے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دے۔ ایک آدھ روز میں' میں خود مارینا کو آرام سے سب کچھ بتا دوں۔"

اباقہ نے کہا۔ "اسد! اس معاملہ کو اب تم نے ہی سنبھالنا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "تم بے فکر رہو ..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مگر پھر یہ ہوا کہ اسی رات اسد کو بلخ جانا پڑ گیا۔ درحقیقت پچھلے دو ماہ سے اسد کی بیوی ہاجرہ سخت بیمار تھی۔ سلیمان اور نبیلہ وغیرہ کو اس کا علم تھا' مگر انہوں نے اسد کو فوری طور پر یہ اطلاع دینا مناسب نہیں سمجھا۔ رات کے کھانے کے بعد سلیمان نے اسد کو یہ خبر سنائی۔ ان کا خیال تھا کہ اسد صبح روانہ ہو گا مگر اپنی محبوب رفیقہ حیات کی علالت نے اسے اتنا پریشان کیا کہ وہ اسی وقت بلخ کے قصد سے روانہ ہو گیا۔

☆=====☆=====☆

اباقہ اور یورق وغیرہ کو روسی مہم سے واپس آئے آٹھ دس روز ہو چکے تھے۔ ان دنوں میں انہوں نے آرام کے سوا اور کچھ نہیں کیا۔ دیہات کی خالص آب و ہوا نے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی صحتوں پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ رہی سہی کسر نبیلہ اور مارینا کے پر تکلف کھانوں نے پوری کر دی تھی۔ ان کے زرد چہروں کی سرخی واپس آ گئی تھی۔ چھوٹے موٹے زخم مندمل ہو گئے تھے۔ علی کی تیلی تیلی ٹانگوں میں بھی کچھ جان پڑنے لگی تھی۔ شیزی کولت اس ماحول میں بہت خوش تھی۔ وہ نبیلہ اور مارینا سے مقامی کھانے پکانا سیکھ رہی تھی۔ فارغ وقت میں وہ تینوں گہری سہیلیوں کی طرح بیٹھ کے باتیں کرتیں۔ سلیمان صبح سویرے اپنے کام پر نکل جاتا۔ جب دن خوب چڑھ آتا تو اباقہ اور یورق گھوڑوں پر بیٹھ کر کھیتوں کی طرف نکل جاتے۔ گاؤں والوں کو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ سلیمان کے گھر کچھ دور کے مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اباقہ یورق اور علی کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے بھی گاؤں والوں سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کی اور یہی ان کے حق میں بہتر تھا۔ اباقہ جانتا تھا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بغداد کے اعلیٰ حکام کو یرغمال بنانے والا اور شہر کے طول و عرض میں خونریزی کرنے والا اباقہ نزدیک کے ایک گاؤں میں موجود ہے تو وہ اس سے انتقام لینے کے لئے سراپا آگ بن جاتے۔ ان کی وہ تلواریں جو منگولوں کے خوف سے میانوں میں گھسی پڑی تھیں' نکل آتیں اور اباقہ کا خون اچھالنے کے لئے گلی کوچوں میں نکل آتیں۔ خلافت عباسیہ کی یہ اندھی اور بے حس تلواریں کبھی نہ دیکھ سکتیں کہ یہ وہ شخص ہے جو ان کے دشمنوں کا سب سے خوفناک دشمن ہے۔ وہ ان سے چین' روس اور قراقرم کی وسعتوں میں برسرپیکار رہا ہے۔ اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں اٹھائے اور لبوں پر نعرہ تکبیر سجائے وہ ملک ملک اور قوم قوم ان کی مزاحمت کرتا رہا ہے اور آج اس کا نام ایک گمنام مسلمان مجاہد کے طور پر قراقرم کے ایوانوں سے لے کر وسطی روس کی فصیلوں تک گونج رہا ہے۔ اہل بغداد کی یہ اندھی تلواریں کبھی نہ جان سکتیں کہ جس گردن کو وہ کاٹ رہی ہیں وہ لوہے کی نہیں پھولوں کے ہاروں کی مستحق تھی۔ یہ شخص راہوں میں آنکھیں بچھائے جانے اور کندھوں پر اٹھائے جانے کا اہل تھا۔

اباقہ اہل بغداد کی نادانیوں کو سمجھتا تھا۔ لہٰذا وہ بغداد کی طرف جانے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگر وہ کبھی یورق کے ساتھ گاؤں سے نکلتا تھا تو کھیتوں میں گھوم پھر کر واپس آ جاتا تھا یا کبھی کبھی سرحدی علاقے کے گھنے جنگل کی طرف چلا جاتا تھا۔ یہاں درختوں کے ایک ذخیرے میں ان ڈھائی سو سپاہیوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا جو اباقہ کے ساتھ ہی روس سے یہاں پہنچے تھے۔ اباقہ چونکہ انہیں گاؤں نہیں لے جا سکتا تھا اس لئے ان کے قیام و طعام کا بندوبست یہیں کر دیا گیا تھا۔

ایک روز اباقہ اپنے سپاہیوں سے مل کر اکیلا ہی واپس آ رہا تھا۔ گھر کے قریب پہنچ کر

اس نے ایک سریلی آواز سنی اور رک گیا۔ یہ آواز زیتون کے درختوں سے آئی تھی۔ اباقہ نے اپنا گھوڑا ادھر موڑا اور جلد ہی مارینا کو ایک جگہ تنہا کھڑے پایا۔ دیہاتی عورت کے سادہ لباس نے اس کے حسن کو کچھ اور بھڑکا دیا تھا۔ موٹی اوڑھنی کو بے تکلفی سے گلے میں ڈالے وہ اس طرح کھڑی تھی کہ ایک مور اس کی بغل میں تھا اور مورنی کو ڈھونڈنے کے لئے وہ آوازیں دے رہی تھی۔ موروں کا یہ جوڑا سلیمان نے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ سارا دن یہ پرندے اِدھر اُدھر گھومتے رہتے تھے اور شام کو انہیں گھر میں بند کر لیا جاتا تھا۔ اس وقت شام ہونے کو تھی اور مارینا غالباً انہیں گھر لے جانے آئی تھی۔ اباقہ کو اس طرح اپنے سامنے کھڑا پا کر حیا کا رنگ اس کے چہرے پر بکھر گیا۔ اباقہ گھوڑے سے اتر کر اس کے قریب چلا آیا۔

ابھی وہ کوئی بات بھی نہ کرنے پایا تھا کہ درختوں سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے۔ میں بالکل نہیں دیکھ رہی۔" اباقہ اور مارینا نے چونک کر دیکھا۔ نبیلہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

مارینا نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ابھی آئے ہیں۔"

نبیلہ بولی۔ "لیکن ابھی جائیں گے نہیں۔ کافی دیر یہاں رکیں گے۔ لہٰذا آپا جان! تم یہ مور مجھے دے دو تاکہ میں تو گھر جاؤں۔"

مارینا بولی۔ "اتنی جلدی کیوں کرتی ہو۔ مورنی کو نہیں ڈھونڈو گی۔"

نبیلہ شوخی سے بولی۔ "مور مل گیا ہے' مورنی اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود ہی پہنچ جائے گی۔"

مارینا نے اسے مور لے کر واپس جاتے دیکھا تو گھبرا کر بولی۔ "ٹھہرو' میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

نبیلہ بولی۔ "میں یہاں زیادہ دیر آنکھیں بند کئے کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے مجھے تو معاف ہی رکھو' میں جا رہی ہوں۔"

اس سے پہلے کہ مارینا کچھ کہتی وہ ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی درختوں میں غائب ہو گئی۔

"نبیلہ!" مارینا نے آخری کوشش کے طور پر آواز دی۔

"میرا منا رو رہا ہے۔" درختوں سے آواز آئی۔

اباقہ اس کی تیزی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر مارینا کی جھکی پلکوں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"مارینا! تم مجھ سے کچھ کچھی کچھی رہتی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارینا نے جب دیکھا کہ اب تو پھنس ہی گئی ہے تو کچھ شوخ ہوتے ہوئے بولی۔ "ایسے ضروری ہوتا ہے۔"

اباقہ اس کی بات سمجھتا ہوا بولا۔ "یہ اسد بھی نہ جانے کہاں جا کر بیٹھ گیا ہے۔ آئے تو کچھ انتظام وغیرہ ہو ..... ہماری شادی کا۔"

مارینا نے کہا۔ "ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"

اباقہ اس کے لہجے میں چھپا ہوا ہلکا ہلکا طنز اور درد محسوس کر رہا تھا۔ واقعی انہوں نے ایک ہونے میں بہت دیر کی تھی ..... بہت دیر کی تھی۔ ان کے بعد محبت کے سفر کا آغاز کرنے والے ان سے کہیں آگے نکل گئے تھے۔ نہ جانے ایسا کیوں ہوا کہ بارہا وہ اپنی منزل کے قریب پہنچتے پہنچتے رہ گئے تھے۔ مارینا کے اظہار غم نے اباقہ کو بے قرار کر دیا۔ اس نے بے اختیار ہو کر مارینا کا گداز ہاتھ تھام لیا۔

مارینا نے لامبی پلکیں اٹھا کر اباقہ کا چہرہ دیکھا اور جلدی سے پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ "وہ جو آنکھیں بند کئے درختوں سے نکلی تھی، درختوں میں جا کر آنکھیں کھول بھی سکتی ہے۔"

اباقہ ٹھٹک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نبیلہ نظر تو کہیں نہیں آ رہی تھی مگر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ جا چکی ہو۔ مارینا کی کھنک دار ہنسی نے فضا میں ایک خوبصورت ارتعاش پیدا کیا۔ وہ موتیوں جیسے دانت چمکا کر بولی۔ "آپ کی بیماری کی یہی ایک دوا ہے۔"

اباقہ منہ بنا کر بولا۔ "یہ دوا نہیں خود بیماری ہے ہر جگہ ہر موقع پر چھلاوے کی طرح موجود ہوتی ہے۔ پتہ نہیں سلیمان اس سے کیسے نبھا کرتا ہے۔"

مارینا ہنسی۔ "اگر یہ بیماری ہے تو بھی آپ ہی لائے تھے ..... خلیج فارس سے۔"

اباقہ بولا۔ "مجھے تو ڈر ہے یہ کم بخت ہمارے جلیۂ عروسی میں بھی آ ٹپکے گی۔"

مارینا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ "دیکھئے اب یہاں ایسی باتیں ہوں گی تو میں چلی جاؤں گی۔"

اباقہ نے کہا۔ "ٹھیک ہے اگر تم یہاں رہنے کا وعدہ کرو تو میں کوئی بات ہی نہیں کرتا۔"

مارینا نے کہا۔ "روسی لڑکیوں نے آپ کو بہت باتیں کرنا سکھادی ہیں۔"

اباقہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو سنا ہے کہ روسی لڑکیاں ایسے موقعوں پر بالکل باتیں نہیں کرتیں۔"

"پھر کیا کرتی ہیں؟" مارینا نے خوبصورت حیرانی سے پوچھا۔

جواب میں اباقہ مسکرا کر رہ گیا۔ مارینا بری طرح جھینپ گئی۔

اسی رات کا ذکر ہے جب گھر میں سب سو گئے تو اباقہ بہ آہستگی اپنے بستر سے اٹھا اور نبیلہ کے کمرے میں جا پہنچا۔ سلیمان اور دو بچے کو درمیان میں لٹائے گہری نیند سو رہے تھے۔ اباقہ نے نبیلہ کو دو تین بار جھنجھوڑا تو وہ جاگ گئی۔ ساتھ ہی سلیمان بھی بیدار ہو گیا۔ اباقہ نے سلیمان سے کہا کہ وہ بچے کا خیال رکھے اور اباقہ نے نبیلہ سے کہا۔ "میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔" نبیلہ اباقہ کے ساتھ باہر آ گئی۔ اباقہ اسے صحن میں لے آیا۔ دونوں کھجور کے ایک درخت تلے پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گئے۔ اباقہ کافی دیر اپنا حوصلہ جمع کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر بولا۔

"نبیلہ! میں جو بات کہنے لگا ہوں وہ فی الحال تمہارے اور میرے درمیان رہنی چاہئے۔"

نبیلہ نے کہا۔ "بھائی جان! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

اباقہ بولا۔ "میں تم سے ایک اہم مشورہ طلب کرنا چاہتا ہوں ..... بات یہ ہے کہ ..... حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ..... میں نے روس میں شادی کر لی تھی۔"

مدھم چاندنی میں نبیلہ کے چہرے سے لگا جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ وہ حیرت زدہ نگاہوں سے اباقہ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ اس کے کان کیا سن رہے ہیں۔ اباقہ اس کے جذبات سمجھتا تھا ..... اس لئے دھیرے دھیرے نرمی کے ساتھ اسے ان حالات اور واقعات سے آگاہ کرنے لگا جن میں اسے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ دلاوری میر کی افواہوں سے لے کر نتاشا کی بدنامی تک اور رئیس اعظم یوری کی منت سماجت سے لے کر اپنے ساتھیوں کی مشکلات تک سب کچھ نبیلہ کو بتایا۔ نبیلہ ساکت بیٹھی گھمبیر خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی۔ جب اباقہ نے اپنی بات ختم کی تو نبیلہ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ وہ بولی۔

"بھائی جان! یہ سب کیسے ہو گیا۔ آپ نے اتنا بڑا قدم کیونکر اٹھا لیا۔ میں آپ کی مجبوریاں سن چکی ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپا یہ خبر کیونکر سن پائے گی۔ بھائی جان! آپ کو کچھ معلوم نہیں آپا آپ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ خدا کی قسم آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ وہ آپ کی پرستش کرتی ہیں۔ خدا کی ذات کے بعد وہ آپ پر ایمان رکھتی ہیں۔ میں نے موسم سرما کی طویل راتوں میں انہیں آپ کے نام کا ورد کرتے سنا ہے۔ میں نے صبح کاذب کے وقت مصلّے پر بیٹھ کر انہیں طویل دعائیں مانگتے اور روتے دیکھا ہے۔ آپ تو یہاں سے چلے گئے تھے لیکن یہاں جس جس چیز میں آپ اپنی خوشبو چھوڑ گئے تھے وہ آپا کو جان سے پیاری تھی۔ آپ کے پرانے جوتے، آپ کا بوسیدہ لباس اور بے کار ہتھیار، سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ آپا نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ پہروں کمرہ بند کر کے وہ انہیں دیکھتی رہتی تھیں۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ آپ نے کب کس برتن میں کھانا کھایا تھا مگر آپا کو سب معلوم ہے۔ وہ آج تک آپ کے جھوٹے برتنوں میں کھانا کھاتی رہیں اور ہر نوالے پر آپ کو یاد کرتی رہیں لیکن آپ نے یہ کیا کیا بھائی جان! آپا کے بے پناہ اعتماد کا خون کر دیا۔"

اباقہ نے کہا۔ "نبیلہ! کیا وہ مجھے میری اس مجبوری پر معاف نہیں کر دے گی؟"

نبیلہ نے کہا۔ "بھائی جان! آپا آپ سے محبت نہیں کرتیں' عشق کرتی ہیں اور عشق بڑا ظالم ہوتا ہے۔ محبوب کی مجبوریوں کو نہیں دیکھتا۔ صرف محبوب کو دیکھتا ہے....."

نبیلہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھی' لیکن پھر جھجک گئی اور خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں بے نام اندیشے تھے۔ ایک عورت ہونے کے ناطے وہ دوسری عورت کے درد کو بخوبی سمجھ سکتی تھی اور یہی آگاہی اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

دونوں دیر تک اس بارے میں مشورہ کرتے رہے کہ مارینا کو اس خبر سے کیونکر آگاہ کیا جائے۔ آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ مارینا کو یہ اطلاع دینے کے لئے اسد سے مناسب اور کوئی شخص نہیں۔ اسد میں دوسرے کو قائل کرنے کی خوبی تھی اور مارینا اسد کی بات مانتی بھی تھی۔ وہ اپنے مدبرانہ انداز سے اس واقعے کی شدت کو کم سے کم کر سکتا تھا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اسد کے آنے تک اس خبر کو راز رکھا جائے۔

اگلے روز کی بات ہے سلیمان کی روانگی کے بعد جب اباقہ اور یورق بھی گھومنے پھرنے نکل گئے تو مارینا اس کمرے میں پہنچی جہاں اباقہ یورق اور شیزی کولت کا سامان رکھا تھا۔ اباقہ کی خرجین کھول کر مارینا اس میں سے استعمال شدہ لباس اور دوسری اشیاء نکالنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ کارآمد اشیاء رکھ کر باقی فالتو چیزیں پھینک دے یا کسی مستحق شخص کو دے ڈالے۔ اباقہ کی خرجین سے اس نے ایک جوڑا برفانی جوتے' دو بوسیدہ صدریاں' ایک پھٹا ہوا کمبل' ایک زنگ آلود خنجر اور چند ٹوٹے ہوئے تیر نکالے۔ اس کے علاوہ سینے پرونے اور مرہم پٹی کا کچھ ناقابل استعمال سامان بھی تھا۔ مارینا نے اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ کمبل اور بوسیدہ صدریاں اباقہ کے استعمال کی نہیں لہٰذا وہ کسی کو دے دینی چاہئیں۔ اس نے سوچا کہ کل سلیمان جب کام پر روانہ ہو گا تو وہ یہ چیزیں اسے تھما دے گی تاکہ وہ کسی ضرورتمند کو دے ڈالے۔ اچانک مارینا نے سوچا کہ صدریوں کو دیکھ لینا چاہئے کہیں ان میں کوئی چیز نہ رہ گئی ہو۔ اس نے صدریوں کی جیبیں ٹٹولیں تو ایک جیب میں سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ برآمد ہوا۔ اس کاغذ پر خون کے دھبے موجود تھے۔ مارینا بے خیالی میں کاغذ کھول کر دیکھنے لگی۔ نبیلہ نے اسے تھوڑی بہت فارسی پڑھا دی تھی

اور اب وہ خوشخط لکھی ہوئی تحریر معمولی کوشش سے پڑھ سکتی تھی۔

اس کاغذ پر جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھنے میں مارینا کو بہت دشواری پیش آئی مگر جوں جوں وہ پڑھتی گئی اس کا رنگ زرد ہوتا چلا گیا۔ ایک عجیب سا خوف اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگا۔ تحریر کی آخری سطور کچھ یوں تھی۔

..... اے آوارہ بادلو! اے کلی کلی منڈلانے والے بھنورو! اے دل پھینک پروانو! اور اے پہاڑوں کی نادان شہزادیو! وہ میرا ہے صرف میرا۔ اس کے دل اور اس کی روح میں میرا آشیانہ ہے اور میری جان اور میری روح میں اس کا بسیرا ہے۔ اگر تم سب اسے دیکھنا چاہتے ہو تو میری آنکھوں سے دیکھو ..... صرف میری آنکھوں سے۔

آخر میں "نتاشا" لکھا تھا۔ یہ نام پڑھ کر مارینا کے ذہن میں اَن گنت وسوسے سر اٹھانے لگے۔ وہ یہ نام اس سے پیشتر بھی سن چکی تھی۔ چند روز پہلے علی نے یہ نام لیا تھا اور نبیلہ نے اباقہ سے پوچھا تھا کہ یہ عورت کون ہے تو اسد نے فوراً بات ٹال دی تھی۔ اب وہ سارا واقعہ مارینا کے ذہن میں تازہ ہو رہا تھا۔ مارینا نے کمرے کے دریچے سے باہر جھانکا۔ یہ دریچہ مکان کے پہلو میں کھلتا تھا اور یہاں سے کھیتوں کے مناظر صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ زیتون کے درخت تلے علی جھولا جھولنے میں مصروف تھا۔ مارینا نے دریچے سے آواز دے کر اسے اندر بلا لیا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ اچھلتا کودتا اندر چلا گیا۔ مارینا نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور نرمی سے کہا۔

"علی' کیا تم مجھے نتاشا کے بارے کچھ بتاؤ گے۔"

علی چونکا پھر یکایک اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے اور نفی میں سر ہلانے لگا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ کسی نے اسے نتاشا کا ذکر کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ مارینا کا چہرہ غم کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گیا۔ وہ خالی خالی اداس نظروں سے علی کو دیکھتی چلی گئی۔ علی نے اس کی اداسی اور ناراضگی کو محسوس کیا اور کچھ پریشان سا ہو گیا۔ جھٹ اپنی قبا کے اندر سے اس نے سرقند کا شیریں سیب نکالا اور مارینا کے ہونٹوں سے مس کرتا ہوا بولا۔

"آپا! یہ سیب کھائیں۔ سلیمان بھائی جان نے لا کر دیا تھا۔"

مارینا نے آہستگی سے سیب پیچھے ہٹا دیا۔ ہوشیار علی سمجھ گیا کہ اس نے اپنے جواب سے مارینا کو صدمہ پہنچایا ہے۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

"آپا جان! آپ خفا نہ ہوں۔ میں آپ کو بتا دیتا ہوں لیکن اسد بھائی جان کو بالکل نہ بتانا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا۔" مارینا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ علی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبردستی مارینا کی گود میں گھستے ہوئے کہا۔ "شہزادی نتاشا بڑی خوبصورت تھیں اتنی ساری کہ بہت ہی پیاری۔ اباقہ بھائی جان نے ان سے شادی کی تھی۔ اس شادی میں' میں نے بڑے مزے مزے کے پکوان کھائے تھے۔ میں ہر روز شہزادی نتاشا اور بھائی جان اباقہ کے ساتھ ان کے خیمے میں سوتا تھا۔ دونوں مجھ سے بڑا پیار کرتے تھے ..... لیکن ایک روز کسی نے شہزادی کو تلوار سے مار ڈالا۔ اس روز اباقہ بھائی جان بہت روئے تھے اور میں بھی بہت رویا تھا اور ہم سب بہت روئے تھے۔ پھر اباقہ بھائی جان نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا تھا اور اس وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا جب تک شہزادی کو مارنے والے کی جان نہیں لے لی تھی۔"

مارینا سکتے کے عالم میں یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ علی بہت دیر نتاشا کی خوبیاں بیان کرتا رہا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو مارینا لرزاں لہجے میں بولی۔

"علی! تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔ تمہارے بھائی جان نے اس عورت سے شادی نہیں کی ہو گی۔ وہ ایسے ہی تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہو گی۔"

علی نے کہا۔ "نہیں آپا جان! مجھے معلوم ہے شادی کیسے ہوتی ہے۔ دولہا اور دلہن چمکدار کپڑے پہنتے ہیں۔ دلہن چہرے پر غازہ لگاتی ہے۔ سرخی لگاتی ہے اور زیور پہنتی ہے۔ لوگ ان دونوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔ پھر ان کا کمرہ پھولوں اور رنگوں سے خوب خوب سجایا جاتا ہے اور وہ دونوں رات کو اس کمرے میں اکٹھے سوتے ہیں۔"

مارینا نے کمزور لہجے میں پوچھا۔ "کیا یہ سب کچھ تمہارے بھائی جان کی شادی پر بھی ہوا تھا؟"

علی اپنی پتلی گردن زور زور سے ہلا کر بولا۔ "اور نہیں تو کیا۔"

مارینا کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کی بھیانک ترین خبر ایک بچے کی زبانی سن رہی تھی۔ اس کا دل اسے فریب دے رہا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ شاید اس بچے نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ یا شاید اس کے ساتھ کوئی سوچا سمجھا مذاق کیا گیا ہے۔ اس نے علی کو باہر بھیج دیا اور دل میں درد و کرب کی ناقابل برداشت لہریں چھپائے اباقہ کا انتظار کرنے لگی۔

☆======☆======☆

یہ منظر قراقرم کا تھا۔ سینکڑوں ہزاروں میلوں پر مشتمل یہ عظیم الشان بستی افق تا افق پھیلی ہوئی تھی۔ دن بھر کا تھکا ماندہ سورج صحرائے گوبی کے ٹیلوں میں منہ چھپا رہا تھا۔ اس کی الوداعی کرنیں اس عظیم الشان محل کے سنہری کلسوں اور برجوں پر پڑ رہی تھیں جو

خاقان اوغدائی نے حال ہی میں تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کی خواہش خاقان کی چہیتی بیوی توراکینہ نے کی تھی اور خاقان نے اپنی قدیم روایات کو توڑتے ہوئے اس بے کراں خیمہ بستی کے بیچوں بیچ یہ شاندار عمارت کھڑی کر دی تھی۔ مشرق و مغرب کی سلطنتوں سے لوٹا ہوا بیش قیمت سامان آرائش اس محل میں یوں سجا دیا گیا تھا جیسے یہ محل نہ ہو کوئی خوبصورت نمائش گاہ ہو۔ اوغدائی کے اس محل کی تعمیر میں چین' ختا اور خوارزم کے ہنرمند ترین کاریگروں نے حصہ لیا تھا اور اپنی شبانہ روز محنت سے اسے دنیا میں یکتائے روزگار بنا دیا تھا۔ منگول شہنشاہ نے یہ محل مہذب قوموں کی نقل پر تعمیر کرایا تھا مگر یہ نقل' اصل سے بھی بڑھ گئی تھی۔ مئورخین کے مطابق اس محل کی وسعت ایک تیر کی اڑان کے برابر تھی۔ اس کے اندر مختلف جانوروں کی شکل کے طلائی مجسمے تھے جن میں شراب یا گھوڑی کا دودھ بھر دیا جاتا تھا۔ ان مجسموں سے یہ مشروب چاندی کے ظروف میں گرتے تھے۔

اس وقت خاقان اوغدائی اپنے اس نو تعمیر شدہ محل میں ایک شاندار تخت پر بڑے تکلف سے بیٹھا تھا۔ حسین کنیزیں اور خدام خدمت کے لئے دست بستہ کھڑے تھے۔ اوغدائی کی بیوی اس کے پہلو میں بڑے کروفر سے جلوہ افروز تھی۔ ایک بہت بڑے طلائی طشت میں میوہ جات کا ڈھیر لگا تھا۔ اس طشت کی ایک جانب اوغدائی اور دوسری طرف توراکینہ تھی۔ چنگیز خاں کے یہ دونوں عمر رسیدہ بیٹے پھلوں پر ہاتھ صاف کرنے کے ساتھ ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ توراکینہ بھی گاہے گاہے اس گفتگو میں حصہ لے لیتی تھی۔

اتنے میں شاہی نقیب اندر داخل ہوا اور اس نے منگولوں کے مخصوص انداز میں آداب پیش کرنے کے بعد اطلاع دی کہ ملک عراق سے ایک اہم پیام بر آیا ہے اور فوراً آستانہ بوسی کی اجازت چاہتا ہے۔ خاقان اوغدائی نے سر کی جنبش سے اجازت دی۔ چند لمحے بعد ایک دراز قدم منگول ایک پستہ قامت عراقی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ آداب بجا لا کر کے دونوں دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اوغدائی اپنے منگول کارندے کو پہچانتا ہوا بولا۔ "چنگیزی تیرا چہرہ دمک رہا ہے۔ جاودانی آسمان کی قسم مجھے یقین ہے کہ تو کوئی زبردست خبر لایا ہے۔"

چنگیزی نے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی' لیکن اس کی آواز پھر بھی وفور مسرت سے لرز رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا۔ "اے خاقان! خاقان اعظم کی روح ہم پر مہربان رہے۔ تیرا یہ غلام' تیرے بدبخت دشمن کا کھوج لگانے میں کامیاب رہا ہے۔"

اس دفعہ خاقان کی آواز میں بھی ارتعاش تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اباقہ کو ڈھونڈ نکالا ہے۔"

تنگیزی نے اظہار جذبات کے لئے اپنا سر زمین سے لگا کر خاقان کو سجدہ کیا اور بولا۔ "ہاں خاقان! چغتائی خان کی بے وفا بیوی مارینا اور اباقہ اس وقت بغداد کے ایک نواحی گاؤں میں موجود ہیں۔ اباقہ کے ساتھی بھی اس کے ساتھ مقیم ہیں۔"

اب چغتائی خان کے لئے بھی خود پر قابو رکھنا دشوار تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تنگیزی تفصیل سے بتا .... ہمیں تفصیل سے بتا۔ یاسا کی قسم جونہی تیری بات ختم ہو گی ان دونوں بدبختوں کے آخری سانس کی گنتی شروع ہو جائے گی۔"

توراکینہ نے خاقان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ خاقان بیٹھا تو چغتائی' دراز قد تنگیزی اور عراقی بھی بیٹھ گئے۔ تنگیزی نے کہنا شروع کیا۔

"اے خاقان محترم! تیرے حکم کے مطابق پچھلے آٹھ ماہ سے میرا یہ عراقی دوست دیہاتی کے بھیس میں اس مکان کی نگرانی کر رہا تھا جہاں ہم نے چغتائی کی بے وفا بیوی کا سراغ لگایا تھا۔ نہایت خاموشی اور صبر کے ساتھ ہم اس انتظار میں تھے کہ ہمارا دوسرا شکار بھی اس مکان میں پہنچے اور ہم قراقرم خبر پہنچائیں۔ آخر آج سے کوئی ایک ماہ پہلے اس ایرانی سلیمان کے گھر کچھ مہمان آئے۔ میرے اس عراقی ساتھی نے فوراً مجھے اطلاع دی کہ کچھ اجنبی مسافر سلیمان کے گھر پہنچے ہیں اور ان کی نقل و حرکت مشکوک ہے۔ ایک روز میں اپنا سر لپیٹ کر کوڑھی کے بھیس میں گاؤں پہنچا اور سلیمان کے گھر کے سامنے گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ دوپہر سے کچھ پہلے اباقہ اور سردار یورق گھوڑوں پر سوار نکلے اور ایک جانب چل دیئے۔ میں اباقہ اور یورق کو اچھی طرح پہچان چکا تھا مگر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کدھر جاتے ہیں۔ وہ سرحدی علاقے کی طرف نکل گئے۔ یہاں انہوں نے گھنے درختوں میں اپنے دو ڈھائی سو سپاہیوں کو ٹھہرا رکھا ہے۔ سپاہیوں سے مل کر واپس گاؤں پہنچ گئے۔

دو تین روز میں ہم نے پتہ چلا لیا کہ سلیمان کے یہ "مہمان" یہاں کافی دیر قیام کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں کہ ہماری واپسی تک روپوش ہو جائیں۔ میں نے اپنے دو تین خاص کارندوں کو گاؤں میں مقرر کر دیا اور فوراً تیری طرف روانہ ہو گیا۔"

خاقان اوغدائی نے کہا۔ "تیرے عراقی ساتھیوں میں سے کوئی ایسا شخص تو نہیں جو اباقہ کی موجودگی کی اطلاع خلیفہ تک پہنچا دے۔"

تنگیزی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "خاقان' تیرا یہ غلام اچھی طرح جانتا ہے کہ اباقہ ہمارے علاوہ بغداد والوں کا بھی مجرم ہے۔ انہیں بتانے کا مطلب تو یہ تھا کہ یہاں

پہنچنے سے پہلے ہی اس بدبخت کی تکہ بوٹی ہو جاتی۔"

بوڑھے چغتائی نے بڑے جوش سے تنگیزی کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "تُو نے حق نمک ادا کر دیا .... شاباش۔"

خاقان اوغدائی نے ادوگرد نگاہ دوڑائی پھر ایک نہایت حسین خوارزمی کنیز کو بازو سے پکڑ کر تنگیزی کی آغوش میں پھینک دیا اور ایک دوسری کنیز عراقی کے حوالے کر دی۔ پھر کہنے لگا۔

"جاؤ اب کھانا کھا کر آرام کرو۔ ہو سکتا ہے کل صبح تمہیں واپسی کے سفر پر روانہ ہونا پڑے .... اور ہاں صبح ان کنیزوں کا وزن کروا لینا۔ وزن کے برابر تمہیں سونا اور چاندی تول کر دے دیا جائے گا۔"

تشکر کا عاجزانہ اظہار کرتے ہوئے دونوں افراد واپس چلے گئے تو اوغدائی' چغتائی اور توراکینہ سر جوڑ کر گفتگو کرنے لگے۔ اب محل میں کافوری شمعیں جل اٹھی تھیں اور ان کی روشنی میں تینوں کے چہرے جوش سے تمتما رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد خاقان کی چہیتی بیوی توراکینہ محل کے خادم خاص کو حکم دے رہی تھی کہ آج رات کا کھانا تمام بڑے بڑے سردار اور مصاحبین ہمارے ساتھ کھائیں گے۔

محلوں میں آ جانے کے باوجود ان صحرا نشینوں کے طور اطوار نہیں بدلے تھے۔ کھانے پر وہ اب بھی وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ بڑے بڑے طباقوں میں گوشت کے ابلے ہوئے اور تلے ہوئے پارچہ جات رکھ دیئے گئے تھے۔ ساتھ گھوڑی کے دودھ کے مٹکے تھے اور شراب کی صراحیاں۔ پورے محل میں لوبان و عنبر کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ ایک طرف مدھر چینی موسیقی میں نیم برہنہ چینی حسینائیں رقص غلای میں مصروف تھیں۔ منگول سردار دانت تو گوشت میں گاڑتے تھے اور دیکھتے ان پری وش عورتوں کی جانب تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد اس نشست گاہ میں سنجیدگی کا ماحول پیدا ہو گیا۔ خاقان اوغدائی نے اپنی بھاری بھرکم لیکن بوڑھی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"اے نیلے آسمان کے بیٹو! میں نے آج تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے اکٹھا کیا ہے۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ ہمارے دشمنوں میں سے ایک شیطان صفت دشمن کا نام ہے اباقہ۔ شامانوں کا کہنا ہے کہ اس بدبخت کے جسم میں کوئی بھٹکی ہوئی لعنتی روح حلول کر چکی ہے۔ جس کے سبب وہ ایک خطرناک درندہ بن چکا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ اس وحشی نے قدم قدم پر ہمیں للکارا ہے اور ہمارے جسم پر چرکے لگائے ہیں۔ ہم جو ریت کے ذروں کی طرح لاتعداد' پہاڑوں کی طرح بلند اقبال اور سمندر کی طرح بے کراں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں' اس شیطان کو اپنے جسم میں ایک زہریلے کانٹے کی مانند پیوست محسوس کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ شخص نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ روس پہنچا ہے اور اس نے ہمارے خلاف وہاں کے رئیسوں کی ہر طرح مدد کی ہے۔ روس میں ہمیں جہاں جہاں زک اٹھانا پڑی ہے وہاں وہاں اس کا ہاتھ رہا ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ روس سرزمین سے ہماری پسپائی کی بڑی وجہ یہی شخص ہے۔ اس شخص کی زیر قیادت جنوبی روس کے چھوٹے سے قصبے کوزل سک کے باسیوں نے ایسی پُرزور اور طویل مزاحمت کی کہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے بدل ہو کر بیابانوں کا رخ کر لیا۔ اے چنگیز خان کے باغیرت اور سرفروش بیٹو! تمہیں یاد ہو گا کہ یہی شخص تھا جس نے کچھ برس پہلے میرے بڑے بھائی چغتائی خاں کی بیوی مارینا کو بہکایا اور اسے یہاں سے لے اڑا۔ ہم اس واقعے کو کیوں کر بھول سکتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں وہ زخم تازہ ہے۔ اس زخم کے مرہم کے لئے ہم مسلسل کوشاں رہے ہیں۔ دنیا کے طول و عرض میں ہم نے ان دونوں کی تلاش کا کام جاری رکھا ہے اور کسی موقع پر ہمت نہیں ہاری۔ میرے ساتھیو! میں تمہیں یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ بالآخر ہماری کوششیں رنگ لائی ہیں اور ہم ان دونوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آج سے تقریباً نو ماہ پہلے ہمارے جاسوسوں نے چغتائی کی بے وفا بیوی مارینا کا سراغ لگا لیا تھا مگر میری ہدایت کے مطابق وہ خاموشی سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مارینا کا ساتھی اباقہ اس تک پہنچتا اور دونوں کو اکٹھے پکڑا جاتا۔ ایک صبر آزما انتظار کے بعد آخر یہ وقت آ گیا ہے۔ مارینا اور اباقہ دونوں بغداد کے ایک مضافاتی گاؤں میں موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وقت ضائع کئے بغیر منگول لشکر میں سے ایک بہترین دستہ تیار کر کے خوارزم روانہ کیا جائے اور وہ خاموشی سے سرحد پار کر کے اس عراقی گاؤں سے قراقرم کے ان دونوں مجرموں کو اٹھا لائے....."

خاقان اوغدائی کے اس اعلان نے سرداروں میں جوش و خروش کی لہر دوڑا دی اور وہ پوری دلچسپی سے اس گفتگو میں حصہ لینے لگے۔ خاقان نے سرداروں سے مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ لشکر کے تمام تومانوں (دستوں) میں سے سرفروش رضاکاروں کو چن کر اس مہم پر روانہ کیا جائے۔ کیونکہ اباقہ کو گرفتار کر لینا اتنا سہل نہیں۔ نہ صرف اس کے خطرناک ساتھی اس گاؤں میں موجود ہیں بلکہ روسی جاں بازوں کا ایک دستہ بھی گاؤں کے نواح میں خیمہ زن ہے۔ رات کا اندھیرا گہرا ہوتے ہوتے اس مہم کی خبر قراقرم کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔ جلد ہی منگول لشکر کے نامور جنگجو خاقان اوغدائی کے زرنگار خیمے کے سامنے جمع ہونے لگے۔ مشعلوں کی روشنی میں ان کے چہرے جوش سے تمتما رہے

تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہجوم چار پانچ سو نفوس تک پہنچ گیا۔ خطرناک چہروں اور قوی جسموں والے یہ منگول اپنے اپنے قوانین کے مانے ہوئے جنگجو تھے۔ ایک زمانہ ان کی کاٹ کا لوہا مان چکا تھا' اور اب وہ سب کے سب اس مہم میں حصہ لے کر اپنی شہرت کو چار چاند لگانا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک اس "کارِ خیر" میں شرکت کر کے وہ نہ صرف خیلے خاں کو خوش کر سکتے تھے بلکہ اباقہ جیسے دشمن کی گرفتاری کا انعام ان کی زندگیاں سنوار سکتا تھا۔ ہر رضاکار کی تمنا تھی کہ اسے اس مہم کے لئے منتخب کیا جائے۔ خاقان اوغدائی ذات خود رضاکاروں کے چناؤ میں مصروف تھا۔ اتنے میں چغتائی خاں ایک خطرناک صورت چوڑے چکلے منگول کو لئے وہاں پہنچا۔ اس نے خاقان سے اس منگول کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"خاقانِ محترم! اس جوان رعنا کا نام نویان ہے۔ یہ اس سردار بوغائی کا بیٹا ہے جسے آج سے نو برس پہلے اباقہ نے کوہ سیاہ پر ہلاک کر ڈالا تھا۔ بعد میں بوغائی کے بڑے بیٹوں ایریان اور داریان نے بھی اباقہ سے لڑتے ہوئے جان دی تھی۔ بوغائی کا یہ بیٹا مدت سے انتقام کی آگ میں جل رہا ہے۔ بارہا مجھ سے درخواست کر چکا ہے کہ میں اسے اباقہ تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں میں آج تک اسے صبر کی تلقین کرتا رہا ہوں مگر میرا خیال ہے کہ اب اس کی خواہش پوری کرنے کا وقت آ گیا ہے....."

خاقان نے "نویان" کو پہچانتے ہوئے کہا۔ "یہ وہی نوجوان ہے ناجس نے گئے برس تین سفید پہلوانوں سے خالی ہاتھ مقابلہ کیا تھا اور انہیں ہلاک کر ڈالا تھا....."

چغتائی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں خاقان ..... اور آپ نے اسے یک ہزاری دستے کا سالار بنانے کے علاوہ اپنی پیش قبض انعام دی تھی....."

نوجوان منگول نے فوراً لبادے میں ہاتھ ڈال کر ہیروں سے مرصع پیش قبض خاقان کے سامنے کر دی۔ خاقان سر ہلاتا ہوا بولا۔

"چغتائی! تُو نے میری مشکل آسان کر دی۔ اگر سوبدائی بہادر قویق یا بودی وغیرہ میں سے کوئی یہاں ہوتا تو میں اسے اس مہم کا نگہدار مقرر کر دیتا۔ مگر تم جانتے ہو وہ سب روس کی مہم پر ہیں۔ میرا خیال ہے اس صورت حال میں یہ نوجوان اس ذمے داری کے لئے موزوں رہے گا۔ یہ بہادر اور سمجھدار بھی ہے اور اس کے سینے میں وہ آگ بھی روشن ہے جو انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ میں اس نوجوان کو خوارزم جانے والے دستے کا سالار مقرر کرتا ہوں۔"

اوغدائی کے اعلان پر نویان کی چمکتی آنکھوں کی لپک کچھ اور تیز ہو گئی۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکوع کے انداز میں جھک کر خاقان کا شکریہ ادا کیا اور تن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خاقان ایک بار پھر رضاکاروں کے انتخاب میں مصروف ہو گیا۔ رات خاموش تھی مگر صحرائے گوبی کی گود میں قراقرم جاگ رہا تھا۔

☆=======☆=======☆

اسی شب' قراقرم سے سینکڑوں میل دور عراق کے اس سرحدی گاؤں میں زیتون کے ایک پیڑ تلے اباقہ اور مارینا کھڑے تھے۔ مدھم چاندنی میں ان کے سائے ایک دوسرے سے بغلگیر تھے مگر وہ خود فاصلے پر کھڑے تھے۔ مارینا کی تیز سرگوشی فضا میں ابھری۔

"اباقہ! مجھے صرف ایک بات کا جواب چاہئے ..... آپ نے نتاشا نامی اس روسی شہزادی سے شادی کی تھی یا نہیں۔"

اباقہ بولا۔ "مارینا! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو....."

مارینا نے اس کی بات کاٹی۔ "مجھے صرف ہاں یا نہ میں جواب چاہئے۔ شادی کی تھی یا نہیں۔"

اباقہ نے سر جھکایا۔ کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور مستحکم لہجے میں بولا۔ "ہاں مارینا! میں نے شادی کی تھی۔"

لبوں تک آنے والی ایک سسکی کو مارینا نے بمشکل روکا اور منہ پھیر کر گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اباقہ "مارینا ..... مارینا" کہتا ہوا اس کے عقب میں گیا مگر جب اس نے دیکھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہا ہے تو وہ دوڑنے لگی اور دوڑتے دوڑتے گھر میں گھس گئی۔ اباقہ کچھ دیر مایوسی کے عالم میں وہاں کھڑا رہا پھر وہ بھی آہستہ آہستہ گھر کے اندر چلا گیا۔

اگلے روز نبیلہ دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتی رہی مگر مارینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بعد میں سلیمان' یورق اور علی نے بھی باری باری کوشش کی مگر مارینا باہر نہیں آئی۔ اس نے اندر ہی سے کہہ دیا کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ دوپہر کے بعد نبیلہ رو رو کر مارینا سے باہر آنے کو کہتی رہی مگر وہ شاید منہ سر لپیٹ کر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نبیلہ کو روتے دیکھ کر اباقہ بے قرار ہو گیا۔ وہ دروازے پر پہنچا۔ مارینا کو مخاطب کر کے پہلے ایک دو جملے غصے میں کہے مگر جب کوئی جواب نہیں آیا تو نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا ..... یہاں تک کہ اندر سے مارینا کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی اور کراہتی ہوئی آواز آئی۔ وہ غصے میں کہہ رہی تھی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔ خدا کے لئے میرے حال پر رحم کرو۔ مجھے کسی سے بات نہیں کرنا....."

رات تک وہ سب سخت پریشان رہے۔ رات کے کھانے کا وقت ہوا تو اباقہ نے سوچا

کہ دروازہ توڑ کر اندر چلے جانا چاہئے۔ مگر نبیلہ اور سلیمان کا خیال تھا کہ اس طرح آپا اور ناراض ہو جائے گی ..... اتنے میں گھر سے باہر آہٹ ہوئی اور انہیں ایک ایسا چہرہ دروازے پر نظر آیا جس نے ان کی ساری پریشانیاں دور کر دیں۔ وہ اسد تھا۔ اس کے مسکراتے ہوئے چہرے نے ان کی مایوسی کو بھاپ کی طرح اڑا دیا۔ سلام دعا کے بعد اسد نے بتایا کہ اس کی بیوی ہاجرہ اب بالکل ٹھیک ہے اور آپ سب لوگوں سے ملنے کے لئے بہت بے تاب ہے۔ وہ اپنے سفر کے بارے اور بھی بہت کچھ بتانا چاہتا تھا مگر ان کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اباقہ سے پوچھا۔

جواب میں علی بولا۔ "آپا جان نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا ہے اور کل رات سے باہر نہیں نکلیں۔ ابھی آپا نبیلہ زور زور سے رو رہی تھیں۔"

اسد نے اُن سب کے چہرے دیکھے اور پھر جلد ہی بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "یہ سب کیسے ہوا۔" تب اس کی نگاہیں علی کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ معصومیت سے سر جھکائے زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔ "اچھا میں دیکھتا ہوں۔" اسد یہ کہتے ہوئے اٹھا اور دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے بند دروازے پر دستک دی۔ پھر بولا۔

"مارینا! میں اسد ہوں۔ دروازہ کھولو۔" مارینا کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"مارینا بہن دروازہ کھولو۔" اسد نے دوسری بار کہا تو اندر سے مارینا کی دبی دبی سسکیاں سنائی دیں۔ پھر یہ سسکیاں ہچکیوں میں بدل گئیں۔ اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا اور وہ رو رہی تھی لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اسد اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے بتانے لگا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کی کوئی وجہ ہے۔ کوئی مجبوری ہے جس کے سبب ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ تم دروازہ کھولو تو میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں کہ یہ سب کیوں ہوا۔

سب کا خیال تھا کہ اب کنڈی کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دے گی اور مارینا دروازہ کھول دے گی مگر کنڈی کی آواز کی بجائے مارینا کی شکستہ آواز سنائی دی۔ وہ فریاد کے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "اسد! بخدا میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ مجھے اس وقت تنہا چھوڑ دو۔ میں صبح تم سے بات کروں گی۔"

اسد نے اسے زیادہ زچ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اباقہ وغیرہ سے کہا کہ وہ آرام کر رہی ہے' صبح میں خود اس سے بات کروں گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

.... مگر وہ صبح کسی اور ہی رنگ سے طلوع ہوئی۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اسد نے مارینا کو جگانا چاہا تو اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ملا۔ اسد کے ہاتھ کا دباؤ پا کر دونوں پٹ وا ہو گئے۔ اسد اندر داخل ہوا تو مارینا کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس نے سمجھا شاید صحن میں ہے۔ وہ جلدی جلدی سارے گھر میں گھوم گیا۔ پھر دوبارہ مارینا کے کمرے میں پہنچا اور آثار دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ مارینا یہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہے۔ لکڑی کا ایک صندوق جس میں مارینا کے پارچہ جات تھے' کھلا پڑا تھا اور کمرے کی وہ عقبی کھڑکی بھی کھلی تھی جسے اندر سے بند ہونا چاہئے تھا۔

اچانک آہٹ ہوئی۔ اسد نے گھوم کر دیکھا تو اسے اباقہ کا افسردہ چہرہ نظر آیا۔ وہ ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسد نے غمگین لہجے میں کہا۔

"اباقہ! بہت برا ہوا۔ مارینا ہم سے خفا ہو کر چلی گئی ہے۔"

اباقہ نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہاں اسد! یہ تو ہونا ہی تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا ہے۔"

اسد نے کہا۔ "اباقہ اتنا بددل ہونے کی ضرورت نہیں' ہم اسے ڈھونڈتے ہیں۔ مجھے یقین ہے میں اسے سمجھانے میں کامیاب رہوں گا۔"

اباقہ بولا۔ "اسد! مجھے شک ہے کہ اس دفعہ تم ایسا نہ کر سکو گے۔ وہ ہماری توقع سے بڑھ کر خفا ہے۔"

اسد نے اباقہ کو تسلی دی اور اسے ساتھ لے کر صحن میں آ گیا۔ انہوں نے یورق کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ اب نبیلہ اور شیزی کولت بھی مارینا کی غیر موجودگی سے آگاہ ہو چکی تھیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ سلیمان انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ علی حیران حیران سا اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ شاید اسے احساس تھا کہ اس افراتفری میں اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ ہے۔

اسد' اباقہ اور یورق دیہاتیوں کے بھیس میں سارا دن گاؤں گاؤں اور بستی بستی گھومتے رہے مگر انہیں مارینا کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ دوپہر سے شام اور پھر رات ہو گئی۔ وہ گھر آ کر چند گھڑیوں کے لئے سوئے اور علی الصبح پھر تلاش کے کام میں لگ گئے۔ اس روز سہ پہر کو اباقہ تھکا ہارا ایک شفاف ندی کے کنارے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر آج بھی مارینا نہیں ملی تو پھر اس کا مطلب ہو گا کہ وہ یہاں موجود نہیں اور غالباً بغداد پہنچ چکی ہے۔ ان تینوں کا اس کی تلاش میں باہر جانا نہایت خطرناک تھا وہ کسی بھی وقت شناخت کئے جا

سکتے تھے مگر گرفتاری کے خوف سے وہ مارینا کی تلاش کیسے ختم کر سکتے تھے۔ یقینی بات تھی کہ کل ان تینوں کو شہر کا رخ کرنا ہو گا............

اباقہ انہی سوچوں میں گم تھا جب عقب سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی داڑھی والا ایک محنت کش دیہاتی نظر آتا تھا۔ اباقہ سے کہنے لگا میں اسی گاؤں کا ہوں جہاں تم مہمان ٹھہرے ہوئے ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہارے گھر کی خاتون کہاں ہے؟ اباقہ جیسے اچھل پڑا۔ دیہاتی اس کی بے قراری پر زیر لب مسکرایا اور بولا۔

"وہ اس وقت بغداد کے محلّہ قرح ابی ثمم کی ایک سرائے میں موجود ہے۔ اگر اسے کھونا نہیں چاہتے تو فوراً شہر روانہ ہو جاؤ۔ سرائے کے مالک کا نام عبدالرحمان بن ہاشم ہے۔ وہ بڑا مہربان شخص ہے۔ وہ رات گئے تک سرائے ہی میں موجود رہتا ہے۔ اگر تم نصف شب تک بھی سرائے میں پہنچ گئے تو وہ وہاں تمہیں اونگھتا ہوا ملے گا۔ اس سے مل لینا۔"

اباقہ نے پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اس سرائے میں ٹھہری ہوئی ہے۔"

دیہاتی نے کہا۔ "میں نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں اس سرائے میں بکریوں کا دودھ فروخت کرنے جاتا ہوں۔ تم اس طرح باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ سرائے سے قافلے نکلتے رہتے ہیں یہ نہ ہو کہ خاتون بھی کسی قافلے کے ساتھ آگے روانہ ہو جائے۔"

اباقہ کو وہ دیہاتی کچھ مشکوک سا لگ رہا تھا مگر یہ موقع نہیں تھا کہ وہ اسے کھوجنے کی کوشش کرتا۔ اس لئے وہ دیہاتی سے مزید معلومات حاصل کرنے کے بعد گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی روانگی کے بعد دیہاتی جوار کے کھیتوں میں داخل ہو گیا۔ وہاں ایک اور دیہاتی چھپا بیٹھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

کھیت میں چھپا ہوا دیہاتی بولا۔ "تم اس کے ساتھ ہی چلے جاتے؟"

دوسرے دیہاتی نے کہا۔ "ہمیں کیا ضرورت ہے ہلکان ہونے کی وہ بہت ہوشیار شخص ہے۔ عورت کو لے کر ہی آئے گا۔"

پہلے دیہاتی نے کہا۔ "خدا کرے استاد مشہدی اور وہ دراز قد منگول قراقرم سے جلدی لوٹ آئیں۔ نگہبانی کی اس ذمے داری نے تو میری کمر توڑ دی ہے۔"

دوسرا بولا۔ "کمر ٹوٹے گی تو نصیب جڑے گا۔" دونوں عیاری سے مسکرانے لگے۔

☆-------☆-------☆

اباقہ جان ہتھیلی پر لئے شہر بغداد میں داخل ہوا تو بیس لاکھ انسانوں پر مشتمل اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عظیم الشان بستی کے ہنگامے نیند کی آغوش میں پناہ لے چکے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی دلنواز حسینہ تڑپتے مچلتے جذبوں پر پلکوں کے پردے گرائے شباب کی نیند سو رہی ہے۔ بغداد نہیں سو رہا تھا۔ ایک بہت بڑا فتنہ سو رہا تھا۔ ایک قیامت محو خواب تھی۔ رنگ و نور اور صوت و آہنگ کا ایک طوفان تھا جو اس بھیگی رات میں کچھ گھڑیوں کے لئے تھم گیا تھا۔ بغداد کی فضاؤں میں پہنچتے ہی اباقہ کو بھولی بسری یادوں نے آگھیرا۔ اسی بغداد میں کہیں اس کے بدترین دشمن ابن یاشر' مسلم بن داؤد اور عبداللہ مشمدی رہتے تھے اور یہی شہر اس کی کچھ عزیز ہستیوں کا مسکن بھی تھا۔ ان ہستیوں میں ایک فاطمہ بھی تھی۔ وزیر داخلہ عبدالرشید کی اکلوتی بیٹی۔ جسے اس نے عین شادی کی رات اغوا کر لیا تھا اور کئی روز یرغمال رکھنے کے بعد بحفاظت چھوڑ دیا تھا۔ وہ خوبصورت اور معصوم فاطمہ بھی اسی شہر بغداد کی کسی حویلی میں اپنے محبوب شوہر کے ساتھ محو خواب تھی۔ یادوں کی بھول بھلیوں میں الجھتا' اباقہ چھوٹی چھوٹی گلیوں میں سفر کرتا قرح ابی کی شحم کی طرف بڑھتا رہا۔ بغداد قدیم کی ان تنگ و تاریک گلیوں میں کسی بڑے خطرے سے مڈبھیڑ کا امکان نہیں تھا۔ ہاں ایک دو مقامات پر اسے بڑی شاہراہوں کو قطع کرنا تھا اور وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ حتی الامکان خونریزی سے باز رہے گا اور اگر کسی محافظ نے اس سے الجھنا چاہا تو اسے دلیل سے مطمئن کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اسے فوراً اباقہ کی حیثیت سے پہچان لیا جائے۔ بہرحال اسے قرح ابی شحم پہنچنے تک کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ قرح ابی شحم کے سنسان کوچوں میں نصف شب کی نوبت گونج رہی تھی۔ جب وہ سرائے رحمان میں داخل ہوا۔ اندر داخل ہوتے ہی اباقہ نے اندازہ لگایا کہ یہ سرائے شہر کے چند بڑے سرائے خانوں میں ہو گا۔ ایک طویل دالان سے گزر کر اباقہ ایک وسیع کمرے میں پہنچا۔ لکڑی کے بوسیدہ تخت پر ایک تومند باریش شخص اونی نمدہ لپیٹے بیٹھا تھا اور شاید دن بھر کی کمائی ہوئی اشرفیاں شمار کر رہا تھا۔

اباقہ کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ اباقہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یا شیخ' سیاہ شال اوڑھے ہوئے ایک خاتون کل شب آپ کے سرائے میں اتری ہے۔ اس کے بارے معلوم کرنا تھا۔"

سرائے کے مالک نے اسے پہلے تو سر سے پاؤں تک گھورا۔ پھر اپنی بھاری بھرکم آواز میں صاف انکار کر دیا کہ کوئی ایسی خاتون یہاں پہنچی ہے۔ جلد ہی اباقہ نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے۔ غالباً یا تو مارینا نے اسے افشائے راز سے منع کر رکھا تھا یا سرائے کے مالک کو خدشہ تھا کہ مسافر کے متعلق بتانے سے اسے

مالی نقصان ہو گا۔ اباقہ کا دل چاہا کہ اس دروغ گو کا ٹیٹوا دبا کر سب کچھ معلوم کر لے مگر پھر اس نے حکمت سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ لبادے میں ہاتھ ڈال کر تھیلی نکالی اور مٹھی بھر دینار اس کے سامنے ڈال دیئے۔ دیناروں نے کام دکھایا اور جلد ہی عبدالرحمان بن ہاشم راہ راست پر آ گیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ مذکورہ خاتون علی الصبح ایک کارواں کے ساتھ بصرہ روانہ ہونے والی ہے۔ وہاں سے بحری جہاز میں سوار ہو کر اسے ہندوستان کی طرف چلے جانا ہے۔ عبدالرحمان نے بتایا کہ اس نے بصرہ کے ایک ہوشیار سوداگر سے اس کی ملاقات کروائی ہے' اس سوداگر نے ذمہ اٹھایا ہے کہ وہ خاتون کو بحفاظت بحری جہاز میں سوار کرا دے گا۔ اس کے عوض خاتون اسے معقول رقم دے گی۔

اباقہ یہ سب کچھ سن کر حیران ہو رہا تھا۔ مارینا اس قدر آگے نکل جائے گی' اسے گمان تک نہ تھا۔ واقعی اگر آج رات اسے دیر ہو جاتی تو بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اباقہ سرائے کے ایک بند کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ "کون ہے؟" اندر سے مارینا نے دریافت کیا۔ عبدالرحمان بن ہاشم پاس ہی کھڑا تھا۔ اباقہ کے اشارے پر اس نے جواب دیا۔ "میں ہوں" مارینا نے دروازہ کھول کر جھری میں سے جھانکا۔ اباقہ اسے تیزی سے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ مارینا نے پہلے حیرانی سے اسے دیکھا پھر ادھ کھلے دروازے سے نکل جانا چاہا مگر اباقہ اتنی دیر میں دروازہ بند کر چکا تھا۔ مارینا ایک آہ بھر کر مسہری پر گر گئی اور اوڑھنی میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اباقہ پاس بیٹھا بہت دیر انتظار کرتا رہا آخر رو رو کر مارینا کا جی کچھ ہلکا ہوا تو اس نے اسے مخاطب کرنا چاہا۔ مگر بار بار کی کوشش کے باوجود مارینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اباقہ دھیمے لہجے میں دھیرے دھیرے اپنی ان مجبوریوں کی روئیداد سنانے لگا جن کے سبب اسے بے وفائی کا یہ تلخ گھونٹ پینا پڑا تھا۔ اس نے ایک ایک بات ایک ایک احساس اور کیفیت کھول کر بیان کی۔ کوئی چیز بھی نہیں چھپائی' سب کچھ کہہ ڈالا۔ سارا بوجھ اتار پھینکا۔ مارینا سنتی رہی اور اپنی جھیل سی گہری آنکھوں کے موتی لٹاتی رہی۔ وہ حسن اور سوگواری کا ایک ایسا نادر مجسمہ نظر آ رہی تھی جسے رعب اور وقار کی مقدس دھند نے چشم زمانہ سے یوں چھپا رکھا تھا کہ وہ پل بھر میں حقیقت اور پل بھر میں افسانہ معلوم ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق تھی جو ایک داستان عشق کا کردار بننے کے لئے اس دنیا میں آئی تھی اور اب سوچ رہی تھی کہ اس نے یہاں آ کر کیا کھویا اور کیا پایا۔

اپنی صفائی پیش کرنے کے بعد اباقہ نے التجا کا لہجہ اختیار کیا اور بولا۔ "مارینا! سلطان محترم کی جدائی کے بعد میں آدھا رہ گیا تھا' اگر اب تم نے بھی منہ پھیر لیا تو میں شاید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

..... ختم ہو جاؤں گا۔ تمہارے بغیر اباقہ ایک بے جان لاشے کا نام ہو گا۔ میں کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور تمہارا دل دکھا کر میں نے جو جرم کیا ہے اس پر تہہ دل سے شرمندہ ہوں....."

رات پل پل سرکتی رہی اور اباقہ اپنی "زندگی" کو منانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ مگر یوں لگتا تھا جیسے وہ مارینا جو اباقہ کو پہچانتی تھی اور اس پر جان نچھاور کرتی تھی' مر چکی ہے۔ اپنی آخری سانسیں بھی فرشتۂ اجل کو سونپ چکی ہے۔ یہ آرزوؤں کے جنگل میں بانپتی ہوئی کوئی اور عورت ہے جس کا دم اباقہ کی موجودگی سے گھٹ رہا ہے۔ آخر وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

"اباقہ! میں سب کچھ سن چکی ہوں۔ تمہاری ہر بات سمجھ چکی ہوں لیکن میں واپس نہیں جا سکتی۔ میری واپسی کا خیال دل سے نکال دو۔"

اباقہ آزردگی سے بولا۔ "مارینا! کیا یہ میرے بس میں ہے؟"

مارینا نے کہا۔ "کچھ باتیں میرے بس میں بھی نہیں۔ میں ..... تم سے نفرت کرتی ہوں اباقہ ..... خدا کے واسطے یہاں سے چلے جاؤ۔"

مارینا کے ہونٹوں سے "نفرت" کا لفظ سن کر اباقہ کا چہرہ چراغ مزار کی طرح بجھ گیا۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

"مارینا' ٹھیک ہے۔ تمہیں اپنے دل پر اختیار نہیں مگر میں تمہیں اس طرح بھٹکنے نہیں دوں گا۔ میرے ساتھ واپس چلو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی کسی بات پر تمہیں مجبور نہ کروں گا۔"

مارینا روتے روتے بولی۔ "مجھے اب کسی کے وعدے پر اعتبار نہیں رہا۔"

اباقہ بولا۔ "میں تیری قسم کھاتا ہوں مارینا۔ کبھی تجھ سے کوئی سوال نہ کروں گا۔ مگر اس طرح خود کو دربدر نہ کرو۔" وہ بہت دیر اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔ آخر مارینا نے کہا۔

"تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو گے' مگر دوسرے تو کریں گے' نبیلہ کرے گی' یورق اور اسد کریں گے۔ مجھے تم سے شادی پر مجبور کیا جائے گا۔ اپنی اپنی محبت کے واسطے دیئے جائیں گے' اپنا اپنا حق جتایا جائے گا ..... اور آخر میں مجبور کر دی جاؤں گی' ایک ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنے پر جو میری پہلی اور آخری محبت کا قاتل ہے۔ جس کے ساتھ میں قرا قرم سے اس لئے آئی تھی کہ وہ مجھے دجلہ کے کنارے ایک چھوٹا سا گھر دے گا جس میں وہ صرف میرا ہو گا' جس کی خواب گاہ میں چنگیز زادوں کی طرح بیویوں اور کنیزوں کے ریوڑ نہیں ہوں گے' جس کے دل پر صرف اور صرف میری حکومت ہو گی اور جس کی

بانہوں میں صرف اور صرف میرا جسم سمائے گا ..... نہیں اباقہ میں خود کو اتنا رسوا نہیں کر سکتی۔ میں اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

اباقہ ویران آنکھوں سے دیر تک اس کا ملتجی چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میری ایک آخری خواہش مان لو مارینا ..... اس گھر میں واپس چلی جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ گھر چھوڑ دوں گا اور کبھی تمہیں اپنی صورت نہیں دکھاؤں گا۔ تم عورت ہو بے سہارا بھٹکو گی تو یہ زمانہ تمہیں بے حد ستائے گا۔ میں مرد ہوں کہیں نہ کہیں ٹھکانا ڈھونڈ لوں گا۔ اس گھر کی تمہیں مجھ سے زیادہ ضرورت ہے....."

مارینا نے اباقہ کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ بولی۔ "تمہیں دیکھ کر تم سے محبت کرنے کی غلطی میں نے کی تھی' اس کی سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔"

اباقہ نے کہا۔ "مارینا! میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گا۔ چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ تم اس وقت جذبات کے دھارے میں بہہ رہی ہو۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ میں تمہیں غور و فکر کے لئے پورا موقع دیتا ہوں۔ میری مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سارے معاملے کو ایک بار پھر جان بوجھ لو۔" یہ کہتے ہوئے اباقہ نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور سرائے کے مالک عبدالرحمان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

رات گزر گئی' صبح طلوع ہوئی' بغداد جاگ گیا' زندگی رواں دواں ہو گئی۔ اباقہ سرائے کے ایک گوشے میں بیٹھا قسمت کے فیصلے کا انتظار کرتا رہا۔ جب دوپہر کی نوبت گونجی تو وہ اٹھا اور مارینا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے مسہری پر خاموش بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے پر بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت نمودار نہ ہوئی۔

اباقہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "مارینا! کیا تمہارے دل میں میرے لئے کچھ رحم پیدا ہوا۔"

مارینا نے کہا۔ "میں کہہ چکی ہوں مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں۔"

اباقہ نے آخری کوشش کے طور پر کہا۔ "کیا تم سلطان جلال کے قائم کئے ہوئے رشتے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر رہی ہو؟"

مارینا بولی۔ "اباقہ! یہ رشتہ میں نے ختم نہیں کیا' اور اگر تم لوگوں کے مجبور کرنے پر میں یہ شادی کر بھی لوں گی تو بخدا تمہیں کبھی ایک شوہر کی محبت اور احترام نہ دے سکوں گی۔"

مارینا کے فیصلہ کن الفاظ نے اباقہ کے چہرے پر ایک پُر عزم سختی پیدا کر دی۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "اگر تمہارا آخری فیصلہ یہی ہے' تو میرا بھی ایک آخری فیصلہ ہے۔ میں آج ہی بغداد سے جا رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی سے بھی جا رہا ہوں ..... ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ..... اب تمہارے گھر لوٹنے یا نہ لوٹنے سے میرے اس فیصلے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم میری خاطر وہ گھر نہ چھوڑو اور واپس چلی جاؤ۔ یہ تم سے میری زندگی کی آخری درخواست ہے اور مجھے امید ہے تم اسے ٹھکراؤ گی نہیں۔ میں سرائے کے مالک عبدالرحمان کو ہدایت کر چکا ہوں۔ وہ تمہیں بحفاظت اسد اور سلیمان تک پہنچا دے گا۔ چند روز بعد میں سلیمان کے پتے پر ایک نامہ ارسال کروں گا۔ جس میں اسد اور یورق کو بتا دوں گا کہ مجھے ہنگامی طور پر عراق سے باہر جانا پڑا ہے اور وہ میری تلاش میں وقت ضائع نہ کریں....." ایک لمحہ رک کر اباقہ نے آنکھوں میں امڈنے والے آنسوؤں کو روکا۔ پھر رندھے ہوئے گلے کو صاف کر کے بولا۔ "ماریتا' علی کا خیال رکھنا' وہ مجھ سے بڑا انس رکھتا ہے' کوشش کرنا کہ وہ مجھے بھول جائے۔ وہ بہت کمزور ہے تم لوگ اس کی خوراک کا دھیان رکھنا۔"

پھر اباقہ نے ماریتا پر الوداعی نگاہ ڈالی۔ وہ اسی طرح گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی اور ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ "خدا حافظ" اباقہ کے ہونٹوں سے ایک کراہتی ہوئی آواز بلند ہوئی اور وہ دھیمے قدموں سے دروازے کی طرف مڑا۔ جیسے کوئی جواری اپنا سب کچھ ہار کر شکستہ دل گرفتہ گھر کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ وہ دھیمے قدموں سے چل رہا تھا جیسے اسے امید ہو کہ اس کی محبوبہ اب بھی اسے روک لے گی ..... اس کا دل موم ہو جائے گا اور وہ بے تابانہ اٹھ کر اس کا دامن تھام لے گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ سست قدموں سے چلتا گیا اور دروازہ پار کر کے باہر آ گیا۔

☆======☆======☆

شاید اباقہ فوراً بغداد چھوڑ دیتا۔ مگر ابھی یہاں اسے ایک کام اور کرنا تھا۔ اسے سلطان جلال کے مبینہ قاتل عبداللہ مشہدی کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا اور وہ یہ کام نمٹا دینا چاہتا تھا تاکہ پھر کبھی اسے اس شہر بے وفا کا رخ نہ کرنا پڑے۔ سرائے رحمان سے نکلنے کے بعد وہ کچھ دیر مقصد بے مقصد بغداد کی بھری پری سڑکوں پر گھومتا رہا' اس گلشن رنگ و بو میں آوارہ پتے کی طرح ڈولتا رہا۔ آخر جب شام کی شفق رنگ دلکش بغداد کی گود میں اتری اور اس کا لمس پا کر شہر کی جبیں پر ستارے جگمگائے تو اباقہ نے خود کو امراء کے محلے میں قصر خلد کے نواح میں پایا۔ ایک جگہ رک کر اس نے ایک ڈیوڑھی پر کھڑے دربان سے مسلم بن داؤد کا پتہ پوچھا تو دربان نے اس کی خستہ حالت پر ایک نگاہ غلط ڈالی اور بھنویں چڑھا کر

بولا۔ "میں اس سے پہلے اسی بخیل کا ملازم تھا۔ کم بخت خادموں کی تنخواہیں شیر مادر کی طرح پی جاتا ہے۔ وہ سامنے والی گلی سکنہ العروس کہلاتی ہے اس میں دائیں طرف چوتھی حویلی داؤد کی ہے۔"

اباقہ تھوڑی ہی دیر بعد داؤد کے گھر کے سامنے اس کے دربان سے بات کر رہا تھا۔ اباقہ کی خستہ حالی دیکھ کر دربان کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں اور وہ کسی صورت اباقہ کا پیغام اپنے مالک تک پہنچانے کو تیار نہیں تھا۔ اس دوران کسی نے بالائی منزل کے دریچے کو جھانکا اور نیچے گلی میں گرتے گرتے بچا۔ یہ مسلم بن داؤد ہی تھا۔ چند لمحے بعد ڈیوڑھی میں بھاگتے قدموں کی آواز آئی پھر لرزتا کانپتا مسلم بن داؤد اباقہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اباقہ کے چوبدار لباس کی پرواہ کئے بغیر پہلے تو اس نے بغلگیر ہونے کی کوشش کی' پھر نہایت عقیدت سے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر مصافحہ کیا اور دربان کو ایک طرف دھکا دیتا ہوا اسے ڈیوڑھی میں لے آیا۔ ساتھ ساتھ وہ اہلاً و سہلاً مرحبا بھی پکار رہا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی نہایت شتابی سے حرکت کر رہی تھی ..... اباقہ سے مسلم بن داؤد کی آخری ملاقات خوارزم کی سرحد پر ہوئی تھی جب اباقہ داؤد اور وزیر خارجہ ابن یاشر کو رسیوں میں جکڑ کر ایک ویران مکان میں چھوڑ گیا تھا۔ اس واقعے کو تقریباً ڈیڑھ برس گزر گیا تھا اور داؤد اس وقت کے مقابلے میں اب کافی فربہ نظر آ رہا تھا۔

وہ اباقہ کو اتنے احترام سے نشست گاہ میں لایا جیسے وہ کوئی شہنشاہ ہو اور داؤد ادنیٰ غلام لیکن اباقہ جانتا تھا اس احترام میں محبت کا شائبہ تک نہیں' صرف خوف ہے جو کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ رات گئے تک داؤد اباقہ کی خدمت گزاری میں بچھ بچھ گیا۔ اس کے تمام خادم اور کنیزیں اباقہ کی آنکھ کے ایک اشارے کے منتظر رہے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد اباقہ نے اچانک مسلم بن داؤد کی گردن پکڑ لی' وہ کسی کبوتر کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ دہشت زدہ نگاہیں اباقہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

اباقہ نے سرد لہجے میں کہا۔ "داؤد' اس دفعہ کوئی فریب دینے کی کوشش نہ کرنا۔ میں پہلے ہی موت ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ یہ نہ ہو اپنے ساتھ تجھے بھی لے مروں۔"

مسلم بن داؤد خدا رسول کے واسطے دینے کے بعد اپنے آباؤاجداد کی قسمیں کھانے لگا کہ وہ اب اباقہ سے دھوکا کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اباقہ نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں بدنام قاتل عبداللہ مشہدی کی تلاش میں ہوں اور اس تلاش میں مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔ تم جانتے ہو میں بغداد میں کھلے بندوں نہیں پھر سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم نہایت رازداری سے اپنے وسائل استعمال کر کے عبداللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشہدی کا سراغ لگاؤ۔"

مسلم بن داؤد نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔

قریباً دو ہفتے اباقہ' مسلم بن داؤد کی شاندار حویلی میں مقیم رہا۔ داؤد اس کے حکم کے مطابق تندہی سے عبداللہ مشہدی کی تلاش میں لگا رہا۔ اس سلسلے میں وہ کئی مشکوک افراد کو پکڑ کر حویلی میں بھی لایا مگر مشہدی کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کوئی ڈیڑھ ماہ پہلے اسے تنگیری نامی ایک دراز قد منگول کے ساتھ خوارزم کی سرحد میں داخل ہوتے دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ بغداد میں کہیں نظر نہیں آیا۔ داؤد' اباقہ سے اس قدر مرعوب تھا کہ وہ مشہدی کی نایابی کو بھی اپنی ہی غلطی سمجھ رہا تھا اور اٹھتے بیٹھتے اباقہ سے معذرت کرنے لگتا تھا۔ مگر اس کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اباقہ کی میزبانی کے لطف نے اسے سرشار کر رکھا ہے۔ چند ہی روز میں بے چارے کی ساری زائد چربی پگھل گئی تھی اور آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ آخر اباقہ سوچنے لگا کہ مجھے اس کی جان چھوڑ دینی چاہئے مگر اس کی جان چھوڑنے سے پہلے اباقہ کو اپنی اگلی منزل کا تعین کرنا تھا۔ شواہد سے اندازہ ہوتا تھا کہ عبداللہ مشہدی خوارزم میں داخل ہوا ہے۔ لہٰذا اباقہ کی اگلی منزل خوارزم ہی ہو سکتی تھی۔ وہ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا مگر ایک کانٹا ہر وقت دل میں چبھتا رہتا تھا۔ وہ بغداد چھوڑنے سے پہلے ایک بار اس گھر کو دیکھنا چاہتا تھا جہاں مارینا' اسد اور علی رہتے تھے۔ وہ بے خواب راتوں میں بستر پر پڑا سوچتا کہ وہ چھپتا چھپاتا اس گاؤں میں جائے گا۔ پھر کسی کھیت میں چھپ کر بیٹھ رہے گا۔ اس کھیت سے سلیمان کا گھر نظر آتا ہو گا۔ جب صبح ہو گی تو علی گھر سے باہر نکلے گا اور زیتون کے نیچے جھولا جھولنے لگے گا۔ وہ اسے جی بھر کر دیکھے گا۔ پھر ہو سکتا ہے مارینا بھی کسی کام سے باہر نکلے' وہ آخری بار اس کے حسین چہرے کا دیدار کرے گا۔ اسے اطمینان ہو جائے گا کہ وہ اپنوں میں پہنچ گئی ہے اور بالکل محفوظ ہے۔ پھر وہ ہر فکر سے آزاد ہو کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے گا اور دور بہت دور نکل جائے گا ..... شاید اس کی ان سوچوں میں کہیں یہ امید بھی چھپی بیٹھی تھی کہ ممکن ہے ایک بار پھر اس گاؤں کا رخ کرنے سے روشنی کی کوئی کرن نمودار ہو جائے لیکن کبھی کبھی وہ اس خیال کو بالکل دل سے نکال دیتا اور سوچتا کہ زندگی بھر مڑ کر نہیں دیکھے گا۔ جو پیچھے رہ گیا اسے بھول جائے گا۔ اسی کشمکش کے دوران وہ روانگی کی تیاری بھی کر رہا تھا۔

..... اور یہی وہ وقت تھا جب قراقرم کے افق سے نمودار ہونے والا سرخ طوفان عراق کی سرحد پر پہنچا۔ وہ دنیا کی بہترین فوج سے چنے ہوئے چار سو خونخوار جنگجو تھے۔ ان

میں سے ہر ایک کے دل میں ایک ہی امنگ تھی' اباقہ کی زندہ یا مردہ گرفتاری۔ یہ چار سو انسان نہیں تھے' چار سو خونی درندے تھے جو ملائکہ اَجل کا روپ دھار کر عراق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی وحشت کا نشانہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو بننا تھا۔ زیتون کے درختوں اور لہلہاتے کھیتوں میں گھرا ہوا وہ گاؤں اپنے انجام سے بے خبر تھا۔ ایک قیامت تھی جو نہایت خاموشی سے اس گاؤں پر ٹوٹنے والی تھی اور خلیفۂ وقت مستنصر باللہ اپنی سرحدوں اور اپنے عوام کی نگہبانی سے لاتعلق اپنے محل میں آرام کر رہا تھا۔ اس کے اہلکار بغداد کے طلسماتی اندھیرے میں خوبصورت عورتوں کے ریشمی جسموں سے کھیل رہے تھے اور شراب کے جام لنڈھا رہے تھے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ عراق کے اس سرحدی گاؤں میں سلیمان کے گھر کا منظر تھا۔ سردار یورق مسہری پر دراز تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کا بے خواب ذہن اباقہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ چند روز پہلے ایک قاصد نے اباقہ کا خط پہنچایا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اسے ایک کام کے سلسلے میں ہنگامی طور پر بصرہ جانا پڑ گیا ہے۔ اسے دو تین ماہ یا اس سے بھی زیادہ لگ سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ فکرمند نہ ہوں۔ اس خط نے اسد اور یورق کو پوری طرح مطمئن تو نہیں کیا تھا تاہم انہوں نے اباقہ کی تلاش ختم کر دی تھی' جہاں تک مارینا کی تلاش کا کام تھا وہ ایک ہفتہ پیشتر ہی ختم ہو چکا تھا۔ وہ جس طرح چپ چاپ گئی تھی' اسی طرح خاموشی سے واپس آ گئی تھی۔ اس نے اپنے آنے اور جانے کی بابت کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے کریدنا مناسب سمجھا تھا۔ وہ جب سے لوٹی تھی قطعی گم صم اور نہایت افسردہ تھی۔ بہرحال ان کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ واپس لوٹ آئی ہے۔

یورق انہی خیالوں میں گم تھا جب دروازہ کھلا اور شیزی کولت آہستگی سے اندر آ گئی۔ اس نے اب روسی لباس چھوڑ کر مقامی لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔ کچھ روز پہلے نبیلہ نے اسے کانچ کی چوڑیاں بھی لا کر دی تھیں۔ یہی چوڑیاں چھنکاتی شیزی کولت سردار یورق کے پاس آ بیٹھی۔ شمعدان کی روشنی میں اس کی خوبصورت آنکھیں چمک رہی تھیں۔ شاید وہ کوئی دلچسپ بات شروع کرنا چاہتی تھی مگر جب یورق کو سنجیدہ دیکھا تو محتاط ہو گئی۔ وہ یورق کی اداسی کا سبب سمجھ رہی تھی۔ اگلے روز عیدالاضحیٰ کا تہوار تھا اور اباقہ ان میں موجود نہیں تھا۔ اس نے کہا۔

"سردار! کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اباقہ بھائی یہ تہوار ہمارے ساتھ گزار کر جاتے۔"

یورق نے کھوئے لہجے میں کہا۔ "اس کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ضروری تھا۔"

شیزی کولت نے کہا۔ "سردار یورق! کہیں اباقہ کی روانگی' کا تعلق مارینا کی خاموشی سے تو نہیں۔"

یورق نے اسے گھورتے ہوئے کہاں۔ "تم نے یہ کیسے سوچ لیا؟"

شیزی بولی۔ "جہاں تک میں سمجھی ہوں' اباقہ' مارینا سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی گمشدگی کے دوران ہی اسے کوئی ضروری کام یاد آ جاتا اور وہ تین چار ماہ کے لئے کہیں روانہ ہو جاتا۔"

شیزی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ خود یورق کو شبہ تھا کہ کہیں نہ کہیں اباقہ اور مارینا کی ملاقات ضرور ہوئی ہے۔ بہرحال وہ اس بارے میں زیادہ سوچ کر اپنے ذہن کو پراگندہ کرنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ شیزی اس بارے میں قیاس آرائیاں کرے۔ اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم اباقہ کے بارے اتنا نہیں جانتی جتنا میں جانتا ہوں۔"

یورق کا مزاج بگڑتے دیکھ کر شیزی جلدی سے بولی۔ "میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔ غالباً میرا اندازہ غلط ہے۔"

یورق خاموشی سے چھت کو گھورنے لگا۔ شیزی کولت اس کی فکرمندی دور کرنے کے لئے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف ہو گئی۔ وہ بہت خوش گفتار لڑکی تھی۔ وہ بلاتکان باتیں کرتی رہی اور کچھ ہی دیر میں اس نے یورق کو وقفے وقفے سے مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ شیزی کے ایک روسی لطیفے پر یورق اتنا کھل کر ہنسا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ اسی طرح کھانستا ہوا بولا۔

"شیزی! تُو آخر کیا چیز ہے۔ کہاں سے لی ہے تُو نے اتنی زندہ دلی۔"

شیزی اطمینان سے بولی۔ "حادثوں سے۔ زندگی کی محرومیوں نے مجھے ہنسنا سکھا دیا ہے۔"

یورق بستر پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ "شیزی ایک بات تو بتا۔ تُو رات کے اس پہر اس تنہا کمرے میں میرے پاس بیٹھی ہے۔ آخر وہ کیا چیز ہے' جو تجھے ہر وقت میرے تعاقب میں رکھتی ہے۔ کیا مل جاتا ہے تجھے مجھ سے۔"

شیزی انداز بے نیازی سے بولی۔ "پیار"۔

"کیسا پیار؟" یورق نے پوچھا۔

"بتاؤں؟" شیزی نے کہا۔

"ہاں بتاؤ۔" یورق نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

شیزی چند لمحے آبدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ہونٹوں پر مسکراہٹ کے ستارے سجا کر بولی۔ "اچھا کل بتاؤں گی۔ کل صبح جب تم عید کی عبادت کرنے کے بعد واپس آؤ گے تو بتاؤں گی۔"

یورق نے کہا۔ "وعدہ؟"

شیزی بولی۔ "ہاں وعدہ۔"

اس کے بعد وہ اٹھی اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ یورق مسہری پر لیٹ کر سوچنے لگا۔ اس کی سوچوں کا محور شیزی ہی تھی۔ عجب لڑکی تھی یہ کبھی یورق کو محسوس ہوتا کہ وہ اس سے ایک بیٹی کی طرح محبت کرتی ہے۔ کبھی لگتا کہ اس کی محبت صرف ایک ہم سفر ساتھی کی محبت ہے جس میں اور کوئی جذبہ شامل نہیں اور کبھی اسے یہ گمان ہوتا کہ وہ اسے ایک عورت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ یورق کو کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس لڑکی نے اس کے تجربہ کار ذہن کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچتا رہا' سوچتا رہا اور پھر گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اگلی صبح بہت اجلی تھی۔ اسد' یورق اور علی نے نئے کپڑے زیب تن کئے اور نماز ادا کرنے کے لئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلیمان کی طبیعت چونکہ کچھ خراب تھی' وہ نماز ادا کرنے نہ جا سکا۔ ایک نہایت خوبصورت اور پلا ہوا ترکی دنبہ علی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ اس کی ریشمی ڈوری علی نے اپنی کلائی سے لپیٹ رکھی تھی اور رک کر بار بار دنبے کی پیشانی چومنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نبیلہ اور شیزی دروازے پر کھڑی اس کی حرکتوں پر مسکرا رہی تھیں۔ جب وہ سب لوگ عیدگاہ کی طرف مڑ گئے تو نبیلہ نے قاسم کا منہ دھلا کر اسے نئے کپڑے پہنائے اور شیزی کے سپرد کر دیا۔ پھر وہ مارینا کو لے کر چشمے کی طرف روانہ ہو گئی۔

مارینا جیسے مجبوری کی حالت میں اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسرت کا شائبہ تک نہ تھا۔ آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ اور متورم تھیں۔ چشمے پر غسل کے لئے آنے والی دیہاتی عورتوں کی بھیڑ تھی۔ مارینا اور نبیلہ ایک پتھر پر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔ نبیلہ بہت حد تک مارینا سے بے تکلف تھی۔ مگر ان دنوں اس کی گہری سنجیدگی سے خوف کھانے لگی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا غم کیسے غلط کرے۔ پچھلے دو ہفتے میں اس نے صرف ایک دفعہ اباقہ کا نام لیا تھا اور مارینا نے اسے بُری طرح جھڑک دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی نبیلہ اس سے بات کرنے کے لئے کوئی موضوع ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ اچانک کچھ فاصلے سے گھڑسوار آتے دکھائی دیے۔ اُن کے گھوڑوں کی اڑاتی ہوئی دھول اوپر تک اٹھ رہی تھی۔ مارینا اور نبیلہ گہری نظروں سے گھڑسواروں کو دیکھنے لگیں۔ دفعتاً انہیں احساس ہوا کہ گھڑسواروں کے لباس غیرمانوس ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ وہ کم و بیش چار سو سوار تھے۔ اچانک نبیلہ کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ یہ گاؤں سرحد کے قریب تھا اور پچھلے دنوں ایسے واقعات رونما ہوئے تھے کہ تاتاریوں کے دستوں نے خوارزم کے مقبوضہ علاقے سے نکل کر لوٹ مار کی تھی۔ وہ بہت سے مویشی اور سبزیوں سے لدے ہوئے چھکڑے ہانک کر لے گئے تھے۔ اب مارینا اور نبیلہ کے ساتھ ساتھ دوسری عورتیں بھی ہوشیار ہو گئی تھیں۔ یکایک ایک دہقان بھاگتا ہوا پہنچا۔ اس کا رنگ سرسوں کی مانند زرد ہو رہا تھا۔ وہ چیخ کر بولا۔

"بی بیو! یہ تاتاری گھڑسوار ہیں' اپنے گھروں کو بھاگ جاؤ۔"

عورتوں نے تاتاریوں کا سنا تو بُری طرح حواس باختہ ہو گئیں۔ اُن کے ہاتھوں میں عریاں تلواریں چمک رہی تھیں اور بے مہر چہروں کے تیور نہایت خطرناک تھے۔ نیم برہنہ عورتیں گرتی پڑتی گاؤں کی طرف بھاگیں تو منگولوں نے ان کا پیچھا کیا۔ اچانک ایک منگول کی نظر مارینا پر پڑی اور وہ حلق کی پوری قوت سے چیخا۔

"وہ دیکھو ..... وہ رہی خان چغتائی کی بیوی۔ پکڑ لو اسے۔"

یہ دہشت ناک آواز مارینا اور نبیلہ نے بھی سنی۔ ان کے دل جیسے سینوں میں بیٹھ گئے۔ مارینا دیکھ رہی تھی کہ اب گھڑسوار واضح طور پر اس کی طرف متوجہ ہیں۔ غیرارادی طور مارینا کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ نبیلہ بھی اس کے ساتھ بھاگنے لگی۔ وہ اب گاؤں کی حدود میں پہنچ چکی تھیں۔ ایک گھر کے سامنے پہنچ کر نبیلہ نے اچانک مارینا کا بازو کھینچا اور اسے لیتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ ایک بوڑھے دہقانی نے ان کے دہشت زدہ چہرے دیکھے تو بوکھلا گیا۔

"کیا ہوا بیٹی؟" اس نے بیک وقت دونوں سے پوچھا۔

نبیلہ روتی ہوئی بولی۔ "بابا! کچھ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

بوڑھے نے تیزی سے صورت حال کا جائزہ لیا اور ان دونوں کو ایک عقبی کمرے میں دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ذرا ہی دیر بعد بوڑھے کے گھر کے سامنے قیامت خیز شور بلند ہوا اور منگول گماشتے دندناتے ہوئے اندر گھر آئے۔

"لڑکیاں کہاں ہیں؟" ایک ترجمان نے فارسی میں چلا کر پوچھا۔

بوڑھا کپکپاتا ہوا بولا۔ "مم ..... مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

ابھی بوڑھے کا فقرہ بمشکل مکمل ہوا تھا کہ منگول سالار کی تلوار حرکت میں آئی اور بوڑھے کے سر کو گردن تک دو حصوں میں تقسیم کر گئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور اپنے ہی خون میں لت پت ہونے لگا۔ بوڑھے کا ایک بیٹا باپ کو سنبھالنے کے لئے بڑھا تو ایک منگول نے اس کے سینے میں ایسا نیزا مارا کہ آر پار کر دیا۔ مارینا اور نبیلہ نے بند دروازے کی جھریوں سے یہ بھیانک مناظر دیکھے اور موت ان کی آنکھوں کے سامنے رقصاں ہو گئی۔ نبیلہ نے جلدی سے عقبی کھڑکی کھولی اور مارینا کو لیتی ہوئی باہر گلی میں نکل آئی۔ گلی میں پہنچ کر انہوں نے دیکھا لوگ مکانوں کی چھتوں پر دہشت زدہ کھڑے ہیں اور منگول پیادے و سوار ان دونوں کو چاروں طرف ڈھونڈ رہے ہیں۔ جونہی وہ گلی میں نکلیں ایک منگول سوار کی نظر مارینا اور نبیلہ پر پڑی اور وہ ان کی طرف انگلی اٹھا کر چلایا۔

اس کے حکم پر منگول مختلف اطراف سے ان کی جانب لپکے۔ مارینا اور نبیلہ دہشت زدہ ہرنیوں کی طرح ایک گلی میں داخل ہوئیں اور تنگ سر تنگ پاؤں بھاگتی چلی گئیں۔ اچانک ایک نوجوان نے ان کا راستہ روکا اور انہیں کھینچتا ہوا ایک گھر میں لے گیا۔ یہ نوجوان گاؤں کا واحد نانبائی تھا اور دکان کے ساتھ ہی اس کا گھر بھی تھا۔ اس نے ان دونوں کو اپنی بیوی کے سپرد کر دیا۔ وہ انہیں لے کر گھر کی چھت پر آ گئی۔ یہاں ایک کونے میں خشک گھاس کا بڑا سا ڈھیر پڑا تھا۔ اس نے ان دونوں کو گھاس کے پیچھے چھپا دیا اور خود جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔ ابھی بمشکل وہ اپنے خاوند کے پاس پہنچی تھی کہ منگولوں نے نانبائی کی دکان پر ہلہ بول دیا۔ ایک منگول نے پکار کر کہا۔

"وہ دونوں اسی گھر میں گھسی ہیں؟"

ترجمان خونی لہجے میں نانبائی سے بولا۔ "بتا کہاں ہیں وہ دونوں عورتیں؟"

نانبائی نے بھی بوڑھے کی طرح انکار کر دیا۔ وہ لجاجت سے بولا۔ "حضور! مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

منگول دستے کا سالار آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے دو تواتا سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے نانبائی کو اٹھا کر بلک جھپکتے میں جلتے تندور کے اندر پھینک دیا۔ اس کی بیوی نے یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایک دلخراش چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ منگول دروازہ کھول کر گھر میں آ گھسے اور پاگل کتوں کی طرح ان دونوں کو تلاش کرنے لگے۔ آخر منگول سردار کی پُرہول گرج مارینا اور نبیلہ کو سنائی دی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "اس گھر کو آگ لگا دو اور ہر اس گھر کو آگ لگا دو جس پر تمہیں شبہ ہو کہ یہاں ہمارے دشمنوں کو پناہ دی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

چند لمحے بعد ماریتا اور نُبیلہ نے نانبائی کے گھر سے اٹھتے ہوئے شعلے دیکھے اور چلاتی ہوئی اپنی پناہ گاہ سے نکل آئیں۔ چھتوں چھتوں پر بھاگتیں وہ کئی گھر آگے آگئیں۔ پھر ایک گھر کی سیڑھیاں اتر کر اس گلی میں پہنچ گئیں جو سیدھی ان کے مکان کو جاتی تھی۔ منگول سوار ان کو گلی میں پہنچتے دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا وہ مختلف اطراف سے سمٹے اور ان کے پیچھے لپکے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے در و دیوار گونج اٹھے۔ تب نبیلہ کو دروازے پر سلیمان نظر آیا۔ وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نبیلہ دور ہی سے چیخی۔ "سلیمان .... بچاؤ .... بچاؤ۔ یہ منگول ہیں۔"

سلیمان چند قدم بھاگ کر آگے آیا۔ پھر واپس گیا اور گھر میں گھس کر تلوار اور تیر کمان نکال لایا۔ جس وقت اس نے زمین پر بیٹھ کر منگول سواروں پر تیر برسانے شروع کئے ماریتا اور نبیلہ دروازہ کھولتی ہوئی گھر میں گھس گئیں۔ "قاسم .... قاسم۔" نبیلہ اپنے ننھے بیٹے کے لئے چیخی۔ شیزی کولت ایک کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی۔ قاسم اس کے بازوؤں میں تھا۔ نبیلہ نے اس سے قاسم کو جھپٹا اور روتی ہوئی بولی۔

".......... شیزی! آؤ پچھلے دروازے سے بھاگ جائیں۔ یہ منگول ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

نبیلہ' ماریتا اور شیزی ابھی پچھلے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھیں کہ سامنے والا دروازہ کھلا اور چار منگول سلیمان کو دھکیلتے ہوئے اندر لے آئے۔ سلیمان کی ایک تلوار کے مقابلے میں ان کی چار تلواریں تھیں مگر سلیمان پوری جانفشانی سے لڑ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چیخ رہا تھا۔

"بھاگ جاؤ .... بھاگ جاؤ۔" اس کی یہ ہدایات نبیلہ ماریتا وغیرہ کے لئے تھیں مگر اچانک اس کی آواز بند ہو گئی۔ ایک منگول نے پہلو سے آکر اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرا .... خلیج فارس کا ماہر غوطہ زن اور نبیلہ کا محبوب سلیمان' اپنی جان ہار چکا تھا۔ اس کا سر بریدہ لاشہ تیزی سے خون اگل رہا تھا اور سر لڑھکتا ہوا دہلیز تک چلا گیا تھا۔ "سلیمان .... سلیمان!" نبیلہ اور ماریتا دلدوز انداز میں چیخیں۔ انہوں نے سلیمان کے لاشے کی طرف لپکنا چاہا مگر پھر انہیں اندازہ ہوا کہ ان کی حرکت انہیں منگولوں کے لئے تر نوالہ بنا دے گی۔ اپنی جان بچانے کے لئے وہ تینوں عقبی دروازے کی طرف بھاگیں۔ ننھا قاسم ماں کی بانہوں میں بُری طرح چلا رہا تھا۔ شاید وہ بھی اس موت سے باخبر ہو گیا تھا جو اس پورے گاؤں کو اپنے نرغے میں لے چکی تھی۔

تینوں بھاگتی ہوئی عقبی دروازے سے نکلیں تو شیزی کولت سب سے پیچھے تھی۔ منگول گھڑسوار کریہہ آوازیں نکالتے ان کے تعاقب میں تھے۔ جونہی شیزی نے دہلیز پار کی اسے عقب سے سنسناہٹ سنائی دی۔ ایک وزنی تیر اس کی پشت میں پیوست ہوا اور سینے کی جانب سے باہر نکل آیا۔ شیزی کولت نے اپنے ریشمی لبادے کے نیچے ابھرے ہوئے تیر کو دیکھا اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ وہ اپنے انجام سے باخبر ہو چکی تھی۔ اس نے لبوں پر آنے والی کربناک چیخ کو کمال جرأت سے روکا اور لڑکھڑاتے قدموں سے ماریتا اور نبیلہ کے پیچھے بھاگنے لگی۔ ہر لحظہ اس کے جسم میں ایک سرد لہر اترتی جا رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کا ریشمی لباس خون سے تر ہو گیا اور پیٹ و ناف پر ابلتے خون کی گرمی محسوس ہونے لگی۔ آخر چند قدم بھاگ کر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ چکرا کر اوندھے منہ گری۔ ماریتا اور نبیلہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور ٹھٹک گئیں۔

"شیزی۔" ماریتا کے ہونٹوں سے چیخ نکلی۔ اس نے پیچھے آکر شیزی کی مدد کرنا چاہی مگر اس وقت اسداللہ نے عقاب کی طرح ایک مکان کی چھت سے چھلانگ لگائی اور ان کے سامنے آگیا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں غضب کی سختی تھی۔ اس نے ایک نظر نیم جان شیزی کی طرف دیکھا پھر ماریتا اور نبیلہ کو پوری قوت سے دھکیلتے ہوئے بولا۔

"بھاگ جاؤ .... میں کہتا ہوں بھاگ جاؤ۔"

اسد کے فیصلہ کن لہجے نے ان دونوں کو واپس مڑنے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ منگول سوار اور پیادے اب بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ اسد نے رُخ پھیرا اور تلوار سونت کر ان کے مقابل آگیا۔ اس کے جسم میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔ جلال الدین خوارزم شاہ کا شیر دل مجاہد اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے سر تا پا قہر بن گیا تھا۔ وہ ایک ناقابل تسخیر چٹان کی طرح منگولوں کے سامنے ڈٹ گیا۔ اس کے فولادی بازوؤں نے شمشیر کو برق آسمانی بنا دیا لیکن اس کے مدمقابل بھی کوئی معمولی اشخاص نہیں تھے۔ وہ شہر قراقرم کے چنے ہوئے جنگجو اور منگولوں کی عسکری قوت کا سرمایہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک شخص ایک قیامت تھا اور یہ قیامتیں اسد کو تین اطراف سے گھیر رہی تھیں۔ تنہا شیر ان گنت خونی بھیڑیوں کے نرغے میں تھا۔ مگر اس کی مدافعت دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ پورے مجاہدانہ وقار اور جرأت رندانہ کے ساتھ ان کو موت سے ہمکنار کر رہا تھا۔ ان کی تعداد اور ان کی مہارت کو خاطر میں لائے بغیر وہ ان پر اجل بن کر ٹوٹ رہا تھا۔

☆-----☆-----☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس وقت منگولوں نے گاؤں پر حملہ کیا' گاؤں کے لوگ نماز عید کی ادائیگی کے بعد ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ سردار یورق اور اسد آپس میں بغلگیر تھے' جب گاؤں کی جانب سے چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہوئیں اور ایک جانب سے شعلے اٹھتے ہوئے نظر آئے۔ تمام لوگ حیرانی سے گاؤں کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت چند افراد بھاگتے ہوئے عیدگاہ کی طرف بڑھے۔ ان میں دو تین عورتیں بھی تھیں۔ اسد اور یورق نے نگاہوں کا تبادلہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ گاؤں سے بھاگ کر آنے والے عیدگاہ پہنچے تو زور زور سے رونے لگے۔ عورتیں بین کر رہی تھیں۔ ایک بوڑھے مرد نے اسداللہ کو دیکھا تو پکار کر بولا۔

"بھائی! جاؤ اپنی عورتوں کی عزتیں بچاؤ۔ ان درندوں نے تمہارے میزبان کو ہلاک کر دیا اور گھر کو آگ لگا دی۔"

اسد حیرانی سے بولا۔ "کیا مطلب' سلیمان....."

اس شخص نے کہا۔ "ہاں' سلیمان مارا گیا..... اور وہ سب بھی مارے گئے جنہوں نے تمہاری عورتوں کو پناہ دینے کی کوشش کی۔ گاؤں میں جگہ جگہ آگ بھڑک رہی ہے۔ خدا کے لئے کچھ کرو ورنہ پوری بستی خاک ہو جائے گی۔"

اسد کا دل سینے میں پھنکار کر رہ گیا۔ دوسری طرف یورق کی آنکھوں میں انگارے دہکنے لگے تھے۔ اسد نے معاملہ فہم نگاہوں سے یورق کو دیکھا اور بولا۔

"یورق! میرا خیال ہے کہ ہمارے ازلی دشمن ہمیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"پھر اب کیا کرنا چاہئے؟" یورق نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

اسد نے ایک شخص کے نیام سے تلوار کھینچی اور بولا۔ "میں گھر کی طرف جاتا ہوں۔ تم فوراً جنگل کی طرف جاؤ اور پڑاؤ میں پہنچ کر اباقہ کے ساتھیوں کو اطلاع دو۔ لگتا ہے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہمیں مدد کی ضرورت ہے....."

یورق نے اثبات میں سر ہلایا اور اسد کو خدا حافظ کہہ کر عیدگاہ کی عقبی جانب بڑھا۔ علی اس کے ساتھ ساتھ بھاگا آرہا تھا۔ یورق کی نگاہیں کوئی گھوڑا تلاش کر رہی تھیں لیکن گھوڑا وہاں ایک بھی نہیں تھا۔ ہاں ایک جانب درختوں تلے دو تین گھوڑا گاڑیاں کھڑی تھیں۔ غالباً قریبی گاؤں سے جو لوگ نماز عید ادا کرنے آئے تھے یہ ان کی گاڑیاں تھیں۔ ان میں سے ایک گاڑی کے گھوڑے کافی توانا تھے۔ گاڑی کا مالک جو شکل و صورت سے کوئی امیر لگتا تھا' گاڑی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ خاصا مہربان شخص تھا۔ گاؤں والوں کی

حالت زار دیکھ کر اس کا چہرہ ملول ہو رہا تھا۔ یورق کو اس سے درخواست کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ یورق کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر وہ خود ہی بول اٹھا۔

"میرے بھائی! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر تم کہیں جلد پہنچنا چاہتے ہو تو میری گاڑی لے جا سکتے ہو۔ میں تو تنہا ہوں کسی دوسری گاڑی میں بیٹھ جاؤں گا۔"

یورق نے اس کا شکریہ ادا کیا اور لپک کر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ علی بھی اس کا سارا لے کر اوپر چڑھ آیا۔ یورق نے گھوڑوں کو تھپکی دی پھر انہیں تیزی سے گھماتا ہوا کچے راستے پر لے آیا۔ عیدگاہ میں افراتفری مچ چکی تھی۔ لوگ چیختے چلاتے اپنے گھروں کی جانب بھاگ رہے تھے۔ دوسری طرف کچھ بچے اور عورتیں گاؤں سے عیدگاہ کی طرف آ رہے تھے۔ عجب بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ گاؤں کے کئی مکانوں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور کچھ عورتوں کی آہ و زاری سے پتہ چلتا تھا کہ گاؤں میں بہت سے لوگ قتل ہو گئے ہیں۔ یورق کا جسم آتش فشاں بنتا جا رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ پڑاؤ کی طرف جائے یا گاؤں کی طرف۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بہت دیر ہو چکی ہے اب پڑاؤ کی طرف جانا بے کار ہو گا۔ اس کا دل جیسے اندر ہی اندر کٹ رہا تھا اور اس کی چھٹی حس اسے احساس دلا رہی تھی کہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ اس نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور انہیں روک لیا۔ پھر انہیں موڑتا ہوا گاؤں کی طرف بڑھا۔ چابک لہراتا ہوا وہ انہیں سرپٹ بھگا رہا تھا۔ آخر وہ گاؤں کی گلیوں میں داخل ہوا اور اس کے بدترین خدشات حقیقت کا روپ دھار گئے۔ حملہ آور منگول ہی تھے اور وہ اپنی حیوانی روایات کے مطابق گاؤں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر چکے تھے۔ ان کی تعداد یورق کی توقعات سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ گھروں میں گھس گھس کر عورتوں کو بے آبرو اور مردوں کو قتل کر رہے تھے۔ بلا امتیاز عمر و جنس ہر کوئی ان کی زد میں تھا۔ ان کی درندگی سے بچنے کے لئے جس کا جدھر منہ اٹھتا تھا' بھاگ رہا تھا۔ علی کی نظروں کو ان مناظر سے محفوظ رکھنے کے لئے یورق نے اسے گاڑی کے عقبی حصہ میں بھیج دیا۔ اس گاؤں کی آبادی سات آٹھ سو نفوس سے زیادہ نہیں تھی۔ سیدھے سادے و جفاکش لوگ تھے۔ ان میں لڑنے والے مردوں کی تعداد چالیس پچاس کے قریب ہو گی۔ مگر دہشت کے اس ریلے میں وہ بھی تنکوں کی طرح بہہ گئے تھے۔ کوئی ایک تلوار بھی منگولوں کے مقابل نہیں تھی اور وہ خونی درندوں کی طرح گاؤں کی گلیوں میں دندنا رہے تھے۔ مگر نہیں..... ایک تلوار ان کے مقابل تھی اور یہ تلوار سلطان جلال الدین کے ساتھی اور اباقہ کے پیارے دوست اسداللہ کی تھی۔

یورق نے اسے کوئی پچاس گز کے فاصلے سے دیکھا۔ سفید قبا پہنے ایک منگول کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھینے ہوئے گھوڑے سے پر سوار وہ کوئی افسانوی کردار دکھائی دیتا تھا وہ اکیلا تھا' بالکل تنہا اور اس کے چاروں طرف قاتل تلواریں تھیں اور وہ بڑی شان سے ان تلواروں کے سائے میں حق دوستی ادا کر رہا تھا۔ جلال الدین نہیں تھا تو کیا ہوا وہ تو تھا۔ اباقہ نہیں تھا تو کیا ہوا وہ تو تھا اور یورق نہیں تھا تو کیا ہوا' وہ تو تھا۔ مارینا کو اس کے جھوٹے وارثوں سے بچانے کے لئے وہ آہنی دیوار بن گیا تھا۔ قراقرم سے اٹھنے والے انتقام کے طوفان کے لئے اس نے ایک ناقابل عبور رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔ پھر یورق نے دیکھا کہ قریبی مکانوں کی چھتوں سے کود کود کر پندرہ بیس منگول اسد کے عقب میں پہنچے اور انہوں نے اسے مار گرایا۔ ایک بے رحم تلوار اس کی پشت میں پیوست ہوئی اور وہ گھوڑے پر اوندھا گر گیا۔ پھر ایک نیزا اس کے جسم میں داخل ہوا اور وہ اپنی سفید قبا میں لپٹا ہوا گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ یہ منظر یورق کی آنکھوں میں زہریلی برچھی کی مانند اتر گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور سینے کی پوری قوت سے چلایا۔ "اسد....."

تب اس نے پاگلوں کی طرح ایک وحشیانہ چیخ بلند کی اور ایسا زوردار جھٹکا دیا کہ چاروں گھوڑے اپنے پچھلے پیروں پر الف ہو گئے سبک رفتار گھوڑا گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ طوفانی رفتار اختیار کرتی اور سردار یورق کسی خونی دیوانے کی طرح منگولوں پر جا پڑتا' اسے گھوڑوں کی لگامیں پھر کھینچنا پڑیں۔ چند عورتیں اس کی طرف بھاگی آ رہی تھیں اور ان میں مارینا اور نبیلہ بھی تھیں۔ ان کے رنگ خوف سے زرد ہو رہے تھے اور نبیلہ کی بانہوں میں ننھا قاسم رو رو کر بے حال ہو رہا تھا۔ عورتیں بھاگتی ہوئی آئیں اور گھوڑا گاڑی پر آ بیٹھیں۔ نبیلہ ماتم کرنے والے انداز میں بولی۔

"سردار یورق! اب کچھ باقی نہیں رہا۔ آؤ بھاگ چلیں۔ اب کچھ باقی نہیں رہا۔"

یورق پاگلوں کی طرح کبھی پیچھے اور کبھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ سامنے اس خونی گلی کا وہ موڑ تھا جہاں اس نے اسداللہ کابے جان جسم گھوڑے سے لڑھکتے دیکھا تھا اور عقب میں وہ راستہ تھا جہاں سے وہ زندگی کا سراغ پا سکتے تھے۔ سامنے یورق کا انتقام تھا اور عقب میں مارینا' نبیلہ اور علی کی سلامتی۔ وہ اپنی زندگی کے اہم ترین دوراہے پر کھڑا تھا۔ اسے اندازہ ہوا کہ اگر وہ کچھ دیر اور اس خونی دوراہے پر کھڑا رہا تو اس کے اندر کا وحشی بے قابو ہو جائے گا۔ وہ گھوڑا گاڑی سے چھلانگ لگائے گا اور انتقام انتقام پکارتا منگولوں کی طرف لپک جائے گا۔ اس وحشت سے بچنے کے لئے اس نے پھرتی سے گھوڑوں کو موڑ لیا۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ وہ چلا کر بولا۔

"شیری کہاں ہے؟"

نبیلہ روتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہ پوچھو سردار' ہم سے کچھ نہ پوچھو۔"

نبیلہ کا جواب سن کر سردار کے سینے میں ایک کرناک ٹیس ابھری۔ مگر یہ وقت آنسو بہانے کا نہیں تھا۔ اس نے لگاموں کو زوردار جھٹکا دے کر گھوڑے آگے بڑھائے۔ منگول سپاہ اسد کی رکاوٹ پار کر کے گھوڑا گاڑی کی طرف لپک رہے تھے۔ یورق ایک بل کھاتی ہوئی تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ طویل گلی گاؤں کے بیچوں بیچ گزرتی اسے دو حصوں میں تقسیم کرتی تھی۔ اس گلی سے بمشکل پانچ گھوڑے پہلو بہ پہلو گزر سکتے تھے۔ لہٰذا تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود منگول سوار گھوڑا گاڑی پر بھرپور حملہ نہ کر سکتے تھے۔ تاہم انہیں یہ فائدہ ضرور حاصل تھا کہ وہ گھوڑوں پر تھے اور گھوڑا گاڑی کی نسبت تیز رفتاری کا مظاہرہ کر سکتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ گھوڑا گاڑی کچھ ہی آگے گئی تھی کہ وہ ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ انہیں قریب دیکھ کر عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ یورق نے گھوڑوں کی باگیں مارینا کے سپرد کر دیں اور خود گھوڑا گاڑی کے عقب میں آ گیا۔ یہ ایک نہایت شاندار اور مزین گھوڑا گاڑی تھی۔ گھوڑا گاڑی کی اندرونی آرائش سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا مالک ایک باذوق شخص ہے۔ گاڑی میں داخل ہوتے ہی یورق نے ایک نہایت شاندار کمان دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بڑا ترکش بھی موجود تھا۔ یورق ان دونوں چیزوں کو استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کمان اتاری تو اس کا وزن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس قسم کی مخصوص کمانیں شمالی ترکستان میں تیار کی جاتی تھیں۔ یہ کمان دراصل تین کمانوں کا مجموعہ تھی۔ جس سے ایک وقت تین تیر چھوڑے جا سکتے تھے۔ کمانوں کا زاویہ ایسا تھا کہ تینوں تیر ذرا ترچھے ہو کر نکلتے تھے اور آگے جا کر پھیل جاتے تھے اس کڑی کمان میں وزنی اور دوردار تیر استعمال ہوتے تھے۔

یورق نے کمان سنبھالی اور زبردست مہارت سے متعاقب گھڑسواروں پر تیراندازی شروع کر دی۔ چار پانچ سوار گھائل ہو کر گرے تو متعاقب منگولوں کی رفتار سست ہو گئی مگر پھر جلد ہی یورق کا شاندار ترکش خالی ہو گیا۔ جب کچھ دیر تک گھوڑا گاڑی کی طرف سے کوئی تیر نہیں آیا تو منگول سواروں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان کے وحشیانہ جنگی نعروں میں شدت آ گئی اور وہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھوڑا گاڑی سے قریب تر پہنچنے لگے۔ اب یورق ان کی خون بار آنکھیں اور تمتماتے چہرے دیکھ سکتا تھا' ان کی پیاسی تلواروں کی دھاریں پرکھ سکتا تھا۔

..... اور اب پھر فیصلے کا لمحہ تھا۔ کسی بھی لمحے گھوڑا گاڑی ان کی زد میں آ سکتی تھی۔ مارینا اسے حتی الامکان رفتار سے بھگا رہی تھی اگر وہ اس سے زیادہ رفتار دکھاتی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقیناً گاڑی الٹ جاتی۔ لہٰذا اب یورق کو کچھ کرنا تھا۔ اس نے مارینا کو ہدایت کی کہ گھوڑے روک دو۔ مارینا نے یورق کے اس فیصلے پر حیران ہوتے ہوئے لگامیں کھینچیں اور گاڑی رک گئی۔ متعاقب سواروں نے جب گاڑی رکتے دیکھی تو وہ بھی رک گئے۔ وہ درمیانی فاصلہ اتنی جلدی ختم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید وہ یورق کے دور مار تیروں سے ہراساں تھے۔ غالباً وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ گھوڑا گاڑی کے یوں رکنے میں کوئی چال ہی ہو گی۔

یورق نے اپنے ترکش کے آخری دو تیروں میں سے ایک تیر استعمال کیا اور اٹھ کر گاڑی کے اگلے حصے میں چلا گیا۔ اس نے مارینا سے کہا۔

"مارینا! یہ گلی ختم ہونے والی ہے اور اگر ہم کھیتوں میں پہنچ گئے تو منگول ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔ اس لئے تم گاڑی کو بھگا لے جاؤ میں انہیں اس تنگ گلی میں روکتا ہوں۔"

علی چیخ مار کر اس سے لپٹ گیا اور روتا ہوا بولا۔ "نہیں ..... میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ تم بھی سلیمان اور اسد بھائی کی طرح یہیں رہ جاؤ گے۔"

نبیلہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "سردار! تم بھی ہمیں چھوڑ گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟"

یورق نے آبدیدہ نظروں سے نبیلہ کو دیکھا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "نبیلہ یہ ضروری ہے اگر ہم سب منگول تلواروں کا شکار ہونا نہیں چاہتے' تو مجھے یہاں اترنا پڑے گا۔" نبیلہ کے ساتھ دوسری عورتیں بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگیں۔ یورق نے زار و قطار روتے علی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا پھر آبدیدہ نگاہوں سے مارینا کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مارینا! میں پوری کوشش کروں گا کہ منگول سواروں کو زیادہ سے زیادہ دیر یہاں روک سکوں' مگر میں تمہیں بہت زیادہ مہلت فراہم نہیں کر سکوں گا کیونکہ منگول مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اپنا راستہ نکال لیں گے۔ تم گلی سے نکلتے ہی جنوبی سمت بڑھنا۔ کچھ آگے جا کر ایک نیم پختہ راستہ آئے گا جو تمہیں سیدھا سرحد کی جانب لے جائے گا۔ یہاں علی تمہاری راہنمائی کرے گا اور تمہیں اس مقام تک پہنچا دے گا جہاں اباقہ کے جاں نثار ساتھی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ پڑاؤ تمہاری واحد پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

مارینا نے ایسی نظروں سے یورق کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ "سردار! یہ سب کچھ تو تب ہو گا' جب ہم یہاں سے بچ پائیں گے۔ یہ قیامت جو ہم پر ٹوٹی ہے ہمیں موت کے نرغے سے کب نکلنے دے گی۔"

"خدا حافظ!" یورق نے کہا۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ مارینا کانپ کر رہ

گئی۔ سردار یورق ہمیشہ مارینا سے کھچا کھچا رہا تھا پہلے پہلے وہ مارینا کو بڑے قہر سے گھورا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مارینا نے اپنے دل میں کبھی یورق کے لئے نرم گوشہ محسوس نہیں کیا مگر آج نہ جانے کیا بات تھی کہ یورق کے الوداعی الفاظ مارینا کے دل میں تیروں کی طرح لگے تھے۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"خدا حافظ سردار یورق! اپنا خیال رکھنا۔"

یورق نے تعظیم سے سر جھکایا جیسے ذہن کے کسی گوشے میں وہ آج بھی مارینا کو ملکہ سمجھتا ہو۔ پھر جلدی سے نیچے اتر آیا۔ تب اس نے اپنی کمان سے ایک گھوڑے کی پشت پر زوردار ضرب لگائی۔ گھوڑے حرکت میں آئے اور گاڑی کو بھگاتے چلے گئے۔ علی' نبیلہ اور دوسری عورتوں کی سہمی ہوئی نگاہیں یورق پر جمی تھیں۔ وہ سکون سے کھڑا انہیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ جونہی گاڑی ایک موڑ پر اوجھل ہوئی۔ سردار یورق نے اپنا رخ پھیرا۔ ایک بے خوف منگول چھتیں پھلانگتا ہوا یورق کے سر پر پہنچ چکا تھا اور اب اس پر تیر چلانے کے لئے کمان کندھے سے اتار رہا تھا۔ یورق نے پھرتی سے کمان سیدھی کی اور اس کے ترکش کا آخری تیر منگول کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وہ قلابازی کھاتا ہوا چھت سے گلی میں آ گرا۔ ایک دوسرا منگول جو اس کی تقلید میں آ رہا تھا۔ ساتھی کا حشر دیکھ کر ایک آڑ میں ہو گیا۔ یورق کا شاندار ترکش اب خالی تھا۔ مگر منگول سواروں پر اس کی دہشت ابھی قائم تھی۔ اس نے سوچا اگر چند تیر بھی اس کے پاس مزید ہوتے تو وہ منگول سواروں کو تادیر یہاں روکے رکھتا' مگر اب عیار دشمن کو زیادہ دھوکے میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ گھوڑوں پر سوار اپنے سینوں پر ڈھالیں سجائے لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب پہنچ رہے تھے اگر انہوں نے ابھی تک اس پر تیروں کی بوچھاڑ نہیں کی تھی تو اس کی ایک ہی وجہ تھی۔ وہ اسے بطور سردار یورق پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے اس "غدار عظیم" کو زندہ خاقان اوغدائی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس کے جسم کے ایک ریشے کو علیحدہ علیحدہ موت سے ہمکنار کر کے اپنے دل کو ٹھنڈک پہنچا سکے ..... اور سردار یورق زندہ ان کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ موت کا کھلاڑی تھا' خطرے تمام زندگی اس کے ہمرکاب رہے تھے۔ وہ اپنے انجام سے خوفزدہ کیوں ہوتا؟ اس نے ایک نگاہ آسمان پر ڈالی۔ نیلے فلک پر چمکتا سورج نہایت انہماک سے اس گلی میں جھانک رہا تھا۔ چند سفید پرندے ایک دائرے کی شکل میں چکرا رہے تھے' جیسے وہ بھی اس گلی میں ہونے والے خونی فیصلے کے منتظر تھے ..... منگول سوار اب اس پر چڑھ دوڑنے کو پر تول رہے تھے۔ سردار یورق نے اطمینان سے اپنی کمان ایک طرف پھینکی اور قبا کے نیچے سے اپنا دو دھاری خنجر نکال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔ تب اس نے نہایت جوش اور ولولے سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور منگول سواروں کی طرف بھاگ پڑا۔ چند گز دوڑ کر وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح ان میں گھس گیا۔ منگول سوار یورق کو زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اس کے دو دھاری خنجر نے ان کا اس قدر نقصان کیا جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ وہ چمکدار خنجر ایک روشن لکیر کی طرح ان کے درمیان لپک رہا تھا اور ان کے ناپاک اجسام کو زندگیوں سے محروم کر رہا تھا۔ انتڑیاں بکھر رہی تھیں انگلیاں کٹ رہی تھیں۔ چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ آخر منگول قابو سے باہر ہو گئے وہ بھوکے کتوں کی طرح یورق پر پل پڑے۔ ان کے خنجر' کلہاڑے' نیزے' یورق کے جسم کو چھیدنے لگے۔ چند ہی لمحوں کے اندر وہ خاک و خون میں لوٹ گیا۔ بپھرے ہوئے گھوڑوں نے اس کے جسم کو کچل ڈالا مگر اس کے جسم میں جیسے کوئی مافوق الفطرت قوت کام کر رہی تھی۔ وہ مسلسل اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور منگولوں سے لڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر اس کا جسم نڈھال ہو کر بے حرکت ہو گیا۔ سردار بوغالی کا بیٹا نویان جو اس قہرمان دستے کا سالار تھا چلا کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"اس گھوڑا گاڑی کے پیچھے جاؤ اور چغتائی کی بیوی کے سوا سب کو موت کے گھاٹ اتار دو۔"

فرشتۂ اجل کا حکم سنتے ہی اس کے ہرکاروں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور گھوڑا گاڑی کے پیچھے لپکے۔ نویان نے نہایت نفرت سے یورق کے بے جان جسم کو دیکھا اور تھوک دیا۔ ہاں یہی وہ شخص تھا جس نے اباقہ کی مدد کی تھی .... اور اباقہ اس کے باپ کا قاتل تھا۔ اس کے دل کا ناقابل علاج زخم تھا۔ نویان کے قریب ہی عبداللہ مشہدی اور تنگیزی کھڑے تھے۔ نویان نے عبداللہ مشہدی سے کہا۔

"مشہدی! تُو جا اور محاصرہ کرنے والے سواروں سے کہہ کہ بالکل چوکس رہیں' اصل مجرم اباقہ ابھی تک گرفتار نہیں ہوا' وہ جب تک پکڑا نہ جائے انہیں اپنی تلواریں میانوں سے باہر رکھنی ہیں۔"

عبداللہ مشہدی نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے سر جھکایا اور تیزی سے ایک جانب روانہ ہو گیا۔ نویان نے ایک بار پھر یورق کے زخم زخم جسم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا پھر تنگیزی سے بولا۔

"تنگیزی! اس کتے کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور گاؤں کے چوراہے میں ڈال دو۔"

تنگیزی کمینگی سے مسکرایا۔ پھر اس نے سردار یورق کے بے جان جسم کو ایک رسے

کی مدد سے گھوڑے کے پیچھے باندھا اور گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ گاؤں کے گلی کوچوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ جگہ جگہ کٹی پھٹی لاشیں پڑی تھیں۔ گھروں کے اندر ہی جل مرنے والوں کے گوشت کی بو چاروں اور پھیلی تھی۔ یہ وہ گاؤں تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ ننھے بچے رنگین لباس پہنے تتلیوں کی مانند اڑتے پھرتے تھے۔ سہاگنوں کی آنکھوں میں سہاگ اور کنواریوں کی آنکھوں میں سپنے تھے مگر اب وہاں آگ اور خون کے سوا کچھ نہیں تھا۔ گاؤں کے چوراہے میں پہنچ کر تنگیزی نے رسی کاٹ دی اور یورق کا جسم خونچکاں لاشوں کے درمیان پڑا رہ گیا۔

یورق میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ اچانک اسے اپنے کان کے بالکل قریب سے ایک آواز سنائی دی۔ "سردار یورق۔"

اس مدھم آواز پر سردار کا جسم متحرک ہوا۔ اس نے اپنی خون میں لتھڑی ہوئی پلکوں کو جنبش دی۔ پھر گردن کی نحیف حرکت کے ساتھ چہرے کا رخ تھوڑا سا پھیرا ایک بوڑھیا کے سربریدہ دھڑ کے پاس اسے شیزی نظر آئی۔ اس کے سینے میں پیوست تیر کی انی ریشمی لبادہ پھاڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ اس کی شفاف اور نازک گردن پر کسی گھوڑے کا سم مہر کی طرح ثبت تھا۔ شیزی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر ایک غیر محسوس مسکان دھوپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بولی۔

"سردار یورق .... آج عید کا تہوار ہے .... تم مجھے میرا وعدہ یاد نہیں دلاؤ گے۔ مجھ سے نہیں پوچھو گے .... میں تم سے کیسا پیار .... کرتی ہوں۔"

یورق نے اپنی زخمی زبان کو حرکت دی۔ "اب .... کیا .... فائدہ .... شیزی۔"

شیزی مسکرائی۔ "ہاں .... تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو .... محبت کو محبت ہی رہنے دیتے ہیں .... اسے کوئی نام نہیں دیتے............"

یورق نے اپنا ٹوٹا ہوا ہاتھ سرکا کر شیزی کے خون آلود بالوں پر رکھ دیا۔ "ٹھیک .... کہتی ہو۔"

دفعتاً منگول سواروں کا ایک دستہ سرپٹ گھوڑے بھگاتا ان کے اوپر سے گزر گیا۔ .... دونوں جاں بحق ہو گئے۔

سردار یورق نے جونہی کمان رسید کی تھی گھوڑے بھاگ اٹھے تھے۔ مارینا انہیں ٹلی میں بھگاتی کھیتوں تک پہنچی تھی۔ علی اس کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا آنکھیں میچے زور زور سے رو رہا تھا۔ گاڑی میں موجود تمام عورتیں سکتے کی حالت میں بیٹھی تھیں۔ یورق کی ہدایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مطابق مارینا نے گھوڑے جنوبی سمت پر موڑے اور چابک کے استعمال سے ان کی رفتار تیز کرنے لگی۔ وہ جلد از جلد منگول سواروں سے دور نکل جانا چاہتی تھی مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں مکمل طور پر منگولوں کے محاصرے میں ہے۔ انہوں نے اس گاؤں پر زندگی کا ہر راستہ بند کر دیا ہے۔ جونہی مارینا' یورق کے بتائے ہوئے نیم پختہ راستے پر پہنچی درختوں سے برآمد ہونے والے منگول سوار اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ سر تا پا لوہے میں ڈوبے' آہنی ڈھالیں سینوں پر سنبھالے وہ خوفناک تیوروں سے گھوڑا گاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مارینا نے حتی الامکان سرعت سے گاڑی کو کھیتوں میں موڑنا چاہا مگر اس وقت منگول سواروں نے اگلے دو گھوڑوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک گھوڑا گھائل ہو کر اوندھے منہ گرا اور اس کے ساتھ ہی گاڑی الٹ گئی۔ عورتیں بدحواسی انداز میں چیخیں اور مارینا نے علی کو اچھل کر دور گرتے دیکھا۔ منگول سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ان کے سروں پر پہنچے۔ مارینا کو دیکھتے ہی وہ اس پر یوں جھپٹے جیسے وہ کوئی پرچھائیں ہو۔ جو روپوش ہو جائے گی۔ شاید وہ سب کے سب اس کی گرفتاری کے دعویدار بننا چاہتے تھے۔ انہوں نے مارینا کو یوں دبوچا جیسے اس کے حصے بخرے کر دیں گے۔ مارینا نے ان پر تابڑ توڑ چابک برسائے مگر جلد ہی وہ بے بس ہو گئی۔ دوسری عورتوں کو بھی منگول سپاہیوں نے بے بس کر دیا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت کو انہوں نے پلک جھپکتے میں ہلاک کر دیا اور باقی عورتوں کو ہوس پرستی کے لئے درختوں کی جانب کھینچنے لگے۔ عورتوں کی آہ و بکا پر دستے کا سالار شیطانی قہقہہ لگا کر بولا۔

""سپاہیو! استعمال کے بعد ان کو ضائع کر دینا۔"

مارینا جو منگول زبان سمجھتی تھی سپاہیوں کی گرفت میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی لیکن لاچار تھی۔ سپاہیوں کی کھینچا تانی کا نشانہ بننے والی عورتوں میں نبیلہ بھی شامل تھی۔ ننھا قاسم اس کی گود میں تھا اور دو سپاہی اسے درختوں میں لے جانے سے پہلے بچہ اس سے چھین لینا چاہتے تھے۔ وہ ماتا کی ماری پوری جان سے بچے کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے تھی۔ کھینچا تانی سے بچہ زخمی ہو چکا تھا اور پوری قوت سے چلا رہا تھا۔

مارینا چیخ چیخ کر سپاہیوں کو اس ظلم سے باز رہنے کا کہہ رہی تھی' مگر وہ کسی صورت نبیلہ کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ علی وحشت کے عالم میں پکار رہا تھا۔ "اباقہ بھائی ..... اسد بھائی' سردار....." مگر آج اس کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا۔ یہ دن ہی ایسا طلوع ہوا تھا کہ تمام ساعتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔ یہ گھڑی ہی ایسی آئی تھی کہ سارے غمگسار تنہا چھوڑ گئے تھے۔ بے رحم آسمان اور سنگلاخ زمین کے درمیان' علی تنہا تھا اور

قراقرم کے وحشیوں کا شیطانی رقص دیکھ رہا تھا۔ اسلام کا نام لینے والوں کو جو سزا دی جا رہی تھی اس کا نظارہ کر رہا تھا..... آخر ایک سپاہی نے نبیلہ کے بازو موڑتے ہوئے بچہ اس سے چھین لیا۔ ایک دوسرے سپاہی نے نیزے کو حرکت دی اور ننھے قاسم کو انی میں پرو کر ہوا میں لہرا دیا۔ بچے کی آخری چیخ ماں کی آنکھوں میں انگارے بھر گئی' اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل گئی۔ وہ موت و حیات سے بے پرواہ ہو کر وحشی منگول پر جھپٹی اور اس کے میان سے تلوار نکالنے کی کوشش کرنے لگی' مگر ظالم بے شمار تھے اور مظلوم تنہا۔ اس سے پہلے کہ نبیلہ تلوار نکالنے میں کامیاب ہوتی دو منگولوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور قاسم کے قاتل سے جدا کر دیا۔ پھر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے درختوں کی طرف لے جانے لگے۔

مارینا چیخی۔ "نبیلہ ..... نبیلہ۔"

مارینا کی زبان سے نبیلہ کا نام سن کر دستہ سالار ٹھٹک گیا۔ اس نے سپاہیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور مارینا کے سامنے پہنچ کر کہنے لگا۔ "یہ تمہاری ساتھی ہے؟"

مارینا کے لئے اس سوال کا جواب دینا مشکل تھا مگر پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے کہا۔ "ہاں"۔

اس کا جواب سنتے ہی دستہ سالار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ نبیلہ کو زمین پر لٹا کر اس کی مشکیں کس دی جائیں۔

سپاہی فوراً حکم کی تعمیل مصروف ہو گئے۔ دستہ سالار نے کہا۔ "اے چنقتائی کی بے وفا بیوی' تیری "ہاں" نے فی الحال اس عورت کی جان بچالی ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ تیرے اور اباقہ کے تمام ساتھیوں کو زندہ سلامت قراقرم پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہاری ہر حرکت کو معاف کر دیں گے۔ اگر تم میں سے کسی نے ہوشیار بننے کی کوشش کی تو ہم راستے میں بھی تمہیں موت کا عذاب دے سکتے ہیں۔"

مارینا پھٹی پھٹی ویران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی اس کے کانوں میں یورق کے الفاظ گونج رہے تھے "..... مارینا! تو اباقہ کی زندگی سے نکل جا' تو اسے نہیں مل سکے گی' مگر تیری وجہ سے اس کی زندگی ضرور برباد ہو جائے گی ....." برسوں پہلے منگول شمان کی کہی ہوئی یہ بات آج حقیقت محسوس ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

اباقہ بغداد سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ مگر وہ ایک بار ..... صرف ایک بار اس گھر کو دیکھنا چاہتا تھا' جہاں اس کی زندگی کے پیارے ہمراہی رہتے تھے۔ نبیلہ' سلیمان' یورق' اسد اور علی۔ ان سب کے علاوہ وہاں وہ ہستی بھی مقیم تھی جس کا نام اباقہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دل میں اَن مٹ سنہری حروف میں لکھا ہوا تھا..... "مارینا" یہ نام اس کی زندگی کا حاصل تھا۔ مارینا کا خیال ذہن میں آتے ہی اباقہ کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ شاید اس کی زندگی اس سے ہمیشہ کے لئے روٹھ چکی تھی۔ اباقہ نے اس کی ناراضگی کے بارے ٹھنڈے دل سے سوچا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہے۔ درست ہے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھی مگر اباقہ کو دیکھنے کے بعد اس نے کسی اور کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ذہن کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا۔ اباقہ کے متعلق سوچنا اور اس کے دل کا ایک ہی مصرف رہ گیا تھا۔ اباقہ کے لئے دھڑکنا۔ اباقہ کے پیار کو اس نے اپنا ایمان بنا لیا تھا اور حوادث کی آندھیوں میں اس ایمان کی حفاظت کی تھی۔ وہ قراقرم کی شہزادی تھی۔ اس کا شمار دنیا کی حسین ترین عورتوں میں کیا جا سکتا تھا مگر اس نے عام شکل و صورت کے مالک ایک گمنام اور معمولی شخص کو اپنا سب کچھ سونپ دیا تھا۔ افسوس اباقہ سے محبت کے اس تحفہ گراں مایہ کی قدر نہ ہو سکی ..... اور اب وہ اور مارینا دو اجنبیوں کی طرح تھے جو ایک دوسرے سے کبھی نہ ملنے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔

اباقہ کو علی کی من موہنی صورت بھی بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا علی اس کے بغیر انتہائی اداس ہو گا۔ مگر جو فیصلہ اباقہ کر چکا تھا اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہاں' وہ ایک بار علی کو ضرور دیکھنا چاہتا تھا۔ دور ہی سے سہی لیکن ایک بار دیکھ کر وہ اس کی صورت آنکھوں میں بسا لینا چاہتا تھا۔ اسے یاد تھا اس نے علی سے کہا تھا کہ عید کے موقع پر وہ اسے ایک خوبصورت خنجر کا تحفہ دے گا۔ اسے اپنا یہ وعدہ یاد تھا۔ کل عید تھی اور کل بغداد چھوڑنے سے پہلے وہ علی کو اس کا تحفہ پہنچا دینا چاہتا تھا۔

شام کے وقت اس نے مسلم بن داؤد کو بلایا اور کہا کہ ایک ننھا سا خوبصورت خنجر بازار سے لا کر دو۔ مسلم بن داؤد تو حکم کا غلام بنا ہوا تھا۔ فوراً "ابھی لیجئے' ابھی لیجئے" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ مگر عشاء سے قبل واپس نہیں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک آبنوسی صندوق تھا۔ اس ڈبہ نما صندوق کے اندر مخملیں کپڑے کے اوپر نہایت قیمتی خنجر پڑے ہوئے تھے۔ جڑاؤ دستوں والے یہ بیش قیمت خنجر مسلم بن داؤد نہ جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر لایا تھا۔ بڑے احترام سے اباقہ کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

"لیجئے جناب! جو مزاج کو اچھا لگے رکھ لیجئے۔" وہ اب اباقہ کو "جناب ..... حضور" کہنے میں ذرا تامل نہیں کرتا تھا۔ اباقہ نے صندوق میں سے ایک چھوٹا سا خنجر اٹھا لیا۔ مسلم بن داؤد خوشامدی انداز میں اس کے انتخاب کی داد دینے لگا۔ "واہ ..... واہ' سبحان اللہ۔ خدا کی قسم اس ذوق کا آدمی بغداد میں ایک بھی نہ ہو گا۔ ماشاء اللہ کیا چیز منتخب

کی ہے۔ لگتا ہے جوہری کی آنکھ دی ہے آپ کو قدرت نے۔"

اباقہ نے ہنسا کر کہا۔ "قدرت نے تمہیں بھی تو یہ قینچی جیسی زبان دی ہے' جس سے ہر ایک کے کان کترتے ہو۔"

داؤد نے بوکھلا کر دائیں بائیں دیکھا۔ خادموں کے سامنے مزید رسوائی ٹھیک نہیں تھی۔ لہٰذا اباقہ کے تلخ فقرے پر فرمائشی قہقہے کا پردہ ڈالتے ہوئے اس نے صندوق اٹھایا اور باہر نکل گیا۔

اگلی صبح جب بغداد کے طول و عرض میں عید کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں' اباقہ نے داؤد کے اصطبل سے سب سے عمدہ گھوڑا لیا اور عازم سفر ہو گیا۔ وقت رخصت داؤد نے اپنی پگڑی اتار کر اباقہ کے قدموں میں رکھ دی اور بولا۔

"جناب! آپ جانتے ہیں' میں دل کا مریض ہوں۔ اکثر اختلاج قلب کا دورہ پڑتا رہتا ہے۔ بڑے بڑے ملکی اور غیر ملکی طبیبوں کو دکھایا ہے لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ دراصل میرے مرض کا علاج آپ کے پاس ہے۔ صرف آپ کے پاس۔"

"میرے پاس؟" اباقہ حیرت سے بولا۔

"جی ہاں۔" داؤد عاجزی سے بولا۔ "آپ مجھے دل کی گھرائیوں سے معاف کر دیں تو میں کل ہی بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔"

اباقہ کچھ دیر گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا' پھر بولا۔ "ٹھیک ہے داؤد میں تجھے معاف کرتا ہوں اور یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بغداد نہ آؤں گا۔"

"واقعی؟" داؤد نے بے انتہا مسرت سے کہا۔ پھر یکایک اس کا چہرہ زرد ہونے لگا اور اس نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ اسے پھر اختلاج قلب ہونے لگا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا اور ایک خادم کا سہارا لے کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ دوسرے خادم پہنچے اور اسے بازوؤں میں اٹھا کر اندر لے گئے۔ ایک نو عمر خادم اباقہ کے پاس کھڑا رہ گیا۔ وہ بہت افسردہ تھا۔ کہنے لگا۔

"جناب! میرا آقا مر تو نہیں جائے گا ..... اس نے میری ایک برس کی مزدوری دینی ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ یہ اس پر بیماری کا آخری حملہ تھا۔"

گھوڑے کو ایڑ لگا کر اباقہ بازار سوق الطب میں پہنچا اور مختلف غیر معروف گلیوں سے ہوتا ہوا' جہت شرقی' کی طرف نکل آیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تیز رفتاری سے سرحدی علاقے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اباقہ جس وقت اس سرحدی گاؤں کے نواح میں پہنچا' دوپہر ہونے والی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ نبیلہ' قاسم اور علی زیتون کے پیڑ تلے جھولا جھول رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ماریتا اور شیزی بھی وہیں موجود ہوں۔ عید کے تہوار کی وجہ سے اسد اور یورق بھی گھر ہی ہوں گے۔ ان کو ایک ساتھ دیکھنے کا یہ بہترین موقعہ تھا۔ اس نے سوچا وہ جوار کے کھیت میں چھپ کر بیٹھ رہے گا۔ پھر جب وہ ظہرانے کے لئے اندر چلے جائیں گے تو وہ علی کا خنجر پیڑ کے نیچے کہیں رکھ دے گا جہاں سے وہ بہ آسانی اسے نظر آ سکے۔ یا پھر وہ کسی دہقان سے کہے گا کہ یہ خنجر سلیمان تک پہنچا دے اور اسے کہے کہ یہ علی کے لئے ہے .....

اپنی انہی سوچوں میں گم وہ گاؤں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا کہ گاؤں کے مکانوں سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ اچانک ایک مقام پر اسے جھاڑیوں سے سرسراہٹ سنائی دی۔ وہ گھوڑے کو گھما کر جھاڑیوں میں داخل ہوا تو وہاں کوئی نہیں تھا' مگر یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں کہ وہاں کئی برہنہ اور نیم برہنہ عورتوں کی کٹی پھٹی لاشیں پڑی تھیں۔ انہیں وحشیانہ درندگی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ اس منظر سے نظر چراتا ہوا آگے بڑھا تو کچے راستے پر ایک گھوڑا گاڑی الٹی نظر آئی۔ ایک گھوڑا بھی مردہ پڑا تھا۔ یہاں بھی ایک دو لاشیں موجود تھیں۔ ایک لاش دیکھ کر اباقہ کا سر گھومنے لگا۔ یہ ننھے قاسم کی لاش تھی کسی درندے نے اس کا پھول سا جسم نیزے میں پرو کر کھیت میں پھینک دیا تھا۔ اباقہ لپک کر گھوڑے سے اترا اور معصوم بچے کو اٹھا کر حیرت ناک نگاہوں سے دیکھنے لگا..... یکایک اسے اندازہ ہوا کہ اس گاؤں میں کوئی نہایت المناک واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ اس کے جسم کا خون سر کو چڑھنے لگا اور گلے کی رگیں پھولتی چلی گئیں۔ اس نے قاسم کی لاش کو اپنی چادر میں لپیٹا اور اسے اپنے سامنے گھوڑے پر رکھ کر دیوانہ وار گاؤں کی طرف بڑھا۔

جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اس کے خدشات عفریتوں کا روپ دھارتے گئے۔ اس کی سانس پھولتی گئی اور اعصاب کھنچتے گئے۔ گاؤں ایک بہت بڑے مقتل کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ گلی کوچوں میں لاشیں بکھری تھیں اور مکان سلگتے ملبے کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ "یہ کیا ہوا؟ یہ کیا ہوا؟" اس کا دل چیخ چیخ کر اس سے یہ سوال پوچھ رہا تھا۔ ان متبسم چہروں اور اُجلے لباسوں والے لوگوں کی بستی پر عین روز عید یہ کیا قیامت گزری تھی؟ اس کی آنکھوں میں اپنے پیاروں کی شکلیں گھوم رہی تھیں۔ اب وہ گاؤں کے چوراہے میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں لاشوں کا انبار لگا تھا۔ اچانک اسے ایک ایسا چہرہ نظر آیا کہ وہ سر تا پا پتھر ہو گیا۔ اگر وہ غلطی نہیں کر رہا تھا تو یہ کچلی ہوئی لاش اس کے پیارے دوست یورق کی تھی۔ وہ

جیسے خواب میں چلتا ہوا اس کے سرہانے پہنچا۔ تب اس کی نگاہ یورق کے بائیں ہاتھ پر پڑی ایک انگوٹھا کٹا ہوا تھا۔ برسوں پہلے یہ انگوٹھا یورق نے اباقہ کی محبت میں کاٹا تھا۔ وہ اسے ایک غار میں قید چھوڑ آیا تھا۔ یورق نے اپنی کلائی زنجیر نکالنے کے لئے یہ انگوٹھا قلم کر لیا تھا اور یہ سب کچھ اس نے اباقہ کی بھلائی میں کیا تھا۔ آج یہ کٹا ہوا انگوٹھا اباقہ کو بتا رہا تھا کہ خاک و خون میں لتھڑی یہ لاش اس کے بے لوث غم خوار یورق کی ہے۔ "سردار!" اباقہ نے آگے بڑھ کر یورق کو جھنجھوڑ ڈالا۔ مگر آج اباقہ کو جنگلی کہنے والی زبان خاموش تھی۔ اباقہ یورق سے لپٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ تب اس کی نگاہ شیزی کو لت کی لاش پر پڑی۔ وہ کسی موہوم امید کے سہارے شیزی کو جھنجھوڑنے لگا مگر وہ بھی زندگی کی سرحد پار کر چکی تھی۔

اباقہ اٹھا اور اسد' نبیلہ اور سلیمان کے نام پکارتا ہوا گھر کی طرف بھاگا۔ وہاں بھی ہر طرف ویرانی اور موت کا راج تھا۔ گھر کے سامنے زیتون کے نیچے جھولا ٹوٹا پڑا تھا۔ ایک طرف سلیمان کا ایک مورا اس حالت میں پڑا تھا کہ اس کی گردن جڑ سے غائب تھی۔ مکان کے سلگتے ملبے سے نفرتوں کی آنچ بلند ہو رہی تھی۔ اباقہ بھاگتا ہوا دلیز پر پہنچا تو سامنے صحن میں سلیمان کی ادھ جلی لاش نظر آئی۔ "نبیلہ' اسد علی!" اباقہ جگر پاش لہجے میں انہیں آوازیں دینے لگا۔ مگر اس سلگتے قبرستان سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی۔ کسی نے اسے مدد کے لئے نہیں پکارا۔ اس کی آنکھیں خون رونے لگیں۔ وہ پاگلوں کی طرح گاؤں کی گلیوں میں گھومنے لگا۔ کچھ دور ایک گلی میں اسے اسد نظر آیا۔ چوڑے سینے اور کشادہ پیشانی والا اس کا جان سے پیارا دوست ہمیشہ مسکرانے اور کبھی ہمت نہ ہارنے والا اسد۔ وہ شیر دل جوان' نیکی جس کی پیشانی پر لکھی تھی اور نور جس کے چہرے کی زینت تھا.....

..... ہاں وہی اسد آج خاک و خون میں لپٹا خاموش پڑا تھا۔ اس کا فولادی جسم مغلوں سپاہیوں کی لاشوں میں چھپا ہوا تھا۔ تلوار ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی اور اس پر سجا ہوا خون گواہی دے رہا تھا کہ چاروں طرف بکھری ہوئی لاشیں اسی جوانِ رعنا کے زورِ بازو کا شاہکار ہیں۔ سنسان گلی کے اس موڑ پر ابھی تک اس کا غضب اور جلال مہیب بگولوں کی طرح گرج رہا تھا۔ خاموش فضا میں ابھی تک اس کے نعروں کی گونج باقی تھی ..... سوختہ مکانوں کی کوکھ سے ابھرتے ہوئے دھوئیں میں اس کا حسین چہرہ خیال کی طرح نظر آ رہا تھا۔

یکایک اباقہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اس نے پوری قوت سے مٹھیاں بھینچیں اور اس کے حلق سے ایک لرزہ خیز چنگھاڑ نکل کر در و دیوار کو لرزا گئی۔ اس نے تلوار نیام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکالی اور ایک منگول کی لاش پر کھڑا ہو کر بڑبڑانی انداز میں چلانے لگا۔

"کہاں ہو تم ..... میرے سامنے آؤ ..... کہاں ہو تم۔"

اچانک ایک مکان کی چھت سے ایک جال اچھلا اور اباقہ پر آن گرا۔ پلک جھپکنے میں اس جال نے اباقہ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اردگرد کے مکانوں سے بیسیوں منگول نکل کر اس کے سامنے آ گئے منگولوں کو دیکھ کر اباقہ جال کے اندر بری طرح تڑپنے لگا مگر اس انتہائی مضبوط جال سے نکلنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ ماہر شکاریوں نے اسے اس بری طرح جکڑ لیا تھا کہ ہاتھ میں پکڑی تلوار بھی اس کے لئے بے کار ہو گئی تھی۔ غضب کی فراوانی نے اسے دیوانہ کر دیا تھا وہ کبھی دانتوں سے جال کی رسیاں کاٹنے کی کوشش کرتا اور کبھی حلق پھاڑ کر چلانے لگتا تھا۔ اس کی آنکھیں دو دہکتے انگارے تھیں جو جال کے حلقوں سے چمک رہی تھیں۔

دستہ سالار نویان آگے آیا اور اباقہ کی بے بسی کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"چچ ..... چچ۔ مسلمانوں کا عظیم مجاہد' خوارزم شاہ کا قریبی ساتھی اور اس جال میں۔ افسوس' چوہیا کا نومولود بچہ بھی اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔"

منگول سپاہی دل کھول کر ہنسنے لگے۔ ایک توانا منگول نے اباقہ کو عقب سے دھکا دے کر اوندھے منہ گرا دیا اور باقی منگول اسے لاشوں کے درمیان گھسیٹنے لگے۔

☆------☆------☆

اسی شب قراقرم کا یہ خونی دستہ اباقہ اور مارینا کو لے کر واپس روانہ ہو رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے جو کام طوطم خاں کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا وہ پایہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا۔ مارینا واپس اپنے منگول شوہر کے پاس پہنچ رہی تھی اور اباقہ اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے خاقان کے سامنے پیش ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں میں سے صرف نبیلہ اور علی ان کے ساتھ تھے باقی سب راہ وفا میں حادثوں کا رزق ہو گئے تھے۔

نہایت خاموشی کے ساتھ یہ قافلہ خوارزم کے مقبوضہ علاقے میں داخل ہوا اور وہاں سے منزلوں پر منزلیں مارتا صحرائے گوبی کی سمت بڑھنے لگا۔ اباقہ کو لے جانے کے لئے خاص طور پر احتیاط کی جا رہی تھی۔ اسے ایک لمحے کے لئے بھی جال سے نہیں نکالا گیا تھا مزید حفاظت کے لئے اس کے ہاتھ میں آہنی کڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ وہ براہ راست دستہ سالار نویان کی نگہداشت میں تھا۔ وہ رات بھر خود جاگ کر اباقہ کا پہرا دیتا تھا۔ کبھی کبھی یہ لوگ اباقہ کو یوں دیکھتے تھے جیسے وہ گوشت پوست کا انسان نہ ہو' ایک دہشم ہو جو ان کے نگاہیں پھیرتے ہی ناپید ہو جائے گا۔ غالباً قراقرم کے محل سے راستے کی

چوکیوں کے لئے خصوصی ہدایات جاری کی گئی تھیں۔ ایران و ترکستان کے وسیع علاقوں سے گزرتے ہوئے انہیں کہیں بھی رکنا نہیں پڑا۔ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتے آخر قراقرم کے یہ قیدی منگولیا میں داخل ہوئے اور صحرائے گوبی کے جنوبی حصے کی جانب بڑھنے لگے۔ قراقرم' صحرا کے اسی حصے میں واقع تھا۔

☆------☆------☆

خاقان اوغدائی کے محل کا اندرونی منظر تھا۔ کافوری شمعیں ابھی ابھی روشن ہوئی تھیں۔ محل کی وسیع و عریض نشست گاہ میں خاقان اپنے مصاحبین کے ساتھ موجود تھا۔ اطلس و کمخواب کے لباس پہنے ختائی' ترکی و فرنگی کنیزیں ساقی گری میں مصروف تھیں۔ ان میں سے کچھ منگول سرداروں کی آغوش کی زینت بنی ہوئی تھیں اور منگول سردار ایک دوسرے کی موجودگی سے قطعی بے تعلق ان سے بے محابانہ چھیڑ چھاڑ میں مشغول تھے۔ فضا رباب و چنگ سے معمور تھی اور ایک رومی رقاصہ جسم تھرکا تھرکا کر منگول بہادروں کے قصیدے گا رہی تھی۔ اچانک ایک نقیب نے اندر آ کر اطلاع دی کہ عراق جانے والا فوجی دستہ قیدیوں کو لے کر پہنچ گیا ہے۔ اس خبر نے خاقان اوغدائی کے جھریوں بھرے چہرے پر جوش کی لہر دوڑا دی۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"اباقہ اور مارینا بھی ساتھ ہیں؟"

نقیب نے تعظیم سے جھک کر اقرار میں جواب دیا۔ خاقان اوغدائی بے تابانہ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور نقیب سے بولا۔ "انہیں فوراً حاضر کیا جائے۔" نقیب کے جاتے ہی ساز خاموش ہو گئے اور رقص تھم گیا۔

کچھ ہی دیر بعد نویان اور مشمدی' طوق و سلاسل میں جکڑے قیدیوں کو لے کر اندر داخل ہوئے۔ نشست گاہ میں موجود ہر فرد نے بے انتہا اشتیاق سے قیدیوں کا نظارہ کیا۔ ان میں اباقہ سب سے آگے تھا۔ وہ سر تا پا زنجیروں میں جکڑا تھا اور اسے چلنے میں مدد دینے کے لئے دو سپاہی سہارا دیئے ہوئے تھے۔ اس کے پہلو میں مارینا تھی۔ اس کے گلے میں بھی طوق و زنجیریں تھیں۔ عقب میں نبیلہ اور علی آ رہے تھے۔

خاقان اوغدائی نے اباقہ کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔ "شومئی قسمت اس وقت چغتائی خاں علالت کے سبب یہاں موجود نہیں ورنہ عین ممکن تھا وہ اس جنگلی کو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جاتا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے اسے ان عذابوں سے بچا لیتا جو مرنے سے پہلے اس پر ٹوٹنے والے ہیں۔" پھر وہ بغور مارینا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"چغتائی کی حسین بیوی! کاش تو اپنے حسن پر ترس کھاتی اور اس موت کی مستحق نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھہرتی جو اب تیرا اٹل نصیب ہے۔ تُو نے اس جنگلی کے لئے خان چنقتائی سے بے وفائی کر کے پوری منگول قوم کے منہ پر طمانچہ مارا ہے اور اس کی سزا تجھے جتنی بھی ملے کم ہے۔"

مارینا بالکل سیدھی کھڑی تھی اور خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر خجالت یا ندامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے برعکس ایک عجب طرح کا جلال اس کے نقوش سے ٹپک رہا تھا۔ خاقان نے رخ پھیر کر نویان سے کہا۔

"اس جنگلی کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

نویان نے سر جھکا کر کہا۔ "خاقان محترم! آسمان آپ پر برکتیں نازل کرے' اباقہ کے باقی ساتھی ہمارے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔"

خاقان نے افسردگی سے کہا۔ "مجھے اس غدار یورق سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ اسے کتوں کے آگے ڈال کر اس کا جسم پارا پارا ہوتے دیکھوں..... خیر جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔"

نویان نے پوچھا۔ "خاقان محترم! اب ان قیدیوں کے لئے کیا حکم ہے؟" اس سے پہلے کہ خاقان کوئی جواب دیتا اس کی حسین و جمیل بیوی تورا کینہ جھک کر اس کے کان میں کوئی سرگوشی کرنے لگی۔ سرگوشیوں کے مختصر تبادلے کے بعد خاقان نے کہا۔

"شوق تو یہی چاہتا ہے کہ ان بدبختوں کو اسی جگہ اذیت ناک موت مار دیا جائے لیکن گناہگاروں کا یہ ٹولہ ہمارا ہی نہیں کچھ اور لوگوں کا بھی مجرم ہے۔ جن میں وہ تمام منگول شہزادے اور سردار شامل ہیں جنہوں نے روس میں ان کے ہاتھوں زک اٹھائی ہے اور ان کی سازشوں کا شکار ہوئے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا حق بنتا ہے کہ ان بدبخت دشمنوں کو موت سے پہلے روتے بلکتے اور تڑپتے پھڑکتے دیکھیں۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ جب تک منگول شہزادے اور سردار روسی مہم سے واپس نہ آجائیں ان قیدیوں کو نہایت حفاظت کے ساتھ زندہ رکھا جائے۔"

تورا کینہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' اباقہ کی میزبانی کا شرف ہمیں ایک بار پہلے بھی حاصل ہو چکا ہے۔ میری رائے میں اباقہ کو اسی بندی خانے میں رکھا جائے جہاں اس سے پیشتر وہ ایک برس پڑا رہا تھا۔ وہ جگہ محفوظ ترین اور اس کے شایان شان ہے۔"

نویان نے کہا۔ "ملکہ کا خیال بالکل درست ہے۔ وہ جگہ اس عیار شخص کے لئے نہایت موزوں رہے گی۔"

خاقان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں جہاں تک مارینا کا سوال ہے'

اسے چنقتائی کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ اس کے لہو سے اپنے انتقام کے شعلوں کو سرد کر سکے۔ میرا بھائی اس دن کے لئے بہت تڑپ چکا ہے۔ اسے مزید انتظار میں رکھنا ٹھیک نہیں۔"

اہل دربار نے متفقہ طور پر اس فیصلے کو سراہا۔ نبیلہ یہ فیصلہ سن کر سسک پڑی۔ اسے روتے دیکھ کر علی بھی رونے لگا۔ اباقہ کا چہرہ پتھر کی طرح سخت اور بے روح تھا۔ خاقان اوغدائی نے حکم دیا کہ مارینا کو فوراً چنقتائی کے سامنے پیش کر دیا جائے اور اباقہ وغیرہ کو برہنہ پا قراقرم کے گلی کوچوں میں پھراتے ہوئے بندی خانے میں پہنچا دیا جائے۔

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ منگول سپاہی مارینا کو کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔ پھر کچھ دوسرے سپاہیوں نے اباقہ نبیلہ اور علی کو ننگی تلواروں سے ہانکنا شروع کر دیا۔ قراقرم میں وحشی منگولوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔

☆======☆======☆

مارینا کو چنقتائی کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ یہ محل اوغدائی کے محل کے پہلو میں تعمیر کیا گیا تھا۔ بوڑھا چنقتائی بستر علالت پر تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اور ہاتھوں پاؤں کے جوڑ ورم زدہ تھے۔ وہ گنٹھیا کا پرانا مریض تھا۔ اب اسے آنتوں کا مرض بھی لاحق ہو گیا تھا۔ چینی اور ختائی طبیب اسے ہر وقت لعاب دار دوائیں پلاتے رہتے تھے۔ خصوصاً سردی اسے بہت ستاتی تھی۔ اس کے کمرے میں ہمہ وقت کئی انگیٹھیاں روشن رہتی تھیں۔ مارینا کو پابہ زنجیر اپنے سامنے دیکھ کر چنقتائی کی آنکھوں میں نفرت و قہر کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ لگتا تھا وہ ابھی بستر سے اتر آئے گا۔ مگر جب اس نے گاؤ تکیے سے سر اٹھانا چاہا تو کراہ کر رہ گیا۔

غصے سے اس کے لب پھڑک رہے تھے۔ شاید اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنی بے وفا بیوی پر کس طرح اپنے غضب کا اظہار کرے۔ اچانک اسے کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔ اسی طرح کھانستے ہوئے وہ بستر پر دوہرا ہونے لگا۔ کھانسی کے دوران ہی اس نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو ہدایت کی وہ مارینا کو باہر لے جائیں۔

حکم کی تعمیل ہوئی۔ مارینا باہر چلی گئی اور شاہی طبیب ہوچی دواؤں کا پنڈورا اٹھائے تیز قدموں سے اندر آیا۔ اس نے ایک پیالے میں جلدی جلدی کوئی محلول انڈیلا پھر ہاتھ کا سہارا دے کر چنقتائی کا سر اٹھایا اور پیالا اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ محلول گلے سے نیچے اترا تو چنقتائی کی جان میں جان آئی۔ کھانسی رک گئی تو وہ طبیب کی مدد سے گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک خون کی طرح سرخ تھیں۔ چہرے پر عجیب سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر خنگی عود کر آئی تھی۔ لگتا تھا وہ طیش سے بے قابو ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے محافظ دستے کے سالار کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ قیدی عورت کو اسی وقت عقوبت گاہ میں لے جایا جائے اور اس کا سر مونڈ کر اسے تیل کی ابلتی ہوئی کڑاہی میں ڈال دیا جائے۔ بعد ازاں اس کا سر کاٹ کر اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ سالار نے حکم کی تعمیل میں سر جھکایا اور ضروری ہدایات لے کر باہر نکل گیا۔ مگر ابھی وہ بمشکل محل کے دروازے تک پہنچا ہو گا کہ چغتائی نے اسے واپس بلوا لیا۔ اس نے سالار سے کہا کہ وہ اس بے وفا عورت کی دردناک موت کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اذیت رسانی کے تمام آلات اسی کمرے میں لائے جائیں اور اسے اس کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ سالار نے ایک بار پھر تعظیم میں سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔ اس کے کارندے عقوبت خانے سے اذیت رسانی کے آلات لا لا کر کمرے میں رکھنے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں چغتائی نے اپنا فیصلہ پھر تبدیل کر دیا۔ یوں لگتا تھا بڑھاپے نے اس کی قوت فیصلہ کا کام تمام کر دیا ہے۔ وہ بستر پر زخمی سانپ کی مانند پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ شاید اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے اس کی انگارہ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خود سے بے وفائی کرنے والی عورت کو المناک انجام سے دوچار کرنا چاہتا ہے لیکن کیسے؟ یہ سوال' جواب طلب تھا۔ لگتا تھا مارینا کو دیکھ کر اس کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پھر شد و مد سے بھڑکنے لگا ہے' وہ طبیب سے بولا۔

"ہوچی! میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ کوئی ایسی دوا ڈھونڈو کہ میرے جوڑوں کی اینٹھن کم ہو جائے۔ جہاں تک پیٹ کے درد کا تعلق ہے وہ تو میں برداشت کر لیتا ہوں۔ یہ کم بخت جوڑ ٹھیک ہو جائیں تو میں روزمرہ کے کاموں میں حصہ لینے لگوں۔"

طبیب ہوچی نے غور سے چغتائی کا چہرہ دیکھا' آج اسے اپنے بوڑھے مریض کے تیور بدلے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس کے اندر بستر چھوڑنے کی خواہش پیدا ہو رہی تھی اور یہ ایک خوش آئند بات تھی۔ اس نے کہا۔

"خان محترم! ایک بوٹی نہایت نایاب قسم کی دریا کے کنارے پائی جاتی ہے۔ جوڑوں کے درد کے لئے نہایت مفید ہے۔ پچھلے دنوں میں نے اپنے ہرکارے دوڑائے تھے اب خود کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں' شاید دستیاب ہو جائے۔"

اپنے طبیب کو کوشش پر مائل دیکھا تو چغتائی نے کانپتے ہاتھوں سے گاؤ تکیہ ہٹایا اور اس کے نیچے سے ایک پوٹلی نکال کر طبیب کے حوالے کر دی۔ "یہ لو ہوچی! ایک دو روز میں وہ دوائی مل جانی چاہئے۔ شاید تم حیران ہو رہے ہو کہ میں اپنی بیماری کے متعلق ایکا

ایکی اتنا فکر مند کیوں ہو گیا ہوں۔ سیانے کہتے ہیں کہ اپنے معالج سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہئے۔ میں بھی نہیں چاہتا۔ ہوچی! بات دراصل یہ ہے کہ میں اس عیار عورت کو خود اپنے ہاتھ سے جہنم واصل کرنا چاہتا ہوں۔ میری روح کو اس صورت قرار آئے گا' جب میں اس کی نجس زندگی کو اپنے ہاتھ سے عذاب دوں گا۔"

طبیب ہوچی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "خان محترم! دیوتا آپ کی عمر دراز کریں۔ ابھی منگول قوم کو آپ کے سائے کی ضرورت ہے۔ نیلے آسمان نے چاہا تو آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔"

پھر چغتائی سے جھوٹے سچے وعدے کرتا ہوا ہوچی باہر نکل گیا۔

.... دن گزرتے رہے۔ ہوچی شب و روز چغتائی کے علاج میں مصروف تھا۔ چغتائی کی دو درجن بیویاں باری باری اس کی تیمارداری میں مصروف رہتی تھیں۔ کبھی کبھی اس کے حکم پر مارینا کو بھی اس کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ مارینا کو سامنے دیکھ کر چغتائی کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا۔ وہ قہرناک نگاہوں سے مسلسل اسے گھورتا رہتا۔ پھر اسے بے حیا' بدکار اور فاحشہ جیسے القابات سے نوازتا اور دنیا کی رذیل ترین عورت قرار دے کر کمرے سے باہر نکلوا دیتا۔ چغتائی کے سارے غیض و غضب کے سامنے مارینا بڑی خاموشی اور وقار سے کھڑی رہتی۔

ایک روز نصف شب کے وقت چغتائی نے اپنی خادمہ سے کہا۔ "جاؤ دیکھ کر آؤ کہ وہ بدکار عورت کیا کر رہی ہے؟" اس کا اشارہ مارینا کی طرف تھا۔ وہ اسے اسی نام سے پکارتا تھا۔ خادمہ گئی اور کچھ دیر بعد اس نے آ کر اطلاع دی کہ قیدی عورت اپنی کوٹھڑی میں گہری نیند سو رہی ہے۔ چغتائی آگ بگولا ہو گیا۔ پھنکار کر کہنے لگا۔

"اس کی یہ جرأت کہ اپنے انجام سے بے پرواہ وہ کر آرام سے سوئے۔ یہ جانتے بوجھتے بھی وہ آرام سے سو رہی ہے کہ عنقریب اسے چغتائی کے عتاب کا شکار ہونا ہے۔ جاؤ' محافظ دستے کے سالار سے کہو کہ اسے لا کر یہاں میرے سامنے بٹھائے۔ اگر میں انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں تو وہ بھی چین کی نیند نہیں سو سکتی۔" بوڑھا چغتائی جسم و جان کی پوری قوت سے بولا تھا اس لئے اسے کھانسی ہونے لگی۔ خادمہ نے پہلے اسے پانی پلایا پھر حکم کی تعمیل کے لئے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد دستہ سالار مارینا کو لئے چغتائی کے کمرے میں داخل ہوا اور اسے بستر کے قریب ایک نشست پر بٹھا دیا۔ مارینا کے ہاتھ حسب معمول پشت پر بندھے تھے اور دروازے پر ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ مارینا کی حسین آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں اور شہد رنگ زلفیں بے ترتیبی کا دلکش نمونہ پیش کر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں۔

رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی اور ماریتا بوڑھے چغتائی کے سامنے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ نسیم سحری کے جھونکوں نے قراقرم کی وسعتوں کو چھوا تو چغتائی کی خواب گاہ میں بھی بے صدا لوریاں گونجنے لگیں۔ ہوا نے بوجھل ہو کر ماریتا کی پلکوں کو رخساروں پر جھکا دیا۔ وہ جو نصف شب کی جاگی ہوئی تھی بے اختیار اونگھنے لگی۔ چغتائی خاں کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اونگھتا ہوا یہ حسن اسے خوابوں کی دنیا کا اسرار لگا۔ یکایک اسے اندازہ ہوا کہ وہ ماریتا کے متعلق بالکل مختلف انداز سے سوچ رہا ہے۔ اس کی حسن پرست طبع پر ماریتا کا حسن کسی چابک کی طرح پڑ رہا تھا۔ اس کے سیاہ ہونٹ خشک ہونے لگے۔ دل میں کوئی چور انگڑائیاں لینے لگا۔ وہ ماریتا کے سراپا پر نظر دوڑانے لگا۔ پُرکشش و شاداب جسم کی حدت بخارات کی طرح اس کے گلے میں جمع ہونے لگی اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ سوچنے لگا' اس بے وفا عورت نے مجھے کیوں چھوڑا؟ اس لئے کہ میں جوان نہیں تھا۔ میرے جسم میں زندگی کا آبشار نہیں تھا۔ میری محبت خشک اور بنجر تھی۔ آخر کیوں چھوڑا اس نے مجھے؟

اس روز صبح جب طبیب چغتائی سے ملا تو چغتائی نے تکیے کے نیچے سے ایک اور پوٹلی نکال کر اسے دی اور کہا کہ وہ اسے جلد از جلد صحت مند کرے اور اسے ایسی مقوی ادویات دے جس سے اس کی جسمانی طاقت بحال ہو جائے۔ ہوشیار طبیب نے آج چغتائی کی آنکھوں میں ایک نیا پیغام پڑھ لیا تھا۔ اس نے پوٹلی کو احتیاط سے اپنے لبادے میں رکھا اور چغتائی کو اس کی صحت کے متعلق سبز باغ دکھانے میں مصروف ہو گیا۔ طبیب کی ہر بات سیدھی چغتائی کے دل میں لگتی تھی اور وہ اس کی عقلمندی کا معترف ہو جاتا تھا۔

طبیب نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ آج ہی ایک ایسے خراسانی کیمیاگر سے ملے گا جو خاقان اوغدائی کے محل میں ایک معمولی خدمت گار ہے مگر حقیقت میں ایک پہنچا ہوا حکیم ہے۔ وہ سونے کے کشتے سے ایسی دوائی بنانے کا نسخہ جانتا ہے جو پیر صد سالہ کو بھی بیس برس کا جوان بنا دیتی ہے .... طبیب کی باتیں سن سن کر بوڑھے چغتائی کی آنکھوں میں شیطانی چمک نمودار ہونے لگی۔ ساری زندگی عیش پرستی میں مشغول رہنے والا بوڑھا منگول زندگی کے آخری لمحات میں بھی اس لعنت سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔ اچانک ہی اس کے لئے ماریتا کا حسن ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ اس حسن کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ ماریتا کو بتانا چاہتا تھا کہ اس بوڑھے منگول میں اب بھی جوانوں سے بڑھ کر طاقت ہے' وہ اب بھی جسموں اور دلوں کو تسخیر کر سکتا ہے............

رات تاریک اور خاموش تھی۔ اباقہ پتھریلی دیواروں والی اسی کوٹھڑی میں پہنچ چکا تھا جو قراقرم کے سنگین مجرموں کے لئے مخصوص تھی۔ یہ کوٹھڑی نہیں تھی ایک قبر تھی جس میں قید ہونے والا زندہ دفن ہو جاتا تھا۔ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں صرف ایک چھوٹا سا سوراخ تھا' جس کے راستے بدنصیب قیدی کو محض اتنی خوراک پہنچائی جاتی تھی کہ اس کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے .... اس وقت کوٹھڑی میں اباقہ کے علاوہ نبیلہ اور علی بھی قید تھے۔ اباقہ ہی کی طرح وہ دونوں بھی پتھروں کے کھردرے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ اباقہ کی نگاہیں روزن سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ اس روزن سے اسے تاروں بھرے آسمان کا چھوٹا سا ٹکڑا نظر آ رہا تھا۔ اس ٹکڑے میں پانچ یا چھ ستارے تھے۔ اباقہ کو لگا جیسے یہ پانچ چھ ستارے نہ ہوں اس کے ساتھی ہوں۔ ہر ستارے میں اسے اپنے ایک ساتھی کی شکل نظر آنے لگی۔ اسد' یورق' شیزی کولت' سلیمان .... اُسے لگا جیسے وہ سب ڈبڈبائی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہے ہیں' اُن کے چہروں پر خون کے چھینٹے ہیں اور اُن کی نگاہوں میں شکووں کا غبار ہے۔ وہ شکایتی لہجے میں کہہ رہے ہیں۔ "اباقہ .... تم کہاں چلے گئے تھے .... جب ہم پر کلہاڑے چلائے جا رہے تھے۔ تم کہاں تھے؟ جب ہمارے جسموں کو تیروں سے چھلنی کیا جا رہا تھا' تم کہاں تھے؟ اباقہ ہم کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ ہمیں گھیر گھیر کر قتل کیا گیا۔ ہم پر ظلم اور سفاکی کی انتہا کی گئی .... لیکن تم بے خبر رہے۔ تم ہماری مدد کو نہ آئے .... کہاں تھے تم۔ کیوں اتنی دور چلے گئے تھے؟"

سلیمان کی شبیہہ اباقہ کی آنکھوں میں لہرائی۔ وہ غمگین چہرہ لئے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں اپنے معصوم قاسم کی خون میں نہائی ہوئی لاش تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اباقہ بھائی' یہ دیکھئے' یہ میرا قاسم ہے' میری آنکھوں کا نور اور میرے جگر کا ٹکڑا۔ دشمنوں نے اُسے نیزے میں پرو کر ہوا میں اچھال دیا تھا۔ اس کی ماں کے دل پر کیا بیتی ہو گی اباقہ بھائی! ذرا سوچئے وہ کیسے کیسے روئی اور تڑپی ہو گی۔ آپ اس کمسن کو کیوں نہ بچا سکے؟ کیوں اُس کی زندگی کے پھول کو ظالم ہاتھوں سے محفوظ نہ رکھ سکے۔"

پھر یورق کا چہرہ اباقہ کے سامنے آیا۔ اُس کا جسم لہولہان اور زخموں سے چور تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اباقہ! میں بڑی ہمت سے' اور اپنے بوڑھے جسم کی پوری طاقت سے لڑا۔ مگر کیا کرتا۔ میں اکیلا تھا اور وہ سینکڑوں۔ میں اُن میں گھرا ہوا لڑتا رہا اور میری آنکھیں تمہارا انتظار کرتی رہیں' میں تمہاری راہ دیکھتا رہا۔ اباقہ میری پیٹھ پر کوئی نہ تھا۔ میں کیا کرتا؟ آخر میں مارا گیا۔ میری لاش کو زمین پر گھسیٹا گیا اور گھوڑوں تلے روندا گیا۔ میں نے جب دم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ڑا تو میری زبان پر تمہارا ہی نام تھا۔"

پھر شیزی کولت اباقہ کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اُس کی کمر میں ایک تیر پیوست تھا جو سینے کی جانب سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کا کومل اور نازک جسم موت کے بوجھ سے لرز رہا تھا۔ اُس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولی۔ "اباقہ! تم تو بڑے بہادر تھے' میں نے سردار یورق اور اسد سے تمہاری شجاعت کی داستانیں سنی تھیں مگر جب تمہارے ساتھیوں پر قیامت ٹوٹ رہی تھی اور وہ وحشی دشمنوں سے نبرد آزما ہو کر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے' تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو تمہاری کچھ نہ لگتی تھی مگر تم نے نبیلہ اور مارینا کی آہ و پکار بھی نہ سنی۔ کیا ننھے قاسم کی آخری چیخ بھی تمہارے کانوں تک نہ پہنچ سکی؟"

پھر شیزی کا چہرہ او جھل ہوا اور اسد اباقہ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اُس کا سفید لبادہ خون شہادت سے تر تھا اور نورانی چہرہ زخموں سے اٹا ہوا تھا۔ وہ بولا۔ "اباقہ! تُو تو میرا دست و بازو تھا۔ میری جان ..... میرے یار' تُو کہاں چلا گیا تھا۔ دیکھ تیرے پیچھے ہم کیسی قیامت سے گزر گئے۔ اگر تُو ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ عقب سے میری پشت میں تلوار گھونپتا۔ کسی کی ہمت تھی کہ مارینا اور نبیلہ کو برہنہ پا دوڑاتا' کس میں یہ دم خم تھا کہ ہمارے گھروں کو آگ کی نذر کرتا لیکن یہ سب کچھ ہوا۔ اس لئے کہ تُو میرے ساتھ نہ تھا ..... میں تیرے نعرے کی گونج کو ترستا رہا اور لڑتا رہا۔ میں نے بہت منگول مارے' مگر پھر میں گر گیا۔ دم توڑتے وقت دل میں یہی حسرت تھی کہ ایک بار تیرا چہرہ دیکھ لوں۔"

اسد خاموش ہو کر نظروں سے او جھل ہو گیا۔ پھر وہ سارے ایک ایک کر کے نظروں سے او جھل ہو گئے۔ ستاروں کے روشن نقطوں میں واپس چلے گئے۔ اباقہ کے کانوں میں صرف ایک ہی لفظ کی گونج باقی رہ گئی۔

"الوداع ..... الوداع۔"

یکایک اباقہ چلا اٹھا۔ "اسد ..... اسد ..... یورق' سلیمان!" اس کی دل سوز دھاڑ کوٹھڑی میں گونج کر رہ گئی۔ نبیلہ اور علی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ انہیں اس تاریک کوٹھڑی میں قید ہوئے پورا ایک ماہ ہو چکا تھا۔ اس ایک ماہ میں اکثر انہوں نے اباقہ کو پسپرداروں پر چیختے چلاتے سنا تھا لیکن آج اُس کی دھاڑوں میں خوفناک شدت تھی۔ پھر اُن دونوں کو اندازہ ہوا کہ اباقہ پتھریلی دیواروں پر مکے برسا رہا ہے اور سر ٹکرا رہا ہے' یہ آوازیں سن کر علی اونچی آواز میں رونے لگا۔ نبیلہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وحشت کی فراوانی میں اباقہ اپنی جان ہی نہ لے لے۔ اُس نے علی کو بمشکل خود سے

جدا کیا اور اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی اباقہ سے لپٹ گئی۔

"بھائی جان!" وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔ "خدا کے لئے ایسا نہ کریں۔ اگر ایسا کرنا ہی ہے تو پہلے ہمارا گلا گھونٹ دیں۔"

اچانک باقہ کی وحشت میں کمی آ گئی۔ اس نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے اور نبیلہ کو گلے سے لگا کر سسکنے لگا۔ علی بھی رینگتا ہوا اُن کے پاس پہنچ گیا ..... تینوں دیر تک اسی طرح ایک دوسرے سے جڑے گہری تاریکی میں بیٹھے رہے۔ قراقرم کی ناہمواں رات دھیرے دھیرے سرکتی رہی۔ جب علی سسک سسک کر سو گیا تو اباقہ نے بھرائی ہوئی آواز میں نبیلہ سے کہا۔

"نبیلہ! مجھے بتاؤ۔ کیا یہ سب کچھ حقیقت ہے؟ کیا واقعی اسد یورق اور سلیمان ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ کہیں میں کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

نبیلہ دکھی لہجے میں بولی۔ "بھائی جان! نیند کتنی بھی گہری ہو ایسے بھیانک خواب کے بعد باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم جو کچھ دیکھ چکے ہیں وہ ہو چکا ہے۔"

اباقہ نے ایک طویل اور گہری سانس لی اور دھیرے دھیرے اپنے لمبے لمبے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ ان بالوں میں ایک چھوٹا سا خنجر چھپا ہوا تھا۔ یہ وہی خنجر تھا جو اباقہ نے عید سے ایک روز پہلے علی کے لئے خریدا تھا۔ اس چھوٹے سے خنجر کا پھل بہت سخت اور خاص قسم کے فولاد سے بنا ہوا تھا۔ جب وہ بستی میں پہنچ کر منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو انہوں نے اس سے سب چیزیں چھین لی تھیں مگر یہ کھلونا سا خنجر اس کی صدری کی ایک جیب میں پڑا رہ گیا تھا۔ بعد ازاں اباقہ نے سفر کے دوران یہ خنجر اپنی صدری سے نکال کر اپنے لمبے بالوں کے اندر اس طرح الجھایا تھا کہ وہ اُن میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ قراقرم پہنچ کر اباقہ کو اس کوٹھڑی میں منتقل کرنے سے پہلے منگول محافظوں نے ایک بار پھر پوری احتیاط سے اباقہ کی تلاشی لی تھی مگر اس وقت وہ خنجر اباقہ کے گھنے بالوں میں پہنچ چکا تھا۔ اس سنگلاخ کوٹھڑی میں اس ننھے سے خنجر کے سوا دھات پتھر یا لکڑی کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اباقہ' نبیلہ اور علی کو جو ہتھکڑیاں و بیڑیاں پہنائی گئی تھیں ان کے کنارے بھی بالکل گول و ہموار تھے۔ اس کے علاوہ ہر بیڑی و ہتھکڑی کو اس طرح منسلک کیا گیا تھا کہ قیدی کے لئے سیدھا ہو کر چلنا ناممکن تھا۔ چلتے وقت قیدی کو رکوع کی حالت میں جھکے رہنا پڑتا تھا۔ کوٹھڑی میں داخل ہونے والے کسی محافظ پر حملہ کرنا تو دور کی بات ہے' ان کے لئے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ فوری طور پر کھڑے بھی ہو سکیں۔ سفاکی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے معصوم اور کمزور علی کو بھی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ آٹھ پہر میں صرف ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار کوٹھڑی کے سوراخ پر آہٹ ہوتی تھی۔ وہ اپنے اپنے خالی پیالے سوراخ کی طرف بڑھا دیتے تھے۔ ایک ہاتھ سوراخ میں داخل ہو کر خالی پیالے لے لیتا تھا اور جَو سے بھرے ہوئے تین پیالے انہیں تھما دیتا تھا۔ یہ اُبلے ہوئے جَو اُن کی غذائی ضرورت پوری تو نہیں کرتے تھے مگر انہیں زندہ رکھے ہوئے تھے۔ پہلے پہل نبیلہ نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ نبیلہ کے حصے کے جَو آنے بند ہو گئے تھے۔ پانچ چھ روز میں وہ بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ آخر اباقہ اور علی کے کہنے سننے پر اُس نے تھوڑا بہت کھانا شروع کیا تھا۔

اباقہ خیالوں میں کھویا دھیرے دھیرے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ نبیلہ اُس کے شانے سے لگی ہوئی اونگھنے لگی تھی' علی اُس کے زانو پر سر رکھ کر سو چکا تھا۔ اباقہ کی جھکی ہوئی آنکھیں کسی بہت گہری سوچ میں ڈوبی تھیں۔ کچھ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے شاید تقدیر پر غور کر رہا تھا۔ شاید ماریتا کے انجام کے بارے سوچ رہا تھا۔ یا سوچ رہا تھا کہ اُس کے باغوں میں چھپا ہوا یہ معمولی خنجر کیا کام دے سکتا ہے ..... نبیلہ یا علی کی نیند خراب کئے بغیر وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ دھیرے دھیرے تاریکی کی چادر سمٹنے لگی۔ اس تاریک کوٹھڑی سے باہر دور کہیں کوئی پرندہ چہچہایا اور صحرائے گوبی کے آتش بار سویرے سے ڈر کر ستاروں کی وہ ٹولی اوجھل ہو گئی جو رات بھر اباقہ کو روزن سے نظر آیا کرتی تھی ..... کچھ دیر بعد سورج جب نیلے آسمان پر نمودار ہوا اور اُس کی تماش بین کرنوں نے کوٹھڑی کے روزن سے جھانکا تو ایک مدھم سا اجالا کوٹھڑی کے سنگلاخ فرش پر بھی پھیل گیا۔ آٹھ پہر میں یہی بالشت بھر دھوپ اُن کے حصے میں آیا کرتی تھی۔ اباقہ بے حرکت بیٹھا اس اجنبی دھوپ کو دیکھ رہا تھا۔ جب اچانک اُس کی نگاہ ایک پیالے پر پڑی اور اٹک کر رہ گئی۔ اس پیالے کے پیندے کے ساتھ کوئی شے چپکی ہوئی نظر آئی تھی۔ شاید کوئی کاغذ تھا۔ اباقہ نے نبیلہ کو اپنے شانے سے ہٹایا اور رینگتا ہوا پیالے کی طرف بڑھا۔ یہ بھربھری مٹی کا پیالا تھا۔ اباقہ نے اُسے دھوپ کی طرف کر کے غور سے دیکھا۔ واقعی اس کے پیندے سے ایک میلا سا کاغذ چپکا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر کوئی عبارت تحریر تھی۔ اباقہ نے یہ پیالا نبیلہ کی طرف بڑھایا۔ وہ بے چینی سے کاغذ کی تحریر پر نگاہ دوڑانے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے چہرے پر عجیب سا ہیجان نظر آنے لگا۔ "کیا لکھا ہے؟" اباقہ نے بے قراری سے پوچھا۔ نبیلہ نے لرزاں سرگوشی میں کہا۔ "بھائی جان! آپ ..... آپ کے کچھ وفادار ساتھی قراقرم پہنچ گئے ہیں۔ یہ پیغام ایڈورڈ جان نامی شخص کی طرف سے ہے۔"

اباقہ کچھ دیر حیران نظروں سے نبیلہ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "پڑھو! اس نے کیا لکھا ہے؟"

نبیلہ نے پڑھنا شروع کیا۔ "سردار اباقہ! کاش ہمیں بروقت اطلاع مل جاتی اور ہم اس قیامت کو روک لیتے جو آپ کے ساتھیوں پر ٹوٹی۔ سردار' ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں اور ہماری تلواریں ہمارے نیاموں میں تڑپ رہی ہیں۔ آقا! ہماری جان آپ پر قربان' ہماری سانسیں آپ پر نچھاور' ہم آپ کے گناہگار ہیں اور ان گناہوں کو دھونے کے لئے ہم سر ہتھیلیوں پر لئے قراقرم پہنچ گئے ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم عنقریب آپ کو آزاد کروا لیں گے۔ ہم روی بازی گروں کے بھیس میں یہاں پہنچے ہیں اور ہمارے کچھ ساتھیوں نے اہم مقام تک رسائی حاصل کر لی ہے ..... آپ اپنی خوراک کے پیالوں پر نگاہ رکھیں۔ بہت جلد ہم آپ کو خوشخبری سنائیں گے۔"

آپ کا ادنیٰ غلام ایڈورڈ

اباقہ سمجھ چکا تھا کہ وہ اپنے جن ڈھائی سو روسی سپاہیوں کو دجلہ کے کنارے چھوڑ آیا تھا' اُن میں سے کچھ اس کی مدد کو پہنچ گئے ہیں۔

مختصر تحریر ختم کرنے کے بعد نبیلہ سوالیہ نظروں سے اباقہ کی طرف دیکھنے لگی۔ علی بھی امید و بیم کی نگاہوں سے اباقہ کا چہرہ تک رہا تھا۔ اس قید کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں انہیں آس کی ایک کرن نظر آئی تھی مگر اباقہ کے چہرے پر اس کرن کا کوئی عکس نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اسی طرح خاموش اور افسردہ تھا۔

..... ٹھیک آٹھ روز بعد ایک بار پھر پیالے کے پیندے سے چپکی ہوئی ایک تحریر ان تک پہنچی اور یہ تحریر نہایت چونکا دینے والی اور سنسنی خیز تھی۔ ایڈورڈ نے شستہ فارسی میں لکھا تھا۔

"سردار اباقہ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے قید خانے کا آہنی دروازہ صرف اور صرف ایک شخص کے حکم نامے سے کھلتا ہے' اور وہ شخص ہے منگولوں کا بادشاہ اوغدائی خاں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اوغدائی خاں کے محل تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کی زندگیوں کو فی الحال کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اردوئے معلّیٰ (منگول لشکر) کی روس سے واپسی تک آپ کو ہر صورت میں زندہ رکھا جائے گا ..... آپ کی ماریتا نامی ساتھی کو اُس کے سابق شوہر چغتائی خاں کے سپرد کر دیا گیا ہے اور وہ اُس کے محل میں زندہ سلامت موجود ہے۔ جلد ہی آپ سے پھر رابطہ قائم کریں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایڈورڈ کا تیسرا اور آخری پیغام اباقہ کو کوئی چھ روز بعد ملا اور یہ ایک دھماکہ خیز پیغام تھا۔ تحریر پڑھنے کے بعد نبیلہ کی بجھی ہوئی آنکھوں میں روشنی نظر آنے لگی اور علی کے سوکھے ہونٹ بھی تھرا اٹھے۔ اباقہ کے بے حس چہرے پر بھی اس پیغام نے بے قراری کی کیفیت پیدا کر دی تھی مگر اس بے قراری میں بے نام اندیشے بھی جھلک رہے تھے۔ یہ تیسرا پیغام کچھ اس طرح تھا۔

"سردار اباقہ! ہماری زندگیاں آپ پر قربان۔ ہم آپ کی آزادی کے لئے بھرپور کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ وقت اب دور نہیں جب آپ ہمارے درمیان ہوں گے۔ ہم نے اوغدائی خاں کا فرضی حکم نامہ تیار کرا لیا ہے اور اس قید خانے پر شب خون مارنے کی بھی پوری تیاری کر لی ہے۔ ہم یہاں کل چالیس افراد پہنچے ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کی آرزو ہے کہ آپ کو دشمن کی قید سے نکالیں یا آپ کی محبت میں اپنی جانیں ہار کر اپنی نظروں میں سرخرو ہو جائیں۔

..... اس وقت ہمیں صرف مناسب موقع کا انتظار ہے۔ ہم اپنی کارروائی کے لئے کسی ایسی طوفانی رات کا انتظار کر رہے ہیں جب اس قید خانے کی بیرونی دیواروں پر اور احاطے میں جلتی ہوئی مشعلیں گل ہوں اور ہمیں آپ کو کوٹھڑی سے نکالنے میں تاریکی کا سہارا میسر آئے۔ باقی سب تیاریاں مکمل ہیں' آپ بھی پوری طرح تیار رہیں آج کے بعد ..... جس رات بھی تیز ہوائیں چلیں گی' وہ آپ کی رہائی کی رات ہو گی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم اہلِ قراقرم کو ایک یادگار زخم دے جائیں گے۔ جس وقت ہمیں اوغدائی خاں کا حکم نامہ آپ کی کوٹھڑی میں پہنچائے گا۔ قید خانے سے باہر موجود میرے دستے کے سپاہی قید خانے پر دھاوا بول دیں گے۔ گہری تاریکی اور افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم آپ کو کوٹھڑی سے نکال لے جائیں گے۔ خدا نے چاہا تو وہ رات آپ کے جاں نثاروں کی سرخروئی کی رات ہو گی۔

اُس طوفانی رات تک کے لئے خدا حافظ

آپ کی عظمتوں کا شیدائی ایڈورڈ"

اباقہ دیوار سے ٹیک لگائے گم صم بیٹھا رہا۔ نبیلہ نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان! کیا آپ اپنے اس ساتھی کی کوششوں سے خوش نہیں ہیں۔"

اباقہ نے ایک سرد آہ بھری۔ "ہاں نبیلہ! میں خوش نہیں اس لئے کہ میں وہ جانتا ہوں جو ایڈورڈ اور اس کے ساتھی نہیں جانتے۔ اس قید خانے سے نکل جانا یا کسی کو نکال لینا ناممکن ہے۔ یہاں کے قیدی کو صرف موت یا اوغدائی خاں ہی رہائی دلا سکتے ہیں۔"

نبیلہ نے کہا۔ "اباقہ بھائی! آپ کے ساتھی نے لکھا ہے کہ وہ اوغدائی کا حکم نامہ لا رہا ہے۔"

اباقہ نے کہا۔ "ہاں یہ بات اہم ہے....." اور خاموش ہو گیا۔ نبیلہ کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ اپنی ویران آنکھوں کے ساتھ ایک بار پھر نامعلوم سوچوں کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

وہ ایک ابر آلود رات تھی۔ قراقرم میں تیز آندھیاں تو چلتی ہی رہتی تھیں مگر اس روز غیر متوقع طور پر ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ بادلوں کی مہیب گڑگڑاہٹ سے نبیلہ اور علی سہمے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کا کوئی کوندا اس تاریک کوٹھڑی میں بھی لپک جاتا تھا۔ تیز ہوا سیٹیاں بجاتی ان دیکھی منزلوں کی طرف رواں تھی۔ دفعتاً نبیلہ پکار اٹھی۔

"وہ آ گئے ..... اباقہ بھائی ..... وہ آ گئے۔"

اباقہ نے بھی غور کیا تو اسے آہنی دروازے کی دوسری جانب کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ وہ جھک کر چلتا ہوا دروازے کے پاس پہنچا اور اس کے آہنی پٹ سے کان لگا دیئے۔ ایڈورڈ کی بوڑھی آواز گونجتی ہوئی اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کا جسم سنسنا اٹھا۔ آخر یاہمت روسی سردار اس کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچ ہی گیا تھا۔ پہلی بار اباقہ کی آنکھوں میں ایک بے نام چمک نظر آئی۔ یہ ایک خوفناک چمک تھی۔ علی اور نبیلہ میں سے کسی نے یہ چمک نہیں دیکھی ورنہ شاید وہ اباقہ سے خوف کھانے لگتے۔ اباقہ کے کان بیرونی آوازوں پر لگے تھے۔ ایڈورڈ منگول پہریداروں سے مصروفِ گفتگو تھا۔ وہ پہریدار کو بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق روسی طائفے سے ہے اور کوٹھڑی میں داخل ہونے کا اجازت نامہ خود اوغدائی خاں نے اسے مرحمت فرمایا ہے تاکہ وہ علی نامی قیدی بچے کو دیکھ سکے۔ پہریدار کے پوچھنے پر ایڈورڈ نے بتایا کہ علی نام کا ایک بچہ کچھ عرصہ پہلے ان کے طائفے سے بھاگا تھا۔

اباقہ اور نبیلہ دھڑکتے دل سے ایڈورڈ اور پہرداروں کا مکالمہ سن رہے تھے .....

مگر جلد ہی یہ جان کر ان کے چہرے تاریک ہو گئے کہ پہرداروں کو جعلی اجازت نامے پر شبہ ہو گیا ہے۔ محافظ دستے کا سالار نہایت عیاری سے ایڈورڈ کو بتا رہا تھا کہ انہیں دروازہ کھلنے کے لئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ دروازے کو جو تین چابیاں لگتی ہیں ان میں سے ایک نائب سالار کے پاس ہے۔ اباقہ کوٹھڑی کے اندر ہونٹ کاٹ کر رہ گیا .....

دوسری طرف شاید ایڈورڈ بھی منگولوں کی چال سمجھ چکا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا راز فاش ہو گیا ہے ..... یکایک اباقہ کو تلواروں کی جھنکار سنائی دی اور دو منگولوں کی کربناک چیخیں در و دیوار کو لرزا گئیں۔ ایڈورڈ خطرات سے بے نیاز ہو کر منگول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہریداروں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ باہر سے پہنچنے والی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ایڈورڈ کے ساتھ اس کا ایک ساتھی بھی ہے' دونوں نہایت بے جگری سے منگولوں کے ساتھ برسرپیکار ہو گئے تھے ..... پھر اباقہ کو ایڈورڈ کی کراہ سنائی دی اور اسے اندازہ ہوا کہ وہ شدید زخمی ہو کر گر گیا ہے۔ نبیلہ سسکتی ہوئی فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ علی نے اباقہ کا دامن تھام لیا ..... باہر اب تلواروں کی جھنکار ختم ہو چکی تھی۔ بیسیوں پہریداروں نے ایڈورڈ کے ساتھی کو دبوچ لیا تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے کوٹھڑی کے دروازے سے دور لے جا رہے تھے۔ سنگلاخ سرنگ میں اس کی پکار گونج رہی تھی۔ "سردار اباقہ ..... سردار اباقہ ..... ہم تمہیں آزاد کرا کے رہیں گے ..... ہم تمہیں آزاد کرا کے رہیں گے ..... ہمت نہ ہارنا سردار! دل چھوٹا نہ کرنا۔ ہم تمہارے ساتھ رہیں گے....." پھر جوشیلے سپاہی کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی اور آخر طویل سرنگ میں خاموشی کے سوا کچھ باقی نہ رہ گیا۔

یہ اگلی صبح کی بات ہے' علی اپنے سر کو جھکا کر پیالے میں سے جو کھانے کی کوشش کر رہا تھا اور اباقہ رحم آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا' اچانک نبیلہ کی چیختی ہوئی آواز اباقہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ کوٹھڑی کے واحد روزن کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے دردناک لہجے میں کہا۔

"بھائی جان! یہ دیکھیں ..... یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔" اباقہ اپنی زنجیریں گھسیٹتا اور رکوع کے بل چلتا ہوا روزن تک پہنچا۔ باہر دیکھ کر وہ بھی سکتے میں رہ گیا۔ اس کے وفادار روسی دستے کے بیشتر ارکان ایک کھلے احاطے میں نظر آ رہے تھے۔ ان میں ایڈورڈ بھی تھا' وہ شدید زخمی حالت میں زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ ان سب کے بازو پشت پر رسیوں سے بندھے تھے اور ان کے جسموں کا چپہ چپہ خون اُگل رہا تھا۔ یوں لگتا تھا انہیں یہاں لانے سے پہلے شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ان سب کو مسلح منگول محافظوں نے گھیر رکھا تھا۔ اباقہ کو کسی نامعلوم مقام سے خونخوار کتوں کے غرانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ یہی آوازیں اس نے کئی برس پہلے چغتائی خاں کے یورت کے سامنے سنی تھیں۔ جب وہ پہلی بار قراقرم میں داخل ہوا تھا اور چغتائی کے حکم پر اسے ایک ایسے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا جہاں دیو قامت بھوکے کتے اس کی چیر پھاڑ کے لئے بے قرار تھے۔ اس نے ہمت نہیں ہاری تھی اور بے پناہ دلیری سے صورت حال کا مقابلہ کیا تھا۔ نتیجے میں چغتائی خاں نے اس کے ساتھ ساتھ سردار یورق کی بھی جان بخشی کر دی تھی ..... شاید آج پھر یہاں ویسا ہی کوئی خونی تماشا ہونے والا تھا۔

کچھ دیر بعد دو منگول سپاہیوں نے ایک زخمی روسی کے ہاتھ پشت سے کھولے اور سے سہارا دے کر کھڑا کر دیا۔ تب وہ اسے چلاتے ہوئے ایک مخصوص جگہ لے آئے۔ یہاں پہنچ کر روسی جانباز خود کو چھڑانے کی دلیرانہ جدوجہد کرنے لگا۔ ایک منگول نے پھرتی سے اس کے سر پر کوئی سفید چیز انڈیلی اور عقب سے دھکا دے دیا۔ روسی سپاہی اچانک اباقہ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کتوں کے غرانے اور چیخنے کی پُر ہیبت آوازیں آنے لگیں ..... تب اباقہ کو علم ہوا کہ روسی سپاہی کو "موت کے گڑھے" میں دھکیل دیا گیا ہے اور اب آدم خور کتے انسانی گوشت کی چیر پھاڑ میں مصروف ہیں۔ وہ خود پر ضبط نہ رکھ سکا اور حلق کی پوری قوت سے چلایا۔

"چغتائی خاں ..... چغتائی خاں ..... ان کو چھوڑ دے اگر سزا دینی ہے تو مجھے سزا دے' اگر مارنا ہے تو مجھے مار ..... ان کا کیا قصور ہے ..... انہوں نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ او بدبخت چغتائی خاں چھوڑ دے ان کو....."

لیکن چغتائی خاں وہاں تھا کہاں جو اس کی چیخ و پکار سنتا۔ اباقہ کی وحشت ناک چیخیں سن کر احاطے میں موجود تمام افراد کو کوٹھڑی کے روزن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پھر منگولوں کے چہروں پر مسکراہٹیں ابھریں اور ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں شرارت سے کچھ اور بھی چھوٹی ہو گئیں۔ وہ اباقہ کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شاید یہ خونی کھیل اس کوٹھڑی کے سامنے کھیلا ہی اس لئے جا رہا تھا کہ اباقہ کو دکھ پہنچے۔ وہ اپنے غم گساروں کا حشر دیکھ کر خون کے آنسو روئے۔ یقیناً انہوں نے رات ہی پورے دستے کو گرفتار کر لیا تھا اور صبح تک انہیں اذیتوں کے دوزخ سے گزارتے رہے تھے۔ ایڈورڈ نے اپنے دستے کی تعداد چالیس بتائی تھی۔ وہ چھتیس تھے۔ اس کا مطلب تھا صرف تین چار افراد ہی گرفتاری سے بچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

دوسری طرف اباقہ کے وفادار ساتھیوں نے جب اپنے سردار کی آواز پہچانی تو جذبات سے بے قابو ہو کر کوٹھڑی کے روزن کی طرف بڑھے' مگر نیزا بردار سپاہیوں نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ پھر دھکے دے دے کر انہیں زمین پر گرا دیا گیا۔ ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے وہ فوراً اٹھ بھی نہ سکتے تھے اور ہر ایک سینے پر نیزے کی انی تھی۔ پھر بھی چند مسلمان روسیوں نے جوش سے بے قابو ہو کر اباقہ کی طرف آنا چاہا' منگولوں نے نہایت بے دردی سے انہیں نیزوں سے چھلنی کر دیا۔ کلمہ طیبہ سے سجی ہوئی کراہوں کے ساتھ ہی ان کے جسم خون اگلنے لگے اور زمین اس سرخی سے گلگوں ہونے لگی۔ باقی سپاہیوں کو جہاں جہاں وہ گرے تھے دبوچ لیا گیا۔ بے بسی کا یہ منظر اباقہ کے لئے ناقابلِ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت تھا۔ وہ چیخ رہا تھا اور اپنے حلق کی پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔ چنگیز خاں کے ناپاک بیٹوں کو ناپاک ناموں سے پکار رہا تھا کہ شاید اسی طرح وہ اسے اس کوٹھڑی سے نکالنے کا ارادہ کر لیں۔ مگر صیاد اتنے بھولے نہیں تھے۔ وہ سب کچھ سن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ خاموشی کی زبان میں کہہ رہے تھے کہ چیخ لو جتنا چیخنا چاہتے ہو۔ وقت آنے پر ہم تمہاری اس بدزبانی کا تمہیں ایسا مزا چکھائیں گے کہ تم بلک بلک کر موت کی دعائیں کرو گے۔ پھر اباقہ چیختا رہا اور دھاڑتا رہا اور اس کے پیارے ساتھی' اُس کے جاں نثار ایک ایک کر کے موت کے گڑھے میں پھینکے جاتے رہے۔ وہ سب اس کے پرستار تھے۔ اس کی بہادری کے قائل تھے' اس کی جوانمردی کے عاشق تھے ..... اور آج اس کے سامنے وہ ایک ایک کر کے اذیت ناک موت کے منہ میں جا رہے تھے۔ انہوں نے دریائے سیت کے کنارے سے قراقرم کے ظلمت کدے تک اباقہ سے وفاداری کا حق ادا کیا تھا اور اب آخری وقت بھی ان کے چہروں پر پشیمانی کا شائبہ تک نہیں تھا ..... وہ مسلسل جدوجہد کر رہے تھے' گڑھے میں گرنے سے پہلے بھی' اور گرنے کے بعد بھی۔

اباقہ کو روزن سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ گڑھے میں بار بار تازہ دم کتے اتارے جا رہے ہیں۔ یقیناً انسانی لاشوں کے ساتھ ساتھ وہاں کتوں کی لاشوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ تاہم منگولوں کے پاس آدم خور کتوں کی کمی نہیں تھی اور اباقہ کے ساتھی چھنیس کیا چھنیس سو بھی ہوتے' وہ اس درندگی کے سامنے بے بس تھے۔ چلا چلا کر اباقہ کا گلا رندھ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے وفادار دستے کا آخری سپاہی بھی روزن کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوا گڑھے کی جان لیوا گہرائی میں گم ہو گیا۔ کتے ایک بار پھر زور و شور سے غرائے۔ منگول تماشائی کچھ دیر دلچسپی سے گڑھے میں جھانکتے رہے۔ پھر ایک آخری انسانی چیخ گڑھے سے ابھری اور منگول خوشی سے ناچنے لگے۔ اباقہ کا آخری جاں نثار بھی اس پر اپنی جان کا قرض چڑھا کر موت کے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

اباقہ بے دم ہو کر کوٹھڑی کے فرش پر بیٹھ گیا اور بے بسی کے عالم میں اپنی زنجیروں کو پتھروں پر مارنے لگا۔ اس کے آنکھوں سے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ نبیلہ نے اس کی حالت زار دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور علی نے سہم کر سر گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔

☆======☆======☆

بوڑھے چغتائی خاں کی صحت اب پہلے سے بہتر تھی۔ وہ چینی طبیب ہوچی پر خوب دولت لٹا رہا تھا اور ہوچی اسے اناپ شناپ نسخے کھلانے میں مصروف رہتا تھا۔ چغتائی کے

شاندار بستر کے سرہانے مختلف معجونوں' کشتوں اور لعاب دار دواؤں کی بھرمار رہتی تھی۔ خراسانی کیمیا گر کا طلائی نسخہ' چغتائی خاں خاص احتیاط سے کھاتا تھا کیونکہ ہوچی کے بقول یہی وہ نسخہ تھا جو اس کے کھنڈر جسم کو شباب کی رعنائیوں سے معمور کر سکتا تھا۔

کچھ روز تو اس نسخے سے چغتائی کو خاصا فائدہ محسوس ہوا لیکن ایک روز وہ صبح اٹھا تو پیٹ میں شدید درد تھا۔ دوپہر تک اسے زبردست پیچش شروع ہو گئی۔ طبیب ہوچی بوکھلایا بوکھلایا پہنچا۔ اس نے پیچش کی روک تھام کے لئے کچھ اور دوائیں دیں جس سے مرض نے ہیضے کی شکل اختیار کر لی۔ شباب کی رعنائیاں' تو رہیں ایک طرف' اب چغتائی کو جان کے لالے پڑ رہے تھے۔ آٹھ پہر بعد چغتائی کی قے تو تھم گئی لیکن پیچش کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ وہ چارپائی سے لگ گیا۔ آنتوں کے اس مرض کے ساتھ ہی اس کو کھانسی کے دورے بھی شدت سے پڑنے لگے۔ ایک شام چغتائی کو اندازہ ہوا کہ اس کا دانہ پانی ختم ہونے کو ہے۔ موت کے احساس کے ساتھ ہی اس کے اندر کا زخمی سانپ پھنکارنے لگا۔ اسے لگا کہ اس کی اس حالت کی ذمہ دار صرف اور صرف مارینا ہے۔ مارینا کا دلکش چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوما اور اس کی آنکھیں جل اٹھیں۔ اس وقت اس کی پانچ بیویاں اس کے پاس بیٹھی تھیں۔ چغتائی نے انہیں حکم دیا کہ وہ تخلیہ چاہتا ہے۔ بیویاں اور خادمائیں چلی گئیں تو اس نے خادم خاص کو حکم دیا کہ مارینا کو اس کے کمرے میں حاضر کیا جائے۔ بوڑھے خاں کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ کچھ ہی دیر بعد مارینا اس کے سرہانے موجود تھی۔ اس نے سفید رنگ کا ایک سادہ سا لباس پہن رکھا تھا اور چہرے پر سوگواری طاری تھی مگر اس حالت میں بھی اس کا حسن قیامت لگ رہا تھا۔ چغتائی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کے مرنے سے پیشتر ہی اس کا سوگ منانے میں مصروف ہے۔ "نہیں ..... میں نہیں مروں گا۔" اس نے اپنے ارادے کی پوری قوت سے سوچا۔ اس نے مارینا کے سامنے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی مگر اس کوشش میں اس کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر وہ یک ٹک مارینا کا چہرہ دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک پھنسی آواز سرگوشی کی صورت نکلی۔

"میرے پاس آ ..... مارینا' میرے پاس آ۔"

مارینا نے ایک پُر حقارت نگاہ اُس پر ڈالی مگر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

"میرے قریب آ مارینا۔" وہ عجیب لرزی لرزی اور بہکی سی آواز میں بولا۔ "میں تیرا شوہر ہوں۔"

مارینا آگے جھکنے کی بجائے جھجک کر کچھ اور پیچھے ہو گئی۔ آتشدان کی روشنی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھے چنقائی کا چہرہ بھیانک لگ رہا تھا۔ لگتا تھا کوئی مردہ فطرت کے خلاف جنگ میں مصروف ہے۔ اُس کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور آنکھیں حلقوں سے باہر اُبلی پڑ رہی تھیں۔ غیر محسوس طور پر وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنا استخوانی ہاتھ آگے بڑھایا اور مارینا کی شفاف گردن پر لے آیا۔ گردن سے پھسلتا ہوا اُس کا ہاتھ مارینا کی ریشمی زلفوں تک پہنچا تھا کہ اُسے کھانسی کا انتہائی شدید دورہ پڑ گیا۔ اُس نے دوسرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور بُری طرح کھانسنے لگا۔ اُس کی زبان بل کھا کر منہ سے باہر نکل پڑ رہی تھی اور آنکھیں حلقوں سے باہر اُبل آئی تھیں۔ مگر اس حالت میں بھی اُس کی نگاہیں مارینا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اُس کے بائیں ہاتھ نے مارینا کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا اور ہر لحظہ یہ گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ مارینا کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ چہرے پر نفرت کا تاثر لئے بے حس و حرکت بیٹھی چنقائی کو دیکھ رہی تھی۔ آخر بوڑھے چنقائی کی کھانسی اتنی شدید ہوئی کہ اُس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ اُس کے حلق سے گھرگھر کی خوفناک آواز نکل رہی تھی۔ ان آوازوں نے بالآخر خوابگاہ کے باہر موجود خادمین اور معالجوں کو ہوشیار کر دیا۔ وہ بھاگتے ہوئے اندر پہنچے تو چنقائی پر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ بمشکل انہوں نے مارینا کے بال چنقائی خاں کی مٹھی سے چھڑائے اور اُسے بستر پر لٹا دیا۔ چنقائی خاں کا سانس قریباً بند ہو چکا اور آنکھیں اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چنگیز خاں کے بوڑھے بیٹے کی رگوں میں چنگیزی خون ساکت ہو گیا۔ اُس نے نہایت کرب کے عالم میں آخری ہچکی لی اور دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ چنقائی کی بیویاں قطار در قطار اندر آئیں اور خادماؤں کے ساتھ مل کر رونے پیٹنے لگیں۔ "چنقائی خاں مر گیا ..... چنقائی خاں نیلے آسمان کے پار چلا گیا۔" نقیبوں کی آوازیں محل سرا میں گونجیں اور قراقرم کی وسعتوں میں پھیلتی چلی گئیں۔

☆======☆======☆

چنقائی خاں کی آخری رسومات دھوم دھام سے ادا کی گئیں۔ ایک درجن حسین کنیزیں "خدمت گزاری" کے لیے اس کی قبر میں زندہ دفن کر دی گئیں۔ پھر مختلف نسلوں کے انتہائی صحت مند گھوڑے اس کی قبر پر ذبح کئے گئے اور ان کا خون چنقائی کی قبر پر چھڑکا گیا۔ کئی روز تک قراقرم میں بوڑھے منگول کی موت کا سوگ منایا گیا ..... اس کی موت سے ٹھیک دو ماہ بعد کی بات ہے' منگول جنتری کے حساب سے یہ بکری کے سال کا آغاز تھا۔ خاقان اوغدائی کے ذی شان محل کے سامنے ایک کھلے میدان میں جس کی چاروں طرف نیزے گاڑ کر حد بندی کی گئی تھیں' کشتیوں کے مقابلے ہو رہے تھے۔ خاقان

اوغدائی بھی اپنی مشہور بیوی تورا کینہ کے ساتھ مسند پر موجود تھا۔ ان مقابلوں کی خصوصی بات یہ تھی کہ ان میں صرف غلام حصہ لے رہے تھے کچھ کنیزیں ایک طرف چبوترے پر کھڑے تھیں۔ شاہی نقیب ایک ایک کنیز کو چبوترے سے نیچے لاتا تھا اور بلند آواز سے کہتا تھا کہ اس عورت سے کون شادی کا خواہش مند ہے۔ اگر جواب میں صرف ایک مرد آگے آتا تھا تو اس کا ہاتھ کنیز کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا تھا اور وہ دونوں خاقان اوغدائی کے سامنے سجدہ ریز ہو کر ہنسی خوشی ایک دوسرے چبوترے پر جا کھڑے ہوتے تھے لیکن اگر ایک سے زیادہ مرد کسی عورت کے طلبگار ہوتے تھے تو ان کے درمیان زور آزمائی ہوتی تھی۔ پھر مقررہ قواعد کے مطابق ان میں سے جیتنے والا عورت کا حقدار ٹھہرتا تھا ..... یہ سلسلہ تادیر جاری رہا۔ آخر شاہی محافظ ایک مفلوک الحال عورت کو چبوترے سے نیچے لے کر آئے عورت کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کے بالوں میں مینوں کی خاک تھی اور لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ پہلی نظر میں وہ کوئی بدحال بھکارن نظر آتی تھی۔ مگر بغور دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خوبصورت ہے ..... یہ مارینا تھی ..... وہی مارینا تھی جس کے حسن سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں اور جس کا وقار پیشانیوں کو عرق آلود کر دیتا تھا۔ آج وہی قراقرم کی شہزادی ایک حقیر اور کمتر کنیز کے روپ میں سینکڑوں تماشائیوں کے سامنے کھڑی تھی۔ نقیب نے حسب معمول بلند آواز سے کہا۔

"خاقان محترم کے حکم سے' میں تم لوگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ اس عورت سے کون شادی کرے گا؟"

مرد غلام جو ایک گروہ کی صورت میں چبوترے پر کھڑے تھے قطعی خاموش رہے۔ کوئی ہاتھ مارینا کے لیے بلند نہیں ہوا۔ کسی نے اسے بیوی بنانے کی حامی نہیں بھری۔ نشے میں بدمست اوغدائی نے چاول کی شراب کا ایک اور جام چڑھایا اور زرنگار آستین سے ہونٹ پونچھ کر بولا۔

"یہ کون بدنصیب عورت ہے' جسے کوئی غلام تک اپنی زوجیت میں قبول کرنے کو تیار نہیں۔" خاقان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مارینا کے بارے سب کچھ جانتا ہے لیکن صرف اس کا مضحکہ اڑانے کے لیے یہ سوال پوچھ رہا ہے۔

شاہی نقیب نے جوابی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "خاقان محترم! فلک نیلگوں آپ پر مہربان رہے۔ یہ بدبخت عورت مارینا ہے۔ کسی وقت یہ معظم چنقائی خان کے حرم میں تھی۔"

خاقان اوغدائی نے ہاتھ لہرا کر کہا۔ "مجھے اس بدنصیب کی حالت پر ترس آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

.... میرے خیال میں اپنا سوال پھر دوہراؤ۔ شاید کوئی مرد اسے اپنی خدمت گزاری کے لیے قبول کرلے۔"

حسب ہدایت شاہی نقیب نے اپنا سوال دوہرایا غلاموں کی ٹولی خاموش رہی۔ یقیناً ان میں سے بہت سے مارینا جیسی پُرکشش عورت کے ساتھ چند گھڑی کی رفاقت کے لیے اپنی جانیں داؤ پر لگا سکتے تھے مگر اس وقت وہ جان بوجھ کر خاموش تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ سابقہ شہزادی کو اس طرح ان کے سامنے لانے سے خاقان کا مقصد اس کی تذلیل کرنا ہے۔ وہ مارینا کے حصول کی خواہش کرکے خاقان کے غضب کو ہوا کیسے دے سکتے تھے۔ نہ جانے خاقان کے جی میں کیا آئی کہ وہ اپنی شاہی مسند سے اٹھا اور لہراتا ڈگمگاتا ہوا غلاموں کی ٹولی کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے ایک ختائی غلام کا شانہ پکڑا۔ بھدا سا ختائی غلام اپنی مٹکا سی توند چھپائے آخر میں کھڑا تھا۔ خاقان نے اس کے گنجے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"او موٹے ختائی! تُو اس عورت سے شادی کرے گا؟"

موٹے ختائی نے صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "خاقان اعظم غلام سے ایسا کون سا جرم سرزد ہوا ہے جو ایسی بد شکل' بدبو دار اور بے وفا عورت کو میرے لیے تجویز فرما رہے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے میرا گلا گھونٹ دیجئے مگر یہ سزا مجھے نہ دیجئے۔"

چالاک ختائی کے برمحل اور چست جواب پر سارے منگول کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔

خاقان اوغدائی نے بڑے تاسف سے سرہلایا پھر ڈگمگاتا ہوا ایک اور کوتاہ قد غلام کے پاس پہنچا۔ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔

"او بھینگے یہودی! کیا تُو اس بدنصیب عورت سے شادی کرے گا۔"

یہودی غلام نے خاقان کی بے تکلفی سے حوصلہ پاتے ہوئے اپنی بھینگی آنکھوں کو حرکت دی اور چند قدم آگے جا کر مارینا پر تھوک دیا۔ اس کے اس خاموش اور مختصر جواب پر ایک بار پھر بہکے ہوئے منگول قہقہے لگانے لگے۔ مارینا سر جھکائے اور آنکھیں بند کیے خاموش کھڑی تھی۔ آنسو خودبخود اس کے میلے رخساروں پر پھسلتے جارہے تھے۔ خاقان اوغدائی جھومتا ہوا پھر اپنی نشست پر جا بیٹھا۔

شاہی نقیب نے کہا۔ "خاقان محترم و بلند اقبال! غلاموں کی دھتکاری ہوئی اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟"

خاقان اوغدائی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "ایسا کرو .... نقارچی سے اعلان کرواؤ کہ اس مجمعے میں موجود بدشکل ترین غلام ہمارے سامنے آجائیں۔"

خاقان کے حکم کی تعمیل ہوئی اور نقارچی ایک اونچی جگہ چڑھ کر خاقان کا حکم سنانے لگا۔ سینکڑوں ہزاروں کے مجمعے میں عجیب طرح کی ہلچل نظر آنے لگی۔ ہر چھ ماہ بعد شاہی محل کے سامنے برپا ہونے والی شادیوں کی یہ محفل آج بے تکلفانہ رنگ اختیار کرتی جارہی تھی۔ کافی دیر مچھلی بازار گرم رہنے کے بعد بیس عدد غلام قطار باندھ کر خاقان کے روبرو کھڑے ہوگئے .... اور واقعی وہ حاضر تماشائیوں میں سے بدصورت ترین افراد سمجھے جاسکتے تھے۔ ان میں سے کسی کی آنکھ پھوٹی ہوئی تھی۔ کسی کا چہرا چیچک زدہ تھا' کوئی کالا بھجنگ تھا اور کسی کی شکل مجموعی طور پر بھیانک تھی۔ خاقان کے حکم سے ان میں سے پانچ غلاموں کو علیحدہ کر دیا گیا کیونکہ وہ کمزور یا ضعیف العمر تھے۔ باقی غلاموں کے جوڑے بنا دیئے گئے اور خاقان کا حکم ہوا کہ وہ آپس میں زور آزمائی کریں ان میں سے جو سب کو پچھاڑ گیا۔ وہ اس عورت کا مالک ہو گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس عورت کو کنیز بنا رکھے گا اور اس کا ایک پاؤں ٹخنے پر سے کاٹ دے گا تاکہ وہ زندگی میں کبھی بھاگنے کا خیال دل میں نہ لاسکے۔"

اس دفعہ خاقان کے لہجے میں طنز نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ ٹھیک ہے۔

.... خاقان کی اجازت سے مقابلے شروع ہوئے۔ تنومند غلاموں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ کئی ایک کو چوٹیں آئیں۔ کئی ایک کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے۔ آخر جوزف نامی ایک حبشی پہلوان نے سب کو زیر کرلیا۔ یہ کرخت چہرے والا ایک تنومند شخص تھا۔ اس کی گردن اور ٹھوڑی پر ایک گہرے زخم کا نشان تھا۔ اپنی کامیابی کے بعد اس نے سجدہ ریز ہو کر خاقان کو تعظیم پیش کی اور خاقان کے حکم سے مارینا کی طرف بڑھا۔ مارینا نے سہم کر اس کی طرف دیکھا۔ جب وہ شخص مارینا کے بالکل قریب پہنچا' تو اچانک مارینا نے خود کو سپاہیوں سے چھڑایا اور ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس کا یوں بھاگنا بالکل اضطراری عمل تھا۔ ورنہ وحشیوں سے گھرے ہوئے اس خطہ ارضی میں اس کے لیے پناہ کہاں ہو سکتی تھی۔ وہ بھاگی تو حبشی جوزف نے اس کا پیچھا کیا۔ مارینا نے ایک مقام سے تماشائیوں کا حلقہ توڑا اور خیموں میں گھس گئی۔ حبشی جوزف بھی خیموں میں داخل ہو گیا۔ لوگ دونوں طرف سمٹ گئے اور قہقہوں کی گونج میں یہ دلچسپ کھیل دیکھنے لگے۔ مارینا جان بچانے کے لیے مختلف خیموں میں گھس رہی تھی اور حبشی وحشت کے عالم میں خیموں کو اکھاڑتا پھاڑتا جارہا تھا۔ آخر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس نے مارینا کو جالیا اور کھینچتا ہوا میدان میں لے آیا۔ خاقان نے حبشی کی پھرتی پر اسے شاباش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی اور رسمی طور پر ماریتا کو اس کے سپرد کر دیا۔ سجدہ ریز ہونے کے بعد حبشی جوزف ماریتا کو گھسیٹتا ہوا ایک جانب لے گیا۔

جس وقت ماریتا پر یہ سب کچھ گزر رہی تھی' قراقرم سے سینکڑوں میل دور صحرائے گوبی سے آگے خوارزم کے اس پار خلافت عباسیہ کے مرکز بغداد میں تین اجنبی خلیفہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے۔ یہ تینوں روسی مسلمان تھے۔ ان کے جسموں اور لباسوں پر ہفتوں کی گرد تھی۔ وہ خلیفہ مستنصر باللہ کے دربار میں دست بستہ کھڑے تھے۔ امرا و مصاحبین درجہ بدرجہ اپنی نشستوں پر موجود تھے۔ دربار میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایک روسی جس نے اپنا نام رزاق بتایا تھا۔ اپنے دو ساتھیوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ وہ ترکی میں کہہ رہا تھا۔

"خلیفہ المسلمین! ہم کل چالیس افراد قراقرم پہنچے تھے۔ مگر ہم چار افراد کے علاوہ سب وحشی منگولوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بعد میں ہم چاروں میں سے بھی ایک مارا گیا۔ ہم تینوں بمشکل صحرائے گوبی سے نکل پائے۔ اے خلیفہ اپنی ان گناہگار آنکھوں سے ہم نے قراقرم میں اسلام کے نام لیواؤں کی جو زبوں حالی دیکھی ہے' اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ جناب عالی اباقہ وہ مجاہد ہے جس نے روس کے طول و عرض میں چپے چپے پر منگول حملہ آوروں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ جو سفر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے تبریز سے شروع کیا تھا۔ وہ اس کے جاں نثار ساتھی اباقہ نے روس اور خوارزم کے کوہ و دشت میں جاری رکھا ہے۔ جو جھنڈا شیر خوارزم نے اٹھایا تھا وہ اس مجاہد نے ایک لحظے کے لیے گرنے نہیں دیا۔ آج قراقرم میں اس کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے اور اس کے دیئے ہوئے زخم ہر منگول کے سینے کا ناسور ہیں۔ اے خلیفہ آج وہی مسلمان مجاہد قراقرم کے تاریک ترین قید خانے میں کلمہ گوئی کی سزا بھگتنے والا ہے۔ چند ماہ پہلے منگول لٹیرے نہایت دیدہ دلیری سے آپ کی سرحد میں داخل ہو کر اس کے قریبی ساتھیوں کو چن چن کر مار چکے ہیں اور اباقہ کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر خاقان کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ قراقرم کے ظلمت کدے میں انہیں بھی ان کے ساتھیوں کی طرح تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا جائے گا۔

خلیفہ المسلمین! اس وقت آپ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی زندگی کے لیے چارہ جوئی کر سکے۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں' بس ہماری تو یہی درخواست ہے کہ ان مجبور و بے کس مسلمانوں کو بچا لیجیے۔ جنہیں آپ کے سایہ عاطفت سے محروم کر کے قراقرم کے جلتے سورج کے نیچے پہنچا دیا گیا ہے۔ خلیفہ

معظم! اگر آج آپ نے ان کی داد رسی نہ کی' ان کے سروں پر اپنا سایہ نہ کیا تو ان کی بے کسی کی موت ہر درد مند کے دل کا بوجھ بن جائے گی۔ پھر یہ بوجھ قصے کہانیوں کا حصہ بن کر تاریخ کی کتابوں میں اس طرح بکھرے گا کہ اسے سمیٹنا مشکل ہو جائے گا............"

عبدالرزاق کی طویل تقریر بے حد دل سوز اور اثر انگیز تھی اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا تھا اور راہ وفا میں کام آجانے والے اپنے ساتھیوں کی صورتیں ابھی اس کے ذہن میں تازہ تھیں۔

رزاق کی تقریر ختم ہوئی تو دربار کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا۔ خلیفہ کے ظہرانے کا وقت ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے خالی پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "نوجوان' ہم تیرے جذباتی انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ تاہم اس مسئلے پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے اپنے مصاحبین سے مشاورت کے بعد ہم کل کسی نتیجے تک پہنچ سکیں گے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی دربار برخاست ہو گیا۔ امراء و مصاحبین دوپہر کے طعام کے لیے شاہی دسترخوان کی طرف لپکنے لگے۔ وزیر داخلہ عبدالرشید (جو اپنی بیٹی فاطمہ کے اغوا اور اس کے واپسی کے بعد بہت حد تک بدل چکا تھا۔) متانت سے چلتا ہوا تینوں روسیوں کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے عقب میں آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایک غلام گردش میں لے آیا۔ اس بلند جگہ سے خلیفہ کے محل کا بیرونی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ سنگ مرمر کے شفاف فرشوں کے درمیان فوارے چھوٹ رہے تھے۔ گھاس کے سرسبز قطعات پر مور اور ہنس راج اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ زندگی حسین اور خوبصورت نظر آتی تھی۔

وزیر داخلہ عبدالرشید نے عمامے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے عبدالرزاق سے کہا۔ "میں تم لوگوں کے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور یہ جان کر تمہاری طرح میں بھی غم و اندوہ کے سمندر میں ڈوب گیا ہوں کہ اباقہ بالآخر وحشی تاتاریوں کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔ بہر حال میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلیفہ کے سامنے گزارشات پیش کر کے تم پتھر سے سر پھوڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس سے تمہیں زخموں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم اباقہ کے بہی خواہ ہو لیکن اباقہ کے بدخواہوں کی شناخت تمہیں نہیں ہے .... شاید تمہیں یہ سن کر حیرانی ہو کہ اباقہ کے لیے خلیفہ اور خاقان اوغدائی ایک ہی موت کے دو نام ہیں۔"

عبدالرزاق ششدر کھڑا وزیر داخلہ کا منہ دیکھ رہا تھا ہکلا کر بولا۔ "جناب! آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اباقہ جیسے عظیم مجاہد سے خلیفہ المسلمین کو کیا عناد ہو سکتا ہے؟"

وزیر داخلہ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دوست! عناد تو خلیفہ کو تم سے بھی نہیں'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر مجھے یقین ہے کہ ایک دو روز میں تم دجلہ کے قید خانے میں پہنچ جاؤ گے یا تمہاری لاشیں پتھروں سے بندھی دریا کی تہہ میں پڑی ہوں گی۔"

"ایسا کیوں ہے آقا..... ایسا کیوں ہے؟" روسی سپاہی عبدالرزاق نے نہایت درد سے پوچھا۔ "کیا اباقہ مسلمان نہیں۔ کیا خلیفہ کی ذمہ داری نہیں کہ اسے اذیت ناک موت سے بچانے کے لیے منگولوں کے بادشاہ پر دباؤ ڈالے۔ ایسے جنگجو تو قوموں کا سرمایہ ہوا کرتے ہیں کیا خلیفہ کے ذہن سے زیاں کا احساس بھی مٹ گیا ہے؟"

وزیر داخلہ عبدالرشید نے بہتر سمجھا کہ ان جوشیلے اور غمزدہ اجنبیوں کو اپنے ساتھ گھر لے جائے اور رات رات میں انہیں سمجھا بجھا کر بغداد سے نکال دے تاکہ کم از کم ان کی زندگیاں تو محفوظ رہ سکیں۔

☆------☆------☆

اباقہ اپنی تاریک کوٹھڑی میں بیٹھا فلک کی نامہربانیوں پر غور کر رہا تھا۔ کیسے کیسے صدمے اس پر گزر چکے تھے اور ابھی نہ جانے کیا کچھ ہونا باقی تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا علی دن بدن کمزور ہوتا جارہا ہے۔ کبھی کبھی وہ سوتے میں بری طرح ہلکنے لگتا تھا۔ اس کی چیخیں اباقہ اور نبیلہ کا دل دہلا دیتی تھیں۔ "چھوڑ دو ..... خدا کے لیے چھوڑ دو ..... اسد بھائی آپا کو بچاؤ۔ سردار یورق تم کہاں ہوں۔ وہ آرہے ہیں۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اباقہ بھائی مجھے بچالو ....." پھر چیختے چیختے وہ ایک دم جاگ جاتا۔ اس وقت اس کا ننھا سا دل سینے میں گھائل پرندے کی طرح پھڑکتا محسوس ہوتا۔ وہ نبیلہ یا اباقہ سے اس بری طرح چمٹتا تھا کہ دوبارہ سونے کے بعد بھی جدا نہیں ہوتا تھا..... اس وقت بھی وہ اباقہ کے زانو پر سر رکھے یوں سو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ اباقہ کے بازو پر تھے۔ اباقہ دھیرے دھیرے اس کی نازک کلائی اس جگہ سے سہلا رہا تھا جہاں آہنی ہتھکڑیوں نے کھردرے داغ سے ڈال دیے تھے۔ اچانک روزن پر آہٹ سنائی دی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو ایک چہرا کوٹھڑی میں جھانک رہا تھا۔ یہ ایک خونمند منگول تھا۔ اس کی آنکھوں میں اباقہ کے لئے نفرت اور حقارت کے سمندر ہلکورے لے رہے تھے۔

اباقہ اب اس چہرے کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ یہ سردار بوغائی کا سب سے چھوٹا بیٹا نویان تھا۔ وہ اباقہ کو عراق سے گرفتار کرکے لانے والے دستے کا سالار تھا اور اس "عظیم" کارنامے کے صلے میں خاقان اوغدائی اسے دستے سمیت اپنے خاص محافظوں میں شامل کر چکا تھا۔ پچھلے تین ماہ میں وہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اس طرح کوٹھڑی میں جھانک چکا تھا۔ ہر مرتبہ وہ ہونٹوں پر ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ سجا کر لاتا تھا اور اس کی زبان اباقہ کے

ذہن پر نت نئے چرکے لگا جاتی تھی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اباقہ، تُو جانتا ہے پرسوں اوغدائی خاں کے محل کے سامنے، میدان میں کیا ہوا؟" پھر خود ہی بولا۔ "پرسوں ہم سب نے تیری محبوبہ کا انجام دیکھا۔ مگر میں تجھے بتاؤں گا نہیں کہ ہم نے کیا دیکھا۔ بس اتنا جان لے کہ وہ اس وقت ایک سیاہ فام شکاری کے چنگل میں کسی چڑیا کی طرح پھنسی تجھے پکار رہی ہوگی ..... ہاہا ..... بڑا ظالم شکاری ہے وہ۔"

اباقہ نے خونی نظروں سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اپنے گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔ نویان کا بلند قہقہہ روزن میں گونجا۔ "کیا عورتوں کی طرح منہ چھپا رہا ہے اباقہ۔ ابھی تجھے اور بھی بہت سے درد ناک مناظر دیکھنا ہیں۔ ابھی تو میرے باپ کا انتقام بھی پورا نہیں ہوا، میرے دو بھائیوں کا انتقام اس کے علاوہ ہے۔ میں تجھے بتاؤں گا بدلہ لینا کسے کہتے ہیں اور چنگیز کے غلاموں سے ٹکرانے والوں کے لیے موت کتنی کٹھن ہوتی ہے۔"

اچانک نبیلہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ جھک کر چلتی ہوئی سوراخ تک پہنچی۔ پھر اس نے بے پناہ نفرت سے سانس اندر کھینچا اور پوری قوت سے نویان کے منہ پر تھوک دیا۔ نویان آنکھیں پھاڑے، ہکا بکا نبیلہ کو دیکھتا رہ گیا۔ نبیلہ گرج کر بولی۔

تو بہادر نہیں نویان، بے غیرت ہے۔ خدا کی قسم میں نے تجھ سا بزدل شخص زندگی میں نہیں دیکھا۔ اگر تُو حلال زادہ ہوتا تو اپنے ہل ہوتے پر اپنے باپ اور بھائیوں کی موت کا انتقام لیتا ..... تُو ہر دوسرے روز یہاں آدھمکتا ہے اور ایک بے بس قیدی پر اپنی طاقت کا رعب گانٹھتا ہے۔ اگر تُو اپنے باپ کا فرزند ہے اور تیری رگوں میں کسی فاتحہ کا خون نہیں تو ایک بار ..... صرف ایک بار اباقہ کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھ۔ میں اپنے مرحوم بچے کی قسم کھاتی ہوں اگر تیرا ایک وار بھی میرے بھائی کے جسم پر چھو گیا تو میں تیری ادنیٰ لونڈی بن جاؤں گی۔ اگر تُو کہے گا تو اپنے ہاتھوں اپنا سر کاٹ کر تیرے قدموں میں ڈال دوں گی ..... اور اگر تُو یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تو اپنا منحوس چہرا لے کے یہاں سے دفعان ہو جا اور آئندہ کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔"

نبیلہ کا لہجہ ایسا کاٹ دار اور غصیلا تھا کہ نوجوان سالار کا گرم خون بری طرح جوش مار گیا۔ وہ کچھ دیر خون بار نظروں سے نبیلہ کو گھورتا رہا پھر خطرناک سرگوشی میں بولا۔ "ٹھیک ہے۔ بدذات عورت! اب تیرا یہ تھوک اس وقت تک میرے گال پر رہے گا جب تک تُو خود اسے صاف نہیں کرے گی ..... میں تجھے اور تیرے بھائی کو بتاؤں گا کہ نویان کس بلا کا نام ہے۔ میرا ..... انتظار کرنا۔"

آخری الفاظ نویان نے عجیب ہیجانی انداز میں کہے تھے اور پھر فوراً ہی وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخصت ہو گیا تھا۔

نبیلہ نے جس انداز سے جوشیلے نویان کو بھڑکایا تھا' اباقہ کو امید پیدا ہو گئی تھی کہ حالات کوئی انوکھی کروٹ لینے والے ہیں اور امید کی اس کرن کے ساتھ ہی اباقہ کے نیم مردہ جسم میں خفیہ قوتیں انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بتدریج ایک بے نام سرخی اترتی آ رہی تھی۔

..... مگر نویان پھر واپس نہیں آیا۔ پورے سات روز وہ تینوں اس کے منتظر رہے۔ آٹھویں روز کی بات ہے۔ کوٹھڑی سے باہر صحرا کا سورج غروب ہوا اور رات کی خنک پرچھائیاں در و دیوار پر اتریں تو حسب معمول ایک ہاتھ نے ان سے خالی پیالے وصول کیے اور خوراک کے پیالے ان کی جانب بڑھا دیے۔ ان میں سے ایک پیالے میں ابلے ہوئے جو کی بجائے' شیریں چاول تھے۔ خوراک پہنچانے والے نے سوراخ میں جھک کر کہا۔

"یہ چاول قیدی عورت کے لیے ہیں۔"

اباقہ نے کہا۔ "یہ مہربانی کیوں؟"

پہریدار روکھے لہجے میں بولا۔ "یہ مہربانی نہیں۔ یہاں کا دستور ہے۔ موت سے پہلے قیدی کو یہی خوراک دی جاتی ہے۔"

یکایک اباقہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے پہریدار کا چہرا تکتا رہا۔ "کیا مطلب؟" اس کے ہونٹوں سے بے روح سرگوشی برآمد ہوئی۔

پہریدار نے اطمینان سے کہا۔ "مطلب یہ کہ آج کی رات اس عورت کی آخری رات ہے' صبح اسے موت کی سزا دی جا رہی ہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔" اباقہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے دھاڑا۔ وحشت کی فراوانی سے اس کا چہرا بگڑ رہا تھا۔ دوسری طرف علی اور نبیلہ بھی سہمے ہوئے یہ گفتگو سن رہے تھے۔

پہریدار نے کہا۔ "یہ بکواس نہیں حقیقت ہے دوست اس عورت نے جو کیا تھا اب یہ اس کی سزا پانے والی ہے۔"

"لگ ..... کیا' کیا تھا اس نے؟" اباقہ نے پوچھا۔

پہریدار نے کہا۔ "آج سے ٹھیک سات روز پہلے رات کے وقت اوغدائی کے ذاتی محافظ دستے کے نوجوان سالار نویان نے تمہاری اس کوٹھڑی تک رسائی کی کوشش کی تھی مگر پکڑا گیا تھا۔ اسے عقوبت خانے لے جایا گیا اور تشدد کی چکی میں پسنے کے بعد اس نے

بتایا کہ وہ تمہیں آزاد کرانا چاہتا تھا تاکہ تم سے دو بدو مقابلہ کر کے اپنے مرحوم باپ اور بھائیوں کا انتقام لے سکے ..... اس نے ایسا کر کے بہت سنگین غلطی کی تھی کیونکہ اپنے اس عمل کی وجہ سے وہ خاقان کے بے پناہ غضب کا شکار ہوا۔ خاقان کی نظریں اُس نے اپنے ذاتی انتقام کی خاطر ایک نہایت خطرناک اور عیار مجرم کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ ایک ایسے مجرم کو ..... جس کی نگرانی کے لئے خاقان نے خصوصی ہدایات دے رکھی تھیں۔ خاقان کا خیال تھا کہ اس طرح بے وقوف نویان نے قراقرم کی اہم ترین شخصیات کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ لہٰذا اس نے فوری طور پر نویان کی موت کی سزا کا حکم سنایا۔ نویان نے خاقان سے جان بخشی کی درخواست کی اور کہا کہ اُس نے نبیلہ نامی قیدی عورت کے رویے سے مشتعل ہو کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ اس نے خاقان کو بتایا کہ اس عورت نے بڑی ہوشیاری سے اسے بھڑکا دیا تھا۔ وہ اس قدر طیش میں آ گیا کہ اسے بُرے بھلے کی تمیز نہ رہی۔ نویان کی اس وضاحت پر خاقان نے اُسے تو معاف نہیں کیا مگر اس عورت کی موت کی سزا کا حکم بھی سنا ڈالا۔ کل صبح ان دونوں کو خاقان کی موجودگی میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

اباقہ کی آنکھوں میں وحشت تھی اور چہرہ زلزلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ "تم یہ نہیں کر سکتے ..... میں تم لوگوں کو یہ سب نہیں کرنے دوں گا۔ میں تم سب کے ٹکڑے کر دوں گا۔ تمہاری نسلوں کو تباہ کر ڈالوں گا۔" بے ربط جملے اس کے منہ سے نکل رہے تھے اور وہ دیواروں پر مکے برسا برسا کر ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ اُس کی بے بسی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اب خود کو ختم کر ڈالے گا یا کسی طرح آزاد ہو جائے گا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اُس کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کو جس وزنی زنجیر سے باہم مربوط کر دیا گیا تھا اُس کی موٹائی کسی طرح بھی ایک صحت مند انسانی کلائی سے کم نہیں تھی۔ یہ زنجیر اتنی چھوٹی رکھی گئی تھی کہ قیدی پورے قد سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید وہ زنجیر کسی مست ہاتھی کے پاؤں میں ہوتی تو وہ بھی اسے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ اباقہ تو پھر انسان تھا۔ وہ اس زنجیر کو بار بار پتھروں پر مار رہا تھا لیکن اس کوشش میں اپنی کلائیاں لہولہان کرنے کے سوا اُسے کچھ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ آخر وہ بے دم ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ نبیلہ آنسو پونچھتی اٹھی اور اس کے پاس آ بیٹھی۔

"اباقہ بھائی جان! کیوں خود کو ہلکان کرتے ہیں۔ میری قسمت میں جو لکھا ہے وہی ہو گا اور مجھ سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو گا۔ میں اپنے لئے شہادت کی نوید سن رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔ خدا کی قسم سلیمان اور قاسم کے بعد مجھے اب اور جینے کی آرزو بھی نہیں۔"

اباقہ نے کراہ کر کہا۔ "نبیلہ! ایسی بات منہ سے مت نکال۔ میں تجھے مرنے نہیں دوں گا۔"

نبیلہ نے کہا۔ "بھائی جان! آپ اسے مرنا کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں تو زندگی پاؤں گی۔ خدا کی راہ میں جان دینے والے بھی کبھی مرتے ہیں۔ کیا ہم خدا کی راہ میں خدا کے دشمنوں سے نہیں لڑ رہے۔ کیا ہماری ان مشکلات کی وجہ صرف یہ نہیں کہ ہم نے آسمان پرستوں کے عروج سے مرعوب ہوئے بغیر اُن کے منہ پر کلمۂ حق کہا ہے..... اگر اس کلمۂ حق پر ہماری گردنیں ماری جا رہی ہیں تو بخدا ہم کامران ہیں۔ بغداد کے ایوانوں میں چین کی بانسری بجانے والے ایک روز ہماری قسمت پر رشک کریں گے۔"

نبیلہ کے گرم آنسو نہایت خاموشی سے اباقہ کی پیشانی پر گر رہے تھے۔ یہ آنسو نہیں تھے' تیزاب کے قطرے تھے جو اباقہ کے روئیں روئیں میں اذیت جگا رہے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا جیسے اس کا وجود پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور اگر اس کا وجود نہ پھٹا تو یہ زنجیریں پگھل جائیں گی یا اس کوٹھڑی کی سنگلاخ دیواریں دھماکوں سے اڑ جائیں گی۔

قاتل اندھیرے میں لپٹی ہوئی رات کی زہریلی ناگن دھیرے دھیرے صبح کے سفاک اجالے کی طرف سرکتی رہی۔ یہ قیامت کی رات تھی اور شاید اس رات کے بعد روزِ محشر طلوع ہونے والا تھا۔ اباقہ نبیلہ اور علی تینوں جاگ رہے تھے۔ چاولوں اور جَو سے بھرے ہوئے تینوں پیالے ان کے درمیان پڑے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس خوراک کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اُن کے ذہنوں میں اندیشوں کے دیو کلبلا رہے تھے۔ مگر تینوں خاموش تھے یوں ظاہر کر رہے تھے جیسے سوئے ہوئے ہیں۔ مگر سویرے کی نامہربان چاپ وہ تینوں سن رہے تھے۔ یہ کیسا تاریک سویرا تھا کہ آنکھیں کھولنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ یہ کیسا اجالا تھا کہ ہراس بن کر رگ جان میں اتر رہا تھا۔ سوچیں مفلوج تھیں' زبانیں گنگ تھیں اور اس سناٹے میں حرفِ تسلی تک ہونٹوں پر منجمد ہو گیا تھا۔ آخر قراقرم کے آسمان پر چمکنے والے سورج نے بالشت بھر دھوپ اس کوٹھڑی میں پھینک دی اور اس کے ساتھ ہی آہنی دروازے کی دوسری جانب بے رحم قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ نبیلہ نے اشک بار آنکھوں سے اباقہ کو دیکھا پھر اس کے قریب سمٹ کر اس کی پیشانی چومی اور بولی۔

"میرے بھائی! حوصلہ رکھنا۔ اگر شہادت میرا نصیب ہو چکی ہے تو کوئی مجھے اس سے محروم نہیں رکھ سکتا۔ اپنی چھوٹی بہن کی آخری خواہش مان لینا۔ اسے ہمت سے رخصت کرنا۔ ان زنجیروں میں تڑپنے سے تمہیں زخموں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اپنے اس

لہو کو بچا کر رکھو۔ اس وقت تک کے لئے جب قدرت کی طرف سے تمہیں کوئی موقعہ ملے اور تم ان منگولوں سے ہمارے بدلے چکا سکو اور مجھے یقین ہے قدرت تمہیں اس موقعے سے محروم نہیں رکھے گی۔ انشاء اللہ ایک دن تمہارے سر پر آزادی کا سورج چمکے گا اور تمہارے ہاتھوں میں وہ چمکتی ہوئی تلوار آئے گی جو ظالموں کے لئے پیامِ اجل بن جائے گی۔ اس روز ان بے ضمیر کافروں کے لئے کہیں پناہ نہ ہو گی؟"

اباقہ یکسر خاموش تھا۔ نبیلہ نے اُس کے شانے سے سر لگا کر کہا۔ "میرے بھائی وعدہ کرو۔ تم خود کو سنبھالے رکھو گے اور اپنے ساتھ ساتھ علی کو بھی ہمت نہیں ہارنے دو گے۔"

آنسوؤں کے بوجھ سے اباقہ کی آنکھیں سرخ تھیں اور اُس کے نتھنے لرز رہے تھے۔ قدموں کی چاپ اب بالکل نزدیک پہنچ چکی تھی۔ پھر یکے بعد دیگرے دیو ہیکل دروازے کے تینوں قفل کھلے اور آہنی پٹ وا ہو گئے۔ ایک مدت بعد یہ غلیظ کوٹھڑی دن کی روشنی سے آشنا ہوئی۔ ان کے سامنے زرہ پوش منگول سپاہیوں کا ایک چوکس دستہ کھڑا تھا۔ دستے کے گرانڈیل سردار نے کرخت آواز میں نبیلہ سے کہا۔

"اٹھ جا لڑکی۔ ہم تجھے لینے آئے ہیں۔"

اچانک اباقہ نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں سردار کو مخاطب کیا۔

"سردار! میں اوغدائی خاں سے ملنا چاہتا ہوں۔ صرف ایک بار تم مجھے اس سے ملا دو۔ مجھے یقین ہے کہ میں خاقان کو اس ارادے سے باز رکھ سکوں گا۔ میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اس اقدام سے تم پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔"

جواب میں دستہ سالار کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی وہ سفاکی سے بولا۔

"جنگلی! آج تو تُو خاقان کا نام بڑے احترام سے لے رہا ہے۔ میرا خیال ہے تجھ جیسے بدزبان کو یہ لب و لہجہ زیب نہیں دیتا۔"

اباقہ نے کہا۔ "سردار! میرا مذاق مت اڑا اور..... اور اگر تُو پسند کرے تو میں تجھ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سردار کے حلق سے فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔ "میرا خیال ہے صدمے کی زیادتی نے تیرے دماغ پر اثر کیا ہے جو خاقان کے وفاداروں کو لالچ دینے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ تُو اپنے سبز باغ اپنے پاس رکھ اور عبرتناک موت کا انتظار کر۔" پھر اُس نے گرج کر سپاہیوں کو حکم دیا۔ "اٹھا لو اس لڑکی کو۔"

دو تنومند منگول آگے بڑھے اور انہوں نے نبیلہ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ علی جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلک بلک کر رو رہا تھا چلا کر نبیلہ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور سپاہیوں کی منتیں کرنے لگا کہ وہ اس کی آپا کو چھوڑ دیں مگر وہ اسے دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ اچانک اباقہ کے حلق سے ایک خوفناک چنگھاڑ برآمد ہوئی اور اس نے ایک قریبی محافظ پر جھپٹنا چاہا مگر چوکنا محافظ پھرتی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اباقہ زنجیروں کی وجہ سے اوندھے منہ سنگلاخ فرش پر گرا۔ شیریں چادلوں والا پیالہ ٹوٹ گیا اور چاول دور تک بکھر گئے۔ اس سے پہلے کہ اباقہ دوبارہ اٹھ سکتا سپاہیوں کی ایک ٹولی نے اسے دبوچ لیا۔ وہ ان کی گرفت میں بری طرح مچلنے لگا مگر اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی حرکت نہ کر سکا۔ اُس کی آنکھیں ابھی تک نبیلہ پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا۔

"سردار! چھوڑ دے اس کو۔ اس کو کچھ مت کہنا سردار۔ ورنہ میرے انتقام سے بچ نہیں سکے گا۔ خدا کی قسم میں تجھے ڈھونڈ لوں گا۔ تیری بوٹیاں نوچ لوں گا۔ تیرے بال بچوں کو جلا کر خاک کر دوں گا۔ اسے چھوڑ دے سردار۔"

پھر اچانک آہنی دروازہ بند ہو گیا اور نبیلہ کے ساتھ ساتھ منگول سپاہی بھی اباقہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اباقہ جیسے نیم پاگل ہو چکا تھا۔ وہ اپنی زنجیریں گھسیٹتا جھک کر چلتا دروازے تک پہنچا اور پوری قوت سے اسے پیٹنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ منگولوں کو عبرتناک انجام کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ اس مختصر سی کوٹھری میں اس کی چنگھاڑوں سے حشر برپا تھا۔ غضب کے عالم میں اس کے نقوش بگڑ گئے تھے اور آواز بیٹھ گئی تھی۔ مگر وہ پھر بھی چیخ رہا تھا ..... یہ انسانی بے بسی کی انتہا تھی' یہ غم و غصے کا آخری درجہ تھا' یہ دیوانگی کی پہلی سیڑھی تھی' کوئی اسے دیکھتا تو دہشت سے لرز اٹھتا' قریب سے اس کی آواز سنتا تو سکتے میں رہ جاتا ..... اور معصوم علی یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ اچانک اس کی دبلی دبلی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اس کے منہ سے ایک سسکی نکلی اور وہ تیورا کر سنگلاخ زمین پر جا گرا۔ اباقہ نے اس کی زنجیروں کی جھنجھناہٹ سنی تو چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ علی کی آنکھیں الٹ چکی تھیں اور منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ اس کے استخوانی ہاتھ پاؤں بتدریج مڑتے جا رہے تھے۔ اباقہ نے لپک کر اسے تھام لیا۔

"علی ..... علی!" وہ بے بسی سے چلایا۔

علی یکسر خاموش تھا۔ اباقہ نے اسے آہنی گرفت میں جھنجھوڑ ڈالا۔ "علی ..... میرے بیٹے آنکھیں کھول۔ تجھے کیا ہو گیا۔ علی' خدا کے لئے آنکھیں کھول۔" مگر علی پر مرگی کا شدید دورہ پڑ چکا تھا۔ اس کی زبان حلق میں گر کر تالو سے چپک گئی تھی اور سینے میں سانس رکنے لگی تھی۔ اباقہ لڑکھڑاتا ہوا سوراخ تک پہنچا اور رندھے ہوئے گلے سے

چلایا۔

"پسردارا مجھے پانی دے۔ میرا بیٹا مر رہا ہے ..... میرا بیٹا مر رہا ہے۔"

مگر کسی نے اس کی آواز نہیں سنی۔ کسی کو اس پر رحم نہیں آیا۔ وہ چیختا رہا۔ کبھی علی کی طرف اور کبھی سوراخ کی طرف بھاگتا رہا۔ کوئی اُس کی مدد کو نہیں پہنچا۔ کسی نے اُس کی پکار کا جواب نہیں دیا۔ علی کے ہونٹ سوکھ کر سیاہ ہو گئے۔ اس کا معصوم چہرہ کملاتا چلا گیا۔ وہ ننھی سی جان اس کے سامنے دم توڑ رہی تھی۔ مگر اباقہ بے بس تھا۔ دشمنوں پر بجلی بن کر گرنے والا۔ ناقابل یقین معرکے انجام دینے والا۔ وقت کا مانا ہوا جنگجو آج لاچار تھا۔

وہ علی کو جھنجھوڑ رہا تھا اور رندھے ہوئے گلے سے بار بار اس کا نام پکارتا جا رہا تھا' مگر علی خاموش تھا۔ آخر دیو ہیکل آہنی دروازہ کھلا اور منگول پسردار اندر داخل ہوئے۔ علی میں زندگی کی رمق ابھی باقی تھی۔ انہوں نے لاپرواہی سے اسے اٹھایا اور مردہ بکری کی طرح کندھے پر لاد کر بیمارستان کی طرف لے گئے ..... وزنی دروازہ ایک پُرگونج دھماکے سے دوبارہ بند ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے تین قفل لگے اور بھاری قدموں کی آواز کوٹھری سے دور ہوتی چلی گئی۔

نبیلہ چلی گئی' علی بھی چلا گیا' روزن سے جو بالشت بھر دھوپ آتی تھی وہ بھی رخصت ہو گئی۔ تاریکی اور خاموشی میں اباقہ اکیلا رہ گیا۔ اسے لگا جیسے وہ اس کوٹھری میں نہیں دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے۔ اب کون تھا جس کے ملنے کی اسے آس ہوتی یا جس کی موت کا اسے خوف ہوتا ..... ہاں اب کوئی نہیں تھا۔ ایک ایک کر کے سب مر گئے تھے۔ ساری آسیں ٹوٹ گئی تھیں ..... اچانک اس کے آنسو تھم گئے۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کا غضبناک چہرہ بتدریج پُرسکون ہو گیا۔ یہ ایک عجیب سا سکون تھا۔ وہ تھکا ہارا نڈھال ہو کر کوٹھری کے فرش پر بیٹھ گیا۔ جیسے کوئی راہ گم کردہ مسافر صحرا کو گھر سمجھ کر ریت پر دراز ہو جائے ..... وہ دیر تک اسی طرح گم صم بیٹھا رہا۔ اس کی سفید آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز رہیں۔ پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اٹھا اور اپنے بالوں تک پہنچ گیا۔ ان بالوں میں وہ ننھا سا خنجر اب تک چھپا ہوا تھا۔ اباقہ نے اسے بالوں کی ایک لٹ میں اس طرح گرہ دے رکھی تھی کہ وہ اوپر سے بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ سر جھکا کر اباقہ نے وہ گرہ کھول دی اور خنجر نکال لیا۔ یہ بے ضرر خنجر اس کوٹھری میں اباقہ کی واحد متاع تھا۔

☆------☆------☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوغدائی کے محل کے سامنے مجرموں کو سزائیں دی جا رہی تھیں۔ ایسے مقاصد کے لیے خیموں کے بیچوں بیچ جو کھلا میدان چھوڑا گیا تھا اس میں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ مجرموں کو ان کے جرائم کی سنگینی کے مطابق مختلف طریقوں سے موت کے گھاٹ اتارا جارہا تھا۔ کسی کو بوری میں بند کرکے سرد پانی میں غوطے دیے جاتے تھے۔ کسی کی دونوں ٹانگیں گھوڑوں سے باندھ کر گھوڑوں کو مخالف اطراف میں دوڑا دیا جاتا تھا۔ کسی کو کتوں کے آگے ڈالا جارہا تھا۔ الغرض وحشیوں نے موت کو اندوہناک بنانے کے نت نئے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ کچھ دیر بعد سردار بوغائی کے نوجوان بیٹے نویان کی باری بھی آگئی۔ اس جوشیلے منگول کے چہرے پر تشدد کے نشانات تھے۔ وہ آنکھوں میں شرمندگی اور خجالت لیے سرجھکائے کھڑا تھا۔ شاید اسے اب تک امید تھی کہ اس کے خاندان کی سابقہ خدمات کے پیش نظر خاقان کے دل میں اس کے لئے رحم آجائے گا۔ پھر اس نے خود بھی تو کوئی چھوٹا کارنامہ انجام نہیں دیا تھا' اباقہ اور اس کے ناقابل شکست ساتھیوں کو زیر کرنا اور قراقرم تک لانا اسی کا کام تھا ..... مگر اس شہر اجل میں رحم کا کیا کام تھا۔ خاقان کا دست کرم پتھر کی طرح ساکت تھا۔ کچھ ہی دیر میں مسلح سپاہی اسے کھینچتے ہوئے موت کے گڑھے پر لے گئے۔ اس کے سر پر جما ہوا دودھ ڈال کر خونخوار کتوں کے سامنے پھینک دیا گیا۔ کتوں کا منحوس شور بلند ہوا اور چند ہی لمحوں میں نویان کا جسم آدھ کھائے چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اس کے بعد نبیلہ کو خاقان کے روبرو لایا گیا۔ خاقان نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اچھا تو یہ عورت ہے جس نے اپنی عیاری سے ہمیں ہمارے ایک قابل جنگجو سے محروم کیا ہے۔"

جلاد نے کہا۔ "ہاں خاقان! یہی وہ خرافہ ہے۔"

خاقان نے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ تیری موت سے ہمارے شہزادے اور ابردوئے معلّٰی کے سردار لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے' مگر اے بدبخت! تُو نے اپنی عیاری سے ہمیں اتنا مشتعل کر دیا ہے کہ ہم تجھے سزا دینے کے لئے بے قرار ہو رہے ہیں۔"

نبیلہ خاموش رہی۔ خاقان بولا۔ "اگر تیرے عریاں جسم پر گھوڑی کا جما ہوا دودھ ڈال کر تجھے کتوں کے آگے پھینک دیا جائے تو کیسا رہے؟"

نبیلہ نے بے خوفی سے زبان کھولی۔ "منگولوں کے بادشاہ! میں بے بس ہوں۔

تو میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مگر یاد رکھ ایک روز تجھے اپنے ان مظالم کا حساب دینا پڑے گا۔"

خاقان نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا اباقہ کی بات کر رہی ہو ..... وہ چوہیا کا بچہ جو چوہے دان میں پھنسا ہوا ہے۔ بہت خوب ..... مجھے تیری عقل پر رحم آرہا ہے۔ کاش تُو چنگیز کے بیٹے کو کوئی شایان شان دھمکی دینے کے قابل ہوتی۔"

نبیلہ نے تنک کر کہا۔ "مسلمان دھمکی نہیں دیتا۔"

خاقان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہاں مسلمان بڑا اصول پرست ہوتا ہے۔ حرام چیز کو ہاتھ نہیں لگاتا۔" پھر اس نے اپنے خاص خادم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "محل سے شراب لائی جائے اور اس عورت کو پلائی جائے۔ مرنے سے پہلے یہ اس لطف سے محروم کیوں رہے۔"

خاقان کے حکم پر عمل درآمد کرنے کے لیے چند خادم محل کی طرف بڑھ گئے۔ خاقان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں عورت! مجھے یاد آیا تُو نے نویان کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ اس کی وجہ؟"

نبیلہ نے کہا۔ "وجہ میں صرف خاقان کو بتا سکتی ہوں۔"

تماشائیوں میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ خاقان نے اپنے ایک محافظ کو حکم دیا۔ وہ نبیلہ کی طرف آیا اور اسے دوسرے مجرموں سے علیحدہ کرکے خاقان کے روبرو لے گیا۔ خاقان زریں نشست سے ٹیک لگائے بڑی تمکنت سے بیٹھا تھا۔ نبیلہ قریب پہنچی تو بولا۔

"ہاں کیوں تھوکا تھا تُو نے؟"

نبیلہ نے گردن آگے بڑھا کر خاقان پر بھی تھوک دیا اور بولی۔ "اس لیے کہ وہ بھی تیری طرح میری پہنچ سے دور تھا۔"

معلوم دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا کے منہ پر تھوکنے کی کوشش کی گئی تھی چند ساعتوں کے لیے کسی کو اپنی نگاہ پر یقین نہیں آیا ..... حبشی جوزف جس نے چند روز پہلے مارینا کو جیتا تھا' خاقان کے عقب میں کھڑا تھا۔ دفعتاً وہ لپک کر نبیلہ کے سر پر پہنچا اور وزنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا کر رکھ دی۔ نبیلہ کا سر اچھل کر خاک میں لڑھک گیا۔

اباقہ اور اسد کی بہن' سلیمان کی چہیتی بیوی اور قاسم کی غمزدہ ماں اجل کے ایک ہی وار سے خاک و خون میں لوٹ گئی۔ غموں کی چکی میں پسا ہوا اس کا قیدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدن زمین پڑا رہ گیا اور روح آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی۔

"شاباش جوزف۔" خاقان کی آواز سناٹے کی کوکھ سے ابھری۔ "تم نے اس بدبخت کو اچھا جواب دیا ہے۔ اس حاضر جوابی پر میں خوش ہوا۔ مگر افسوس رہے گا کہ اس کی موت کا تماشا تادیر جاری نہ رہ سکا۔"

..... عین اس وقت جب مسلح سپاہی نیبلہ کا سربریدہ لاشہ میدان سے اٹھا کر لے جا رہے تھے' اباقہ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا بغور اس چھوٹے سے خنجر کا پھل دیکھ رہا تھا۔ یہ پھل اس کی چھوٹی انگلی سے بھی چھوٹا تھا۔ مگر قیمتی ہونے کی وجہ سے بے انتہا پختہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اباقہ نے گہری نظروں سے کوٹھڑی کے درودیوار کا جائزہ لیا۔ پھر ایک جگہ اس نے خنجر کی باریک نوک رکھی اور پتھر کو کریدنا شروع کر دیا۔ کوئی پہریدار اسے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ قیدی کا دماغ چل گیا ہے۔ ان دزنی پتھروں کو کسی خنجر سے کریدنا ایسا ہی تھا جیسے پہاڑ کو تنکے سے کھودنے کی کوشش کی جائے یا ہاتھی کو گرانے کے لیے کنکر مارے جائیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی وقت بے ضرر چیونٹی ہاتھی کو ہلاک کر دیتی ہے اور اگر تیشہ چلانے والے بازو مسلسل حرکت میں رہیں تو پہاڑوں سے "دودھ کی نہریں" بھی نکل آتی ہیں' قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اور قطرہ قطرہ پتھر پر گرتا رہے تو اس میں سوراخ کر دیتا ہے۔ موسم کی نرم انگلیاں قلعوں کو کھنڈر بنا دیتی ہیں اور مسلسل رینگنے والا وقت صدیوں کے فاصلے طے کر لیتا ہے ..... اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب سب راستے بند ہو جاتے ہیں تو ایک راستہ کھل جاتا ہے اور جب سب کچھ برباد ہو جاتا ہے تو ایک نئے وجود کی تشکیل ہوتی ہے۔ ایک نیا عزم کروٹ لیتا ہے اور یہ تشکیل اباقہ کے اندر بھی ہو چکی تھی' یہ عزم اس کے اندر بھی جاگ چکا تھا۔ وہ انتقام کی "شیریں" کا فرہاد بن چکا تھا۔ وہ ننھا سا خنجر اس کا تیشہ تھا اور وہ سنگلاخ دیوار کوہ گراں ..... وقت گزرتا رہا سورج کا پہریدار مشرق سے مغرب تک گشت لگاتا رہا۔ رات اور دن باری باری اس کی کوٹھڑی میں جھانکتے رہے' دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے چلے گئے اور اباقہ قراقرم کی اس ویران اور تاریک کوٹھڑی میں سرجھکائے بیٹھا رہا۔ وہ ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا تھا اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کیا کرتا رہتا ہے۔ بظاہر وہ اندھیرے میں لپٹی ہوئی ایک زندہ لاش تھا لیکن اس کا ایک ہاتھ دھیرے دھیرے پتھر کی دیوار کو کریدتا رہتا تھا۔ شب و روز اس کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا تھا۔ ریت کے جو مٹھی بھر ذرے دن بھر میں اکٹھے ہوتے تھے وہ

انہیں اس تنگ دراڑ میں پھینک دیتا تھا جو اس کوٹھڑی میں رفع حاجت کے کام آتی تھی اور نہ جانے کتنی گہرائی تک چلی گئی تھی۔

☆------☆------☆

اباقہ کے قید خانے سے باہر موسم گرما زوروں پر تھا۔ خاقان اور غدائی نیلی جھیل کے کنارے گرمیاں گزارنے کے لئے محل میں فروکش تھا۔ جھیل کے کنارے آبی پرندے جمع ہو رہے تھے۔ جنگلی مرغابیاں ٹنڈرا کے علاقے سے اپنے گرمائی مسکن کو چھوڑ کے چلاتی ہوئی جنوب کی طرف محو پرواز تھیں۔ مرطوب ہواؤں کے خنک جھکڑ موسم کو خوشگوار رکھتے تھے' ایک روز خلافت عباسیہ کے چار قاصد خاقان اوغدائی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ یہ چاروں مسلمان تھے اور قیمتی تحائف کے ساتھ خلیفہ کا ایک اہم پیغام لے کر آئے تھے۔ خاقان کچھ علیل تھا اس لیے اس نے تیسرے روز رات کے کھانے پر ان سے ملاقات کی۔ منگولوں کے بادشاہ کی شان و شوکت دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے شاندار محل میں جا بجا سجے ہوئے طلائی و نقرئی مجسمے' سنگ مرمر کے حوضوں میں شراب اور دودھ کے فوارے' دنیا کے بیش قیمت قالین اور غالیچے' قیمتی پتھروں سے آراستہ بلند وبالا ستون اور ان میں تتلیوں کی طرح اڑتی پھرتی حسین کنیزیں۔ وہ خاقان کے رہن سہن سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ آئے تو اس لیے تھے کہ منگولوں کے بادشاہ سے اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کا مطالبہ کریں تاکہ انہیں بغداد میں لے جا کر قرار واقعی سزا دی جا سکے مگر خاقان کا رعب و دبدبہ دیکھ کر انہیں مدعا زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔ خاقان کی ملاقات سے پہلے انہیں مشہور بغدادی قاضی عبد اللہ مشہدی بھی ملا اور اس نے بھی ایلچیوں کو یہی مشورہ دیا کہ وہ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کا مطالبہ زبان پر نہ لائیں۔ اس سے خاقان کی ناراضگی کا خدشہ ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے ارادے سے باز آگئے۔ خاقان سے ان کی جو گفتگو مترجم کی وساطت سے ہوئی وہ کچھ اس طرح تھی۔

وفد کے سربراہ نے کہا۔ "خاقان محترم! ہم سلطنت عباسیہ کی طرف سے نیک خواہشات لے کر آئے ہیں۔ خلیفہ المسلمین سلطنت تاتار سے دوستانہ تعلقات کے آرزو مند ہیں۔"

خاقان اوغدائی کے عمر رسیدہ چہرے پر ایک مکارانہ مسکراہٹ ابھری وہ بولا۔ "تمہارے خلیفہ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دوستوں کے دوست ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب تک آپ چاہیں گے یہ دوستی برقرار رہے گی ....."

رسمی باتوں کے بعد گفتگو کا رخ اباقہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔ وفد کے سربراہ نے کہا۔ "خاقان محترم! ہمیں حضور کی دانشمندی و فراست پر شبہ نہیں مگر ہم آپ کو اپنی تشویش سے آگاہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔"

خاقان نے کہا۔ "کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟"

قاصد نے کہا۔ "خاقان معظم! اباقہ ایک غیر معمولی شخص ہے اس میں جناتی قوت اور شیطانی صلاحیتیں ہیں۔ آپ اس کی سزا میں زیادہ تاخیر نہ کریں اور اگر ایسا ضروری ہے تو اسے جہاں بھی رکھیں سخت نگہداشت میں رکھیں۔ وہ ہوا کی طرح اڑ جانے اور دھوئیں کی طرح تحلیل ہو جانے کی شہرت رکھتا ہے۔"

خاقان نے اپنے داروغہ جیل کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بغورچی! یہ مہمان کیا کہہ رہے ہیں؟"

بغورچی نے خاقان کا مدعا سمجھ کر کہا۔ "اے بغداد کے دوستو! اباقہ کو ہم نے جس کوٹھڑی میں رکھا ہے اسے تم دنیا کا محفوظ ترین قید خانہ سمجھ سکتے ہو۔ وہاں سے فرار ہونا تو دور کی بات' وہ اس کوٹھڑی میں اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔ اس کی کلائیوں پر لوہے کے پترے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنی نسوں کو دانتوں سے کاٹ کر خون ضائع نہ کر سکے۔ اس کی ہتھکڑیوں و بیڑیوں کے کنارے گول ہیں تاکہ انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ اسے جس پیالے میں کھانا دیا جاتا ہے وہ بھربھری مٹی کا ہوتا ہے' تاکہ پیالہ توڑ کر وہ اس کے ٹکڑوں سے کوئی مقصد حاصل نہ کر سکے۔ آٹھ پہر مسلح پہریدار اس کی کوٹھڑی کے گرد موجود رہتے ہیں۔"

وفد کے سربراہ نے مرعوب ہو کر کہا۔ "بلاشبہ آپ کے انتظامات سخت ترین ہیں۔ پھر بھی ..... اگر آپ گستاخی نہ جانیں تو میں عرض کروں گا کہ گاہے گاہے اس کوٹھڑی میں جھانکتے رہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اس شیطان صفت شخص سے کچھ بھی بعید نہیں۔"

خاقان نے قاصدوں کا اصرار دیکھا تو داروغہ کو حکم دیا۔ "بغورچی ہمارے مہمان خاصے وہمی واقع ہوئے ہیں۔ ہمارا حکم نامہ لے جاؤ اور کل صبح انہیں اس چوہے دان کی سیر کرا لاؤ۔"

بغورچی نے ادب سے سر جھکا دیا۔

اگلے روز شام کے وقت چاروں قاصد بغورچی کے ساتھ اس سرنگ میں داخل ہو رہے تھے جہاں اباقہ کو رکھا گیا تھا۔ دروازے کے آہنی قفل کھلے اور تاریک کوٹھڑی میں مدھم روشنی پھیل گئی۔ قاصدوں کو اپنے سامنے ایک عجیب الخلقت شخص نظر آیا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھ پاؤں گندے تھے اور ناخن نوٹ چکے تھے۔ اس کی سفید آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ایک دیوار سے ٹیک لگائے بے حرکت بیٹھا تھا' قاصدوں کی طنزیہ نظریں اس پر جم کر رہ گئیں' مگر وہ زیادہ دیر اس کی طرف نہ دیکھ سکے کیونکہ قیدی کے چہرے پر عجیب سی وحشت برس رہی تھی۔ انہوں نے کوٹھڑی کے درو دیوار کا بغور جائزہ لیا اور آہنی دروازے کو ٹھونک بجا کر دیکھتے رہے۔ اگر وہ اباقہ کو اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کرنے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اس کے پیچھے دیوار میں ایک گڑھا نمودار ہو چکا ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

☆------☆------☆

وقت رینگتا رہا۔ قراقرم کا نیلا آسمان رات اور دن کے چولے بدلتا رہا اور پھر موسم سرما پوری حشر سامانیوں کے ساتھ صحرائے گوبی پر وارد ہو گیا۔ یخ بستہ ہواؤں نے زندگی کو ٹھٹھرا کر رکھ دیا۔ منگول اپنے گول خیموں میں مقید ہونے لگے۔ شکار ندارد اور گھاس ناپید ہو گئی ..... خاقان اوغدائی بیمار تھا۔ وہ اپنے ذاتی محافظ دستے اور مصاحبین کے جم غفیر کے ساتھ ابھی تک نیلی جھیل کے کنارے مقیم تھا۔ اس کے چینی دانا یوسف چائی نے کہا بھی کہ سخت سردی میں جھیل کے کنارے قیام مناسب نہیں' اب قراقرم واپس چلنا چاہئے مگر اوغدائی نے اس کی بات نہیں مانی۔ جھیل چھوڑنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ آج کل وہ شراب ضرورت سے زیادہ استعمال کرتا تھا اور ہر وقت اداس رہتا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی پریشانی چپک کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی اسے بڑے بھیانک خواب آتے تھے۔ ایک روز اس نے "سکائی" نامی شامانی نجومی کو بلا کر کہا۔

"مجھے کچھ دن سے ایک عجیب خواب آ رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا جانور جس کی شکل چوہے جیسی ہے کسی دیوار کو کرید رہا ہے' میں اسے دیوار کی دوسری طرف سے دیکھتا ہوں اور بھگانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ الٹا مجھ پر غرانے لگتا ہے اور دوبارہ دیوار کریدنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔"

نجومی نے اس خواب کی تعبیر خاقان کو یہ بتائی کہ اس کا کوئی بدخواہ سازشوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصروف ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو گا اور اپنی موت آپ مارا جائے گا۔ تاہم خاقان اس تعبیر سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے کچھ دوسرے نجومیوں کو بلایا انہوں نے اس خواب کی مختلف تعبیریں بتائیں۔ کسی نے کہا کہ منگولوں کا یورپ میں لڑنے والا لشکر کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ کسی نے کہا وبا پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ خاقان رنگ رنگ کی تعبیریں سن کر زچ ہو گیا اور اس نے سب نجومیوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔

ایک روز خاقان کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو وہ لیوست چائی کے مشورے کے خلاف پھر سوار ہو کر شکار کھیلنے کو تیار ہو گیا۔ جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تو ایک منگول چرواہا اس کے پاس آکر فریاد کرنے لگا کہ ایک بھیڑیا اس کی بھیڑوں کو کھائے جا رہا ہے۔ خاقان کے اشارے پر منگول سوار چرواہے کی مدد کو لپکے اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک بھیڑیا خاقان کے سامنے پیش کیا' جسے انہوں نے جال باندھ رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاقان اس جانور کو دیکھتا اور تذبذب میں اپنی لگام مروڑتا رہا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ انعام کے طور پر اس چرواہے کو کچھ بھیڑیں دے دی جائیں اور بھیڑیے کو کھول دیا جائے۔ طبلچی اور محافظ حیرت سے خاقان کی طرف دیکھنے لگے۔ اوغدائی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس بھیڑیے کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ یہ واپس جا کے اپنے ساتھ کے اور بھیڑیوں کو خبردار کرے گا کہ میں کیسے سخت خطرے میں گرفتار ہوا تھا اور پھر سارے بھیڑیے اس علاقے سے نکل جائیں گے۔"

اوغدائی کی بات سننے والے سمجھ نہ پائے کہ وہ ابھی تک نشے میں ہے یا اس کے دل میں کوئی انوکھی ترنگ آئی ہے۔ بہرحال انہوں نے بھیڑیے کو چھوڑ دیا لیکن وہ ابھی خیمے سے باہر بھی نہ نکلنے پایا تھا کہ خیمہ گاہ کے کتوں کے جم غفیر نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے مار ڈالا۔ اس واقعے سے اوغدائی کا دل بیٹھ گیا۔ گھوڑے سے اتر کر وہ اپنے شامیانے میں گیا اور تادیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس نے شکار کا خیال ترک کر دیا۔ بالآخر اس نے کہا "میری طاقت سلب ہو رہی ہے۔ میرا خیال تھا کہ جاودانی آسمان مجھے کچھ دن اور زندہ رکھے گا' مگر اب محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ بھیڑیے کے مرنے کا شگون میرے لیے اچھا نہیں نکلا۔" اپنے گدے پر آکر اس نے پھر شراب نوشی شروع کر دی۔

☆ ------ ☆ ------ ☆

وہ ٹھٹھرے ہوئے دسمبر کی ایک طوفانی رات تھی۔ تند و تیز ریتلے جھکڑ قراقرم کی وسعتوں کو تہہ و بالا کر رہے تھے۔ رہ رہ کر آسمان پر بجلی کے کوندے لپکتے تھے اور مہیب گرج سے وحشی منگولوں کے دل دہل جاتے تھے۔ مائیں اپنے بچوں کو بتا رہی تھیں کہ آج

آسمان دیوتا غضبناک ہے۔ مرد خاموش بیٹھے تھے اور بوڑھی عورتیں آنکھیں بند کئے قدیم مناجات پڑھنے میں مصروف تھیں۔ گھٹا ٹوپ فضا میں ایک عجیب طرح کا خوف رچا ہوا تھا۔ ایک تہائی رات گزر چکی تھی جب قراقرم کے اس بدترین قید خانے کے ایک گوشے میں مدھم کھٹکا سنائی دیا۔ پتھر کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی ٹوٹ کر پتھریلی زمین پر گری اور اس کے گرنے کی آواز طوفان کے شور میں جذب ہو کر رہ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد ایک اور بڑی ٹکڑی پتھر سے علیحدہ ہو کر نیچے گری اور اس کے ساتھ ہی انسانی ہاتھ نمودار ہوا۔ یہ میلا کچیلا ہاتھ پتھریلی دیوار سے زور آزمائی کرنے لگا۔ کتنی ہی دیر در و دیوار پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی رہی اور کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر جب ایک بار زور سے بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں ایک عجیب منظر نظر آیا۔ پتھریلی دیوار میں ایک گہرا شگاف ہو چکا تھا اور اس میں سے ایک عجیب وضع انسان برآمد ہو رہا تھا۔ اس کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اور آنکھیں شمعوں کی طرح روشن تھیں۔ طوفانی ہوا نے قید خانے کے احاطے اور فصیلوں پر جلنے والی تمام مشعلیں بجھا ڈالی تھیں اور پہریدار رعد و کڑک سے خوفزدہ ہو کر مختلف گوشوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ عجیب حلیہ شخص باہر نکلا اور کسی سائے کی طرح رینگتا ہوا قید خانے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا .... کچھ ہی دیر میں وہ طوفانی جھکڑوں میں لپٹا ہوا قید خانے سے باہر تھا۔ طوفان کی گھن گرج میں اس کی زنجیروں کا مدھم شور سنائی دے رہا تھا اور وہ جھک کر چلتا دھیرے دھیرے قید خانے سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا رخ ایک خاص سمت میں تھا۔ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا وہ بالآخر ایک بڑے خیمے کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ یہ خیمہ قراقرم کے ہزاروں لاکھوں خیموں میں سے ایک تھا مگر اس کی دودکش (چمنی) بہت بڑی تھی۔ کچھ دیر وہ شخص اپنی سفید آنکھوں سے خیمے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے دروازے کی ڈوری توڑی اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک آہن گر (لوہار) کا خیمہ تھا۔ شمعدان کی مدھم اور لرزاں روشنی میں ایک طرف جنگی ہتھیاروں کے سانچے نظر آ رہے تھے۔ خیمے کے ایک کونے میں ایک بہت بڑی بھٹی تھی جو اس وقت سرد پڑی تھی' اس کے قریب ہی آہن گری کے اوزار دھرے تھے۔ آہن گر ایک نرم بستر پر کسی عورت کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ مدھم روشنی میں ان دونوں نے حیرت سے اجنبی کو دیکھا اور ان کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

"ک .... کون ہو تم؟" آہن گر نے بے حد خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

اس دوران اجنبی ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آہن گر کے سامنے کر دیے۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک عجیب ہیبت ناک آواز نکلی۔ "اس ....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زنجیر.......... کو کھولو۔"

آہن گر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹوں کو جنبش ہی دی تھی کہ اجنبی نے جھکے سے اپنے دونوں ہاتھ پوری قوت سے گھما کر اس کے سینے پر مارے آہن گر بستر سے قلابازی کھا کر اپنی بھٹی کے پاس جا گرا۔ اس کے ساتھ لیٹی لڑکی دھکا لگنے سے زمین پر گر گئی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے چیخنا چاہا مگر اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی کیونکہ اجنبی نے پلک جھپکتے میں اس کا گلا دبوچ کر گردن کی ہڈی توڑ ڈالی تھی۔ آہن گر نے یہ منظر سکتے کے عالم میں دیکھا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ یوں لگتا تھا اس میں چلانے یا خیمے سے بھاگ جانے کی سکت بھی نہیں رہی۔ اجنبی اپنی سفید آنکھوں سے گھورتا ہوا اس کے سر پر پہنچا اور ایک بار پھر اپنے ہاتھ آہن گر کے آگے کر دیے۔ آہن گر' نے کانپتے ہاتھوں سے اوزار سنبھالے اور اجنبی کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔

کوئی تین گھڑی بعد آہن گر کے خیمے میں آہن گر اور اس کی بیوی کی سربریدہ لاشیں پڑی تھیں اور اجنبی ایک منہ زور گھوڑے پر سوار طوفانی رفتار سے قراقرم کے مضافات کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی منزل نیلی جھیل تھی' جہاں وقت کا ظالم ترین حکمراں اپنے سفاک ترین مصاحبوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اجنبی کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹ تھا۔ کندھے پر رسے کی ایک کمند تھی۔ دائیں ہاتھ میں تلوار تھی اور آنکھیں سفید ہیروں کی طرح دمک رہی تھیں .... وہ اباقہ تھا۔

اس تاریک کوٹھڑی میں ڈیڑھ برس سے جو لاوا چپکے چپکے کھول رہا تھا وہ آج پتھر توڑ کر بہہ نکلا تھا ڈیڑھ برس بعد آج وہ بلا آزاد ہو گئی تھی جسے زنجیروں میں جکڑ کر منگول فراموش کر چکے تھے اور.......... آج کی رات اسی بلا کی تھی .... ہاں وہ انسان نہیں تھا ایک بلا تھی' جس کے روئیں روئیں میں خون آشامی رچی ہوئی تھی۔ اس کے دل کی جگہ ایک بہت بڑا انگارہ دہک رہا تھا اور اس انگارے کی تپش نے اسے دنیا و مافیہا سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ چرمی کوڑے سے گھوڑے کی کھال ادھیڑتا رہا اور اسے تیز سے تیز تر دوڑاتا رہا۔

☆=====☆=====☆

یہ دسمبر 1241ء کی 11 تاریخ تھی۔ کافی روز بیمار رہنے کے بعد خاقان اوغدائی کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی۔ صبح اسے عطر آمیز گرم پانی سے غسل صحت دیا گیا تھا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور نیلی جھیل کے کنارے خاقان کی صحت یابی کی خوشی منائی جا رہی تھی۔ خاقان اپنے شاندار محل میں آرام دہ گدے پر بیٹھا ہلکی قسم کی شراب پی رہا تھا۔ سیورا قطنی کی ایک بہن اور اس کا ایک بھتیجا بھی شراب نوشی میں اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ دو

چینی رقاصائیں بھڑکیلے لباس پہنے مدھم سازوں پر باری باری رقص پیش کر رہی تھیں۔ یہ محفل رات گئے تک جمی رہی اور پھر خاقان سونے کے لیے اپنی خواب گاہ میں چلا گیا .... یہ محفل خاقان کی زندگی کی آخری محفل تھی۔ جو شراب اس نے پینا تھی وہ پی چکا تھا' جو رقص اس نے دیکھنا تھا دیکھا چکا تھا' وہ اپنے حصے کا ظلم بھی کر چکا تھا اور اپنے حصے کی حکومت بھی ....

.... اس وقت 11 دسمبر کی شب کا دوسرا پہر شروع ہوا تھا جب اباقہ ایک سائے کی طرح خاقان کے محل کے سامنے پہنچا۔ اس کے جسم میں جیسے بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اس کی حرکات و سکنات میں ناقابل یقین سرعت اور ہوشیاری تھی۔ پہریداروں کی تیز نظروں سے بچتا وہ محل کی دیوار کے پاس پہنچ گیا' یوں لگتا تھا آج قدرت بھی اس کی مدد پر تُلی ہوئی ہے۔ محل کے اس حصے میں موجود تینوں پہریدار شراب کے نشے میں اتنے بدمست تھے کہ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر جھیل کے کنارے پڑے تھے۔ اباقہ انہیں نگاہ میں رکھتا ہوا بالکل دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ پھر اس نے رسے کی کمند ہوا میں اچھالی جو پہلی ہی کوشش میں چھت کے کنگروں میں پھنس گئی۔ اباقہ کچھ لمحے ساکت کھڑا رہا۔ تب اس نے تلوار دانتوں میں دبائی اور بے انتہا پھرتی سے کمند پر چڑھتا چلا گیا۔ چھت پر پہنچ کر اس نے کمند اوپر کھینچی اور اسے لپیٹ کر ایک کونے میں رکھ دیا۔ پھر وہ ننگے پاؤں بے آواز چلتا محل کی سیڑھیوں پر پہنچا۔ چند زینے اتر کر اس نے نیچے جھانکا۔ غلام گردشوں میں مسلح محافظوں کا گشت جاری تھا۔ ان کی عریاں تلواریں' فانوسوں اور شمعدانوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں .... مگر لگتا تھا اباقہ تمام خطرات سے بے نیاز ہو چکا تھا .... آج اس کی نظر میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ اس کی روشن آنکھیں کسی درندے کی طرح متحرک تھیں۔ بلّی کی چال چلتا وہ زینوں سے اُترا اور لومڑی کی عیاری سے پہریداروں کو دھوکا دیتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اس کے پاؤں تلے نرم قالین تھا اور فضا مشک و عنبر میں بسی ہوئی تھی۔ حریری پردوں کی آڑ لیتا ہوا وہ کمرہ کمرہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے چاروں طرف موت کا پہرہ تھا اور وہ ابھی تک ننگی تلواروں کے نرغے میں یوں محفوظ تھا جیسے بتیس دانتوں کے بیچ زبان سلامت رہتی ہے۔ دو ایک جگہ وہ پہریداروں کی نظر سے بال بال بچا اور آخر عالیشان خواب گاہ کے سامنے پہنچ گیا جہاں چنگیز کا سفاک بیٹا اپنی تمام قہر سامانیوں کے ساتھ محو خواب تھا۔ اباقہ نے لپک کر دبیز پردہ ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ مگر یہ خواب گاہ دو حصوں میں تقسیم تھی۔ خاقان جس حصے میں سوتا تھا وہ اس سے آگے تھا۔ یہ حصہ قاخان کے اس محافظ کے لیے مخصوص تھا جو ساری رات پلک نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھپکتا تھا اور ننگی کٹار لیے چوکس کھڑا رہتا تھا۔ جونہی اباقہ اندر داخل ہوا اس حبشی محافظ نے گھوم کر اسے دیکھا اور دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ یہ حبشی غلام جوزف تھا۔ وہی جوزف جس نے نبیلہ کو ہلاک کیا تھا۔ خواب گاہ کی نہایت مدھم روشنی میں اس کا سیاہ سراپا کسی سائے کی مانند نظر آرہا تھا۔ چوڑے پھل کی ایک وزنی کٹار اس کے کندھے پر تھی اور اس کا چوڑا سینہ کسی دیوار کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ ان ڈیڑھ برسوں میں حبشی جوزف ترقی کی منازل طے کرتا ہوا خاقان کا ذاتی محافظ بن چکا تھا اور خاقان اس پر بے پناہ اعتماد کرتا تھا اور وہ تھا بھی اعتماد کے قابل۔ بلا کا سخت کوش' بہادر اور پاگل پن کی حد تک وفادار۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کئی کئی روز بغیر خوراک اور پانی کے گزارا کر سکتا ہے اور ہفتے میں صرف ایک شب کے لئے سوتا ہے۔ اس وقت یہ عجیب و غریب شخص سینہ تانے اباقہ کے سامنے کھڑا تھا۔ گھنگھریالے بالوں کے نیچے اُس کی آنکھیں یک ٹک اباقہ کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اباقہ بھی بے حس و حرکت اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اپنی تلوار پر اُس کی آہنی گرفت مضبوط تر ہو رہی تھی اور آنکھوں کے ہیرے شدت قہر سے جلنے لگے تھے۔ محسوس ہوتا جیسے اُس کے جسم سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں جو ہر مدمقابل شے کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتی ہیں .... پھر اچانک حبشی جوزف دھیمے قدموں سے چلتا اباقہ کے قریب پہنچ گیا۔ ملگجی تاریکی کی کوکھ سے اُس کی مدھم آواز اُبھری۔

"خاقان کو قتل کرنے آئے ہو؟"

اباقہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے ہاتھ کی تلوار ہی اُس کے سوال کا جواب تھی۔ حبشی نے کہا۔ "اباقہ تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ اتنی آسانی سے خاقان کی خوابگاہ تک پہنچ سکو گے؟ کیا تم نے خاقان کے غلاموں کو اتنا بے خبر جان لیا تھا؟" اباقہ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ حبشی کچھ دیر اُس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور خود ہی کہنے لگا۔ "لیکن .... میں تیری راہ میں نہیں آؤں گا۔ تُو جس کام کے لئے آیا ہے وہ انجام دے سکتا ہے۔" اباقہ کے بے جان چہرے پر حیرت کا مدھم عکس نظر آیا۔ اُس نے گونج دار آواز میں کہا۔ "کیوں؟"

حبشی نے کہا۔ "اس سوال کا جواب میں تجھے بعد میں دوں گا فی الحال تُو یہی سمجھ لے کہ تیری اور میری ضرورت ایک ہے۔"

اباقہ نے حبشی کی پُر پیچ باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پُرہیبت آواز میں کہا۔ "کہاں ہے وہ؟"

حبشی نے ایک بغلی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اباقہ چوکنی نظروں سے حبشی کو تکتا دروازے کی سمت بڑھا اور سرخ رنگ کا مخملیں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ خاقان اپنے شاندار گدے پر محو خواب تھا۔ اُس کا ریچھ نما جسم بے ڈھنگے انداز میں پھیلا ہوا تھا۔ اس وسیع و عریض گدے پر اُس کے ساتھ اُس کی 28 عدد حسین بیویاں سویا کرتی تھیں مگر یوست چائی کے پیہم اصرار پر اُس نے تنہا سونا شروع کر دیا تھا۔ اُس چینی دانا نے اوغدائی کو یہ باور کرایا تھا کہ عورت اور شراب کی اندھا دھند قربت اُس کی صحت کو برباد کر دے گی۔

اباقہ بغور اُس کا چہرہ تکتا رہا۔ اُس کے کانوں میں کچھ دور افتادہ چیخیں گونج رہی تھیں۔ پتہ نہیں یہ کسی کی چیخیں تھیں۔ شیزی کولت کی تھیں' قاسم کی تھیں یا علی اور نبیلہ کی تھیں۔ وہ ان چیخوں کو پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ ان چیخوں میں سینکڑوں' ہزاروں اور چیخیں بھی شامل ہوتی جا رہی تھیں۔ ایران و ترکستان کے مظلوموں کی چیخیں۔ چین و ختا کے مجبوروں اور روس کے مقتولوں کی چیخیں۔ اباقہ کا چہرہ خوفناک ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک خاقان اوغدائی نے گہری نیند سے آنکھیں کھول دیں۔ شاید اُس کی چھٹی حس نے اُسے خبردار کیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ یا شاید اباقہ کے جسم سے نکلنے والی غضب کی غیر مرئی لہروں نے اُسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ یا ہو سکتا ہے اُس نے پھر وہی چوہے والا بھیانک خواب دیکھا ہو .... اُس کی آنکھیں کھلیں تو اباقہ اُس کے سامنے تھا۔ اوغدائی کے چہرے پر دنیا جہاں کا خوف سمٹ آیا۔ اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کتنی ہی دیر وہ اسی سکتے میں رہا۔ تب اُس کی رگوں میں چنگیزی خون نے ہلچل کی۔ اُس نے تیزی سے کروٹ بدلی اور اُٹھ کر اپنی تلوار کی طرف لپکا مگر دو قدم ہی چلا تھا کہ شب خوابی کا لباس اُس کے پاؤں تلے آگیا اور وہ الجھ کر اوندھے منہ قالین پر گرا۔ کروٹ بدل کر اس نے پھر اباقہ کو دیکھا جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ یہ سب کچھ خواب نہیں۔ اس کی پتلیاں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ یکایک اباقہ وحشت سے دیوانہ ہو گیا۔ اُس کے حلق سے ایک لرزہ خیز غراہٹ نکلی اور وہ درندے کی طرح اوغدائی پر جھپٹا۔ اوغدائی نے اباقہ کو اپنے اوپر آتے دیکھا تو اُس نے جوزف کو آواز دی۔ مگر ابھی جوزف کا "ف" اُس کے حلق سے برآمد نہیں ہوا تھا کہ اباقہ کے آہنی ہاتھ اُس کی گردن پر پہنچ گئے۔ نہایت وحشت سے اُس نے اوغدائی کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک دھند سی چھا گئی تھی اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک جوزف نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اباقہ! چھوڑ دے اسے' یہ تو مرگیا ہے۔"

اباقہ نے حیرت سے اوغدائی کی طرف دیکھا۔ واقعی وہ ایک مردہ شخص کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ اوغدائی تو اُسی وقت مرگیا تھا جب اباقہ کے ہاتھ اُس کی گردن سے چھوٹے تھے۔ بے پناہ خوف نے اُس کی حرکت قلب بند کردی تھی۔ وہ چہرے پر سخت دہشت لئے راہی عدم ہو چکا تھا۔ اباقہ نے غرا کر اپنی تلوار اٹھائی اور اوغدائی کی لاش پر جھپٹا۔ انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اُس کے جسم کے سینکڑوں ٹکڑے کر ڈالے گا مگر اُس وقت حبشی غلام اُس کے سامنے آگیا۔

"نہیں اباقہ۔" وہ بولا۔ "اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم اپنے ساتھ میری زندگی بھی خطرے میں ڈال دو گے اور تمہارا انتقام بھی ادھورا رہ جائے گا۔"

حبشی کے آخری الفاظ نے اباقہ کے تنے ہوئے عضلات نرم کر دیئے۔ دفعتاً اُس نے مردہ خاقان کی جانب سے رخ پھیرا اور لپک کر حبشی کی گردن تھام لی۔ اُس کی گرفت اتنی بلا خیز تھی کہ حبشی کا چہرہ خون کے دباؤ سے تاریک ہو گیا۔ اباقہ کے ہونٹوں سے رونے پر لرزا طاری کرنے والی سرگوشی برآمد ہوئی۔

"اوغدائی کا محافظ دستہ کہاں ہے؟"

حبشی نے بمشکل اپنی گردن چھڑائی اور جلد کو سہلاتا ہوا بولا۔ "آ میرے ساتھ' میں تجھے سب کچھ بتاؤں گا' مجھ پر بھروسا کر۔ میں تجھے کہہ چکا ہوں کہ تیری اور میری ضرورت ایک ہے۔"

خوابگاہ کی کمزور روشنی میں حبشی کے تاثرات نظر نہیں آتے تھے مگر اُس کا لہجہ سچائی کا گواہ تھا۔ اباقہ غرایا۔ "چلو۔"

حبشی بولا۔ "ٹھہرو۔ پہلے خاقان کو اس کے بستر پر لٹا دیں ورنہ وقت سے پہلے ہی حشر برپا ہو جائے گا۔"

حبشی نے اباقہ کے ساتھ مل کر خاقان کو قالین سے اٹھایا اور بستر پر لٹا کر اوپر توشک ڈال دی۔ منگول تاریخ کی اس سنسنی خیز خبر کو صبح تک کے لئے توشک کے نیچے چھپا دیا گیا تھا۔ حبشی اباقہ کو لیتا ہوا ایک اندرونی راستے کی طرف بڑھا۔ وہ محل کے گوشے گوشے سے واقف تھا۔ نہایت رازداری اور ہوشیاری سے وہ اسے محل سے باہر نکال لایا۔

اب وہ دو تاریک سایوں کی مانند جھیل کے کنارے کھڑے تھے' اُن کی ایک طرف جھیل کا ساکت پانی تھا اور تین اطراف دیودار کے اونچے درخت تھے۔ رات سرد تھی اور سیاہ آسمان پر صحرائے گوبی کے ستارے کپکپا رہے تھے۔ حبشی نے کہا۔

"خاقان کا محافظ دستہ اپنی فوجی قیام گاہ میں ہو گا۔ مگر اُس قیام گاہ تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تم محافظ دستے کے سالار پر قابو پا لو اور یہ کام کوئی ایسا دشوار نہیں۔ دستے کا سالار ایک عراقی عبداللہ مشہدی نامی ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ علیحدہ خیمے میں رہتا ہے۔ یہ خیمہ یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ میرا خیال ہے اس وقت مشہدی وہیں پر ہو گا۔"

مشہدی کا نام سن کر اباقہ کی رگوں میں خون کی گردش تیز تر ہو گئی۔ بے خیالی میں اُس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر گھومنے لگا۔ اُس نے حبشی سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "چلو"

حبشی اسے لے کر درختوں کے درمیان جھیل کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگا۔ اوغدائی کے محل کے ساتھ ہی مصاحبین کے لئے کچھ اور عمارتیں تھیں اور اُن سے ملحق ایک وسیع پڑاؤ تھا جس میں سینکڑوں گول خیمے ایستادہ تھے۔ خیموں سے کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی کبھار کسی پہریدار کی پکار بھی ان آوازوں میں شامل ہو جاتی تھی۔ خیموں میں جلتی ہوئی مشعلوں کی روشنی درختوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ کچھ درختوں کے ساتھ بڑی بڑی مشعلیں باندھ دی گئی تھیں تاکہ جنگلی جانور پڑاؤ کا رخ کرنے سے باز رہیں۔ کسی کسی جگہ آگ کے الاؤ بھی روشن تھے اور ان کے گرد ابھی تک منچلے شکاری بیٹھے گپ بازی میں مصروف تھے لیکن یہ سب کچھ جھیل سے ہٹ کر تھا اور حبشی اور اباقہ چونکہ جھیل کے کنارے جا رہے تھے لہٰذا پڑاؤ والوں کی نگاہ سے محفوظ تھے۔ دونوں تاریکی کا سینہ چیرتے آخرکار ایک بڑے خیمے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

حبشی نے پست آواز میں کہا۔ "یہ ہے سردار مشہدی کا خیمہ۔" پھر اُس نے اپنی بھاری بھرکم کٹار نیام میں ڈالی اور آگے بڑھ کر مشہدی کو آواز دی۔ تھوڑی دیر بعد اس شاندار خیمے کا دروازہ کھلا اور تیس بتیس سال کی ایک خوبصورت عورت نے باہر جھانکا۔ اس کے ہاتھ میں شمعدان تھا اور عقب میں دو بچے نظر آ رہے تھے۔ ایک لڑکی تھی جس کی عمر دس سال رہی ہو گی۔ دوسرا سات آٹھ سالہ لڑکا تھا۔ عورت نے حبشی کو سرتاپا گھورا پھر بولی۔

"جوزف! کیا بات ہے؟"

جوزف نے کہا۔ "مالکن! آقا کدھر ہیں؟"

اُس وقت عورت کی نگاہ حبشی کے عقب میں کھڑے اباقہ پر پڑی اور وہ ٹھٹک گئی۔ تاریکی میں اباقہ کا تنگ دھڑنگ ہیولا اُسے عجب پُراسرار لگا تھا۔ اس نے مشکوک لہجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

"تمہیں کیا کام ہے؟"

حبشی نے کہا۔ "مالکن! اُن کے لئے خاقان محترم کا خصوصی پیغام ہے۔"

عورت کچھ دیر تذبذب میں رہی پھر بولی۔ "وہ سب لوگ تو سفید محل میں ہیں۔"

"بہت شکریہ مالکن۔" حبشی نے جھک کر کہا۔ پھر آداب پیش کر کے اباقہ کے پاس آ گیا۔ دونوں پھر جھیل کے کنارے چلنے لگے۔ دس بیس قدم آگے جا کر حبشی نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ کچھ دور درختوں میں روشنیاں چمک رہی تھیں اور سازوں کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ حبشی نے کہا۔

"وہ جگہ سفید محل ہے۔ اس کا ایک چوتھائی حصہ جھیل کے اندر ستونوں پر کھڑا ہے' یہ چنتائی کی تخلیق ہے۔ خاقان کبھی کبھی شام کے وقت اس محل کی چھت سے جھیل کا نظارہ کیا کرتا تھا۔ مشہدی کی بیوی نے بتایا ہے کہ خاقان کا محافظ دستہ اور دستے کا سالار سب اس وقت سفید محل میں ہیں۔ میرا خیال ہے وہاں خاقان کے جشن صحت کے سلسلے میں کوئی تقریب برپا ہے۔ ان لوگوں کو تو رنگ رلیاں منانے کے لئے بس بہانے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

حبشی کی باتیں سن کر اباقہ کے پتھریلے چہرے پر درندگی پھیلتی جا رہی تھی۔ جوزف نے کہا۔ "اباقہ! جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے تم خاقان کے محافظ دستے سے انتقام لینا چاہتے ہو کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو تمہیں عراق سے گرفتار کر کے لائے تھے اور جنہوں نے تمہارے ساتھیوں کو ہلاک کیا۔ بعد میں خاقان نے انہیں اپنے ذاتی دستے میں شامل کر لیا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

اباقہ یکسر خاموش تھا۔ لگتا تھا وہ جوزف کی بات سن ہی نہیں رہا اُس کی نگاہیں دور سفید محل کی روشنیوں کی طرف لگی تھیں اور مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ نتھنے کسی خون آشام جانور کی طرح پھول گئے تھے اور گلے کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ یکایک اُس نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور روشنیوں کی طرف بھاگا۔ جوزف ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا پھر اُس نے بھی اباقہ کی تقلید کی۔ دونوں آگے پیچھے بھاگتے' درختوں میں گھری ہوئی ایک تنہا عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ لکڑی اور پتھر کی بنی ہوئی یہ گول عمارت عین جھیل پر واقع تھی۔ اس کا کچھ حصہ جھیل کے اندر ستونوں پر کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دروازے تھے۔ اس وقت اباقہ اور جوزف کو تین دروازے نظر آ رہے تھے۔ دروازوں پر تین محافظ چوکس کھڑے تھے۔ ایک جگہ افسروں اور سپاہیوں کے

گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور پانچ چھ آدمی اُن کی نگرانی پر معمور تھے۔ عمارت کی بالائی منزل پر کھڑکیوں میں شیشہ کاری کی گئی تھی۔ شیشوں کے اندر پردے کھنچے ہوئے تھے اور ان پردوں کے پیچھے سے شمعدانوں اور فانوسوں کی روشنی یوں پھوٹ رہی تھی جیسے ہلکے بادلوں کی اوٹ سے چاند جھانکتا ہے۔ عمارت کے اندر سے موسیقی کی پُر شور صدا آ رہی تھی۔ ستار' رباب' دف' جلترنگ سب کچھ بجایا جا رہا تھا اور اس بے ہنگم شور میں منگول افسر اور سپاہی رقاصاؤں کے ساتھ مل کر ناچ رہے تھے۔ اُن کے سائے کھڑکیوں میں تھرک رہے تھے اور اُن کی بہکی ہوئی آوازیں عمارت کے باہر تک پہنچ رہی تھیں۔ پھر یکبارگی یہ ہنگامہ تھم گیا۔ کھڑکیوں میں ناچتے سائے بھی ساکت ہو گئے تب کسی شخص کی مدھم آواز عمارت کے اندر سے ابھری۔

"ایک جام ..... خاقان کی درازی عمر کے نام۔"

ایک دوسری آواز ابھری۔ "ایک جام محبوب ملکہ تورا کینہ کے نام۔"

تیسری آواز گونجی۔ "ایک جام اُن دونوں کی لازوال خوشیوں کے نام۔"

اس کے بعد ایک بار پھر وہی ہنگامہ محشر برپا ہو گیا۔ ساز بجنے لگے اور بدمست سائے کھڑکیوں پر تھرکنے لگے ..... دفعتاً اباقہ نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور کسی درندے کی مانند پہریداروں کی طرف جھپٹا۔ اس کا رخ ان پہریداروں کی طرف تھا جو گھوڑوں کی رکھوالی پر کھڑے تھے۔ اس کی تلوار بجلی بن کر پہریداروں پر گری اور اُن میں سے چار کو خاکستر کر گئی۔ باقی دو پہریداروں نے اپنی تلواریں بے نیام کرنا چاہیں مگر اباقہ کے غضب کا سامنا کرنا اب کسی پہریدار کے بس کا روگ نہیں تھا۔ پلک جھپکتے میں اباقہ نے اُن کے جسموں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ اس دوران جوزف بھی اپنی جگہ سے حرکت کر چکا تھا۔ اُس نے دروازے پر کھڑے پہریدار کو اپنی وزنی کٹار کا نشانہ بنایا۔ دو پہریدار چلا کر اُس کی طرف بڑھے۔ ایک پہریدار کا وار اس نے جھک کر بچایا اور اس کی کمر پر ایسی کٹار ماری کہ وہ درمیان سے دو لخت ہو گیا۔ دوسرا پہریدار دہشت سے ٹھٹکا۔ ایک لمحے کا توقف اس کی موت بن گیا۔ اباقہ تاریکی سے ابھر کر عفریت کی طرح اس کی گردن سے لپٹ گیا۔ ہڈی چٹخنے کی صدا آئی اور پہریدار کٹے شہتیر کی طرح زمین بوس ہو گیا۔ پہریداروں کے چلانے سے ان کے تین اور ساتھی مخالف سمت سے نکل کر اباقہ اور جوزف کی طرف بڑھے۔ اس کا مطلب تھا عمارت کی دوسری جانب تین دروازے اور تھے۔ ان تین پہریداروں کو بھی اباقہ کی تلوار نے اس طرح چاٹا کہ انہیں ہاتھ اٹھانے کی مہلت نہ ملی ..... چند لمحوں میں بارہ منگول خاک اور خون میں لوٹ چکے تھے۔ ان کی آخری کراہیں موسیقی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے ہنگم شور میں دم توڑ چکی تھیں۔ اباقہ پر خون سوار ہو چکا تھا اُس کے حلق سے غرابٹیں نکل رہی تھیں۔ اچانک اُس کی نگاہ چند قدم دور ایک خیمے پر پڑی۔ اس خیمے میں کھانے پینے کا سامان ذخیرہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ روغن کے بڑے بڑے برتن بھی نظر آ رہے تھے وہ بھاگتا ہوا خیمے تک پہنچا ایک برتن میں زیتون کا تیل تھا۔ دوسرے میں فانوسوں کے لئے اور تیسرے میں مشعلوں کے لئے روغن تھا۔ اباقہ نے مشعلوں والے روغن کا بڑا برتن کنارے سے تھاما اور اسے گھسیٹتا ہوا دروازے کے سامنے لے آیا۔ حبشی خاموش کھڑا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اباقہ آگے بڑھا اور اس نے عمارت کے دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا۔ وہ دوسرے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے بھی کنڈی چڑھا کر مقفل کر دیا۔ یہی عمل اس نے تیسرے اور چوتھے دروازے کے ساتھ دہرایا۔ چند ہی لمحوں میں وہ عمارت کے تمام دروازے بند کر کے واپس پہلے دروازے پر آ چکا تھا۔ تب اُس نے روغن کے بڑے برتن میں ایک ڈول ڈالا اور اسے روغن سے لبریز کر کے نکال لیا۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے نہایت طاقت سے روغن اچھالا اور بالائی کھڑکیوں تک چھڑکاؤ کر دیا۔ خالی ڈول لے کر وہ دوبارہ بڑے برتن کی طرف لپکا۔ اس کی حرکات و سکنات میں عجب ہولناکی پائی جاتی تھی۔ اس کے ارادے نہایت واضح تھے۔ وہ اس عمارت کو مکینوں سمیت جلا کر راکھ کر دینا چاہتا تھا۔ حبشی جوزف نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اباقہ' انتقام ضرور لو ..... مگر یہ بھی سوچو اس عمارت میں صرف خاقان کے حفاظتی دستے کے ارکان ہی نہیں کچھ اور لوگ بھی ہیں جن میں غلام کنیزیں اور خدمت گار شامل ہیں۔ ممکن ہے اندر موجود رقاصاؤں میں سے بھی کچھ بے گناہ ہوں۔ ان سب لوگوں کے بارے تمہیں سوچنا چاہئے۔"

اباقہ نے اپنے بازو سے حبشی جوزف کو ایسا دھکا دیا کہ وہ دور تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔ بغیر ایک لفظ کہے اباقہ پھر روغن کے برتن کی طرف بڑھا اور ڈول میں روغن بھر بھر کر عمارت کے در و دیوار پر چھڑکنے لگا ..... تھوڑی ہی دیر میں وہ پوری عمارت پر چھڑکاؤ مکمل کر چکا تھا۔ پھر وہ بھاگتا ہوا بڑے دروازے کے سامنے پہنچا اور چمکدار نظروں سے اردگرد دیکھنے لگا۔ چند گز دور ایک درخت پر مشعل اڑی ہوئی تھی۔ یہ کوئی پون گز لمبی مضبوط مشعل تھی۔ اباقہ نے پنجوں کے بل اچھل کر یہ مشعل اتاری اس پر تھوڑا سا روغن پھینک کر اسے روشن تر کیا اور جیسے خواب میں چلتا ہوا عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ اندر اُسی طرح ہنگامہ ہائے ہو جاری تھا۔ سفید محل کے کم و بیش چھ سو مکین اپنی طرف

بڑھنے والی موت سے بے خبر اچھل کود میں مصروف تھے۔ اچانک جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور ایک عورت اباقہ کے پہلو سے نکل کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے ..... یہ وہی عورت تھی جو تھوڑی دیر پہلے انہیں مشہدی کے یورت (خیمے) میں ملی تھی۔ یہ اُس کی بیوی تھی۔ اُس نے عجیب مشکوک انداز میں اباقہ اور جوزف کو دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اُس کا سوال تھا۔

اتنے میں اس کی نگاہ زمین پر پڑی اور شعلوں کی روشنی میں اسے پہریداروں کی لاشیں دکھائی دیں۔ اُس کے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ وہ جوزف سے بولی۔

"جج ..... جوزف' یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

جوزف مجسمے کی طرح ساکت تھا۔ وہ جوزف کو جھنجھوڑنے کے لئے آگے بڑھی مگر اچانک رک گئی۔ نتھنے پھیلا کر وہ کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یکایک اس کی بچی عمارت کے دروازے کی طرف انگلی اٹھا کر چیخی۔ "ماں وہ دیکھو۔ انہوں نے محل کی دیواروں پر تیل چھڑک دیا ہے۔ یہ تیل کی بو ہے۔"

عورت پھٹی نظروں سے کبھی تیل آلود در و دیوار اور کبھی اباقہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا تمام دروازے باہر سے مقفل کئے جا چکے ہیں۔ اچانک وہ زور سے چلائی "نہیں ..... نہیں۔" اُس نے جھپٹ کر اباقہ کے ہاتھ سے مشعل چھیننا چاہی مگر اس نے ایسا جھٹکا دیا کہ وہ ایک بچے کو ساتھ لیتی ہوئی دور جا گری۔ مگر گرتے ساتھ ہی وہ پھر اٹھی اور اس نے بھاگ کر اباقہ کے قدم پکڑ لئے۔ "نہیں ..... خدا کے لئے نہیں ..... خدا کے لئے نہیں۔" اباقہ نے ٹانگیں جھٹک کر اسے دور پھینک دیا۔ وہ چلا چلا کر پہریداروں کو آوازیں دینے لگی لیکن پہریدار نیلے آسمان کے پار اپنے وحشی باپ چنگیز خاں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ عورت نے دیکھا کہ چلانے سے کچھ حاصل نہیں تو ایک بار پھر بھاگ کر اباقہ کے قدموں میں گر پڑی۔ اس کی آواز دہشت سے چیخی ہوئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا قیامت برپا کر رہے ہو۔ خاقان کے عذاب سے ڈرو۔ اس کے غضب سے پناہ مانگو۔"

اباقہ نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں وہ عورت کو جھٹک کر پھر آگے بڑھا۔ اس دفعہ عورت کے ساتھ ساتھ اس کے بچے بھی اباقہ کی ٹانگوں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ وہ اپنے باپ کے لئے رحم کی التجائیں کر رہے تھے اور عورت اپنے شوہر کے لئے گڑگڑا رہی تھی۔ وہ سب جونکوں کی طرح اباقہ سے چمٹے ہوئے تھے اور اباقہ قدم قدم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا وہ جیسے گونگا اور بہرہ ہو چکا تھا۔ اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ تینوں اس کے ساتھ گھسٹتے آ رہے ہیں۔ وہ گھسٹ رہے تھے اور بلک رہے تھے .... اور ابھی تو وہ تینوں بلک رہے تھے مگر کچھ دیر بعد بے شمار بیویوں کو بلکنا اور بچوں کو چیخنا تھا .... ان سب کی آہ و بکا بھی ابھی سے فضاؤں میں پھیلتی محسوس ہو رہی تھی۔ عورت چلا چلا کر اب صرف اپنے شوہر کے لئے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی اگر سب کو نہیں تو صرف میرے شوہر کو چھوڑ دو۔ صرف اسے یہاں سے نکل جانے دو۔ مگر اباقہ کے کان اور ہی کچھ سن رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں کچھ اور ہی منظر تھا۔ سلطان جلال کی خون آلود چادر' عبداللہ مشہدی کا منحوس چہرہ اور اس پر سلطانی خون کے چھینٹے .... اور پھر قاسم کی لاش' علی کی پکار' نبیلہ کی فریاد' وفادار ساتھیوں کی جدوجہد۔ وہ قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور اس بوجھ نے اسے ہر احساس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

عمارت کے مکیں باہر کے حالات سے قطعی بے خبر اپنے حال میں مگن تھے۔ موسیقی طوفان برپا کر رہی تھی۔ جسم تھرک رہے تھے۔ صراحیاں گردش میں تھیں .... اور پھر اباقہ کا مشعل والا ہاتھ اٹھا اور اس نے چوبی دروازے کو آگ دکھا دی۔ شعلے تیزی سے بلند ہوئے اور انتقام .... انتقام پھنکارتے پھیلنے لگے۔ عورت اور اس کے بچوں نے جب آگ بھڑکتے دیکھی تو اباقہ کی ٹانگیں چھوڑ کر چیختے چلاتے پڑاؤ کی جانب بھاگے۔ اباقہ نہایت خاموشی اور سکون سے ایک ایک دروازے کو آگ دکھاتا چلا گیا۔ مہیب شعلے رنگین پردوں والی کھڑکیوں کو ڈھانپنے لگے۔ آگ کی پھنکاریں موسیقی کے شور سے ہم آہنگ ہونے لگیں۔ اباقہ الٹے پاؤں واپس مڑا اور حبشی جوزف کے پہلو میں پتھر کی طرح خاموش کھڑا ہو گیا۔ شعلوں کا عکس اس کے سنگلاخ چہرے پر منعکس ہو رہا تھا۔ آنکھیں کسی اتھاہ گہرائی میں اتری ہوئی تھیں۔ دفعتاً ساز تھم گئے اور ان کی جگہ انسانی چیخیں ابھرنے لگیں۔ پھر دھیرے دھیرے یہ چیخیں بلند سے بلند ہوتی چلی گئیں۔

ناگاہ ایک نامانوس شور نے اباقہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ جھیل کی جانب سے بہت سے لوگ ان کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔ ان میں منگول لشکر کے سپاہی بھی تھے اور عام افراد بھی۔ ان کے ہاتھوں میں پانی کے مشکیزے' ڈول اور دوسرے برتن تھے۔ وہ "آگ آگ" چیخ رہے تھے اور اسے بجھانے کے لئے لپک رہے تھے۔ اباقہ نے مشعل پھینکی اور تلوار سونت کر اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"خبردار!" اُس کے حلق سے دل ہلا دینے والی چنگھاڑ نکلی۔ "کوئی آگے نہ بڑھے۔" اُن میں سے مسلح افراد آگے بڑھے مگر اباقہ نے ان پر ایسی درندگی سے حملہ کیا کہ

ایک ہی ہلے میں انہیں سینکڑوں قدم پیچھے دھکیل دیا۔ اس مرحلے میں حبشی جوزف بھی اس کا پورا ساتھ دے رہا تھا۔ اس نے ایک مردہ پہریدار کا تیر کمان حاصل کیا اور درختوں کی اوٹ سے آگے بڑھنے والوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ معمولی مزاحمت کے بعد آگ بجھانے والے پسپا ہو گئے اور مدد کے لئے پڑاؤ کی طرف بھاگے۔ کچھ عورتیں اور بچے فاصلے پر کھڑے ہو کر ماتم کرنے لگے۔ ہاں یہ ماتم کا وقت تھا۔ کچھ کرنے کا وقت اب گزر چکا تھا' سفید محل آگ کے محل کا روپ دھار چکا تھا۔ شعلوں کی پھنکاروں کے سوا کوئی صدا نہیں تھی' کوئی حرکت نہیں تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس عمارت میں کبھی کوئی انسان تھا ہی نہیں۔ ان گول دیواروں کے اندر جو کچھ بھی تھا وہ نہایت خاموشی سے ختم ہو رہا تھا۔ قراقرم کے مانے ہوئے جنگجو جن میں سے ہر ایک' ایک قیامت تھا' حسین رقاصائیں' خوبصورت غلام' بیش قیمت پردے' نفیس ظروف' شراب کی صراحیاں' ساقی' ساز' سازندے' سب کچھ آگ کا رزق بن رہا تھا۔ آگ کے شعلے ان چار سو وحشیوں کی لاشوں پر مسرت کا رقص کر رہے تھے جنہوں نے آج سے قریباً دو برس پہلے عراق کے سرحدی گاؤں میں سفاکی کی انتہا کر کے اباقہ کی دیوانگی کو للکارا تھا .... اُس کے جنون کو آواز دی تھی۔

☆======☆======☆

سفید محل جل کر بجھ گیا۔ چوہے کا ایک بچہ بھی اس میں سے باہر نہ نکل سکا۔ تاریک فضاؤں میں دھواں اور جلے ہوئے گوشت کی باس رہ گئی .... اور اب اباقہ اور جوزف کو تین اطراف سے منگول گھیر چکے تھے۔ جنگل ان کی مشعلوں سے روشن تھا۔ وہ دونوں ایک پہاڑی کھوہ میں مورچہ جمائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے بھی اس تنگ کھوہ میں داخل کر لئے تھے۔ ان کے پاس بارہ ترکشوں کے تیر اور دو درجن نیزے تھے۔ ان ہتھیاروں سے وہ صبح تک دشمن کو خود سے دور رکھ سکتے تھے۔ مگر وہ صبح کی آمد کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اس سے پہلے ہی دشمن کے نرغے سے نکل جانا تھا .... یا بہادری سے لڑتے ہوئے جان دے دینا تھی۔ کھوہ میں فروزاں مشعل کی روشنی میں اباقہ نے عجیب نظروں سے جوزف کا چہرہ دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔

جوزف نے اس کا انداز بھانپ کر کہا۔ "میری صورت جانی پہچانی لگ رہی ہے؟" اباقہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جوزف نے غیر معمولی انداز سے کہا۔ "مجھے پہچانا نہیں؟" اباقہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اچانک جوزف کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ وہ لرزاں آواز میں بولا۔ "میرے یار اتنی جلدی بھول گئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک اباقہ کا سنگلاخ چہرہ اپنی سختی کھو بیٹھا۔ وہ حیرت ناک نگاہوں سے جوزف کا چہرہ دیکھتا چلا گیا۔

"تت .... تیری آواز۔" اُس کے ہونٹوں سے سرگوشی برآمد ہوئی۔

جوزف نے پتھر میں گڑی مشعل اکھاڑی اور اُسے اپنے چہرے کے بالکل قریب لے آیا۔ اباقہ کو پہلی دفعہ اُس کا چہرہ غور سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس کی گردن اور ٹھوڑی پر زخم کا ایک گہرا نشان تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی شناسائی تھی۔ دفعتاً تلوار اباقہ کے ہاتھوں سے پھسلی اور چھناکے سے پتھروں پر جا گری۔ وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر ہکلایا۔

"تت تم .... تم .... اسد ہو؟"

یکایک حبشی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ اباقہ کے بازو بھی خود بخود کھل گئے۔ پھر وہ دونوں لپک کر ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔

"اسد .... اسد۔" اباقہ بے قراری سے بولا۔ "تُو زندہ ہے؟"

"ہاں میرے یار! میں زندہ ہوں۔" اسد گلوگیر لہجے میں بولا۔

اچانک اباقہ کی بے حسی ختم ہو گئی۔ اُس کی چپ ٹوٹ گئی۔ وہ اسد کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ایک ایسے معصوم بچے کی طرح جو بہت دن بعد بچھڑنے والوں سے ملا ہو۔ اس کا غضب اور قہر آنسوؤں میں ڈھل ڈھل کر اسد کے شانے کو بھگونے لگا۔ اس کے اشکوں کی روانی اسد کی گردن کی نقلی سیاہی کو دھونے لگی۔ بہت دیر بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو دونوں کی آنکھیں غم کے بوجھ سے سرخ تھیں۔ عین اس وقت پہاڑی کھوہ سے باہر منگول ان کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگے۔ مشعلوں کا ایک وسیع دائرہ بناتے وہ قدم قدم کھوہ کی طرف بڑھنے لگے۔ اباقہ نے متحرک شعلوں کو دیکھا تو اس کے جبڑے بھنچ گئے۔ اس نے کہا۔

"اسد! سوال تو بے شمار ہیں، لیکن ہمارے حرکت میں آنے کا وقت آ گیا ہے۔"

اسد نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اباقہ تُو میرے ساتھ ہے تو پھر یہ تین چار سو منگول کیا ان کا پورا لشکر بھی میرا راستہ نہیں روک سکتا۔"

اباقہ نے اسد کی ہمت دیکھی تو اس کا حوصلہ آسمان کو چھونے لگا۔ اس نے اسد کا ہاتھ مضبوطی سے دبایا اور کہا۔ "ٹھیک ہے اسد! صبح کا اجالا، ہمیں نیلی جھیل سے سو کوس دور دیکھے گا۔"

"انشاء اللہ العزیز۔" اسد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

اباقہ نے پتھر سے تلوار اٹھائی۔ اسد نے نیام سے کٹار نکالی۔ پھر دونوں نے اظہارِ محبت کے طور پر اپنے ہتھیار بدلے اور طے شدہ منصوبے کے تحت اپنے اپنے گھوڑے پر بیٹھ گئے۔ کھوہ کی بلندی کم تھی اس لئے انہیں گھوڑوں کی پشت سے چپک جانا پڑا۔ مشعل کو اسد پہلے ہی بجھا چکا تھا۔ وہ کھوہ کی تاریکی میں دم سادھ کر منگولوں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔ منگول نیم دائرے کی شکل میں لحہ بہ لحہ کھوہ کی سمت بڑھ رہے تھے۔ وہ اب اتنے نزدیک آ چکے تھے کہ ان کی مشعلوں کی چرچراہٹ اور ہتھیاروں کی کھنک اسد اور اباقہ کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ بڑے محتاط طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ تاریکی سے اُبھرنے والی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ کچھ چھکڑے ہیں اور وہ ان کی آڑ لیتے ہوئے آ رہے ہیں۔ آخر اباقہ اور اسد کو منگول کماندار کی گرجدار آواز سنائی دی۔

"اباقہ! تجھے اور تیرے ساتھی کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے اگر تُو چند لمحوں میں کھوہ سے نہ نکلا تو ہمیں تمہیں اندر ہی جلا کر راکھ کر دیں گے۔"

اباقہ اور اسد خاموش رہے۔ وہ اپنے گھوڑوں کی گردنوں کو مسلسل سہلا رہے تھے تاکہ وہ ہنہنانے سے باز رہیں .... تھوڑی تھوڑی دیر بعد منگول کماندار نے اپنی دھمکی تین دفعہ دہرائی مگر اباقہ اور اسد کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو آٹھ دس منگولوں کو باآسانی تیروں سے چھلنی کر سکتے تھے۔ بالآخر منگول یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کہیں اباقہ انہیں چکمہ دے کر نکل تو نہیں گیا؟ وہ محتاط انداز سے چند قدم مزید آگے آئے۔ ان کی مشعلوں کی روشنی اب کھوہ کے ایک حصے کو روشن کرنے لگی تھی۔ شاید وہ کھوہ میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ [illegible] اسد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور لگامیں ڈھیلی چھوڑ کر [illegible] ـوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ مشکی گھوڑے جھٹکے سے آگے بڑھے اور ایک ساعت میں رفتار پکڑ کر تند بگولے کی طرح کھوہ سے نکلے۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ محاصرہ کرنے والے ہکا بکا رہ گئے۔ پیشتر اس کے کہ وہ کچھ کر سکتے اباقہ کی کٹار اور اسد کی تلوار بجلی بن کر اُن پر گری اور کئی آدمیوں کو جہنم واصل کر گئیں۔ اپنے زور میں وہ گھیرا توڑ کر نکلے اور گھوڑوں کو بھگاتے چلے گئے۔ وہ سو دو سو قدم دور گئے تھے کہ منگولوں کے عقبی دستے سے واسطہ پڑ گیا۔ رات کے برف پوش اندھیروں میں نعرۂ تکبیر کی ولولہ انگیز صدا بلند ہوئی .... گھوڑے ہنہنائے، تلواریں ٹکرائیں اور ایک زبردست معرکہ شروع ہو گیا۔ اباقہ اور اسد کے مقابل کم و بیش تیس منگول تھے اور ان دونوں کی کامیابی اسی میں تھی کہ وہ جلد از جلد اُن کے نرغے سے نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ منگول ٹوٹ ٹوٹ کر اباقہ پر آ رہے تھے اور اسے ہر صورت زیر کرنا چاہتے تھے مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہی وہ جنگجو ہے جس کی کمان میں لڑنا وہ کبھی اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے۔ وہ اس کی قہر سامانیوں اور خوں ریزیوں سے آگاہ تھے۔ ان کے شمان اور جادوگر انہیں برسوں سے بتاتے آئے تھے کہ اباقہ کے جسم میں شیطانی ارواح حلول کر چکی ہیں اور اس کا جسم اذیت کے احساس سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ وہ اپنی حکایتوں میں اسے ایک مافوق الفطرت انسان کے طور پر پیش کرتے ہیں اور آج وہی مافوق الفطرت انسان کھلے میدان میں ان کے مقابل تھا' ان کے ذہنوں پر خوف مسلط ہو رہا تھا اور بازو شل ہوتے جا رہے تھے ..... اباقہ اور اسد نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس تنگ گھاٹی کو منگولوں کی لاشوں کا قبرستان بنا دیا۔ اس سے پیشتر کہ ہراول صف ان کا تعاقب کرتی ہوئی پہنچتی' اباقہ اور اسد نے ایڑ لگائی اور ان کے گھوڑے سموں سے چنگاریاں چھوڑتے رات کے اندھیرے میں روپوش ہو گئے ..... منگول سوار بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور ان کے تاریک سایوں کے پس منظر میں نیلی جھیل کے کنارے سفید محل کی راکھ سلگ رہی تھی۔

☆======☆======☆

12 دسمبر کے بھیدوں بھرے سورج نے اباقہ اور اسد کو دریائے کیرولان کے کنارے گھنے درختوں میں دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہانپتے ہوئے گھوڑے گھاس پر منہ مارنے کے لئے چھوڑ دیئے تھے اور خود باتوں میں مصروف تھے۔ اسد کہہ رہا تھا۔

"..... میں آٹھ پہر بے ہوش رہنے کے باوجود زندہ رہا۔ میری آنکھ کھلی تو منگول گاؤں کو خاکستر کر کے جا چکے تھے۔ میں نے سلیمان' یورق' شیزی اور قاسم کی لاشیں دفن کیں اور ایک گھوڑا لے کر خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر میرے زخم شدید تھے اور مجھے قریباً ایک ماہ خوارزم میں رک کر علاج کروانا پڑا۔ صحت یابی کے بعد میں نے حبشی کا بھیس بدلا اور قراقرم کا رخ کیا۔ یہاں میں جوزف کے نام سے غلاموں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا تمہیں کہاں رکھا گیا ہے لیکن تمہیں وہاں سے نکالنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں خاموشی سے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ خاقان کے محل کے سامنے مجرموں کو سزائیں دی جا رہی ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو نبیلہ کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا پایا۔ خاقان اوغدائی اس پر درندگی کی انتہا کر دینا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اسے بچا لیا۔"

اباقہ کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ "تو ..... نبیلہ زندہ ہے؟"

اسد نے مایوسی سے کہا۔ "نہیں ..... میں نے اُسے صرف ذلت آمیز موت سے بچایا۔ ہماری اس غیور بہن نے خاقان کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے قتل ڈالا اور ان عذابوں سے بچا لیا جو اس پر ٹوٹنے والے تھے۔ خاقان نے میرے اس فعل کو میری "حاضر جوابی" قرار دیا اور بہت خوش ہوا۔ بعد ازاں میں درجہ بدرجہ ترقی کرتا اس کے ذاتی محافظوں میں شامل ہو گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب مجھے اس کی حفاظت کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ خاقان مجھ پر بہت مہربان تھا اور انعامات سے نوازتا رہتا تھا مگر اس کا ہر انعام میرے سینے میں ایک تیر کی طرح لگتا تھا۔ میں شب و روز اس جستجو میں تھا کہ کس طرح تمہیں اس عقوبت خانے سے نکال سکوں ..... کوشش کے ساتھ میں رات دن دعاؤں میں بھی مصروف رہتا تھا' آخر قدرت کو میری حالت پر رحم آیا اور طویل آزمائش کے بعد کل رات میں نے تمہیں تلوار بدست خاقان کی خوابگاہ میں کھڑے پایا۔ اُس وقت تم پر جنون کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے تم پر اپنی اصلیت ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جوزف کے طور پر تمہارے ساتھ رہا یہاں تک کہ ہمارا "کام" مکمل ہو گیا۔ کیا میں نے غلط کہا تھا کہ تمہاری اور میری منزل ایک ہے؟"

اباقہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اسد نے ایک گہری سانس لی۔ سورج اب افق سے بلند ہو گیا تھا۔ دریا پر جا کر اسد نے اچھی طرح مل مل کر چہرہ دھویا اور تمام کالک اتار دی۔ پھر اس نے اپنے سر کے گھنگھریالے بالوں کو بھی دھو ڈالا۔ پوستین سے رگڑ کر اس نے چہرہ صاف کیا تو چمکتا دمکتا اسد اباقہ کے سامنے تھا۔ صرف ٹھوڑی پر تلوار کا ایک گہرا زخم تھا مگر یہ زخم بھی بہت جلد اُس کی خوبصورت داڑھی میں چھپ جانے والا تھا۔ اسد نے گھوڑے کی تر جبین سے خشک گوشت کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اباقہ کی طرف بڑھا دیا۔ اباقہ نے انکار میں سر ہلا کر گوشت واپس کر دیا۔ اسد کچھ دیر گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"اباقہ! میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ شام یا رات تک واپس آ جاؤں گا۔ یہ جگہ محفوظ ہے۔ تم یہیں پر میرا انتظار کرو گے۔"

اباقہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اسد بولا۔ "میں تمہیں تھوڑا سا حیران کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ نہیں بتاؤں گا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ امید ہے تم رات تک صبر کرو گے۔"

اباقہ خالی نظروں سے اس کا چہرہ تکتا رہا۔ اسد نے چند نوالے لینے کے بعد گھوڑا سنبھالا اور دریا کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک لاکھ خیموں کا شہر قراقرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی رخ پر تھا۔

..... اسد کی واپسی اگلے روز صبح سے پہلے نہیں ہوئی۔ اباقہ اس وقت ایک درخت پر ٹہنیوں کی مچان بنا کر سو رہا تھا۔

اچانک اس کے حساس کانوں نے گھوڑوں کی ٹاپیں سنیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو نگاہ سیدھی اسد پر پڑی۔ مگر اسد کے عقب میں اسے جو کچھ نظر آیا اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ سکتے کی حالت میں یک ٹک دیکھتا چلا گیا ..... اسد کے عقب میں علی اور مارینا کھڑے تھے۔ اباقہ کو یہ منظر خواب کا حصہ لگ رہا تھا' مگر یہ خواب نہیں تھا۔ وہ دونوں اس کے سامنے تھے ..... وہ جست لگا کر درخت سے نیچے آیا اور دیوانہ وار علی کی طرف بھاگا۔ علی "بھائی جان۔" پکارتا ہوا اس سے لپٹ گیا۔ اباقہ دارفتگی میں اس کے گالوں اور سر پر بوسے دینے لگا۔ علی بھی کیکڑے کی طرح اس سے چمٹا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد جب وہ جدا ہوئے تو اباقہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ ان آنسوؤں کی اوٹ سے اس نے مارینا کو دیکھا۔ وہ گلبدن سیاہ چشم' پری چہرہ ایک موٹی اوڑھنی میں خاموش کھڑی تھی۔ اس اوڑھنی میں اس کا حسین' باوقار چہرہ بادلوں کا چاند نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا' نہ غمی کا نہ خوشی کا۔ وہ اباقہ کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ اس کی آواز سن نہیں رہی تھی مگر سن بھی رہی تھی۔ اباقہ نے لرزاں لہجے میں اسد سے کہا۔

"اسد یہ سب کیا ہے۔ یہ دونوں تم تک کیسے پہنچے؟"

اباقہ کے اس سوال کا جواب اسد اللہ نے اس وقت دیا جب وہ اپنا خیمہ گاڑنے کے بعد درختوں کے نیچے دسترخوان بچھا کر ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھے۔

اسد اللہ نے کہا۔ "اباقہ قبیلہ کی شہادت سے پہلے ایک روز خاقان کے محل کے سامنے شادیوں کی ششماہی محفل برپا تھی۔ اس میں مارینا کو ایک ادنیٰ کنیز کے طور پر لایا گیا تھا۔ میں نے جوزف کے روپ میں مارینا کے حصول کا مقابلہ جیتا اور اسے خاقان کے عتاب سے بچا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ جہاں تک علی کا تعلق ہے اس کے بچاؤ میں میرا کوئی ہاتھ نہیں' اس نے خود اپنے آپ کو بچایا ہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد یہ بیمارستان سے فرار ہو گیا تھا۔ قراقرم کے حکام میں جب یہ مشہور ہوا کہ اباقہ کے ساتھ گرفتار ہونے والا بچہ روپوش ہو گیا ہے تو اس کی تلاش میں جس شخص نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی وہ میں تھا۔ اس سرگرمی کے نتیجے میں' میں نے اس کا سراغ لگا لیا۔ یہ بڑی ہوشیاری سے بیمارستان کے اندر ہی ایک تہہ خانے میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اسے وہاں سے برآمد کیا اور نہایت حفاظت سے اپنے گھر لے آیا ..... جہاں یہ قریباً ڈیڑھ برس تک نہایت خاموشی

سے مارینا کے ساتھ رہا ہے۔"

کھانے کے بعد اسد اباقہ اور علی میں باتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ تلخ و شیریں حکایتیں' مہربان واقعات۔ وہ ایک دوسرے کو اپنے حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ مارینا نے اس گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔ بس کبھی کبھار وہ اسد کی کسی بات کا مختصر جواب دے دیتی تھی..... باتوں کا یہ سلسلہ ظہر کے وقت ختم ہوا۔ نماز ادا کرنے کے بعد اسد نے گھوڑوں کی خرجینوں میں موجود خوراک کا اچھی طرح جائزہ لیا اور ایک کاغذ تھامے اباقہ مارینا اور علی کے پاس چلا آیا۔ اس نے اباقہ سے کہا۔

"اباقہ! جیسا کہ میں نے تجھے بتایا تھا۔ خاقان مجھ پر بے حد مہربان تھا۔ میں نے ایک خوشگوار موقعے پر اس سے ایک اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔ اس کے نامے کی رو سے میں کسی بھی بھیس اور نام کے ساتھ سلطنت تاتار کے طول و عرض میں سفر کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ اجازت نامہ ہمارے بہت کام آئے گا۔ خاقان کی موت کے بعد راستے کی چوکیوں پر نگرانی کے انتظامات بہت سخت کر دیے گئے ہیں۔ میں دیکھ کر آ رہا ہوں کہ ڈاک کے راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ مسافروں کو سراؤں میں روک لیا گیا ہے۔ کسی تاجر یا اجنبی کو قراقرم کے دروازوں سے اندر آنے کی اجازت نہیں۔ ان ساری پابندیوں کے باوجود میں مارینا اور علی کو قراقرم سے لے آیا ہوں تو یہ اس اجازت نامے ہی کا کمال ہے ..... میں چاہتا ہوں کہ اس اجازت نامے کے ساتھ ہم یہاں سے براستہ تبت کاشغر پہنچیں اور وہاں سے غزنی کا رخ کریں۔ اس وقت ہمارے لیے بہترین جائے قیام وہی ہے۔ تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

اباقہ اور مارینا بالکل خاموش رہے۔ ان کی خاموشی نے اسد کو غمگین کر دیا۔ اسے محسوس ہوا کہ ان دونوں کی سوچیں اس سے بہت مختلف ہیں۔ تاہم اس نے جی کڑا کر کے اپنا سوال دہرایا تو مارینا خاموشی سے اٹھی اور خیمے میں چلی گئی۔ اباقہ گردن جھکائے کسی اور ہی سوچ میں غرق تھا۔ اسد اپنی جگہ کھڑا سوچتا رہا۔ وہ جانتا تھا۔ مارینا اور اباقہ کے دلوں میں وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے اس نے ان ڈیڑھ سالوں میں یہ خلیج پاٹنے کی بہت کوشش کی تھی۔ وہ اکثر باتوں باتوں میں مارینا سے اباقہ کا ذکر کرتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اباقہ کے بارے اس کے دل کی میل نکل جائے۔ کبھی بھائی بن کر اسے سمجھاتا تھا اور کبھی سہیلی کا لہجہ اختیار کرتا تھا۔ ایک روز مارینا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس نے کہا تھا' اسد تم جانتے ہو اباقہ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ میں شادی شدہ تھی اور وہ کنوارہ تھا۔ اس نے اپنی شادی کر کے مجھے یہ احساس دلایا کہ میں اس کے قابل نہیں تھی۔ کاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت نے میری دوشیزگی نہ چھینی ہوتی اور میں اس کی وفاؤں کی مستحق ٹھہر سکتی۔ اسد نے مارینا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ غلط انداز میں سوچ رہی ہے۔ اباقہ دنیا کی حسین ترین لڑکیوں کو اس کی محبت پر قربان کر سکتا ہے۔ مگر مارینا کے دل میں جو گرہ پڑ چکی تھی وہ کسی صورت نہیں کھلی تھی۔ اس روز مارینا نے اسد سے دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا۔

"اسد، تم میرے بھائی ہو لیکن اگر تم آئندہ میرے سامنے اس کا نام لو گے تو میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

اس دن کے بعد اسد نے مارینا سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس واقعے کو تین چار ماہ گزر چکے تھے اور آج اسد کا دل چاہ رہا تھا کہ صرف ایک بار اور آخری بار مارینا سے یہ بات ضرور کرے۔

دسترخوان سے اٹھ کر وہ بوجھل قدموں سے چلتا خیمے میں پہنچا تو مارینا گھٹنوں پر سر جھکائے دری پر خاموش بیٹھی تھی۔

اسد نے کہا۔ "مارینا، مجھے تمہاری قسم آج کے بعد میں کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کروں گا۔ مگر خدا کے لئے آج میرے بات سن لو۔ قدرت نے ہمیں کتنے امتحانوں سے گزارنے کے بعد پھر ایک جگہ اکٹھا کیا ہے۔ کیا ہم اپنی نادانیوں سے یہ موقع ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے؟ ..... دیکھو مارینا رب العزت نے ہم پر بہت بڑا انعام کیا ہے۔ ہم زندہ ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے ہیں۔ ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالیں تو ایک نئی زندگی ہمارا استقبال کر سکتی ہے۔ عراق کے اس گاؤں میں ہم نے جیسا گھر گنوایا تھا ویسا ہی ایک گھر ہمیں غزنی میں پھر حاصل ہو سکتا ہے۔ اسے ویسے ہی پھولوں سے سجا سکتے ہیں اور زیتون کے پیڑ پر ویسے ہی جھولا ڈال سکتے ہیں۔ تم 'علی' اباقہ اور میں 'میری بیوی ہاجرہ بھی وہاں ہو گی اور میرا بیٹا عثمان بھی۔ وہ دونوں ہمیں نبیلہ اور قاسم کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔ بلخ میں میرا ایک خوش ذوق اور خوش مزاج ملازم نصیرالدین ہے۔ وہ یورق کی عمر کا ہے اور ویسا ہی لحیم شحیم۔ اسے دیکھ کر ہم یورق کا غم بھول جائیں گے۔ پھر آہستہ آہستہ ہمارے ٹوٹے خواب جڑنے لگیں گے، ہمارے زخم بھرنے لگیں گے ..... دیکھو میری بہن صرف ایک بار اپنے فیصلوں پر نظرثانی کر لو ..... ایک نئی اور تازہ بہار ہماری منتظر ہے۔"

مارینا یکسر خاموش رہی۔ اچانک خیمے کا پردہ ہلا اور اباقہ اندر داخل ہوا۔ علی اس کے ساتھ تھا۔ اباقہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ان تاثرات نے اسد کے ذہن میں خدشے وسوسے جگا دیئے۔ اباقہ آہستگی سے اسد کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی تلوار اور

ترکش کے علاوہ وہ چھوٹا سا گٹھا ہوا خنجر بھی اسے دے دیا جس سے اس نے قراقرم کی اندھی کوٹھڑی میں آزادی کا راستہ بنایا تھا۔ اپنے گھوڑے کی خرجین وہ پہلے ہی اسد کے حوالے کر چکا تھا۔ تلوار، ترکش اور خنجر دیکھ کر اسد نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"میں واپس جا رہا ہوں۔" اباقہ نے سر جھکائے جھکائے کہا۔

"کہاں؟" اسد بولا۔

"جہاں سے آیا تھا..... کوہ الطائی کے جنگل میں۔"

"کیا کہہ رہے ہو اباقہ۔ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔"

اباقہ نے آزردہ لہجے میں کہا۔ "ہاں دماغ ہی تو خراب تھا اسد۔ جو اتنے برس خود بھی مصیبت میں مبتلا رہا اور تمہیں بھی رکھا۔ کیا حق پہنچتا تھا مجھے۔ تمہیں جنگ میں جھونکنے کا اور دبدر بھٹکانے کا ..... کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ بے وقوف تھا میں جو جنگجو اور بہادر کہلانے کے شوق میں اپنے ساتھ ساتھ تمہاری زندگیاں بھی داؤ پر لگاتا رہا۔ مجھے معاف کر دینا اسد۔ میں کم عقل تھا، جنگلی تھا اس لیے سلطان معظم کی باتیں سن سن کر جذباتی ہو گیا۔ یہ سمجھنے لگا کہ میں اکیلا ہی اسلام کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔ منگولوں سے ٹکرا سکتا ہوں اور انہیں نیست و نابود کر سکتا ہوں ..... کیا معلوم تھا کہ اس کوشش میں میں اپنے پرائے سب کو دشمن کر لوں گا۔ میں دنیا کا ناکام ترین انسان ہوں اسد۔ بتاؤ کون سی کامرانی ہے میرے حساب میں۔ میری ناکامیوں کی انتہا یہ ہے کہ زمین میرے لیے تنگ ہو گئی ہے۔ کوئی مجھے قبول کرنے کو تیار نہیں لہٰذا میرا واپس جانا ہی بہتر ہے۔" ایک پل رک کر اس نے آنسو ضبط کیے اور بولا۔ "مارینا! تو بھی مجھے معاف کر دینا۔ میری نادانیوں نے تجھے بھی بہت دکھ دیے ہیں۔ جو سلوک تو مجھ سے کر رہی ہے خدا کی قسم میں اسی قابل تھا۔ میری بے شکلی اور بے عقلی پر اس سے زیادہ مہربانیاں اور کی بھی نہیں جا سکتیں۔ میرا وعدہ ہے مارینا ..... میں تجھے اپنی اچھی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تو جب میرے خوابوں میں آئے گی میرا سر تیرے سامنے جھکا رہے گا۔ میں تیرا گناہگار ہوں۔ بہت اکیلا تھا نا۔ کبھی پیار نہیں ملا تھا۔ تمہیں دیکھا تو پاگل ہو گیا۔ اپنے ساتھ ساتھ تمہیں بھی کانٹوں میں گھسیٹتا رہا۔ مجھے معاف کر دینا ....."

اسد چیخا۔ "اباقہ! یہ کیا کہہ رہا ہے۔ ہم بھلا تجھے جانے دیں گے، خدا کی قسم نہیں۔ ابھی تیری تلوار کی ضرورت قراقرم سے بغداد اور مصر تک ہے۔ ابھی تیرے بازوؤں کا سہارا ہر مسلمان سپاہی کو درکار ہے۔ کون کہتا ہے کہ تو ناکام ہے کس کو تیری بہادری پر شبہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ان حکمرانوں اور گدی نشینوں کو چھوڑ۔ عام آدمی کی بات کر۔ آمیں تجھے' بغداد اور بصرہ کی گلیوں میں لے جاؤں اور دکھاؤں کو لوگ تجھے کیا سمجھتے ہیں۔ تیری کہانیاں ان کے لبوں پر اور تیری یاد ان کے دلوں میں ہے۔"

اباقہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ اُبھری۔ "نہیں اسد!" وہ پُر عزم لہجے میں بولا۔ "مجھے اور فریب نہ دے۔ تیرے کہنے سے ایک پتھر' ہیرا نہیں بن جائے گا۔ میں ایک ناکام شخص ہوں اور رہوں گا..... ہاں میں کوشش کروں گا کہ کسی اور شخص کو وہ بنا سکوں جو میں نہیں بن سکا..... میں علی کو اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔ مجھے امید ہے میں کمزور ٹانگوں والے اس لڑکے ..... کو ایک جری بہادر کا روپ دے سکوں گا۔ پھر ایک روز ..... یہ کوہ اطلائی کے ویرانے سے تمہاری دنیا میں آئے گا اور کسی تمہارے جیسے اسد کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا دست و بازو بنے گا۔ میں دعا کرتا ہوں اور تم بھی کرنا کہ اسے خاقان اوغدائی جیسے کافر تو ملیں مگر خلیفہ مستنصر جیسے مسلمان نہ ملیں۔"

اچانک اسد اُٹھ کر اباقہ سے لپٹ گیا اور اس کے گالوں کو بوسے دیتا ہوا بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو میری جان۔ یہ کیا سوچ لیا ہے تم نے؟"

اباقہ نے اسد کو بہ آہستگی خود سے جدا کیا اور بولا۔ "اسد جو سوچنا تھا سوچ چکا۔ اُمید ہے تم مجھے روکنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

اس نے اباقہ کے لہجے پر غور کیا اور سر تاپا کانپ گیا۔ یہ وہی لہجہ تھا جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتا تھا اور لشکروں کے رُخ پھیر دیتا تھا۔ اس مخصوص لہجے نے اسد کو سمجھا دیا کہ اب وہی ہو گا جو اباقہ نے کہہ دیا ہے اور اب تمام دنیاوی طاقتیں مل کر بھی اس فیصلے کو بدل نہیں سکتیں۔ وہ بے دم سا ہو کر دری پر بیٹھ گیا اور ویران نظروں سے اباقہ کا چہرا تکنے لگا۔

..... اور یہ رخصت کا منظر تھا۔ دن کی مسافت ختم ہو گئی تھی۔ سرما کا تیز گام سورج مغرب کی جھیل میں غوطہ زن تھا۔ دور جنوب میں تبت کے سلسلہ ہائے کوہ کی برفیلی چوٹیاں سورج کی الوداعی کرنوں میں چمک رہی تھی۔ اباقہ علی کو کندھے پر اٹھائے جانے کو تیار ہو چکا تھا۔ شاید وہ جس طرح آیا تھا۔ ویسے ہی واپس جانا چاہتا تھا۔ اس کے جسم پر ایک لنگوٹ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ سواری کے لیے گھوڑا بھی نہیں تھا۔ وہ اس دنیائے رنگ و بو کی ہر شے یہیں چھوڑ کر جارہا تھا۔ اگر لے جارہا تھا تو علی کو۔ جو کچھ حیران سا اس کے کندھے پر بیٹھا اپنی ننگی ٹانگیں ہلاتا سوچ رہا تھا کہ وہ جنگل کیسا ہو گا جہاں اسے اب رہنا ہے۔ اس کی آنکھوں ..... میں سہانے منظر گھوم رہے تھے۔ ہرنوں کی قطاریں'

شہد کے چھتے' برفانی ریچھ' بھیڑیوں کے غول اور جنگلی پھلوں سے لدے ہوئے درخت۔ وہ اپنے ہم سفر کی دلی کیفیت سے قطعی بے خبر تھا۔

اباقہ نے الوداعی نگاہوں سے مارینا اور اسد کو دیکھا اسد نے آگے بڑھ کر اباقہ کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے اور بولا۔

"اباقہ! ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ موسم موسم تمہاری راہ دیکھیں گے۔ ہمیں یقین ہے تم لوٹ آؤ گے۔"

اباقہ نے کہا۔ "شاید!" پھر اباقہ اور علی نے الوداع کہا اور رُخ پھیر کر دھیرے دھیرے مدھم تاریکی میں گم ہو گئے۔ مارینا نڈھال ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

☆======☆======☆

اگلے روز اسد اور مارینا بھی پڑاؤ چھوڑ کر عراق کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہنے والی یادیں ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ ہر قدم پر ان کے دل کا بوجھ دوگنا ہو جاتا تھا۔ وہ چلتے رہے۔ ان کے گھوڑے کبھی پہلو بہ پہلو اور کبھی آگے پیچھے بھاگتے رہے مارینا پر گہری خاموشی طاری تھی۔ اس کی حسین آنکھیں کسی گہری سوچ میں غلطاں تھیں۔ اس وقت دوپہر ہو چکی تھی اور اسد کسی جگہ رکنے کا سوچ رہا تھا جب اچانک اسے احساس ہوا کہ مارینا رک گئی ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک رہی تھی۔ ایک عرصے بعد اسد نے اُسے آج روتے دیکھا تھا۔ وہ گھوڑا گھما کر اس کے پاس پہنچا۔ دونوں گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور مارینا اس کے بازو سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں کیا کروں اسد ..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

اسد نے ایک طویل سانس لی۔ بڑی محبت سے اس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اسے کندھے سے لگائے بولا۔

"میری بہن! وہ بہت دُکھی ہے۔ بالکل ٹوٹا ہوا ہے اسے سہارے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تنہا رہا تو بالکل بکھر جائے گا..... ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ اس بچے کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میری بہن! اب اسے تیری دانائی اور فراست ہی تباہی سے بچا سکتی ہے ..... تیری محبت اس کے ساتھ رہی تو ممکن ہے کسی روز وہ سچ مچ اس دنیا میں لوٹ آئے ..... ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ تُو چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

مارینا اسد کے کندھے سے لگی روتی رہی۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کا وقت تھا۔ دریائے کیرولان کے کنارے آہوؤں کے جنگل میں ایک جگہ اباقہ درختوں میں علی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ علی سویا ہوا تھا مگر نیند اباقہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یہ ایک ابر آلود رات تھی۔ بارش کی باریک پھوار گھنے درخت کے پتوں پر گر رہی تھی۔ ایک چھوٹا سا الاؤ علی کے بالکل قریب جل رہا تھا ورنہ اس سردی میں اسے نیند کہاں آتی۔

اباقہ کے چہرے پر دنیا جہاں کی محرومیاں تھیں۔ بیچارگی اور مایوسی اس کی آنکھوں میں نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بار بار بھیگ رہے تھے اور وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا ابھی اس کے سفر کا آغاز تھا۔ ابھی گھنے جنگلوں میں اسے بہت دور جانا تھا۔ بہت دور۔ وہ سوچتا رہا اور اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بازو کو اس جگہ سے سہلاتا رہا جہاں "ماں اور انتقام" کے قدیم الفاظ کندہ تھے۔ اس کے کٹھن سفر کا آغاز انہی الفاظ سے ہوا تھا۔ سردار یوغالی سے لے کر شہزادی نتاشا اور خاقان اوغدائی تک وہ تمام چہرے اس کی نگاہوں میں گھوم گئے جو اس راہ پُر خار میں اسے ملے تھے۔ ان چہروں کو سوچتا سوچتا بالآخر وہ سو گیا ..... نہ جانے وہ کتنی دیر تک سوتا رہا۔ رات کے تیسرے پہر' کوئی وقت تھا جب اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے ملائم بالوں والا کوئی جانور اس کے پاؤں میں رینگ رہا ہے۔ اباقہ اس جنگل سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ یہاں بے ضرر قسم کے چھوٹے جانوروں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی پاؤں میں کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے آہستگی سے سر اٹھایا اور پاؤں پر نگاہ ڈالی۔ دفعتاً اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں۔ وہ سکتے کے عالم میں دیکھتا چلا گیا۔ اس کے پاؤں میں ایک انسانی جسم تھا۔ ایک عورت تھی ..... اور یہ عورت اس کے لیے دنیا کی محبوب ترین عورت تھی ..... مارینا۔ وہ اس کے پاؤں پر جھکی ہوئی تھی۔ آگ کی روشنی اس کے خدوخال پر منعکس ہو رہی تھی۔ اس کا چاند سا چہرا اباقہ کے بھدے اور میلے پیروں سے چھو رہا تھا اور اس کی ریشمی زلفوں نے اباقہ کی پنڈلیوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ رو رہی تھی ..... تحیر اور سنسنی کی ایک لہر سر تا پیر اباقہ کے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور اس نے مارینا کو دونوں کندھوں سے تھام لیا اس کی گرفت لرز رہی تھی۔ وہ خوابناک آواز میں بولا۔

"مارینا ..... تم ..... یہاں؟"

مارینا نے آنسوؤں سے بھیگا ملیح چہرا اٹھایا اور چاندنی جیسی مہربان اور جھرنوں جیسی خوبصورت آواز میں بولی۔ "ہاں ..... میں۔"

اباقہ منہ کھولے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مارینا ..... یہاں ..... کس لئے آئی ہو؟"

مارینا پُر عزم لہجے میں بولی۔ "تمہارے ساتھ جانے کے لیے۔"

"کہاں؟"

"دنیا کے آخری کنارے تک۔"

یکایک اباقہ کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھلنے لگی عجیب بے قراری سے اس نے آگے بڑھ کر مارینا کو گلے سے لگا لیا۔ اس جذباتی کوشش میں اس کا پاؤں تھوڑا سا پھسلا اور وہ دونوں ڈھلوان پر لڑھک کر چند گز نشیب میں چلے گئے۔ ہلکی بارش نے یہاں معمولی پانی جمع کر رکھا تھا۔ وہ دونوں کیچڑ میں لت پت ہو گئے اور بارش کی پھوار جو اب براہ راست ان کے جسموں پر پڑ رہی تھی انہیں اور بھی شرابور کرنے لگی ..... لیکن وہ دونوں جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکے تھے۔ سردی' گرمی' بارش' کیچڑ' تاریکی' جنگل ان چیزوں کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رہ گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے میں کھو گئے تھے۔ اس وقت جہاں وہ تھے وہاں صرف محبت اوڑھنا اور محبت بچھونا تھی۔ ان کے کانوں میں صرف وصال کے نغمے گونج رہے تھے ..... لازوال محبت کے پر لگائے۔ عطر بیز ہواؤں پر اُڑتے وہ سہانے خوابوں کی منزل کی طرف اُٹھتے جا رہے تھے۔ اگر دنیا میں کہیں محبت تھی تو آج یہاں تھی۔ اگر دنیا میں کہیں سچی خوشی تھی تو آج یہاں تھی۔ اگر کوئی ویرانوں کا حسن دیکھنا چاہتا تھا تو آج ان درختوں تلے دیکھ سکتا تھا۔ اگر کوئی دنیا کی حسین ترین سرگوشیاں سننا چاہتا تھا تو اس تاریکی سے کان لگا کر سن سکتا تھا ..... اور اگر کسی کو خدائے رحیم و کریم کو دیکھنے کی تمنا تھی تو وہ اُسے ٹھیک اس گھڑی یہاں مل سکتا تھا۔ جنگل میں خوشبو کے ڈیرے تھے اور غیر مرئی نغموں کی گونج تھی۔

اور ..... قریباً یہی وہ وقت تھا جب اسد اللہ' مارینا کو اباقہ اور علی کے پاس چھوڑ کر گھوڑا بھگاتا ہوا واپس جا رہا تھا۔ دریائے کیرولان کے کنارے آخر شب کی خنک ہوا میں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جدائیوں کا گہرا غم تھا لیکن ایک اطمینان بھی تھا۔ وہ تصور میں اباقہ اور مارینا کے شادماں چہرے دیکھ رہا تھا ..... اب اس کی منزل سینکڑوں میل دور شرخ لیج کی بستی تھی۔ جہاں اس کی بیوی اور بچے رہتے تھے۔

دور کہیں دریا کے پاٹ پر کوئی کشتی رواں تھی۔ دیہاتی مچھیروں کی کوئی ٹولی پچھلی رات کی تیرگی میں شکار کی تلاش میں روانہ ہو رہی تھی۔ باد صبا کے رخ پر بادباں کھولے وہ مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُن کی خمار آلود آوازیں ایک قدیم گیت کی صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فضاؤں میں ابھر رہی تھیں۔ ترکی زبان کے اس گیت کا مطلب کچھ یوں تھا۔

ہم طوفانوں کے بیٹے ہیں۔
ہم نے گردابوں میں زندگی گزاری ہے۔
ہم نے جھکنا نہیں سیکھا' ہم نے رُکنا نہیں سیکھا۔
ہر طوفان نوح کے بعد ہم پھر زندہ ہوتے ہیں۔
ٹوٹی پتواروں کی جگہ نئی پتواریں بناتے ہیں
اور اُن ساتھیوں کا انتظار کرتے ہیں جو ہم سے بچھڑ گئے تھے۔
ہمیں یقین رہتا ہے کہ وہ ہم سے آملیں گے۔
اور جب وہ آملتے ہیں تو ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر
نئی منزلوں کی جانب رواں ہو جاتے ہیں۔
ہم طوفانوں کے بیٹے ہیں۔
ہم نے گردابوں میں زندگی گزاری ہے۔

☆===== تمت بالخیر =====☆